جدید فقہی مباحث

جدید تجارتی شکلیں

ترتیب

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہ

جلد۔۱۵

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

گلشن اقبال کراچی فون 34965877

Islamic Fiqh Academy (India) مجمع الفقہ الاسلامی (الهند)

اجازت نامہ سلسلہ مطبوعات اسلامی فقہ اکیڈمی

محترمی نعیم اشرف نور، فہیم اشرف نور سلمہم اللہ تعالیٰ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعائے عافیت دارین اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور دینی ودنیاوی ترقیات سے نوازیں، آمین۔
اسلامی فقہ اکیڈمی کی جملہ مطبوعات کی پاکستان میں اشاعت وطباعت وتقسیم کے لیے آپ کے ادارے ''ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ'' کو اجازت دی جاتی ہے، اور پاکستان میں یہ حق صرف آپ کے ادارے کو حاصل رہے گا۔ تمام پرسان احوال کو میرا سلام پہنچادیں۔

والسلام: مجاہد الاسلام قاسمی

صدر اسلامی فقہ اکیڈمی

باہتمام .... نعیم اشرف نور

ناشر .... ادارۃ القرآن گلشن اقبال

کراچی، فون: 021-34965877

اشاعت ۲۰۰۹ء

ڈسٹری بیوٹرز

☆مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی 021-34856701

مرکز القرآن اردو بازار کراچی 021-32624608

ملنے کے پتے

☆دار الاشاعت اردو بازار کراچی 021-32631861

☆ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انار کلی لاہور 042-37353255

☆بیت القرآن اردو بازار کراچی 021-32630744

☆بیت العلوم نابھہ روڈ پرانی انار کلی لاہور 042-37352483

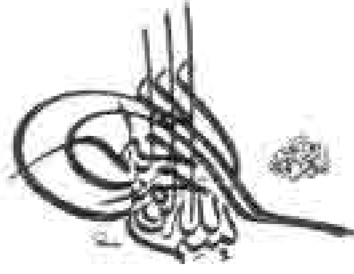
☆ادارۃ المعارف دار العلوم کورنگی 021-35032020

☆مکتبہ رحمانیہ لاہور 042-37334228

☆مکتبہ معارف القرآن دار العلوم 021-35031565-6

☆مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ 2668657

☆ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ H-8/1 اسلام آباد



چند تاثرات برائے اسلامی فقہ اکیڈمی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

''اسلامک فقہ اکیڈمی ہند'' ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں ...... بالخصوص علماء اور دینی غیرت وفکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری وفکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ وصحیح الفکر اور وسیع العلم علماء اور کارکن شامل ہیں''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی

صدر دار العلوم کراچی

''مجھے بے انتہا مسرت بھی ہے اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علماء کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے۔ اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہونے کے باوجود منظم اور بڑے پیمانہ پر یہ کام شروع نہیں کر سکے...... فقہ اکیڈمی نے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا''۔

چند تاثرات

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم سے میرا غائبانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے۔ لیکن میں ان کو ایک فقیہ ایک عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک مخفی جوہر، مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے۔ آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم و فضل کے پیکر حضرات سے ملاقات کر کے اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے اس اکیڈمی کو قائم کر کے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کے اس کارنامے کو قبول فرمائے اور اس کے اغراض ومقاصد کو اپنی رضا کے مطابق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر اس اکیڈمی کے اغراض ومقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس اکیڈمی کا قیام جناب نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔ وہ ارشاد معجم طبرانی میں ایک روایت ہے جسے علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ!

"اذا جاء نا امر ليس فيه امر و لانهي فما ذا تأمرنا فيه"

یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا سوال آ جائے، ایسا قضیہ سامنے آ جائے جس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو اس صورت حال میں آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں ایسے موقع پر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ حضرت نبی کریم سرور عالم نے ارشاد فرمایا:

"شاوروا الفقهاء العابدين ولا تمضوا فيه براى خاص"

کہ ایسے موقع پر فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس میں انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو، محض انفرادی فتویٰ کو، محض انفرادی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنے کی بجائے فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس مشورہ کے نتیجہ میں جس مقام پر پہنچو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سمجھو، یہ ہے وہ ارشاد جس کے ذریعہ نبی کریم سرور عالم ﷺ نے قیام قیامت تک پیدا ہونے والے تمام نت نئے مسائل کا حل ہمارے لئے تجویز فرمایا اور وہ یہ کہ آخری وقت میں جب کہ اجتہاد مطلق کا تصور تقریباً مفقود ہو گیا ہے اس دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ فقہاء عابدین کو جمع کیا ہے۔ مگر اس میں نبی کریم ﷺ نے دو صفتیں بیان فرمائی۔ ایک یہ کہ جن لوگوں کو جمع کیا جائے وہ تفقہ فی الدین رکھنے والے ہوں۔ دین کی صحیح سمجھ رکھنے والے ہوں۔ دین کے مزاج و مذاق کو اچھی طرح محفوظ کرنے والے ہوں، اور دوسری قید یہ لگا دی کہ وہ فقہا محض فلسفی قسم کے نہ ہوں، جو نظریاتی طور پر فقیہ ہوں، نظریاتی طور پر اسلام کے احکام کو جانتے ہوں، جو محض علم رکھتے ہوں، لیکن اس علم پر خود عمل پیرا نہ ہوں۔ اس علم کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہ ہوں، اور اس علم کو اپنی زندگی کا منتہائے مقصود نہ بنایا ہو، تو ایسے فقہاء سے مشورہ کرنے کا کوئی حاصل نہیں، اس لئے کہ دین، یہ محض ایک نظریہ اور فلسفہ نہیں کہ ایک شخص محض فلسفہ کے طور پر اس کو اپنا لے، اس کے حکم بیان کر دے اور پھر بھی اس کا ماہر کہلائے۔ بلکہ یہ ایک عمل ہے۔ ایک پیغام ہے، ایک دعوت ہے۔ جب تک اس پر عمل صحیح طور پر نہیں ہوگا، اس وقت تک دین کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی۔

جدید تجارتی شکلیں

فہرست مقالات




بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

تجارت، لین دین اور باہمی معاہدہ کی مختلف دور میں مختلف صورتیں رائج رہی ہیں، بہت سے عقود اور معاملات بنیادی طور پر قدیم زمانہ میں بھی رائج تھے اور عہد جدید میں ان کی ترقی یافتہ صورتیں رائج ہوگئیں ہیں، کہیں جو پہلے مطلق تھا اب مقید ہوگیا ہے اور کچھ جو پہلے مقید تھا اب مطلق ہوگیا ہے، آج کے دور میں زیادہ سے زیادہ فائدہ کی طلب مقصود ہوتی ہے، معاملات میں عدل وقسط کی رعایت کم سے کم یا معدوم ہے، اور غرر اور دھوکہ عام ہے، نہ ذہنوں میں خدا کا تصور ہے نہ آخرت کی جواب دہی کی فکر، اس لئے تجارت کے رائج طریقوں میں صرف مادی اور نقد نفع مطلوب رہ گیا ہے، ایسے نازک موقع پر ایک مسلمان کے لئے بہت سی دشواریاں کھڑی ہوجاتی ہیں، ظاہر ہے کہ وہ تجارت کی دنیا میں جلاوطن نہیں ہوسکتا اور نہ محرمات اور ظلم کا مرتکب ہوسکتا ہے، اس لئے وہ صحیح احکام شرعی کو جاننے کے لئے بے چین ہے۔

علماء وفقہاء اسلام نے عبادات میں اصل حرمت اور حظر کو قرار دیا ہے، اور معاملات میں حلت واباحت کو، یعنی معاملہ اور عقد کی ہر وہ صورت جائز ہوگی جو نصوص میں کتاب وسنت اور قواعد شرع سے متعارض نہ ہو، عام طور پر ہمارے فقہاء نے معاملات میں سہولت کو پیش نظر رکھا ہے، اور مسائل اجتہاد میں دفع حرج اور رفع ضرر کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے ایک امام مجتہد کے قول سے دوسرے امام مجتہد کے قول کی طرف رجوع کو جائز قرار دیا ہے۔

اس طرح کے تجارتی مسائل میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا خریدی ہوئی شی پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت کیا جاسکتا ہے یا نہیں اور اس کا منافع حاصل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ آج قبضہ کے عنوان سے بہت سارے مسائل پیدا ہورہے ہیں، مثلاً صرف کے وہ تمام عقود جن میں تقابض بدلین کا مجلس واحد میں ہونا ضروری ہے، کیا چیک، ڈرافٹ، کریڈٹ کارڈ یا دوسری سندات مالی کو قبضہ تصور کیا جائے گا یا نہیں؟ یا کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ ادائیگی کو فوری قبضہ تسلیم کیا جائے یا نہیں؟ بین الاقوامی تجارت میں جو آج زیادہ تر فون، فیکس اور ای میل کے ذریعہ انجام پارہے ہیں، کروڑہا کروڑ روپئے کے معاملات اور لین دین طے ہوجاتے ہیں جب کہ ہر دو فریق ہزارہا میل کی دوری پر ہے، اسی طرح ایک ملک کا تاجر دوسرے ملک میں LC (سند اعتماد) کھلوا کر کاروبار کرتا ہے، دوسرے ملک کا تاجر مال کا شپمنٹ (Shipment) کرتا ہے اور قبل اس کے کہ مال خریدار تک پہونچے خریدار محسوس کرتے ہوئے کہ بازار میں

تیزی آچکی ہے اگر میں ابھی اس مال کو فروخت کرڈالوں تو مجھے زیادہ نفع ملے گا، اس لئے وہ اس مال کو اپنے قبضہ میں آنے سے پہلے ہی جبکہ مال راستہ میں ہے فروخت کرڈالتا ہے، تجارت کی یہ صورتیں کئی سوالات کھڑا کرتی ہیں:

۱- اتحاد مجلس کی صورتیں: کیا ٹیلیفون، فیکس اور ای میل کی صورت میں بائع اور خریدار کی مجلس متحد قرار پائے گی اور وہ ایجاب وقبول جس میں اتحاد مجلس ضروری ہے اس صورت میں اس ضروری شرط کے پورا ہونے کی کیا صورت ہے؟

۲- اسی طرح دوسرا سوال یہ ہے کہ قبضہ کی حقیقت کیا ہے؟ اور اشیاء کی نوعیت کے مختلف ہونے کی وجہ سے کیا قبضہ کی نوعیت بھی مختلف ہوجائے گی، چیک یا ڈرافٹ پر قبضہ اصل نقد پر قبضہ تسلیم کیا جائے گا یا نہیں؟

۳- اس مسئلہ میں ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ اگر وہ شی جو خریدی گئی ہے درمیان میں ضائع ہوجائے تو اصل بائع پر اس کی ضمان ہوگی یا درمیان والے اس خریدار پر ضمان ہوگی جس نے اس کو تیسری پارٹی کے ہاتھ فروخت کیا ہے، یا اس تیسری پارٹی کو اس نقصان کو بھگتنا پڑے گا، پس بیع مالم یقبض کے ذیل میں ربح مالم یضمن کا سوال پیدا ہوجاتا ہے، یعنی ایسا تو نہیں کہ کوئی شخص ایسی چیز سے فائدہ اٹھا رہا ہے جس کے ضائع ہوجانے کی صورت میں اس کے خسارہ اور نقصان کو اسے نہ بھگتنا پڑے۔

مشہور قاعدہ فقہیہ ''الخراج بالضمان'' اور ''الغنم بالغرم'' کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کے ضائع ہوجانے کی صورت میں اس کے نقصان کا ذمہ دار نہیں تو اس سے حاصل ہونے والے فائدہ کا بھی وہ ذمہ دار نہیں۔

یہ اور اس طرح کے کئی وہ سوالات ہیں جن کا حل عہد حاضر کے بہت سے تجارتی مسائل، مشکلات اور دشواریوں کو حل کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

اسی لئے مجمع الفقہ الاسلامی الہند نے اس اصولی مسئلہ کو نویں فقہی سمینار میں موضوع بحث بنایا کہ بیع قبل القبض کا کیا حکم ہے، اور اس کے ذیل میں جو دیگر مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا کیا حل ہے؟

مجھے خوشی ہے کہ علماء نے اس پر بہت باریک بینی کے ساتھ اپنی بحثیں تیار کیں اور سنجیدہ مذاکرہ کے بعد تجاویز طے کیں جن کی حیثیت اصولی ہے، اور اس طرح کے تجارتی احکام ومسائل کو حل کرنے میں مفید ومعاون ہیں۔

آج جب ہم اس مباحث کے مجموعہ کو شائع کرنے جارہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے بہت زیادہ شکرگذاری کا جذبہ اپنے قلب میں محسوس کرتے ہیں کہ اس نے اس کی توفیق عطا فرمائی، جو لوگ علمی کام کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس طرح کی بحث علمی اور مباحثات ومذاکرے کی تصحیح وترتیب کتنا مشکل کام ہے۔ میں اکیڈمی میں کام کرنے والے اپنے رفقاء کے لئے دل سے دعا گو ہوں جنہوں نے بہت خاموشی اور سنجیدہ محنت کے ذریعہ اس اہم کام کو انجام دیا۔ جزاهم الله أحسن الجزاء، وتقبل الله منهم ومن العلماء الباحثين۔

قاضی مجاہدالاسلام قاسمی
سکریٹری جنرل

سوالنامہ :

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مختلف احادیث مروی ہیں، ان میں سے بعض مطلق ہیں، بعض مقید۔ احادیث وروایات کے اختلاف کی بنیاد پر بیع قبل القبض کے مختلف مسائل میں فقہاء مجتہدین میں اختلاف بھی ہوا جن کی تفصیل کتب فقہ اور شروح حدیث میں موجود ہے، لیکن جمہور فقہاء فی الجملہ بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے پر متفق ہیں، ادھر دور حاضر میں خرید وفروخت کی ایسی بہت سی شکلیں مروج ہیں جن کے بارے میں بیع قبل القبض کے دائرے میں شامل ہونے کا شبہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے بیع قبل القبض کی حقیقت، احکام اور اس سے وابستہ جدید مسائل ومعاملات کے بارے میں درج ذیل سوالات پیش خدمت ہیں:

۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض جائز ہے یا ناجائز؟ اور ناجائز ہے تو اس کا شمار بیع باطل میں ہے یا بیع فاسد میں یا بیع مکروہ میں؟

۲۔ اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت کیا ہے، کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین کردی ہے یا اسے لوگوں کے عرف وعادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق ہوگا یا دونوں میں قبضہ کی ایک ہی صورت ہوگی؟

۴۔ بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں یا نہیں، اگر معلول بالعلۃ ہیں تو علت نہی کیا ہے؟

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت عام ہے یا اس میں کچھ استثناءات اور تخصیصات بھی ہیں، اس بابت مختلف ائمہ کی آراء اور ان کے وجوہ ودلائل تحریر کئے جائیں۔

۶۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر (۲) کو روانہ کردیتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہوجائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے نہ خریدار نمبر (۲) پر، بلکہ یہ اسی شخص (خریدار نمبر (۱)) کا نقصان قرار پاتا ہے، اس صورت معاملہ میں اگر فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص

کا اس مال پر حسی قبضہ نہیں ہوا لیکن وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہنچنے سے پہلے اس کے ضمان میں رہا، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ''ربح مالم یضمن'' (ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) حاصل کیا، بلکہ اس نے مال مضمون پر نفع حاصل کیا ہے، سوال یہ ہے کہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ حسی نہ پائے جانے کی وجہ سے دوسرے شخص کے ہاتھ اس فروختگی کو ناجائز قرار دیا جائے گا یا ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جائے گا۔

۷۔ وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت میں شپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کر دیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے، کیا یہ صورت شرعاً جائز ہوگی؟



تلخیص مقالات

مفتی محمد فہیم اختر ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

کے موضوع پر موصول ہونے والے ۴۵ مقالات

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کے بارے میں رسول
احادیث مروی ہیں، بعض احادیث میں بعض مخصوص سامانوں کا نام لے کر قبضہ
گیا ہے، جب کہ دیگر احادیث میں یہ حکم ممانعت کسی سامان کی صراحت کے بغ
مجتہدین کے درمیان قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے مختلف مسائل میں اختلا
سوالات یہاں اٹھائے گئے تھے، مقالہ نگار حضرات علماء کرام نے ان پر تفصیل
متعدد نکات کے تعلق سے ان کی آراء میں کوئی اختلاف نہیں ہے، چند نکات کی
ان سوالات سے متعلق مقالہ نگار حضرات کے جوابات بالترتیب درج کئے جار

۱۔ بیع قبل القبض کی حیثیت :

تقریباً تمام حضرات نے کتب فقہ کی مختلف جزئیات کے حوالہ سے
اسے فاسد بتایا ہے، بعض حضرات کا رجحان جواز کی جانب بھی ہے، چنانچہ:

۱۔ جناب شمس پیرزادہ صاحب نے موجودہ کاروباری طریقوں میں
اندیشہ نہ ہونے کے برابر ہے اور بائع کی طرف سے ضمانت بھی ہے

۲۔ مولانا زبیر قاسمی صاحب کا خیال ہے کہ فساد کا حکم محض قضاءً ہے، لہ
صحت اور نفاذ ولزوم ہی کا فتویٰ دیانۃً دیا جانا چاہئے۔

۳۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا شکیل احمد سیتاپوری کی را
فقہ حنبلی کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت :

تمام مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ قرآن وسنت میں قبضہ کی کوئی
احادیث میں قبضہ کی مختلف کیفیات کا ذکر ہے، حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک روای

مفہوم میں داخل قبضہ حقیقی اور قبضہ حکمی کے وسیع دائرہ میں ہ
دور کے عرف ورواج اور ہر شئ کے حسب حال قبضہ کی نوعیت

۴۔ ممانعت کی علت :

تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں
ہیں، چند مقالات میں امام مالک کی صرف ایک روایت یہ نق
متعدد حضرات نے مسالک اربعہ میں اس مما
کا ذکر کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

☆ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس کی علت
جواب مذکور ہے "ألا تراهم يتبايعون

☆ حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی اسے ربا ہی قرار دیا
فقال ما فعلت فقال أبو هريرة ، أحل
بيع الطعام حتى يستوفى۔ (صحیح مسلم)

☆ مالکیہ کے نزدیک علت ممانعت ربا وسود ہے
گیا ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ)۔

☆ احناف کے نزدیک اس کی علت غرر ہے، فتح
اعتبار الهلاک۔

☆ شوافع اور حنابلہ نے بھی غرر کو ہی ممانعت کی
ابو اسحاق شیرازی رقمطراز ہیں:

ولأن ملكه عليه غير مستقر، لأن
حاجة فلم يجز۔

اور ابن قدامہ لکھتے ہیں:

ما يتوهم فيه غرر الانفساخ بهلا
من الضرر ، وما لا يتوهم فيه ذلك الغرر ، ان

☆ بعض حضرات نے ایک مزید علت "ربح ما
کا بھی ذکر کیا ہے۔

مولانا خورشید احمد اعظمی صاحب نے فتح ا
علت بتایا ہے، اور مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نے "

۵۔ممانعت عام یا مخصوص :

بیع قبل القبض کی ممانعت کے سلسلہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، ان کے الفاظ میں باہم فرق ہے اور اسی فرق کی بنیاد پر فقہاء کی آراء میں اختلاف ہوا ہے، چنانچہ بعض فقہاء کے نزدیک یہ ممانعت تمام اشیاء میں عام ہے، جبکہ دیگر فقہاء نے حکم ممانعت کو مختلف اشیاء کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔

فقہاء کی آراء ذکر کرنے سے پہلے بعض وہ احادیث بیان کی جارہی ہیں جن میں مختلف الفاظ میں قبضہ سے خرید وفروخت کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

إن رسول الله ﷺ نهى أن يبيع الرجل طعاما حتى يستوفيه (بخاری)۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ:

من اشترى طعاما بكيل أو وزن فلا يبعه حتى يقبضه (مسند احمد)۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے الفاظ ہیں:

من اشترى طعاما فلا يبعه حتى يكتاله (مسلم)

حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ:

قلت يا رسول الله، إني اشترى بيوعا فما يحل لي منها وما يحرم عليّ؟ قال: فإذا اشتريت فلا تبعه حتى تقبضه (مسند احمد)۔

اور حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ:

إن النبي ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (ابوداؤد)

انہیں صحابہ کرامؓ سے الفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ کچھ اور روایات بھی مروی ہیں، مذکورہ روایات میں کہیں قید کے ساتھ ممانعت اور کہیں علی الاطلاق ممانعت کے پیش نظر فقہاء مجتہدین کی آراء میں اختلاف ہوا ہے، فقہاء کی آراء ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

☆ حکم ممانعت عام ہے، کسی بھی سامان کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، یہ رائے حضرت امام شافعی، امام محمد بن حسن شیبانی اور امام زفر کی ہے۔

لا يجوز بيع المبيع قبل قبضه عقارا كان أو منقولا لا بإذن البائع ولا بغير إذنه لا قبل أداء الثمن ولا بعده (شرح المہذب)۔

ابن عقیل کی ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ان حضرات نے بنیادی طور پر حضرت حکیم بن حزام اور حضرت زید بن ثابت کی ان روایات کو پیش نظر رکھا ہے، جن میں مطلق خریدی ہوئی اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، مسلم نے حضرت عبداللہ بن

عباسؓ کی روایت میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے" وأحسب کل شئ مثلہ" یعنی میرا خیال ہے کہ دوسری اشیاء کا بھی یہی حکم ہے۔

☆ یہ ممانعت صرف اشیاء خورد ونوش کے ساتھ خاص ہے، دوسری اشیاء قبضہ سے پہلے فروخت کی جاسکتی ہیں، یہ رائے حضرت امام احمد بن حنبل کی ہے۔

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

نقل عن أحمد أن المطعوم لا يجوز بيعه قبل قبضه سواء كان مكيلا أو موزونا أو لم يكن (المغنی)۔

ان کا مستدل حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وہ روایات ہیں جن میں صراحت ہے کہ یہ ممانعت خوردنی اشیاء کی بابت تھی۔

☆ مالکیہ کے نزدیک یہ ممانعت صرف خوردنی اشیاء جو ناپ کر، تول کر، یا گن کر خریدی گئی ہوں، کے ساتھ مخصوص ہے، چنانچہ اگر خوردنی اشیاء بھی بلاتعیین مقدار، مجموعہ (جزافا) خریدی گئی ہوں تو ان کو بھی قبضہ سے پہلے فروخت کیا جاسکتا ہے۔

ابن قدامہ حنبلی امام مالک کا قول نقل کرتے ہیں:

فإنه قال: ما بيع من الطعام مكيلة أو موازنة لم يجز بيعه قبل قبضه، وما بيع مجازفة أو بيع من غير الطعام مكايلة أو موازنة جاز بيعه قبل قبضه (المغنی)۔

مالکیہ کے پیش نظر وہی روایات ہیں جن میں ممانعت صرف طعام کے ساتھ مخصوص بیان ہوئی ہے، ناپ تول کر خریدی ہوئی اشیاء ہی میں ممانعت مخصوص کرنے کی دلیل غالباً مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر کی وہ روایت ہے، جس میں ناپ تول کر خریدی ہوئی اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، مالکیہ کے نزدیک بلا کیل و وزن خرید وفروخت کی صورت میں نفس عقد ہی سے مبیع خریدار کے ضمان میں آجاتی ہے اور تصرف کرنا جائز ہوجاتا ہے۔

صالح عبدالسمیع الابی لکھتے ہیں:

بخلاف الجزاف وهو بيع الشئ بلا كيل ولا وزن ولا عدد، فإن بيعه قبل قبضه جائز على المشهور لأنه ملكه بالعقد ولذا لو تلف قبل قبضه كان ضمانه من المشتري (الثمر الدانی)۔

☆ احناف کے نزدیک حکم ممانعت صرف اشیاء منقول کے ساتھ مخصوص ہے، جو اشیاء منتقل نہیں کی جاسکتی ہیں، جیسے زمین ومکان وغیرہ، ان کی فروختگی قبضہ سے پہلے جائز ہے، یہ رائے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی ہے۔

احناف کے پیش نظر گرچہ وہی روایات ہیں جن میں حکم ممانعت عام ہے، لیکن انہوں نے روایات کے الفاظ کے بجائے مقصد پر نگاہ رکھی ہے کہ اصل مقصد غرر سے بچانا ہے، اموال غیر منقولہ میں یہ اندیشہ نہیں کہ حوالگی سے پہلے وہ چیز ضائع ہوجائے، یہی وجہ ہے کہ اگر اموال غیر منقولہ میں بھی یہ اندیشہ پیدا ہوجائے، مثلاً زمین ومکان دریا کے کنارے واقع ہوں اور سیلاب کی زد میں آجانے کا خطرہ ہو، یا صحرائی علاقہ میں ریت میں ڈھک جانے کا اندیشہ ہو تو

ایسی صورت میں مکان وزمین کو بھی قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں ہے۔

قبضہ سے پہلے زمین کی فروختگی کا جواز حضرت عثمانؓ سے عملاً ثابت بھی ہے۔

پس قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے مسئلہ میں سب سے زیادہ تنگی حضرات شوافع کے یہاں ہے اور اس کے برعکس سب سے زیادہ وسعت مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک ہے، احناف نے علت کی بنا پر نص میں تخصیص کا راستہ اختیار کرتے ہوئے غیر منقولہ میں جواز اور منقولہ اشیاء میں عدم جواز کی رائے اپنائی ہے۔

☆ ابن حزم کے نزدیک یہ ممانعت صرف گندم کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ طعام سے مراد ان کے نزدیک صرف گندم ہی ہے۔

☆ عثمان البتی سے مطلقاً جواز کی رائے منقول ہے، ابن حزم نے عطا کی بھی یہی رائے نقل کی ہے، لیکن یہ ایک قول شاذ وغیر معتبر ہے۔

هذا قول مردود بالسنة والحجة المجمعة على الطعام (تکملہ فتح الملہم)۔

٦۔ فیکٹری سے خریداری کے بعد قبضہ سے پہلے فروختگی:

فیکٹری سے مال کی خریداری کے بعد اسے قبضہ میں لئے بغیر دوسرے کے ہاتھ فروخت کرکے فیکٹری ہی سے اپنی ضمانت پر مال ترسیل کرائی جائے تو مال پر قبضہ حسی نہ پائے جانے کی وجہ سے اس فروختگی کو ناجائز قرار دیا جائے گا، یا ضمانت کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھتے ہوئے حکم جواز دیا جائے گا، اس بابت شرکائے گرامی کی آراء میں اختلاف ہے۔

بیشتر حضرات علماء کرام نے اس صورت معاملہ کو جائز قرار دیا ہے، مجوزین حضرات میں سے اکثریت کی رائے میں خریدار اول کے ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام، بائع کو خریدار کا وکیل قرار دیتے ہوئے بائع کے تصرف کو خریدار کے لئے قبضہ حکمی اور ضمان کو قبضہ حکمی مان کر اس صورت معاملہ میں جواز کا فتویٰ دیا جائے گا، یہ استدلال درج ذیل حضرات کا ہے:

۱۔ جناب مولانا زبیر احمد قاسمی	۲۔ جناب مولانا اشتیاق احمد اعظمی
۳۔ جناب مفتی انور علی	۴۔ جناب مولانا محبوب علی وجیہی
۵۔ جناب مولانا شاہین جمالی	۶۔ جناب مولانا تنویر عالم قاسمی
۷۔ جناب مفتی شکیل احمد سیتاپوری	۸۔ جناب مولانا سمیع اللہ قاسمی
۹۔ جناب مولانا منظور عالم قاسمی	۱۰۔ جناب مولانا اختر امام عادل
۱۱۔ جناب مولانا احمد دیولوی	۱۲۔ جناب مولانا شمشاد احمد نادر
۱۳۔ جناب مولانا ایوب سہیلی	۱۴۔ جناب مولانا شاہد قاسمی
۱۵۔ جناب مولانا قمر الزماں ندوی	۱۶۔ جناب مولانا نور عالم قاسمی
۱۷۔ جناب مولانا مسعود احمد	۱۸۔ جناب مولانا خورشید احمد اعظمی

١٩۔ جناب مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی
٢٠ جناب مولانا ابوالحسن علی
٢١۔ جناب مولانا ابوبکر قاسمی
٢٢۔ جناب مولانا سلطان احمد اصلاحی
٢٣۔ جناب مولانا ظفر عالم ندوی
٢٤۔ جناب مولانا شمس پیرزادہ
٢٥۔ جناب مولانا عبدالعظیم اصلاحی
٢٦۔ جناب مولانا ظفر الاسلام اعظمی
٢٧۔ جناب مولانا جمیل احمد نذیری
٢٨۔ جناب مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی
٢٩۔ جناب مولانا ارشاد قاسمی
٣٠۔ جناب مولانا ارشد قاسمی
٣١۔ جناب مولانا قمر عالم
٣٢۔ جناب مولانا ابرار احمد خاں ندوی
٣٣۔ جناب مولانا شہزاد اکرام

☆ درج ذیل حضرات نے اس مسئلہ میں مسلک مالکی کو اختیار کرتے ہوئے فتویٰ جواز دینے کی رائے دی ہے:

١۔ جناب مولانا عبدالجلیل قاسمی
٢۔ جناب مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی
٣۔ جناب مولانا اقبال احمد قاسمی
٤۔ جناب مولانا عزیز اختر قاسمی
٥۔ جناب مولانا عبدالرشید
٦۔ جناب مولانا طاہر مظاہری

☆ درج ذیل علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ اگر فیکٹری میں خریدار کا مال علاحدہ کردیا جائے یا اس پر نشان وغیرہ لگا کر کسی طرح ممیز کردیا جائے تاکہ تخلیہ کی کوئی صورت پائی جاسکے تو یہ صورت معاملہ درست ہوجائے گی:

١۔ جناب مولانا نسیم احمد قاسمی
٢۔ جناب مولانا عبیداللہ اسعدی
٣۔ جناب مولانا ابوجندل قاسمی

☆ مولانا نعیم اختر قاسمی کی رائے میں رسید پر قبضہ کے بعد فروختگی درست ہے۔

☆ دوسری رائے عدم جواز کی ہے، اس رائے کے قائلین کا استدلال ہے کہ ضمان کا وجود قبضہ پر موقوف ہوتا ہے، اس لئے قبضہ سے پہلے ضمان درست نہیں، نیز نقصان کا ضامن ہوجانا قبضہ کے تحقق کے لئے کافی نہیں ہے، لہذا چونکہ قبضہ حسی موجود نہیں، یہ صورت معاملہ ناجائز ہوگی۔

١۔ جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
٢۔ جناب مولانا رضوان القاسمی
٣۔ جناب مولانا عبداللطیف پالنپوری
٤۔ جناب مولانا ابراہیم بن محمد
٥۔ جناب مولانا ابوسفیان مفتاحی
٦۔ جناب مولانا عبدالقیوم پالنپوری
٧۔ جناب مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری
٨۔ جناب مولانا عبدالرحیم
٩۔ جناب مولانا محمد زید ندوی
١٠۔ جناب مولانا حنیف ملی

☆ مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کی رائے میں قبضہ سے پہلے فروختگی کی ممانعت کی وجہ صرف ''ربح مالم یضمن'' نہیں بلکہ انفساخ عقد کا احتمال، غرر، ملک غیر کی بیع بغیر اجازت مالک، سبھی ہیں، لہذا ایک وجہ کے ارتفاع سے

حکم ممانعت ختم نہیں ہوگا۔

۷۔ایک سامان پر قبضہ سے پہلے متعدد خرید وفروخت:

بین الاقوامی تجارت میں جہاز پر مال چڑھانے کے بعد فروخت کنندہ کی ذمہ داری ختم ہو کر خریدار کی ضمانت میں مال آجاتا ہے، اور مال جہاز پر سمندر میں ہوتے ہوئے پہلا خریدار دوسرے شخص کے ہاتھ اسے فروخت کر کے اپنی ضمانت سے فارغ ہو جاتا ہے، اس صورت مسئلہ کی بابت بھی مقالہ نگار علماء کرام کی آراء میں اختلاف ہوا ہے، کچھ حضرات نے جواز کی رائے دی ہے جبکہ بیشتر حضرات نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے پہلی خریداری اور دوسری خریداری کے احکام میں فرق بھی کیا ہے، یہ مختلف نقطہائے نظر اور ان کے مستدلات درج ذیل ہیں:

☆ عدم جواز کی رائے اپنانے والے علمائے کرام کے نزدیک یہ صورت مسئلہ قبضہ سے پہلے فروختگی اور فروخت کنندہ کی جانب سے عدم ضمان کی وجہ سے ناجائز ہے۔

۱۔ جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۔ جناب مولانا اختر امام عادل
۳۔ جناب مولانا ابوالحسن	۴۔ جناب مولانا خورشید احمد اعظمی
۵۔ جناب مولانا برہان الدین سنبھلی	۶۔ جناب مولانا رضوان القاسمی
۷۔ جناب مولانا ابوسفیان مفتاحی	۸۔ جناب مولانا ابوجندل قاسمی
۹۔ جناب مولانا عبدالقیوم پالنپوری	۱۰۔ جناب مولانا مجیب الغفار اسعد
۱۱۔ جناب مولانا احمد دیولوی	۱۲۔ جناب مولانا عبداللطیف
۱۳۔ جناب مولانا ابراہیم بن محمد	۱۴۔ جناب مولانا جمیل احمد نذیری
۱۵۔ جناب مولانا عبدالرشید	۱۶۔ جناب مولانا ثناءالہدیٰ قاسمی
۱۷۔ جناب مولانا شمشاد احمد	۱۸۔ جناب مولانا ارشد قاسمی
۱۹۔ جناب مولانا قمر عالم	۲۰۔ جناب مولانا قمر الزماں ندوی
۲۱۔ جناب مولانا ابرار خاں ندوی	۲۲۔ جناب مولانا شہزاد اکرم
۲۳۔ جناب مولانا ظفر عالم ندوی	۲۴۔ جناب مولانا سعود احمد
۲۵۔ جناب مولانا ارشد قاسمی	۲۶۔ جناب مولانا عبدالرحیم

☆ دوسری رائے جواز کی ہے، اس رائے کے قائلین میں سے درج ذیل حضرات کے نزدیک خریدار اول، اسی طرح دوسرے خریدار کا قبضہ حکمی بھی پایا جارہا ہے، اور ساتھ میں ضمان بھی، اس لئے یہ صورت درست ہے۔

۱۔ جناب مولانا شمس پیرزادہ	۲۔ جناب مولانا عبیداللہ اسعدی
۳۔ جناب مولانا سلطان احمد اصلاحی	۴۔ جناب مولانا محبوب علی وجیہی
۵۔ جناب مولانا سمیع اللہ قاسمی	۶۔ جناب مولانا نور قاسمی

۷۔ جناب مولانا نعیم رشیدی قاسمی　　۸۔ جناب مولانا ظفر الاسلام

۹۔ جناب مولانا شکیل احمد سیتاپوری

☆ مندرجہ ذیل حضرات کے نزدیک جہاز کا عملہ خریدار کے اجیر کی حیثیت رکھتا ہے، لہذا اجیر کا قبضہ مستاجر کا قبضہ ہوگا، اسی طرح جب دوسری خریداری عمل میں آتی ہے تو عملہ دوسرے خریدار کا اجیر ہو جاتا ہے اور قبضہ حکمی دوسرے خریدار کو حاصل ہو جاتا ہے، اس بنیاد پر یہ صورت مسئلہ درست ہے۔

۱۔ جناب مولانا نسیم احمد قاسمی　　۲۔ جناب مولانا عبد الجلیل قاسمی

۳۔ جناب مولانا عزیز اختر　　۴۔ جناب مولانا ابوبکر قاسمی

۵۔ جناب مولانا ایوب سبیلی

☆ درج ذیل حضرات نے موجودہ حالت میں مسلک مالکی پر عمل کرتے ہوئے فتوی جواز دیئے جانے کی رائے دی ہے:

۱۔ جناب مولانا محمد زید صاحب　　۲۔ جناب مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی

۳۔ جناب مولانا اقبال قاسمی　　۴۔ جناب مولانا شاہد قاسمی

۵۔ جناب مولانا مجاہد الاسلام

☆ ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی صاحب اور مولانا نعیم اختر قاسمی نے بالترتیب دستاویز اور رسید پر قبضہ کے بعد اس صورت کو بکراہت جائز اور درست بتایا ہے۔

☆ تیسری رائے ان علمائے کرام کی ہے جنہوں نے اس صورت مسئلہ میں پہلی خریداری کو تو درست قرار دیا ہے کہ جہاز پر مال چڑھانے سے خریدار اول کا قبضہ حکمی پایا گیا اور مال اس کی ضمانت میں بھی آ گیا، لیکن اب جبکہ مال سمندر میں ہے خریدار اول اس مال کی حوالگی پر قادر نہیں ہے، نیز دوسرے خریدار تک مال کی وصولی تک وہ مال کی ضمانت بھی نہیں لے رہا ہے، اس لئے مال کی وصولیابی سے پہلے خریدار اول کے لئے اس کی فروختگی جائز نہیں ہوگی۔

۱۔ جناب مولانا اشتیاق احمد قاسمی　　۲۔ جناب مولانا انور علی

۳۔ جناب مولانا شاہین جمالی　　۴۔ جناب مولانا حنیف ملی

☆ درج ذیل تین علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ چونکہ خریدار اول کا مال پر قبضہ حکمی پایا گیا، لہذا وہ دوسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت تو کرسکتا ہے، لیکن وصولی سے پہلے اگر مال ضائع ہو جائے تو اس کا ضمان خریدار اول ہی پر ہوگا، خریدار ثانی کا اس مال پر نہ تو قبضہ پایا گیا ہے اور نہ ہی خریدار اول کی جانب سے حمل ونقل یا تخلیہ وغیرہ کوئی عمل صادر ہوا ہے، لہذا اگر چہ زبانی معاہدہ بھی ہو جائے اس مال کو خریدار ثانی کے ضمان میں داخل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۱۔ جناب مولانا زبیر احمد قاسمی　　۲۔ جناب مولانا تنویر عالم قاسمی

۳۔ جناب مولانا منظور احمد قاسمی

☆☆☆☆☆

مقالات

بابت جدید تجارتی شکلیں

قبضہ سے پہلے بیع کی شرعی حیثیت

مولانا برہان الدین سنبھلی

۱۔ یہ شکل ناجائز ہے اور یہ بیع فاسد ہوگی (جیسا کہ بدائع وغیرہ کی عبارتوں سے مستفاد ہوتا ہے، عبارتیں آگے آرہی ہیں)۔

۲۔ 'قبضہ' کے بارے میں کتب فقہ کے اندر جو تعریفیں اور شکلیں ملتی ہیں ان سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ قبضہ کا مدار 'عرف' پر ہے، جس چیز کے قبضہ کا جو عرف ہے اس چیز کیلئے شرعاً بھی وہی عمل 'قبضہ' کہلائے گا، چنانچہ بدائع الصنائع (۱۴۸/۵) کی عبارت "معنى القبض هو التمكين و التخلي و ارتفاع الموانع عرفاً و عادةً حقيقةً" سے یہی مستفاد ہوتا ہے، نیز درمختار اور اس کی شرح ردالمحتار (۴۲/۴، ۱۲۳، ۱۶۳) کے مطالعہ سے 'قبضہ' کی بہت سی صورتیں سامنے آتی ہیں، اسی طرح باب "بيع الفاسد"، "حبس المبيع لقبض الثمن" کے مطالعہ سے بھی، اسی میں ایک عبارت یہ ہے: هل التخلية قبض ؟ صح في الخانية أنها قبض وطحن البائع الحنطة بأمر المشتري قبض ..... لو أمر البائع بذبح الشاة (المشتراة فذبحها) فيصير المشتري قابضا اقتضاء (شامی ۱۲۶/۴)۔

قبضہ کی ایک شکل کا ذکر سوال (۷) کے ذیل میں آرہا ہے۔

۳۔ اس سوال کا جواب مذکورہ بالا سوال (۲) کے جواب سے نکل آتا ہے۔

۴۔ بیع قبل القبض کی ممانعت کی کئی وجہیں شراح حدیث وفقہاء کے کلام سے معلوم ہوتی ہیں،: (۱) غرر (۲) انفساخِ عقد کا احتمال (۳) ملکِ غیر کی بیع، بغیر اجازت مالک۔

اس پر حسب ذیل کتب کی یہ عبارتیں دال ہیں:

أن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك (غرر انفساخ العقد الأول على تقدير هلاك المبيع في يد البائع) ..... والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد و الحديث معلول به (اى معلول بغرر انفساخ العقد فيما قبل القبض بهلاك المعقود عليه) ... اشتماله على ربح مالم يضمن ..... و الربح على ما لم يضمن منهي عنه شرعاً (ہدایہ ثالث مع حاشیہ ۵۸-۵۹)۔

والنهي يوجب فساد المنهي عنه و لأنه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاک المعقود عليه لأنه إذا هلک المعقود عليه قبل القبض يبطل الأول فينفسخ الثاني (بدائع ۵/۱۸۰)۔

بنایہ شرح ہدایہ للعینی میں ہے:" على اعتبار الهلاک " هلاک المبيع قبل القبض فتبين أنه باع ملک الغير بغير إذنه و ذلک مفسد العقد (۴/۱۳۷)۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت اکثر فقہاء کے نزدیک عام ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک غیر منقول اشیاء (جائداد، زمین) اس سے مستثنیٰ ہیں، اور امام مالک کے نزدیک صرف غلہ کی بیع قبل القبض ممنوع ہے، بقیہ کی جائز ہے، اور امام احمد کے یہاں تمام مکیل، موزون اور معدود چیزوں کا یہی حکم ہے۔

جیسا کہ حسب ذیل کتب میں ہے:

ہدایہ: يجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة و أبي يوسف و قال محمد لا يجوز (۳/۵۸)۔

علامہ عینی نے اس پر اضافہ کیا ہے: و به قال الشافعي و زفر و أحمد و أبو حنيفة أولاً (البنایہ ۳/۱۳۷)۔

فتح القدير : قال مالک يجوز جميع التصرفات من بيع و غيره قبل القبض إلا في طعام (۵/۲۶۴)۔

وقال أحمد و إن كان المبيع مكيلا أو موزونا أومعدودا لم يجز بيعه قبل القبض وفي غيره يجوز (عینی شرح ہدایہ ۳/۱۳۷ طبع نولکشور لکھنؤ)۔

مذکورہ بالا کتب میں ان اقوال کے دلائل بھی مذکور ہیں، تطویل سے بچنے کیلئے یہاں ذکر نہیں کئے جارہے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ممانعت (بیع قبل القبض) کی وجہ، حدیث رسولؐ ہے، چونکہ بعض روایات میں صرف طعام کا ذکر ہے اس لئے امام مالک ممانعت کو اسی کے ساتھ مختص کرتے ہیں، لیکن دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ اکثر روایات حدیث میں (بالخصوص حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں، اور ان کا فتویٰ بھی یہی ہے) "بیع مالم یقبض" عام آیا ہے، اسلئے ممانعت عام ہے، جو ائمہ عقار کا استثناء کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "قبل القبض" بیع کی ممانعت کا سبب مبیع کے ہلاک ہوجانے کا خطرہ ہے، جس سے بیع اول ہی فسخ ہوجائے گی (اور نتیجۃً بیع ثانی بھی) لیکن عقار میں یہ خطرہ نادر ہے۔

جنھوں نے اس ممانعت کو مکیل، موزون اور معدود کے ساتھ مخصوص رکھا ہے انہوں نے، طعام، والی روایت پر قیاس کیا ہے۔

۶۔ دوسرے شخص کے ہاتھ بیع کو ناجائز قرار دیا جائے گا، کیونکہ بیع قبل القبض کی ممانعت کی وجہ تنہا "ربح مالم یضمن" نہیں ہے (تفصیل اوپر گذر چکی ہے) بلکہ اس کی کئی وجوہ ہیں، مشہور قاعدہ ہے کہ "کئی وجوہ میں سے صرف

ایک وجہ کے مرتفع ہو جانے سے حکم مرتفع نہیں ہوتا'' (جب تک تمام وجوہ مرتفع نہ ہوں حکم برقرار رہتا ہے) بلکہ 'ہلاک مبیع' سے تو اس احتمال کا وقوع ہو گیا جس کی وجہ سے یہ عقد (بیع ثانی) ممنوع کیا گیا تھا، مقام غور ہے کہ جس وجہ کا احتمال موجب فساد تھا تو اس کا وقوع موجب فساد کیوں نہ ہو گا؟

ہاں! درمختار اور اس کی شرح ردمحتار کی ایک عبارت ''**منه (من القبض) مالو اشترى (هنا و دفع قارورة يزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشترى فهو قبض و كذا بغيبته فى الأصح و كذا كل موزون إذا دفع له الوعاء فكاله أو وزنه فيها بأمره**'' (۴۲/۴) سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر وہ جہاز جس پر سامان لادا گیا ہے (بعد میں سامان ہلاک ہو گیا) مشتری نے اسے مہیا کیا تھا تو اس صورت میں 'مبیع' پر مشتری کا قبضہ ہو گیا، لہذا اس کا بیع ثانی کرنا شرعاً درست ہوا، لیکن چونکہ بائع ثانی کے قبضہ (یعنی مشتری اول کے قبضہ) میں ہی وہ سامان ہلاک ہو گیا، لہذا اس کا ذمہ دار مشتری اول ہی ہوا، مشتری ثانی یا فیکٹری ذمہ دار نہ ہو گی۔

۷۔ تیسرے شخص کے ہاتھ بیع (تیسری بیع) تو بلاشبہ۔ اور غالباً بلا اختلاف۔ ناجائز ہو گی، بلکہ منعقد ہی نہ ہو گی، دوسری بیع یا دوسرے شخص کے ہاتھ بیع (قبل القبض) کا حکم تو اوپر بالتفصیل مذکور ہی ہو چکا ہے کہ ناجائز ہے، باوجود اس کے اگر بیع کی تو یہ بیع فاسد ہو گی جس کے دلائل اوپر گذر چکے ہیں، مزید ایک عبارت ردالمحتار کی پیش کی جاتی ہے، جس سے اس بیع کا فاسد ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے: **ولو اشترى ثوبا أو حنطة فقال للبائع بعه قال الإمام الفضلى إن كان قبل القبض والرؤية كان فسخا وإن لم يقل البائع نعم ... وإن قال بعه لى اى كن وكيلا فى الفسخ فما لم يقبل البائع لا يكون فسخا** (۴۲/۴)۔



قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا نازیر احمد قاسمی

عنوان بالا کے تحت سوالوں کے جوابات علی الترتیب حسب ذیل ہیں:

۱۔ کسی مبیع پر قبضہ کئے بغیر اس میں ہبہ، صدقہ، اجارہ اور بیع وغیرہ جیسا کوئی بھی تملیکی تصرف کرنا شرعاً ناجائز ہے، گو یہ عاقد ثانی جو مشتری اول ہے سابق شراء صحیح کے سبب اس مبیع کا مالک ہو چکا ہے، مگر قبل القبض اس کیلئے وہ مبیع غیر مقدور التسلیم ہے، اسلئے اس کا یہ دوسرا تصرف بیع وغیرہ تصرف فاسد کہلائے گا "لفوات شرط من شرائط الصحة". باطل نہیں ہوگا، لوجود شرائط انعقاد العقد من الأهلية والمحلية.

۲۔ لا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين و التخلي وارتفاع الموانع عرفا و عادة وحقيقة (بدائع ۵/۱۴۸، پاکستان) وقوله (بلا مانع) بأن يكون مفرزاً غير مشغول بحق غيره، و في الملتقط ولو باع دارا وسلمها إلى المشترى وله فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليما حتى يسلمها فارغة وكذا لو باع أرضا و فيها زرع (شامی ۴/۴۳، بیروت)۔

مذکورہ بالا فقہی نصوص سے واضح ہے کہ قبضہ کے تحقق کیلئے ہاتھ میں لینا کوئی ضروری شرط نہیں صرف مبیع و مشتری کے درمیان تخلیہ اور تمام موانع کو اسطرح اٹھا دینا کافی ہے جس کے بعد ہاتھ میں لینے سے کوئی چیز، یا کوئی شخص اسے روک نہ سکے، اگر بلا ہاتھ میں لئے کسی خاص قسم کے استیلاء اور عمل و دخل اور عہد و معاہدہ کے سبب وہ شئی مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے، چنانچہ ہلاکت مبیع کے بعد بوجہ معاہدہ اس کا ضمان مشتری پر لازم آتا ہے، اور عرفاً، عادۃً اس طرح کے داخل فی الضمان ہونے کو قبضہ سمجھا جاتا ہے تو " الثابت بالعرف كالثابت بالنص " کے مدنظر اسے شرعاً قبضہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اشیاء مبیعہ، خواہ منقولہ ہوں، یا غیر منقولہ دونوں میں اس طرح کا تخلیہ کہ وہ حق غیر میں مشغول بھی نہیں ہوں اور بلا تکلف بلا کسی کی مدد و تعاون کے اس پر قبضہ بالبراجم ممکن ہو جائے تو بس شرعاً قبضہ کا تحقق ہو جائے گا۔

لو باع دارا و سلمها إلى المشترى وفيها متاع لا يكون تسليما حتى يسلمها فارغة و كذا لو باع أرضا وفيها زرع (شامی ۴/۴۳) ولو اشترى طيرا وفرساً في بيت و أمره البائع بقبضه ففتح الباب فذهب إن أمكنه أخذه بلاعون كان قبضا، و تمامه في البحر و حاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة (ایضاً)۔

۴۔ بیع قبل القبض کی نہی، سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور وہ علت غرر وخطر ہے، کیونکہ اگر مبیع ہلاک ہوگئی تو پہلا ہی عقد بیع فسخ ہو جائے گا اور نتیجتاً اس پر مبنی دوسرا عقد بھی فسخ ہوگا، اس طرح قبل القبض بیع ثانی جب ہوگی تو مشتری ثانی کیلئے غرر بھی ہوگا اور اس کی ملکیت متردد بین القرار والزوال بھی ہوگی۔

علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: فلا یصح بیعه قبل القبض قد نهی رسول الله ﷺ عن بیع ما لم یقبض .... لأنه بیع فیه غرر الانفساخ بهلاک المعقود علیه و قد نهی عنه الخ (بدائع ۵/۱۸۰)۔

۵۔ یہ تو ظاہر ہیکہ کسی چیز پر کسی شخص کی ملکیت کا ثبوت مختلف عقود وتصرفات اور متعدد اسباب کے نتیجے میں ہوا کرتا ہے، مثلاً بیع، شراء، ہدیہ، صدقہ، قرض، نکاح، خلع، وصیت وراثت وغیرہ، یہ سارے ہی کے سارے اسباب ملک ہیں، اب اگر سوال کا اصل مقصد صرف اتنا ہے کہ محض عقد بیع وشراء کے ذریعہ جو چیز کسی کی ملکیت میں داخل ہوتی ہے، اس کی بیع قبل القبض، یا اس میں دیگر تملیکی تصرف بھی، مثلاً ہدیہ، ہبہ قرض، رہن وغیرہ جو شرعاً قبل القبض ممنوع ہیں تو یہ ممانعت عام ہے، یا اس میں استثناءات وتخصیصات بھی ہیں؟ تو اس کا جواب بڑا مختصر ہوسکتا ہے کہ یہ ممانعت خاص ہے اشیاء منقولہ کے ساتھ عند الشیخین، باقی غیر منقولہ میں یہ سارے تصرفات قبل القبض بھی جائز ہیں اور ممانعت سے مستثنیٰ ہیں، لعدم امکان الغرر۔

لیکن امام محمد، زفر اور امام شافعی علیہم الرحمۃ اس ممانعت کو عام ہی رکھتے ہیں، چونکہ احادیث نہی میں ''مالم یقبض،، مطلق وعام ہے، اس مسئلے سے متعلق فریقین کے تفصیلی دلائل اور جوابات کیلئے دیکھا جائے (بدائع ۵/۱۸۱) اور دیگر کتب متداولہ۔

پھر حضرات شیخین تو صرف معقود علیہ کے منقول وغیر منقول ہونے پر نظر رکھتے ہوئے حکم ممانعت میں تخصیص پیدا کرتے ہیں، جب کہ امام محمد علیہ الرحمہ تصرف ثانی کی نوعیت پر بعض وقت نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ معقود علیہ، خواہ منقول ہو، یا غیر منقول اگر قبل القبض ایسے تصرفات کئے جائیں جو ''لاتتم بدون القبض'' کے قبیل سے ہوں، مثلاً ہبہ، صدقہ، قرض، رہن وغیرہ تو پھر یہ سارے تصرفات تملیکی جائز ہوں گے اور یہ حکم ممانعت سے مستثنیٰ ہی ہوں، تفصیلات کیلئے دیکھا جائے (شامی ۴/۱۶۲۔۱۶۳)۔

لیکن اگر سوال کا مقصد اس سے وسیع تر ہے تو ظاہر ہے کہ پھر مستثنیات کی حدیں اور تعداد اس سے زائد بھی ہوسکتی ہے، کیونکہ تصرفات قبل القبض کی ممانعت اور اس کے اندر استثناء وتخصیص میں کبھی اسباب ملک کے تنوع و اختلاف کو دخل ہوتا ہے، تو کبھی خود تصرف کی نوعیت کو اور کبھی عوض ومعقود علیہ کی نوعیت کو، کما فی المنقول وغیر المنقول جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف) مثلاً اسباب ملک میں سے بعض عقد معاوضہ ہلاکت عوض کے وقت قابل فسخ وانفساخ ہوتے ہیں، جیسے بیع وشراء ہے، اس عقد کے ذریعہ جو عاقدین عوضین کے مالک بنتے ہیں ان عوض پر قبل القبض تصرف کی ممانعت اور ان میں استثناء وتخصیص کی تفصیلات مع اختلاف ائمہ احناف اور مع دلائل ابھی اوپر مذکور ہوا ہے کہ حضرات

شیخین سارے تصرفات کو (بیع ، ہبہ، ہدیہ، صدقہ ، رہن ،قرض وغیرہ) کو ناجائز کہتے ہیں ، استثناء صرف غیر منقولہ کا کرتے ہیں، جبکہ امام زفر اور امام شافعی غیر منقولہ کا بھی استثناء نہیں کرتے ، ہاں امام محمد حکم ممانعت سے ان تصرفات کا ضرور استثناء کرتے ہیں جو بدون القبض تام ہی نہیں ہوا کرتا، کما مر (ایضاً)۔

(ب) بعض اسباب ملک ایسے عقد معاوضہ ہوتے ہیں جو ہلاکت عوض کے باوجود فسخ وانفساخ کو قبول نہیں کیا کرتے ، مثلاً نکاح، خلع ، عتق علی المال، صلح عن دم العمد ، ان عقود میں عورت مہر کی ،شوہر بدل خلع کا ،مولی بدل عتق کا ،اور مقتول کا وارث بدل صلح کا مالک بنا کرتا ہے،اور یہ ایسے عقود ہیں کہ ہلاکت عوض (مہر، بدل خلع ،بدل عتق ،بدل صلح) کے باوجود فسخ نہیں ہوا کرتے ،اب یہ سارے عوض اگر از قبیل اعیان ہوں نہ کہ از دیون ،تو ان عوضوں پر قبضہ کئے بغیر سارے تصرفات تملیکی (بیع ، ہبہ صدقہ ،قرض ، رہن وغیرہ) جائز ہیں، گو انعقاد تصرف اور صحت تصرف ہی کی حد تک ،نہ کہ نفاذ ولزوم تصرف کی حد تک، گویا اس صورت میں یہ سبھی تصرفات باتفاق ابی یوسف ومحمد حکم ممانعت سے مستثنٰی ہیں۔

(ج) اسی طرح بعض سبب ملک ایسے ہوتے ہیں جو عقد معاوضہ کے قبیل سے نہیں بلکہ مالک اول کی نیابت وخلافت کے طور پر اس کا کوئی مالک بن جاتا ہے، جیسے ارث وصیت ، کہ وارث نیابۃ وخلافۃ عن المورث ترکہ میں سے بقدر حق شرعی مال کا مالک ہوجاتا ہے،اور موصی لہ بقدر وصیت موصی کے مال موصیٰ بہ کا مالک ہوجاتا ہے،اب یہ وارث وموصیٰ لہ اپنے میراث اور مال موصی بہ میں قبل القبض سارا تصرف کرسکتا ہے" لأن معنى الغرر لا يتقرر فيه لأن الوارث خلف الميت في ملك المورث الخ (بدائع ۵/۱۸۱)

شق الف وب میں درج تفصیلات کے دلائل دیکھے جائیں (شامی ۴/۱۶۲۔۱۶۳ میں)۔

(د) اسی طرح بعض تصرفات جو قبل القبض کئے جاتے ہیں وہ خود تصرف ہی ناقابل فسخ ہوتے ہیں، مثلاً اعتاق وتدبیر وغیرہ، ایسے تصرفات بھی باتفاق علماء احناف حکم ممانعت سے مستثنٰی ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی غلام کا مالک بنے،خواہ اس عقد کے ذریعہ جو قابل فسخ ہوتے ہیں (بیع وشرا)، یا اس عقد کے ذریعہ جو قابل فسخ ہی نہیں ہوا کرتے (مثلاً نکاح، خلع وغیرہ) تمام صورتوں میں قبل القبض اس غلام کے اندر مالک کا تصرف اعتاق وتدبیر جائز ہی ہوجاتا ہے، (شامی ایضاً) واضح ہو کہ تصرفات قبل القبض کی اجازت وممانعت کے متعلق ائمہ احناف کے علاوہ دیگر حضرات ائمہ رحمہم اللہ کے مذہب ومسلک کی تفصیلات کی ہمیں کوئی تحقیق اور علم نہیں، واللہ اعلم۔

۶۔ حرم الربوا ، الخراج بالضمان ،اور "الغنم بالغرم"، جیسے نصوص قطعیہ وشرعیہ اور قواعد فقہیہ کی روشنی میں میرا ایک عرصہ سے یہی خیال ہے کہ دراصل شریعت اسلامیہ ان منافع وفوائد کو جائز نہیں کہتی جو بلا کسی ادنی رسک کے اور کسی بھی نقصان کی کوئی ذمہ داری قبول کئے بغیر حاصل کئے جائیں۔

بعد القبض مبیع سے منافع حاصل کرنا اسی لئے شرعاً جائز ہوتا ہے کہ وہ مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہوجاتی ہے، گویا قبضہ کرکے وہ مشتری قابض ایک رسک لے لیتا ہے، اسی طرح بظاہر قبضہ حسی نہ ہو مگر بائع ومشتری کے درمیان یہ معاہدہ ہوجائے کہ مبیع کے حمل ونقل اور ارسال کے بعد وہ مشتری کے ضمان میں داخل سمجھی جائے گی تو یہ مشتری

مال کی ہلاکت کے نقصان کا رسک لے لیتا ہے تو اسے حکماً مقبوضہ ہی کہنا چاہئے، کیونکہ اصل مقصد قبضہ حسی کا وہی دخول فی الضمان ہی ہے، جو مبیع کے ارسال وتخلیہ اور حمل ونقل کے بعد اس معاہدہ سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

اسلئے ایسی صورت میں اس کی بیع وشراء کو بعد القبض ہی قرار دینا چاہئے اور منافع کو جائز ہی ہونا چاہئے، کیونکہ یہ ربح مال مضمون ہوگا نہ کہ ربح مالم یضمن۔

اس کے علاوہ عرصہ سے میرا یہ بھی خیال ہے کہ مبیع غیر مقبوضہ کی بیع وشراء کا حکم جو فساد عقد سے بیان کیا جاتا ہے، یہ حکم محض قضاء ہے جو کسی بھی سبب سے باہمی نزاع کے "مرافعہ الی القاضی" کے نتیجے میں اس بیع غیر مقبوضہ کے متعلق قاضی شریعت کا حکم وفیصلہ ہوگا۔

لیکن اگر بیع قبل القبض کے باوجود عاقدین میں کوئی نزاع نہیں ہوا دونوں اپنی اپنی جگہ معاملہ کی اس نوعیت پر راضی ومطمئن رہے اور بالآخر اپنے اپنے حق تک پہونچ گئے تو ایسے معاملہ کے جواز وصحت اور نفاذ ولزوم ہی کا فتوی دیانۃً دیا جانا چاہئے۔

ساتھ ہی ساتھ کتب فقہ میں جو عموماً احکام قضاء ہی پر مشتمل ہیں جب بعض عقود کے متعلق بعض صورتوں میں اولاً فساد، پھر وجوہ فساد کے زوال کے بعد صحت وجواز کا حکم لگاتے ہوئے یوں بھی لکھا ہوا ملتا ہے کہ "انعقد فاسداً وانقلب جائزاً" تو اس سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہو رہی ہے۔

بہر حال مذکورہ بالا قرائن وشواہد پر ہماری رائے یہی ہے کہ اگر کوئی شخص بذریعہ فون وفیکس، یا بالمشاہدہ کسی فیکٹری سے مال کی خریداری کرے اور یہ معاہدہ ہو جائے، جب فیکٹری مال کے نقل وحمل اور روانگی کا کام انجام دیدے گی تو اس کے بعد وہ مال مشتری کے ضمان میں داخل سمجھا جائے گا، پھر اس کے بعد وہی مال براہ راست فیکٹری سے خریدار (۲) کے پاس بھجواتا ہے تو اس معاملہ کو بھی جائز اور خریدار (۱) کے منافع کو بھی حلال ہونا چاہئے، کیونکہ مال کی روانگی کے بعد ہی وہ خریدار (۱) کے ضمان میں داخل ہو گیا اور بجائے خریدار (۱) کے خریدار (۲) کے پاس اس کے پتے اور راستے سے بھیجنا یہ فیکٹری کا عمل من جانب خریدار (۱) تو کیلاً یا تبرعاً ہوا۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت کا معروف اصول وضابطہ، یا تاجروں کے درمیان مشروط معاہدہ یہی ہو کہ جہاز پر مال چڑھا دینے کے بعد وہ مال بائع کے قبضہ وضمان سے نکل کر مشتری کے قبضہ وضمان میں داخل سمجھا جائے گا، تو یہ مال حکماً خریدار اول کا مقبوضہ بن گیا، اس کا کسی دوسرے خریدار کے ہاتھ فروخت کرنا تو صحیح ہوگا، لیکن مال سمندر ہی میں اگر ضائع ہو جائے تو اسے خریدار (۱) ہی کے ضمان میں ہلاک شدہ سمجھا جائے گا۔

خریدار (۲) کے ضمان میں داخل ماننے کی کوئی وجہ اور بنیاد نہیں، اگر زبانی معاہدہ کو تسلیم بھی کر لیا جائے، تاہم اس معاہدہ کے بعد خریدار (۱) کی طرف سے مال کے حمل ونقل تخلیہ ورفع موانع وغیرہ کے قبیل کا کوئی عمل صادر نہیں ہوا ہے، اس طرح اس مال کو جہاز کے اندر رہتے ہوئے خریدار (۲) کے ضمان میں داخل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا محمد عبید اللہ اسعدی۔ باندہ

۱۔ شرع اسلامی کی رو سے خرید کردہ چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت کرنا منع ہے، اور یہ ممانعت ''بیع فاسد'' کے درجہ کی ہے، نہ کہ بیع باطل، اگرچہ بعض حضرات کی صراحت یا الفاظ اس انداز سے ضرور ہیں (درمختار مع الشامی ۱۴۸/۵)۔

امام محمد نے اس کے متعلق فرمایا ہے: ان ھذا مردود لایجوز (المبسوط ۹۱/۵)۔

لیکن ترجیح فساد کو ہے، لا یجوز وغیرہ جیسے الفاظ کے مفہوم میں وسعت ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں:

والظاهر الثانی (أی الفساد) لأن علة الفساد الغرر كما مع وجود ركنی البیع و كثیرا ما یطلق الباطل علی الفاسد (شامی ۱۴۸/۵۔۱۴۹) فساد کی وجہ یہ ہے کہ علت غرر اور دھوکہ ہے جس کی وجہ سے فساد کا ہی حکم لگا کرتا ہے یعنی عموماً، فتح القدیر میں بھی فساد کا ذکر ہے (۱۳۷/۶) پھر یہ کہ اس ممانعت کی بنیادی وجہ احادیث میں وارد ہونے والی نہی وممانعت ہے جو کہ حنفیہ کے اصول کی رو سے فساد کا ہی فائدہ دیتی ہے بطلان کا نہیں، امام محمدؒ نے بھی (الجامع الصغیر/۳۳۵) میں " **فالبیع فاسد**" فرمایا ہے۔

۲۔ یوں تو اس بابت وارد ہونے والی روایات میں ممانعت مختلف لفظ وانداز میں آئی ہے (فتح القدیر ۱۳۶/۶، اعلاء السنن ۲۴۳/۱۴۔۲۴۴، نیل الاوطار۔ الجزء الخامس) لیکن بظاہر روایات میں قبضہ کی حقیقت وصورت کی کوئی تعیین نہیں آئی ہے، اس سے نیز فقہاء محققین کی تصریح وتفصیل سے بھی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس میں توسع ہے اور عرف و معاملہ کا اعتبار ہوگا، اور اس بنا پر موقع ومحل اور اشیاء کے اختلاف وفرق کی وجہ سے قبضہ کی صورت وحقیقت میں بھی فرق ہوگا، اس سلسلہ کی بعض روایات میں آنے والی تفصیل بھی صورت قبضہ کے مختلف ہونے کو بتاتی ہے، مثلاً یہ کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ خرید وفروخت کی جگہ سے منتقل کرکے اپنے ٹھکانے پر لے جائے بغیر خریدار اول کو اس کا فروخت کرنا منع ہے (ابن حبان والحاکم وغیرہ، اعلاء ۲۲۳/۱۴) اور بعض روایات میں دو مرتبہ کی ناپ وتول کے بغیر فروخت کی ممانعت آئی ہے جس میں ایک ناپ وتول تو پہلے بیچنے والے کی طرف سے ہوگی اور دوسری خریدار کی طرف سے، اور خریدار کی تول وناپ کو قبضہ کی حیثیت دی گئی ہے اور اس کے بغیر اس کے حق میں فروخت کی ممانعت کو بھی (قبضہ سے

پہلے فروخت) کے قبیل و باب سے قرار دیا گیا ہے، گویا غلہ کی خرید کے بعد اس پر قبضہ کی ایک شکل تو یہ ہے کہ اس کو دکان اور جائے خرید سے ہٹا کر اپنے ٹھکانہ پر یا ہاتھ میں لے لیا جائے، اور ایک شکل یہ ہے کہ فروخت کنندہ کی ناپ دتول کے بعد خریدار خود ناپ وتول کرے تو یہ ناپ وتول قبضہ ہے۔ (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۴، ۲۳۱-۲۳۲، ۲۳۴) نیز بدائع وشامی وغیرہ میں بھی اس قسم کی بات آئی ہے)۔

بہر حال اس بابت توسع سمجھ میں آتا ہے اور اس کا اعتبار بھی کیا گیا ہے، لیکن ضرورت اصولی تحدید کی ہے، تا کہ اس کی روشنی میں نئی نئی شکلوں کا حکم معلوم کیا جا سکے اور مروج قدیم وجدید شکلوں کا اس پر یا اس کا ان شکلوں پر انطباق ظاہر ہو سکے۔

قبضہ کا ایک ہی دو شکلوں میں منحصر نہ ہونا، یا ایک ہی دو شکلوں میں اس کا معتبر نہ ہونا بلکہ اس میں توسع، بظاہر یہ مذاہب اربعہ کا اتفاقی حکم ہے، جیسا کہ قدیم محققین فقہاء مذاہب سے صراحت ملتی ہے، مثلاً:

فقہ حنفی کی ایک معتبر کتاب ''النتف فی الفتاویٰ'' میں آیا ہے: **والقبض على خمسة أوجه: أحدها قبض الكرم والدار وماله غلق وباب فيما لم يسلم البائع المفتاح إلى المشترى أو يقبض المشترى بإذن البائع فليس بقبض، وإذا كان فى وسط الكرم والدار وقال البائع سلمت إليك فلا يحتاج حينئذ إلى قبض المفتاح.**

والثانى قبض الأرض فما لم يدخل فيها أو يمر على حد من حدودها ويراه فلا يكون قبضا، فإذا دخل فيها ومر على حد من حدودها فيكون قبضا عند ذلك.

والثالث قبض الحيوان وهو أن يكون فى موضع يصل إليه بيده أو إلى لجامه أو مقوده فيكون قبضا.

والرابع قبض الكيلى فإن اكتاله المشترى فى وعائه أو كاله البائع فى وعائه بمحضر منه أو من وكيله فيكون قبضا، ولو دفع الوعاء إلى البائع فكاله فيه بغير محضر منه يكون قبضا فى قول أبى حنيفة وأصحابه ولا يكون قبضا فى قول الشافعى ومالك ....

والخامس قبض العروض وهو أن يسلمها إلى المشترى بحيث تناولها يد المشترى وخلى بينه وبينها من غير حاجز ومانع (النتف فی الفتاویٰ/۴۸۰-۴۸۲)۔

یعنی قبضہ کی پانچ صورتیں ہیں: ایک تو باغ ومکان وغیرہ جس کا باقاعدہ دروازہ ہو اس پر قبضہ، تو اگر کنجی دیدی جائے یا یہ خریدار مالک و بائع کی اجازت سے تصرف کرنے لگے تو قبضہ ہو گیا، یا یہ کہ خریدار مکان وباغ کے اندر موجود ہو اور بائع کہے کہ میں نے سپرد کر دیا تو بھی کافی ہے۔

دوسرے عام زمین پر قبضہ، اس کے لئے زمین پر پہونچنا وغیرہ ضروری ہے۔ تیسرے جانور پر قبضہ، اس کی صورت یہ ہے کہ جانور ایسی جگہ وایسے حال میں ہو کہ خریدار اس کو کام میں لا سکے۔ چوتھے ناپ وتول کی چیز کہ اگر خریدار

یا اس کے وکیل کے سامنے فروخت کنندہ نے تولا تو قبضہ ہوگیا، اور اگر غیر موجودگی میں لیکن خریدار کے تھیلے وغیرہ میں تولا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبضہ ہوگیا۔ اور پانچویں سامان (برتن وغیرہ) پر قبضہ کی صورت یہ ہے کہ اس کو خریدار کے سپرد کردیا جائے یا اس کو تصرف کا پورا موقع دے دیا جائے۔

ابن عبدالبر مالکی کی کتاب ''الکافی'' میں جو کہ فقہ مالکی کی معتمد کتابوں میں ہے، نیز امام رافعی شافعی کی ''شرح الوجیز'' میں، اور حنابلہ کی المغنی میں بھی اسی انداز میں تفصیل آئی ہے۔ (الکافی ۲/۶۶۱، اعلاء السنن ۱۴/۲۳۱ بحوالہ شرح الوجیز ۸/۴۴۸ و ۴۴۹، المغنی ۴/۲۲۰)

جیسے کہ اس بابت یہ بات بھی آئی ہے: القبض قبضان، قبض حکم و قبض رقبة (قبض حقیقی) فقبض الحکم مثاله أن یشتری عبداً ثم یقتله أو یفقأ عینه أو یکسر رجله ونحو هذا، فقد صار قابضا للعبد بهذه الجنایة، وقبض الرقبة ما ذکرنا فی الوجوه الخمسة (النتف فی الفتاویٰ ص/۴۸۲) اور البحرالرائق میں تصرف قولی وحسی یعنی قبض قولی وقبض فعلی کا تذکرہ آیا ہے (البحرالرائق)۔

نتف کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قبض کی دو صورتیں ہیں: قبضہ حکمی اور قبضہ حقیقی۔ قبضہ حکمی کی مثال تو یہ ہے کہ ایک غلام خریدا اور پھر اس کو نقصان پہونچادیا مثلاً اس کو قتل کردیا، یا ہاتھ وپیر، آنکھ وغیرہ کو نقصان پہونچادیا، تو اس کی وجہ سے خریدار کا قبضہ ہوجائے گا۔ اور قبضہ حقیقی وہ ہے جس کی پانچ شکلیں پیچھے ذکر کی جاچکی ہیں۔

''الفقہ الاسلامی'' میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں عرف کا اعتبار ہے (الفقہ الاسلامی ۴/۴۱۹)۔

اسی لئے ہر فقہ ومذہب کی جزئیات جو کہ قبض کے بیان میں آئی ہیں مختلف انداز کی ملتی ہیں، اور ان میں مختلف شکلوں کو قبضہ کے تحت اور قبضہ کے حکم میں یا مفید قبضہ مانا گیا ہے، فقہ حنفی میں بھی اور دوسرے مذاہب میں بھی (ملاحظہ ہو: المغنی، فتاویٰ خانیہ، شامی وغیرہ)۔

اب ان تصریحات وجزئیات اور تفصیلات کو مدنظر رکھ کر اصولی تحدید کی جائے گی، تو اس بابت فقہ حنفی کے مشہور محقق وترجمان علامہ کاسانی کا یہ بیان ملتا ہے جس پر اعتماد بھی کیا گیا ہے:

التسلیم والقبض عندنا هو التخلیة والتخلی، وهو أن یخلی البائع بین المبیع وبین المشتری برفع الحائل بینهما علی وجه یتمکن المشتری من التصرف فیه، فیجعل البائع مسلما للمبیع والمشتری قابضا له وکذا تسلیم الثمن من المشتری إلی البائع (البدائع ۵/۲۴۴)۔

حنفیہ کے نزدیک قبضہ یہ ہے کہ خرید وفروخت کا معاملہ مکمل ہوجانے کے بعد فروخت کنندہ، خریدار اور خرید کردہ چیز کے درمیان یوں آزادی کردے کہ خریدار کے لئے حسب خواہش وضرورت خرید کردہ چیز میں ہر قسم کا تصرف، استفادہ وانتفاع ممکن ہوجائے اور بائع کی طرف سے کوئی روک ورکاوٹ باقی نہ رہ جائے۔

یہ اصل وبنیادی بات ہے باقی جزئیات اور ''النتف'' کا بیان اس کی صورتوں کی وضاحت وبیان ہے، جس

میں عرف کے مطابق اضافہ کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ مذکورہ صورتیں عرف ومعاملہ پر ہی مبنی ہیں، مثلاً آج کل بعض معاملات بالخصوص زمین کے معاملات میں کاغذی اندراج، اوراس کی سرکاری کارروائی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، لہذا اس کو بھی کافی سمجھا جائے گا، ویسے تو زمین کے معاملہ میں یوں بھی فقہ حنفی کے اندر وسعت ہے، اور فروخت کردہ سامان کے نقصان وضمان کا خریدار کی طرف منتقل ہو جانا خاص شکلوں میں۔

قبضہ کی بابت اختلاف کے باوجود جو تفصیلات محققین مذاہب نے ذکر کی ہیں جیسا کہ تذکرہ آتا ہے، احقر ان سے یہ سمجھا ہے کہ خرید وفروخت میں قبضہ بہر حال مطلوب ہے اور خریدار کے تصرف کے لئے ضروری ہے اور ہر چیز میں ضروری ہے، اختلاف اصل میں اس بابت ہوا ہے کہ قبضہ کا مفہوم مختلف اشیاء وصورتوں کے اعتبار سے کیا ہے، مثلاً یہ کہ آیا زمین وغیر منقولات میں بھی قبضہ بایں معنی ضروری ہے کہ خریدار استعمال وانتفاع شروع کردے یا یہ کہ بائع کی طرف سے اس کو موقع حاصل ہو جائے، کتب مذاہب کی جزئیات اس توافق واتفاق کے ساتھ مذکورہ جزئی وضمنی اختلاف کو بتاتے ہیں۔

البتہ فقہاء احناف نے اس کے ساتھ یہ بحث کی ہے کہ ایک نفس قبضہ ہے اور ایک قبض تام، تخلیہ جو ذکر کیا گیا اس سے نفس قبضہ حاصل ہوتا ہے، لیکن قبض تام کے حاصل ہونے میں اختلاف ہے، اس اختلاف کی اہمیت یہ ہے کہ بالخصوص خرید وفروخت پر اس کا اثر پڑے گا، بعض حضرات ناپ وتول والی چیزوں میں ناپ وتول کے بغیر قبض تام کو نہیں مانتے، اور کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ان اشیاء کی خرید وفروخت منع ہے، اگر چہ ایک بڑی جماعت اصل قبضہ اور نفس تخلیہ کو دوسری اشیاء کی طرح اس میں بھی کافی مانتی ہے (البدائع ۲۴۴/۵)۔

جو لوگ قبض تام کو الگ مانتے ہیں ان کے نزدیک اس کے حصول کے مختلف ذرائع ہیں، مثلاً: (۱) اتلاف کہ مشتری (خریدار) خرید کردہ شئے کو تلف وضائع کردے یا نقصان پہونچادے، (۲) خرید کردہ شئے فروخت کنندہ کی طرف سے خریدار کو بطور امانت وغیرہ دیدی جائے، (۳) جو شخص خرید کردہ شئے کو کچھ نقصان پہونچائے خریدار اس سے ضمان لے لے، (۴) سابق قبضہ یعنی خریدنے سے پہلے شئے کا خریدار کے پاس موجود ہونا بشرطیکہ جہت ایسی ہو کہ اس پر ضمان لازم آتا ہو، (۵) اور تخلیہ بھی، اگر چہ ہر جگہ نہ ہو (الفقہ الاسلامی ۴/ ۴۱۸ تا ۴۲۲)۔

اور اس ضمن میں پھر یہ گفتگو بھی آتی ہے کہ خریدار کے حق میں فروخت کی اجازت وصحت کے لئے مال کا خریدار کے ضمان میں آجانا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے باوجود ممانعت رہتی ہے، اس لئے کہ ضمان تو نفس تخلیہ ونفس قبض سے ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بدائع وغیرہ میں بھی آیا ہے: وإن باع مكايلة أو موازنة في المكيل والموزون وخلى فلا خلاف في أن المبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل في ضمان المشترى حتى لو هلك بعد التخلية قبل الكيل والوزن يهلك على المشترى وكذلك لا خلاف في أنه لا يجوز للمشترى بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن (بدائع ۲۴۴/۵)۔

۳۔ سوال نمبر (۲) کے جواب کے تحت جو تفصیل آئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اشیاء کے فرق کی وجہ سے قبضہ کی

نوعیت بھی بدل جاتی ہے، اگر چہ اصولی طور پر ''تخلیہ'' بنیادی چیز ہے اور اصل قبضہ ہے، پھر بھی منقولات میں نقل مکانی وغیرہ جیسی صورتیں مطلوب اور معتبر ہوتی ہیں، جبکہ غیر منقولہ اشیاء میں نفس تخلیہ ہی کافی ہے، یا یہ کہ مکان ودکان کی کنجی کا مل جانا وغیرہ۔

۴۔ اکثر حضرات کا میلان ورجحان اس بات کی طرف ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے نہی وممانعت معلول ہے، اگر چہ فقہاء احناف کی ایک جماعت یا ایک بڑی جماعت اس کی قائل نہیں، جن حضرات نے تخلیہ کو ہی مکمل قبضہ اور قبض تام کی حیثیت ہر شئی میں دیدی ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ حکم تعبدی ہے، جیسا کہ بدائع میں نقل کیا ہے اور دوسرے حضرات نے بھی ذکر کیا ہے۔

اور اکثر حضرات کے نزدیک اس نہی کی علت ''غرر انفساخ'' ہے، یا ربح مالم یضمن۔ ''غرر انفساخ'' کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ میں لینے سے پہلے کسی وقت بھی خرید کردہ سامان کے ضیاع کا اندیشہ ہے، جس کی وجہ سے بیع فسخ وختم ہوجائے گی، اور چونکہ زمین کے اندر یہ اندیشہ نہیں ہوتا اسی لئے اس کا استثناء ہے۔ اور ربح مالم یضمن کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز خریدار کے ضمان میں نہیں آئی کہ وہ ضائع ہو تو خریدار کا نقصان مانا جائے اس کا نفع لینا درست نہیں ہے۔

ایک علت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی گئی ہے کہ ایسی خرید وفروخت میں ربا اور سود کا پہلو پایا جاتا ہے (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۵ وغیرہ)۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ خریدار نے جبکہ مال خرید کر اس کی قیمت ادا کردی اور مال کو قبضہ میں نہیں لیا، اور بیچ دیا اور بیچ کر نفع کمایا تو معاملہ کا حاصل نقد بمقابلہ نقد بنا، خریدار نمبر (۱) نے جیب سے نقد دیا، اور پھر خریدار نمبر (۲) سے نقد ہی بڑھا کر حاصل کیا، درمیان میں مال کو واسطہ نہیں بنایا کہ اس پر قبضہ کرتا پھر فروخت کرتا۔

اس علت کو علامہ شوکانی نے ترجیح دی ہے جیسا کہ اعلاء السنن میں مذکور ہے اور صاحب اعلاء نے بھی اس کو پسند کیا ہے، اور احقر کی رائے میں بھی یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ غرر انفساخ والی بات درجۂ ثانی میں ہے اور ضمان نفس تخلیہ کی وجہ سے مان لیا جاتا ہے، نیز صاحب اعلاء السنن نے ذکر کیا ہے کہ انتقال کی شرط تمام قبض کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ قبضہ عرفاً معلوم ہے اور یہ بات محتمل ہے، اس لئے معلوم کو مدار ومعتبر مانا جائے گا، غرر انفساخ وربح مالم یضمن کی علت امام صاحب وغیرہ نے نیز عموماً فقہاء نے مانی ہے، اور مجموعی طور پر ان سب کا اعتبار کیا جاسکتا ہے کہ علت ایک سے زائد بھی ہوسکتی ہے، چنانچہ صاحب اعلاء نے سب کا تذکرہ کیا ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت میں محل ممانعت کیا ہے، اختلاف ہے، ایک جماعت جس میں امام شافعی وامام محمد شامل ہیں، مطلقاً منع کرتی ہے یعنی ہر چیز میں، اور بقیہ سب کے یہاں تفصیل وتخصیص ہے، مختصر بات یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کے حق میں تو یہ ممانعت اتفاقی واجماعی ہے، بقیہ میں اختلاف اور توسع ہے، کم از کم ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ وامام مالک وامام احمد کے نزدیک، اگر چہ باہم ان کے درمیان بھی اختلاف ہے کہ امام ابوحنیفہ یہ ممانعت تمام منقولات کے حق میں مانتے ہیں اور غیر منقول کو مستثنیٰ مانتے ہیں، اصل میں بات یہ ہے کہ روایات میں

کھانے پینے کی چیز کا تذکرہ زیادہ ہے، امام ابوحنیفہ نے اسی کی تنقیح منقول سے کی ہے، اور غیر منقول کے حق میں حضرت عثمان کے فعل سے حجت پکڑتے ہیں کہ انہوں نے ایک زمین خرید کر بغیر قبضہ حسی فروخت کی تھی (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۷، ۲۲۹)۔

۶۔ کسی فیکٹری سے مال خرید کر دوسرے کو فروخت کرنا اور دوسری فروخت سے قبل اس کو فیکٹری سے ٹھکانہ و مقام کی طرف منتقل نہ کرانا، یا یہ کہ قبضہ کی ظاہری کوئی شکل اختیار نہ کرنا، اس میں دو شکلیں نکلتی ہیں:

ایک تو یہ کہ فیکٹری سے مال خرید لیا، یعنی معاملہ طے کیا، قیمت دیدی، اور مال ابھی فیکٹری اور اس کے گودام میں ہے، کہ دوسرے شخص سے خریدنے کا معاملہ مکمل کیا، اور اس معاملہ کو مکمل کر کے فیکٹری کو آرڈر دیا کہ میرا خرید کردہ مال فلاں جگہ، فلاں شخص کو پہونچایا جائے، تو یہ معاملہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا ہے جو درست معلوم نہیں ہوتا، خواہ کوئی چیز ہو، اس لئے کہ تخلیہ اور قبضہ کسی طرح کا نہیں پایا گیا۔ الا یہ کہ خریدار اول کے معاملہ کے بعد فیکٹری نے اس کے خرید کردہ مال کو گودام میں ایک طرف کر دیا ہو، یا یہ کہ نشان وغیرہ لگا کر ممتاز کر دیا ہو تو یہ تخلیہ ہو گیا جو کہ کافی سمجھا گیا ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ فیکٹری سے مال خریدنے والے نے پہلے معاملہ خریدار نمبر (۲) سے کیا، پھر فیکٹری کو آرڈر دیا مال کی خرید وارسال کا، تو اس میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا معاملہ تو نہیں، البتہ معدوم کی بیع وغیرہ کی خرابیاں پیدا ہوں گی، ضرورت کی وجہ سے توجیہ کر لیں تو مال جب روانہ ہوگا اور سوال میں مذکور تفصیل کے مطابق کہ درمیانی وقفہ میں ضیاع کی ذمہ داری خریدار نمبر (۱) کی ہے تو قبضہ مان لیا جائے گا، اور یہ معاملہ درست ہوگا، جبکہ مذکورہ صورت میں نقل مکانی بھی پایا جارہا ہے جس کی قبضہ میں اہمیت ہے۔

۷۔ آج کل شکلیں بہت رائج ہوگئی ہیں اور ان کا تعامل ہے۔

الف۔ جن صورتوں میں عرفاً و معاملۃً فروخت کنندہ نمبر (۱) کی طرف سے ضمان خریدار نمبر (۱) کی طرف منتقل مان لیا جاتا ہے، جبکہ مال فیکٹری وفروخت کنندہ کے ٹھکانہ سے روانہ ہو چکا ہو، ان صورتوں میں یہ معاملہ درست ہے کہ خریدار نمبر (۱) اس سامان کو تیسرے کے ہاتھ فروخت کردے، یہ فروخت بعد القبض ہوگی اس لئے کہ تخلیہ اور ضمان پایا جارہا ہے۔ (امداد الفتاویٰ کے بعض مندرجات سے اس کی گنجائش مترشح ہے، ۳/۱۳۵۔۱۳۶)۔

ب۔ اور اس دوسری فروخت میں اگر خریدار نمبر (۱) مال کے راستہ میں رہنے کے باوجود ضمان سے بری ہوجاتا ہے اور ضمان خریدار نمبر (۲) کی طرف منتقل ہوتا ہے اور اس کو تصرفات کے تمام مواقع حاصل ہوتے ہیں تو یہ بھی درست معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ تخلیہ اور ضمان دونوں پائے گئے اور قبضہ کی اصل حقیقت ضمان ہے۔

ج۔ فقہاء عصر کی تحریرات میں بعض رہنمائیاں اور صراحتیں ملتی ہیں جو کہ مروج معاملات میں کافی وکارآمد ہوں گی، مثلاً:

۱۔ خریدار نمبر (۱) جبکہ کسی بینک کو واسطہ بنائے اور وہ بینک اپنی شاخوں کے واسطے سے مال کے نقل وارسال و ایصال کا کام لے اور کرے تو قبضہ پالیا گیا، اور اس صورت میں بھی خریدار کی طرف سے اگلی فروخت

درست ہے۔

۲۔ خریدار نمبر(۱) کی طرف سے نقل وحمل کی کسی کمپنی کی تعیین پائی جائے تو جب مال اس کمپنی کے سپرد کیا جائے گا تو بھی اس کا قبضہ مان لیا جائے گا۔

۳۔ خرید کردہ مال کی آمد و وصولیابی کے جملہ اخراجات (کرایہ وغیرہ) اگر بذمہ خریدار نمبر(۱) ہے تو مال کی روانگی کے بعد قبضہ معتبر ہے خواہ نقل وحمل کا ذریعہ اس نے متعین کیا ہو یا نہیں (احسن الفتاوی ۶ر ۵۲۵۔۵۲۶)۔

ایسی صورتوں کے فقدان کی صورت میں مال کے خریدار (۱) کے قبضہ میں آنے سے پہلے فروخت کے معاملہ کو معاملہ بیع نہ مان کر وعدہ بیع قرار دے لیا جائے، اور مال آنے پر بیع ہو جس میں اختیار رہے گا تو درست ہے، بعض معاملات میں ایسی توجیہ ومشورہ احسن الفتاوی وامداد الفتاوی وغیرہ میں آیا ہے۔

قبضہ کی مذکورہ بالا صورتوں میں غلہ وغیرہ ناپی وتولی جانے والی چیزوں کا معاملہ اہم ہے، کہ خریدار نمبر(۱) کی طرف سے اگلی فروخت صرف تخلیہ وضمان کی بنیاد پر درست نہیں ہے بلکہ ناپ وتول مطلوب ہے جس کے بغیر قبض تام نہیں ہوتا، اور اگر ہو جائے تو بھی بیع درست نہیں، البتہ ایسی چیزوں کے حق میں دوسری گنجائشوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، مثلاً یہ کہ ناپ وتول کا لزوم اس وقت ہوگا جبکہ پہلی فروخت اس بنیاد پر ہو، اور اگر وہ بورے کی بنیاد پر ہو کہ اتنے بورے مال اور اتنی ویگن وغیرہ اور مال بورے کا بورا رکھا ہوا اٹھا کر دیا جائے تو یہ پابندی نہ ہوگی۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

محمد رضوان القاسمی

۱۔ قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت مختلف احادیث سے ثابت ہے، بعض ان میں سے مطلق ہیں، مثلاً:

عن حكيم بن حزام قال: قلت يا رسول الله ﷺ إني أبتاع هذه البيوع فما يحل لي منها وما يحرم عليّ؟ قال: ياابن أخي لا تبيعن شيئا حتى تقبضه، هذا إسناد حسن متصل (السنن الكبرى للبيهقي: ۳۱۳/۵، وكذا في مصنف ابن أبي شيبة: ۳۶۶/۶)۔

اوران میں سے بعض طعام یعنی خوردنی اشیاء کے ساتھ مقید ہیں، مثلاً:

عن ابن عمر رضي الله عنهما أن النبي ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه (بخاری مع فتح الباری ۴۳۹/۴، نیز دیکھئے: مجمع الزوائد ۹۸/۴)۔

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اشیاء خوردنی خریدے، وہ اس کو اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرلے۔

یہ دو حدیثیں بطور مثال کے پیش کی گئی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن کی بنیاد پر فقہاء مجتہدین میں اختلاف بھی ہوا ہے، لیکن جمہور فقہاء فی الجملہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے ناجائز ہونے پر متفق ہیں (شرح المہذب ۲۶۴/۹، بدایۃ المجتہد ۱۴۴/۲، الروض المربع ۲۲۳، المغنی ۸۸/۴، البحر الرائق ۱۱۶/۶، بدائع الصنائع ۱۸۰/۵، الہدایہ مع الفتح ۵۱۰/۶، بزازیہ مع الہندیہ ۳۹۶/۴)۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت بیع فاسد ہے، اسلئے کہ رکن بیع اور محل بیع میں کوئی خلل نہیں ہے، البتہ غرر اور دھوکہ ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

وفي المواهب وفسد بيع المنقول قبل قبضه انتهى، ونفى الصحة يحتملهما ...... أي يحتمل البطلان والفساد والظاهر الثاني لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركني العقد (ردالمحتار ۱۸۲/۴)۔

۲۔ تمام دبستان فقہ کی کتابوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ شرع اسلامی میں کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی ہے، بلکہ اسے لوگوں کے عرف وعادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے گا وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا (بدائع الصنائع ۱۴۸/۵۔۲۴۴، المغنی ۹۰/۴، الشرح الکبیر بہامش حاشیہ الدسوقی ۱۴۵/۳، شرح المہذب ۲۷۵/۹)۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی یکساں صورت نہ ہوگی، بلکہ تمام مکتبہ فکر کے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اشیاء غیر منقولہ میں تو تخلیہ کو قبضہ کا درجہ حاصل ہوگا، البتہ اشیاء منقولہ میں قدرے اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اشیاء منقولہ میں قبضہ کا دارومدار لوگوں کا عرف ورواج ہے، یعنی جن اشیاء میں جس کیفیت کو عوام قبضہ تصور کریں وہ شرعاً بھی قبضہ شمار کیا جائے گا، اور جس کو قبضہ نہ مانیں وہ قبضہ متصور نہ ہوگا، چنانچہ علامہ دردیر مالکیؒ فرماتے ہیں:

قبض العقار وهو الأرض وما اتصل بها..... التخلية وقبض غيره أى غير العقار من عروض وأنعام ودواب بالعرف الجارى بين الناس (الشرح الکبیر بہامش حاشیہ الدسوقی ۱۴۵/۳)۔

عقار یعنی زمین اور جو زمین سے متصل ہوں، ان میں تخلیہ کے ذریعہ قبضہ ہوگا اور عقار کے علاوہ مثلاً سامان، جانور اور چوپائے میں قبضہ اس عرف کے مطابق ہوگا جو لوگوں میں جاری ہو۔

یہی کچھ امام نووی نے لکھا ہے (شرح المہذب ۲۷۵/۹)۔

اس سلسلہ میں احناف کا کہنا ہے کہ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں میں تخلیہ کو قبضہ گردانا جائے گا، البتہ مبیع کے احوال کے اعتبار سے تخلیہ کی نوعیت میں فرق ہوگا، چنانچہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

وحاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع (ردالمحتار ۴۷/۴۔۴۸، نیز ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۱۸/۴۔۴۱۹)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تخلیہ کو حکماً اس وقت قبضہ تصور کیا جائے گا جبکہ بغیر مشقت کے اس پر تصرف کرنا ممکن ہو، لیکن قبضہ کی نوعیت مبیع کی حالت کے اعتبار سے بدلتی رہے گی۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں، ان کے بارے میں تقریباً تمام ہی فقہاء اور شراح حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ احادیث معلول بالعلۃ ہیں، چنانچہ علامہ برہان الدین مرغینانی فرماتے ہیں:

والحديث معلول بعلة عملا بدلائل الجواز (ہدایہ مع الفتح ۵۱۳/۶)۔

فقہاء احناف نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہاں پر مبیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں بیع کے فسخ ہونے کا غرر اور دھوکہ ہے، چنانچہ علامہ عبدالحئیؒ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

لأن النهى معلول بغرر انفساخ العقد لخوف الهلاك (التعلیق الممجد ۱۹۹/۳، نیز دیکھئے: مجمع

الأ نہر۲/۹۷، فتح القدیر۶/۵۱۳)۔

۵۔ بعض فقہاء کے یہاں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت بالکل عام ہے، جب کہ دوسرے فقہاء اس میں استثناءات اور تخصیصات کے قائل ہیں، ذیل میں ائمہ کی آراء اور ان کے وجوہ و دلائل قلمبند کئے جاتے ہیں:

شافعی نقطۂ نظر:

یہ ہے کہ بیع قبل القبض کی نہی بالکل عام ہے، اس میں کوئی استثناء اور تخصیص نہیں، خواہ مبیع منقولی اشیاء ہو، یا غیر منقولی، چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:

أما الأحكام فمذهبنا أنه لايجوز بيع المبيع قبل قبضه عقاراً كان أو منقولا لا بإذن البائع ولا بغير إذنه لا قبل أداء الثمن ولا بعده (شرح المہذب ۹/۲۶۴-۲۶۵)۔

ان حضرات کی بنیادی دلیل حضرت حکیم بن حزام کی روایت ہے، جس میں آپ ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام سے فرمایا تھا کہ ''بھتیجے کسی چیز کو قبضہ کئے بغیر فروخت نہ کرو'' (دیکھئے: السنن الکبریٰ ۵/۳۱۳، بخاری مع الفتح ۴/۴۳۹، مجمع الزوائد ۴/۹۸)۔

حنفی نقطۂ نظر:

یہ ہے کہ منقول اشیاء کو بغیر قبضہ کے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ غیر منقول، مثلاً زمین، گھر وغیرہ کو بغیر قبضہ کئے ہوئے بھی فروخت کر سکتے ہیں (دیکھئے: البحر الرائق ۶/۱۱۶، مختصر الطحاوی ۹۴/، إرشاد الساری ۴/۵۷)۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ممانعت کی اصل علت غرر اور دھوکہ ہے، وہ اس طرح کہ ہلاک ہونے کی صورت میں عقد کے فسخ ہونے کا اندیشہ ہے، اور یہ غرر صرف منقولی اشیاء میں متوقع ہے، نہ کہ غیر منقولی میں، اسلئے کہ غیر منقولی شئ میں ہلاک ہونے کا اندیشہ بہت کم ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۷، البحر الرائق ۶/۱۱۶، فتح القدیر ۶/۵۱۳)

چنانچہ اگر عقار وغیرہ کے اندر بھی ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو وہاں بھی قبل القبض فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، مثلاً وہ زمین یا گھر وغیرہ جو دریا وغیرہ کے کنارے پر واقع ہو اور اس کے دریا میں ضم ہو جانے کا خدشہ ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح القدیر ۶/۵۱۳)۔

مالکی نقطۂ نظر:

اس سلسلہ میں یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت صرف خوردنی اشیاء کے ساتھ خاص ہے، جبکہ ان کو کیل یا وزن کے ساتھ فروخت کیا جائے، اور خوردنی اشیاء کے علاوہ یا خوردنی اشیاء کو ''تھوک'' فروخت کیا جائے تو ان میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے، (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۴، المغنی ۴/۸۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۷) ان لوگوں نے ان احادیث کو اپنا مستدل بنایا ہے، جن میں قبضہ سے پہلے طعام کی بیع کو منع کیا گیا ہے۔

حنبلی نقطۂ نظر:

یہ ہے کہ خوردنی اشیاء جو کیل، وزن یا عدد سے فروخت کی جاتی ہیں، ان میں قبل القبض تصرف کرنا درست

نہیں ہے،ان کے علاوہ تمام اشیا قبل القبض فروخت کی جاسکتی ہیں،حتی کہ اگر خوردنی اشیاء جومجازفہ،یعنی بلا کیل ووزن بیچی گئی ہوں،ان کو بھی قبل القبض فروخت کرنا درست ہے،چنانچہ ابن قدامہ نقل فرماتے ہیں:

قال ابن عبد البر : الأصح عن أحمد بن حنبل أن الذی یمنع من بیعه قبل قبضه هو الطعام (المغنی ۴/۸۸)۔

ان کا استدلال حضرت عبداللہ بن عباسؓ،عبداللہ بن عمرؓ،ابو ہریرہؓ اور جابرؓ کی روایات سے ہے،جن میں صراحت موجود ہے کہ ممانعت خوردنی اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے،مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت یوں منقول ہے:

من اشتری طعاماً بکیل أووزن فلا یبعه حتی یقبضه (مسند احمد)۔

۶۔ اگر کوئی شخص فیکٹری وغیرہ سے مال خرید کر اس پر قبضہ کئے بغیر دوسرے خریدار کے ہاتھوں اس شرط پر فروخت کر دیتا ہے کہ اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر عائد ہوگی اور نہ خریدار (۲) پر، بلکہ یہ میرا (خریدار (۱) کا) نقصان قرار پائے گا،ایسا معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا،اسلئے کہ یہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں داخل ہے،جہاں تک ضمان کے قبول کرنے کا تعلق ہے،تو یہ قبضہ کے پائے جانے کے لئے کافی نہیں۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت میں شپنگ کی جوصورت رائج ہے،جس کی صورت یہ ہے کہ جہاز پر مال چڑھا دینے کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے،اور اگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہے،تیسرے شخص کے ہاتھوں فروخت کر دیتا ہے،اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا، بلکہ تیسرا شخص ضامن ہوتا ہے، یہ صورت بھی جائز نہیں ہے،اس لئے کہ یہ ''بیع قبل القبض'' کے قبیل سے ہے۔واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

قبضہ کی حقیقت اور قبضہ سے پہلے خرید وفروخت فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلہ میں مناسب ہوگا کہ فقہاء کے اقوال و مذاہب سے پہلے ایک نظر ان روایات پر ڈال لی جائے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، اس سلسلہ کی روایات عام طور پر کتب حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر بن عبداللہ، اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہم سے نقل کی گئی ہیں، الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ ان صحابہ سے اسی مضمون کی متعدد روایتیں منقول ہیں، یہاں چند روایات ذکر کی جاتی ہیں، جن کے الفاظ کو مختلف مکاتب فقہ نے اپنے پیش نظر رکھا ہے:

(۱) عبداللہ بن عباس سے روایت ہے:

ان رسو ل الله ﷺ نهى أن يبيع الرجل طعاماً حتى يستوفيه ، قلت لابن عباس : كيف ذلک ؟ قال : ذلک درهم بدرهم و الطعام مرجأ (بخاری ۲۸۶/۱)۔

رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی کھانے کی چیز وصول کرنے سے پہلے فروخت کردے، میں نے عبداللہ بن عباس سے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ درہم سے درہم کی فروخت ہے اور کھانا ادھار رہا؟

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

من اشترىٰ طعاماً بكيل أو وزن فلا يبعه حتى يقبضه (مسند احمد ۱۱۱/۲)۔

جو کیل یا وزن سے کھانا خرید کرے وہ قبضہ میں لئے بغیر اس کو فروخت نہ کرے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ نے آپ ﷺ کا ارشاد ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

من اشترىٰ طعاماً فلا يبعه حتى يكتاله (مسلم ۵/۲)۔

جو کھانا خریدے وہ پیمانہ سے ناپے بغیر فروخت نہ کرے۔

(۴) حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں:

كان رسول الله ﷺ يقول : إذا ابتعت طعاماً فلا تبعه حتى يستوفيه (مسلم ۶/۲)۔

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جب کھانا خرید کرو تو وصول کرنے سے پہلے فروخت نہ کرو۔

حضرت حکیم بن حزام سے منقول ہے:

قلت یا رسول الله ﷺ إنی اشتریت بیوعاً فما یحل لی منها وما یحرم علیّ ؟ قال : فإذا اشتریت فلا تبعه حتی تقبضه (مسند احمد ۳/۴۰۲)۔

میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں خرید وفروخت کے بعض معاملات کرتا ہوں، تو میرے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ فرمایا: جب خرید کرو تو قبضہ کئے بغیر فروخت نہ کرو۔

فقہاء کی آراء:

ان احادیث کی روشنی میں فی الجملہ کسی چیز پر قبضہ سے پہلے ہی اس کو فروخت کرنے کے ناجائز و نادرست ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ تفصیلات میں اختلاف سے قطع نظر اصولی طور پر یہ ایک اجماعی رائے ہے، ابن حزم نے عطاء کا اختلاف نقل کیا ہے کہ وہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو مطلقاً جائز تصور کرتے تھے (المحلی ۸/۵۲۰) عثمان البتی سے بھی ایسا ہی منقول ہے (شرح نووی علی مسلم ۲/۸)۔ لیکن بقول نووی یہ ایک قول شاذ و غیر معتبر ہے (حوالہ سابق)۔ البتہ تفصیلات اور احادیث کے مصداق کی بابت فقہاء کی رائیں مختلف ہیں۔

شوافع:

فقہاء شوافع کے نزدیک کوئی شئے جو خرید کی گئی ہو جب تک اس پر قبضہ نہ ہو جائے اس کو فروخت کرنا درست نہیں، مال منقول ہو یا غیر منقول، خوردنی شئے ہو یا کچھ اور، فروخت کنندہ کی اجازت سے تصرف کرے یا بلا اجازت اور قیمت کی ادائیگی کے بعد کرے یا اس سے پہلے ہی، بہرصورت یہ جائز نہیں۔

لا یجوز بیع المبیع قبل قبضه عقاراً کان أو منقولاً ، لا باذن البائع ولا بغیر إذنه ، لا قبل أداء الثمن ولا بعده (شرح المہذب ۹/۲۶۴)۔

قبضہ سے پہلے بیع کو فروخت کرنا جائز نہیں، مال منقول ہو یا غیر منقول، نہ فروخت کنندہ کی اجازت سے اور نہ بلا اجازت، نہ قیمت کی ادائیگی سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔

امام محمد کی بھی وہی رائے ہے جو امام شافعی کی ہے (مختصر الطحاوی ۸۴)۔

فقہاء شوافع نے بنیادی طور پر حضرت حکیم بن حزام کی روایت کو پیش نظر رکھا ہے جس میں مطلق خریدی ہوئی اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس کے علاوہ مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ حضور نے تو کھانے کی اشیاء کو قبضہ سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ دوسری اشیاء کا بھی یہی حکم ہوگا، واحسب کل شئ مثله (مسلم ۲/۵) خود امام شافعی نے "کتاب الام" میں عبد اللہ بن عباس ہی کے قول کو اپنے مستدل کی حیثیت سے ذکر کیا ہے (کتاب الأم ۳/۶۹)۔

حنابلہ:

حنابلہ کے نزدیک غیر خوردنی اشیاء میں قبضہ سے پہلے فروختگی جائز ہے، پھر خوردنی اشیاء میں حنابلہ کے

یہاں یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ جو چیزیں تول کر، ناپ کر اور گن کر فروخت کی جاتی ہیں ان میں قبضہ کے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں، دوسری اشیاء کی بابت امام احمد سے مختلف اقوال منقول ہیں، اور کون سا قول صحیح تر ہے؟ اس بابت بھی اختلاف ہے، ابن عبد البر کا بیان ہے کہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ کسی بھی خوردنی شئے کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں (المغنی ۸۸/۴)۔

حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ اور جابر کی روایات میں صراحت موجود ہے کہ یہ ممانعت خوردنی اشیاء کی بابت تھی، اور امام احمد کا وہ قول کہ ناپی و تولی جانے والی اشیاء ہی میں قبضہ ضروری ہوگا، غالباً عبداللہ بن عمر کی اس روایت پر مبنی ہے جو مسند احمد میں ان الفاظ میں منقول ہے:

من اشترى طعاماً بكيل أو وزن فلا يبعه حتى يقبضه (مسند احمد ۱۱۱/۲)۔

جس نے ناپ یا تول کے ذریعہ کھانا خرید کیا تو جب تک اس پر قبضہ نہ کرلے اس کو فروخت نہ کرے۔

مالکیہ:

مالکیہ کے یہاں اس مسئلہ میں حسب ذیل تفصیل ہے:

(الف) غیر خوردنی اشیاء قبضہ کے بغیر بھی فروخت کی جاسکتی ہیں۔

(ب) خوردنی اشیاء اگر پیمانے سے خرید نہ کی گئی ہوں بلکہ بلا تعیین مقدار مجموعہ (جزافا) خریدی گئی ہوں تو ان کو بھی قبضہ سے پہلے فروخت کیا جاسکتا ہے، یہی مالکیہ کے یہاں قول مشہور ہے، کیونکہ ایسی مبیع پر مالکیہ کے نزدیک عقد کے ساتھ ہی ملکیت قائم ہوجاتی ہے۔

(ج) جو خوردنی اشیاء ناپ کر، تول کر یا گن کر خرید کی گئی ہوں اور اموال ربویہ میں سے نہ ہوں یعنی اس لائق نہ ہوں کہ اس کا ذخیرہ کیا جاسکے، قبضہ سے پہلے ان کی بیع کے بارے میں امام مالک کے دونوں طرح کے قول ہیں، لیکن قول مشہور کے مطابق ان کو بھی قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں۔

(د) جو خوردنی اشیاء اموال ربویہ کے قبیل سے ہوں، قبضہ سے پہلے ان کو فروخت کرنا درست نہیں (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱۱۴/۲، الثمر الدانی ۴۱۹، المدونۃ الکبری ۱۶۶/۳)۔

مالکیہ نے ان روایات کو پیش نظر رکھا ہے جن میں قبضہ سے پہلے طعام کی بیع کو منع کیا گیا ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ ایک ہی مضمون کی روایت ایک جگہ مطلق مذکور ہو اور دوسری جگہ اس کے ساتھ کوئی قید لگائی ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ مطلق روایت میں بھی یہی قید ملحوظ ہے، اور ناپ تول کر خریدی ہوئی اشیاء میں ہی اس بیع کی ممانعت کی وجہ غالباً مسند احمد کی وہی روایت ہے جس کا ذکر ہوا کہ عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ "اگر کسی شخص نے ناپ کر کوئی چیز خرید کی ہو تو اس کو قبضہ کے بغیر فروخت نہ کرے" (مسند احمد ۱۱۱/۲)۔

حنفیہ:

حنفیہ کے نزدیک غیر منقول اشیاء جیسے زمین و مکان وغیرہ قبضہ سے پہلے فروخت کی جاسکتی ہیں، منقول

اشیاء قبضہ سے پہلے فروخت نہیں کی جاسکتیں (البحر الرائق ۶/۱۱۶) امام ابو یوسف کا رجحان ابتداء اسی رائے کی طرف تھا جو امام شافعی کی ہے، مگر پھر انہوں نے امام صاحب کی رائے کی طرف رجوع کرلیا (مختصر الطحاوی ۸۴)۔

حنفیہ نے روایات کے الفاظ کے بجائے مقصد پر نگاہ رکھی ہے کہ اصل مقصد غرر سے بچانا ہے، اموال غیر منقولہ میں یہ اندیشہ نہیں کہ حوالگی سے پہلے وہ چیز ضائع اور ہلاک ہوجائے لیکن اموال منقولہ میں اس کا احتمال موجود ہے، اس لئے اموال منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہوگی، اور اموال غیر منقولہ میں قبضہ سے پہلے بھی فروخت درست ہوگی (فتح القدیر ۶/۵۱۳) یہی وجہ ہے کہ اگر زمین ومکان بھی ایسی جگہ میں واقع ہو جہاں ضیاع کا خطرہ موجود ہو مثلاً مکان دریا کے کنارے واقع ہو اور اس کا سیلاب کی زد میں آجانا بعید از قیاس نہ ہو، یا وہ صحرائی علاقہ میں واقع ہو اور ریت سے ڈھک جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں زمین ومکان پر بھی قبضہ کے بعد ہی اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا (البحر الرائق ۶/۱۱۶)۔

غرض اس مسئلہ میں سب سے زیادہ وسعت مالکیہ اور حنابلہ کی رائے میں ہے اور سب سے زیادہ تنگی شوافع کی رائے میں، اور حنفیہ کی رائے ان دونوں کے درمیان ہے۔

ممانعت کی علت:

فقہاء کی آراء کو سامنے رکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے فروختگی کی ممانعت کی جو روایات ہیں تمام ہی فقہاء کے نزدیک علت پر مبنی ہیں، البتہ خود اس علت کی تعیین میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے، یوں تو اہل علم نے اس کی متعدد علتوں کا ذکر کیا ہے (ہامش عون المعبود ۹/۳۸۵) لیکن اصل میں فقہاء نے دو چیزوں کو علت قرار دیا ہے: غرر اور ربا۔ حنفیہ کے نزدیک اس کی علت غرر ہے یعنی جب تک مبیع پر قبضہ نہ ہوجائے اس بات کا اندیشہ ہے کہ شاید اس پر قبضہ حاصل ہی نہ ہو پائے اور اس طرح مبیع خریدار کو حوالہ نہ کی جاسکے، چنانچہ صاحب ہدایہ کہتے ہیں، والحدیث معلول بہ (ہدایہ مع الفتح ۶/۵۱۴) اور داماد آفندی کا بیان ہے:

الغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به (مجمع الأنہر ۲/۷۹)۔

جس غرر کی ممانعت ہے وہ یہ ہے کہ معاملہ کے ٹوٹ جانے کا خطرہ درپیش ہو اور حدیث اسی علت سے متعلق ہے۔

حنابلہ کے نزدیک بھی اصل علت غرر ہی ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

مايتوهم فيه غرر الانفساخ بهلاک المعقود عليه لم يجز بناء عقد آخر عليه تحرزاً من الضرر وما لا يتوهم فيه ذلک الغرر انتفى المانع فجاز العقد عليه (المغنی ۴/۹۲)۔

جس معاملہ میں بیع کے ضائع ہوجانے کی وجہ سے معاملہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ موجود ہو تو غرر سے بچتے ہوئے اس پر دوسرے معاملہ کی بنیاد رکھنا درست نہیں، اور جس میں غرر کا اندیشہ نہیں اس میں مانع موجود نہیں، اس لئے اس پر عقد جائز ہے۔

فقہاء شوافع کے یہاں بھی ممانعت کی اصل علت غرر ہی ہے، علامہ ابو اسحاق شیرازی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولأن ملكه عليه غير مستقر لانه ربما هلك فانفسخ العقد وذلك غرر من غير حاجة فلم يجز (شرح المہذب ۲۶۴/۹)

اس لئے کہ اس پر اس کی ملکیت خدشہ سے محفوظ نہیں ہے، کیونکہ بعید نہیں کہ مبیع ضائع ہوجائے اور معاملہ فسخ ہوجانے کی نوبت آجائے، اور یہ غرر ہے جو بلا حاجت ہے، لہٰذا یہ جائز نہیں ہوگا۔

اس طرح حالانکہ حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کی آراء میں خاصا اختلاف ہے لیکن اس بارے میں سبھی متفق ہیں کہ اس کی علت غرر ہے، البتہ شوافع اور حنابلہ نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر اس علت کو منطبق کرنے کی کوشش کی ہے اور احناف نے علت کی بنا پر نص میں تخصیص کا راستہ اختیار کیا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک ممانعت کی اصل علت سود کے امکانی راستے کو بند کرنا ہے، اور اہل علم کے لئے یہ امر محتاج اظہار نہیں کہ سد ذرائع اور عقود ربویہ کے باب میں مالکیہ کے یہاں احتیاط سب سے زیادہ ہے، تاہم اس کی طرف حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں بھی واضح اشارہ موجود ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ اس کی ممانعت کیوں ہے؟ تو فرمایا:

ذلک الدارهم بدراهم و الطعام مرجأ (بخاری ۶۸/۲)۔

یہ درہم بہ مقابلہ درہم ہے اور کھانا ادھار رہا۔

یعنی اگر "الف" نے "ب" سے ایک ہزار میں گیہوں خرید کیا اور قبضہ کئے بغیر "ج" سے بارہ سو روپے میں فروخت کر دیا تو گویا اس نے ایک ہزار دے کر بارہ سو روپے حاصل کیے اور درمیان میں گیہوں کا واسطہ بھی نہ ہوا، سو اس طرح گویا اس نے بالواسطہ سود حاصل کیا۔ اس لئے گویا اس حدیث کا معلول ہونا ائمہ متبعین کے درمیان متفق علیہ امر ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت بیع فاسد ہے:

بیع کے باطل و فاسد ہونے کا سبب یہ ہے کہ اگر ایجاب وقبول ایسے شخص نے کیا ہو جو اس کا اہل نہ ہو یا معاملہ کی اساس (بیع) ایسی چیز کو بنایا ہو جو شریعت کی نگاہ میں مال نہ ہو تو بیع باطل ہے ورنہ فاسد، اس اصول پر اگر کسی حلال مال کی بیع قبضہ سے پہلے کی جائے تو یہ باطل نہ ہوگی اور نہ مکروہ ہی ہوگی، کیونکہ بیع مکروہ میں کراہت کسی خارجی وصف جیسے وقت یا مقام کی وجہ سے آتی ہے، بلکہ بیع فاسد ہوگی، شامی کے یہاں اس کی صراحت موجود ہے، درمختار میں ہے:

وفسد بيع المنقول قبل قبضه ونفى الصحة يحتملهما (درمختار ۱۸۲/۴)۔

مال منقول کی بیع قبضہ سے پہلے فاسد ہوجائے گی، اور مبیع کے صحیح ہونے کی نفی باطل ہونے کا بھی احتمال

رکھتی ہے اور فاسد ہونے کا بھی۔

اس پر شامی کا بیان ہے:

ای یحتمل البطلان والفساد والظاهر هو الثانی لأن علة الفساد الغرر کما مر مع وجود رکنی العقد (ردالمحتار ۱۸۲/۴)۔

یعنی بطلان اور فساد دونوں کا اس لفظ میں احتمال ہے اور بظاہر فاسد ہونا مراد ہے، اس لئے کہ (جیسا کہ مذکور ہوا) فساد کی علت غرر ہے اور ایجاب وقبول پایا جارہا ہے۔

اس لئے یہ ''بیع فاسد'' ہے، اور قبضہ کے بعد خریدار کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، ''بیع فاسد'' کے سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اگر بیع میں فساد حق شرع کی بنا پر پیدا ہوا ہو اور وہ کسی کار گناہ پر مشتمل ہو تو یہ بہرحال باعث گناہ ہے، اگر نزاع کے اندیشہ سے ہو اور عملاً نزاع نہ پیدا ہو تو گو قضاء بیع فاسد ہوگی لیکن دیانۃً درست وصحیح ہو جائے گی، اس سلسلہ میں مولانا انور شاہ کشمیری کی یہ تحریر چشم کشا ہے:

إن من البیوع الفاسدة ما لو أتی بها أحد جازت دیانةً وإن کانت فاسدة قضاء وذلک لأن الفساد قد یکون لحق الشرع، بأن اشتمل العقد علی مأثم فلا یجوز بحال وقد یکون الفساد لمخافة التنازع، ولا یکون فیه شیء آخر یوجب الإثم فذلک إن لم یقع فیه التنازع جاز عندی دیانة وإن بقی فاسداً قضاء لارتفاع علة الفساد وهی المنازعة، ویدل علیه مسائلهم فی باب المضاربة والشرکة فإنها ربما تکون فاسدة مع أن الربح یکون طیبا، وراجع "الهدایة" و نبه الحافظ ابن تیمیة فی رسالته علی أن من البیوع مالا یقع فیه النزاع فتکون تلک جائزة، فإذا أدخلتها فی الفقه وجدتها محظورة لأن أکثر أحکام الفقه تکون من باب القضاء و الدیانات فیها قلیلة وإنما یصار إلی قضاء بعد النزاع فإذا لم یقع النزاع ولم یرفع الأمر إلی القاضی نزل حکم الدیانة لا محالة فیبقی الجواز (فیض الباری ۲۵۸/۳)۔

بیع کے بعض فاسد معاملات وہ ہیں کہ اگر کوئی ان کو کرہی لے تو دیانۃً جائز ہے گو قضاء فاسد ہے، اور وہ اس لئے کہ فساد کبھی حق شرع کی بنا پر ہوتا ہے، بایں طور کہ انجام دیا گیا معاملہ کسی گناہ کو شامل ہو تو یہ کسی حال میں جائز نہیں، اور کبھی معاملہ اندیشہ نزاع کے تحت فاسد ہوتا ہے اور اس میں کچھ اور باعث گناہ نہیں ہوتا تو اگر اس میں نزاع کی صورت نہ پیدا ہو تو میرے نزدیک یہ معاملہ دیانۃً جائز ہے گرچہ یہ قضاء فاسد ہی رہے گا، کیونکہ نزاع جو علت فساد تھی وہ موجود نہیں، اور اس کی دلیل مضاربت وشرکت کے ابواب کے مسائل ہیں کہ بعض اوقات یہ معاملات فاسد ہوتے ہیں لیکن نفع حلال ہوتا ہے، اس سلسلہ میں ''ہدایہ'' سے مراجعت کی جاسکتی ہے، نیز حافظ ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ میں اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ جس بیع میں نزاع نہ پیدا ہو، وہ جائز ہوگی، اگر تم اس کو باب فقہ میں داخل کروگے تو ناجائز پاؤگے، کیونکہ فقہ کے اکثر احکام قضاء کے باب سے ہوتے ہیں، اور دیانت کے مسائل اس میں کم ہوتے ہیں۔ قضاء کی طرف

اسی وقت رجوع کیا جاتا ہے کہ نزاع پیدا ہوگئی ہو، لہذا اگر نزاع پیدا نہیں ہوئی اور معاملہ قاضی کے پاس نہیں گیا تو لامحالہ دیانت کا حکم جاری ہوگا اور جواز باقی رہے گا۔

اس لئے یہ امر بھی غور طلب ہے کہ ''قبضہ سے پہلے خرید و فروخت'' کی ممانعت از قبیل حق شرع ہے یا حق عباد ،اور یہ صرف قضاءً فاسد ہے یا دیانۃً بھی؟ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس کی ممانعت حق عبد کی بنا پر ہے نہ کہ حق شرع کی بنا پر، اور اس کا فساد دیانۃً ہے نہ کہ قضاءً۔

قبضہ کے مفہوم میں عرف کا دخل:

حقیقت یہ ہے کہ احادیث میں قبضہ کا کوئی متعین و محدود مصداق بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ خود احادیث میں قبضہ کی مختلف کیفیات کی طرف اشارہ موجود ہے، مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک روایت میں ہے کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ مقام خریداری سے منتقل کئے بغیر دوبارہ اس کو فروخت نہ کریں، یامرنا بانتقاله من المكان الذى ابتعناه فيه إلى مكان سواه قبل أن نبيعه (مؤطا امام مالک ۶۴۲/۲) حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ جب تک تجار خرید کردہ مال کو اپنے کجاوے میں منتقل نہ کرلیں فروخت نہ کریں، حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (۴۹۴/۲) حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت میں ناپ تول کو قبضہ قرار دیا گیا ہے: فلا يبعه حتى يكتاله (مسلم ۵/۲)۔ ظاہر ہے کہ ناپ تول، سامان کو اس کی جگہ سے ہٹانا، اور سامان کو اپنی دوکان یا سواری میں منتقل کرنے کے مفہوم و مصداق میں خاصا فرق ہے اور جن الفاظ کی شریعت نے تحدید نہ کی ہو ان کی بابت اصول ہے کہ ''عرف'' ہی سے ان کی مراد متعین ہوگی، سیوطی کا بیان ہے:

كل ماورد به الشرع مطلقاً ولا ضابط له فيه ولا فى اللغة يرجع فيه إلى العرف ومثلوه بالحرز فى السرقة والتفرق فى البيع والقبض (الاشباہ والنظائر للسیوطی ۱۹۶)۔

شریعت میں جو لفظ مطلق وارد ہوا ہو اور اس کی بابت نہ شریعت میں ضابطہ مقرر ہو اور نہ لغت میں، تو اس میں عرف کی طرف لوٹایا جائے گا، چوری کے مسئلہ میں حرز (حفاظت)، بیع میں تفرق نیز قبضہ سے فقہاء نے اس کی مثال دی ہے۔

اسی لئے فقہاء متفق اللسان ہیں کہ قبضہ کا مصداق لغت اور اشیاء کی نوعیت کے لحاظ سے ہوگا، علامہ علاء الدین کاسانی کہتے ہیں:

ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكن والتخلى وارتفاع الموانع عرفا وعادةً حقيقةً (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)۔

انگلیوں سے قبضہ شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کے معنی ''تمکن'' و ''تخلی''، اور عرف و عادت اور حقیقت کے اعتبار سے موانع کے ختم ہوجانے کے ہیں۔

علامہ ابوالبرکات دردیر قمطراز ہیں:

وقبض العقار .. بالتخلية .. وقبض غيره .... بالعرف الجاری بین الناس (الشرح الکبیر علی ہامش الدسوقی ۳/۱۴۵)۔

غیر منقول اموال میں قبضہ تخلیہ کے ذریعہ..اور دوسری اشیاء میں لوگوں کے عرف ورواج کے مطابق ہوگا۔

امام نووی کا بیان ہے:

لأن القبض ورد به الشرع وأطلقه فحمل علی العرف ، والعرف فی ما ینقل النقل وفی مالا ینقل التخلیة (شرح المہذب ۹/۲۷۵)۔

شریعت میں قبضہ کا ذکر ہے اور مطلق ہے لہذا اس کو عرف پر محمول کیا جائے گا، اور عرف منقولہ اموال میں یہ ہے کہ نقل قبضہ ہے، اور غیر منقولہ اموال میں تخلیہ۔

فقہاء حنابلہ میں ابن قدامہ لکھتے ہیں:

لأن القبض مطلق فی الشرع فیجب الرجوع فیه إلی العرف کالإحراز والتفرق (المغنی ۴/۹۰)۔

کیونکہ قبضہ شریعت میں مطلق ہے، لہذا اس میں عرف کی طرف رجوع کرنا واجب ہے، جیسے احراز، تفرق۔

اس لئے قبضہ کے سلسلہ میں یہ متفق علیہ ہے کہ قبضہ دراصل "تخلیہ" یعنی مالک اور اس شئے کے درمیان کوئی مانع تصرف امر کو باقی نہ رکھنے کا نام ہے، اور یہ ہر دور کے عرف اور ہر عہد کے رواج اور طور وطریق ہی سے متعین ہوسکتا ہے۔

قبضہ میں سامان کی نوعیت کا لحاظ:

جیسے قبضہ میں ہر عہد کے عرف کا اعتبار ہے، اسی طرح ہر شئے کا قبضہ اسی کے لحاظ سے ہوگا، شامی کے الفاظ ہیں: یختلف بحسب المبیع (ردالمحتار ۴/۴۸)۔

اسی لئے فقہاء کے یہاں مختلف صورتوں میں الگ الگ کیفیات کو قبضہ قرار دیا گیا ہے، مثلاً چند صورتیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ بیع فاسد میں قبضہ کے لئے اس شئے کو اپنے ہاتھ میں لینا ضروری ہے، محض تخلیہ یعنی موانع کا ہٹادینا کافی نہیں، المراد بالقبض هنا القبض بالبراجم لا بالتخلیة یرید بالید (البحرالرائق ۶/۱۹۴)۔

۲۔ کبھی خریدار کے تھیلے میں اس کی اجازت سے فروخت کردہ شئے کا رکھ دینا قبضہ کے حکم میں ہے، چاہے ایسا کرتے وقت خریدار موجود نہ ہو، لو اشتری مکیلا معینا ودفع المشتری الی البائع ظرفا وأمره أن یکیله فی ظرف ففعل البائع والمشتری غائب صح (البحرالرائق ۶/۱۶۸)۔

۳۔ کبھی قبضہ کا اطلاق کسی شئے اور اس کے خریدار کے درمیان موانع تصرف کے ختم کردینے سے تسلیم کیا

جاتا ہے، مثلاً کسی شخص کے پاس بطور امانت یا عاریت سامان موجود تھا، صاحب امانت اور صاحب عاریت نے اسی شخص سے وہ چیز فروخت کردی تو جب بھی یہ اس سامان کے پاس آجائیں، قبضہ کی تکمیل ہوجائے گی، اب اگر اس کے بعد وہ سامان ضائع ہوجائے تو خریدار کی ملکیت سے ضائع ہوگا۔

يصير المشترى قابضاً بالتخلية فإذا هلك بعد ذلك يهلك من مال المشترى (البحر الرائق ۶/۸۰)۔

خریدار تخلیہ کی وجہ سے قبضہ کرنے والا متصور ہوگا، لہذا اگر اس کے بعد مبیع ضائع ہوجائے تو یہ خریدار کے مال میں سے متصور ہوگا۔

قاضی خان لکھتے ہیں:

أجمعوا على أن التخلية فى البيع الجائز تكون قبضاً (فتاوی قاضیخان ۲/۴۷۴)۔

اس پر اجماع ہے کہ بیع صحیح میں تخلیہ قبضہ ہے۔

عالمگیری نے بھی یہی بات نقل کی ہے، تاہم لکھا ہے کہ صاحب اجناس نے ''تخلیہ'' کے ساتھ یہ بھی شرط لگائی ہے کہ خریدار کو اس پر قبضہ کرنے کو کہدے، أن يقول خليت بينك وبين المبيع فاقبضه (فتاوی ہندیہ ۳/۹) نیز خلاصۃ الفتاوی میں ہے کہ مبیع اگر دوری پر بھی واقع ہو پھر بھی ''تخلیہ'' قبضہ کے لئے کافی ہوگا، إن بالتخلية يقع القبض وإن كان المعقود عليه يبعد عنها (خلاصۃ الفتاوی ۳/۸۹) یہی رائے حنبلی دبستان فقہ کے مشہور شارح ابن قدامہ کی ہے، فرماتے ہیں کہ قبضہ کے لئے تخلیہ اور مبیع کا ممتاز و مشخص ہونا کافی ہے، إن القبض فى كل شئ بالتخلية مع التميز (فتاوی ہندیہ ۳/۱۰)۔

۴۔ کبھی فقہاء نے مکان کی کنجی حوالہ کردینے کو قبضہ کے لئے کافی تصور کیا ہے، گو وہ خود اس مکان تک نہ گیا ہو، ولو باع الدار وسلم المفتاح فقبض المفتاح ولم يذهب الى الدار يكون قابضا (فتاوی قاضیخان ۲/۴۷۹)۔

عالمگیری میں ہے:

وقبض المفتاح قبض الدار إذا تهيأ له فتحها بلا كلفة (فتاوی ہندیہ ۳/۱۰)۔

اگر کنجی سے بلا تکلف مکان کھولا جاسکتا ہو تو کنجی پر قبضہ مکان پر قبضہ کے حکم میں ہے۔

۵۔ کبھی سامان میں خریدار کا تصرف قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، مثلاً خریدار کے حکم سے فروخت کنندہ نے فروخت کئے ہوئے گیہوں کو پیس دیا، تو گیہوں پر قبضہ ہوگیا، واذا أمر المشترى للبائع بطحن الحنطة فطحن صار قابضاً (فتاوی ہندیہ ۳/۱۲)۔

۶۔ مبیع میں خریدار کے حکم سے کوئی اور شخص تصرف کرے تو یہ بھی قبضہ کے لئے کافی ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ باندی پر قبضہ سے پہلے اس کا نکاح کردے اور ناکح اس سے وطی کرلے، تو بعض حضرات کا خیال ہے کہ نکاح

بجائے خود اس کی طرف سے قبضہ سمجھا جائے گا، اور بعض حضرات کے نزدیک ''وطی'' کے بعد قبضہ متحقق ہوگا، ومن اشترى جارية ولم يقبضها حتى زوجها فوطيها فالنكاح جائز (ہدایہ ۸۶/۳) اس سے معلوم ہوا کہ خریدار کے وکیل کا تصرف خود خریدار کا تصرف سمجھا جائے گا۔

۷۔ بعض صورتوں میں ایک چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دینے پر قبضہ کا اطلاق ہوتا ہے، وإن كان.. فقبض المبيع نقله (المغنی ۱۱۱/۴)۔

ایک لفظی نزاع :

بہر حال فقہاء حنفیہ کے یہاں ''قبضہ'' تخلیہ سے عبارت ہے، البتہ اس کی کیفیت مختلف اشیاء کے لحاظ سے علاحدہ ہوسکتی ہے، خواہ اموال منقولہ ہوں یا غیر منقولہ (ردالمحتار ۴۸/۴)۔ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اموال غیر منقولہ میں تو قبضہ ''تخلیہ'' کے ذریعہ وجود میں آتا ہے اور دوسری اشیاء میں ان کے حسب حالات، چنانچہ امام نووی نے لکڑی و غلہ جات وغیرہ میں منتقلی اور درہم و دینار میں ہاتھ یا کپڑے وغیرہ میں لے لینے کو قبضہ قرار دیا ہے (شرح المہذب ۲۷۶/۹) حنابلہ نے ان کے علاوہ ناپ، تول اور شمار کی جانے والی اشیاء میں خریدار کے ناپ، تول اور شمار کو بھی قبضہ شمار کیا ہے (الروض المربع ۲۲۴) مالکیہ نے بھی منقولہ اشیاء میں حسب عرف و رواج قبضہ کا مفہوم متعین کیا ہے (الشرح الکبیر علی ہامش الدسوقی ۱۴۵/۳)۔

تاہم میرے خیال میں یہ کوئی جوہری اختلاف نہیں بلکہ حنفیہ نے ''تخلیہ'' کے مفہوم میں وسعت پیدا کی ہے اور تخلیہ حقیقی و حکمی کی دو صورتیں کر کے استیلاء کی تمام صورتوں کو اس میں سمیٹ لیا ہے، اور دوسرے فقہاء نے ''تخلیہ'' کو تخلیہ حقیقی تک محدود کر کے اس کا دائرہ نسبۃً تنگ رکھا ہے اور اس کے مقابلہ میں قبضہ کی دوسری کیفیات متعین کی ہیں، اگر تخلیہ حکمی کی کیفیات شامی وغیرہ کتب احناف میں دیکھی جائیں اور اموال منقولہ میں قبضہ کی تفصیلات دوسرے فقہاء کی کتابوں میں، تو کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوگا۔ حاصل یہی ہے کہ قبضہ کے مفہوم میں ہر عہد کا عرف و رواج بھی ملحوظ ہے اور شئے مقبوض کی نوعیت بھی۔

خلاصۂ بحث:

پس قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی بابت تمام مباحث کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے مسئلہ میں موجودہ حالات میں فقہ مالکی یا فقہ حنبلی کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت فاسد ہے اور قبضہ کے بعد خریدی ہوئی شئے پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔

۳۔ قبضہ کا مصداق نہ کتاب و سنت میں متعین ہے اور نہ فقہاء نے اس کا کوئی قطعی مفہوم مقرر کیا ہے بلکہ ہر دور کے عرف اور خرید کی گئی اشیاء کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہوسکتا ہے۔

۴۔ ''قبضہ سے پہلے خرید وفروخت'' کی ممانعت ''غرر'' کی بنا پر ہے، غرر کثیر سے عقد فاسد ہو جاتا ہے، غرر یسیر سے فاسد نہیں ہوتا۔

۵۔ جو غرر باعث نزاع بن جائے وہ کثیر ہے، اور جو باعث نزاع نہ ہو اور عرف میں مروج ہو وہ یسیر ہے۔

۶۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے بیع فاسد ہوتی ہے نہ کہ باطل۔

۷۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا فساد حق عبد کی بنا پر ہے نہ کہ حق شرع کی بنا پر، اس لئے اس کا فاسد ہونا دیانۃً ہے نہ کہ قضاءً۔

۶۔ فیکٹری سے خریدے ہوئے مال کو منتقل کئے یا کوئی ایسا عمل کئے بغیر جو حسی طور پر قبضہ کہلائے دوسرے سے فروخت کر دینا ''بیع قبل القبض'' میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، ''نقصان کا ضامن ہو جانا'' قبضہ کے تحقق کے لئے کافی نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص قبضہ کے بغیر اپنے اوپر ضمان کی ذمہ داری قبول بھی کر لے تو اس کا اعتبار نہیں، علامہ شامی کا بیان ہے:

اشترى بقرة مريضة وخلاها في منزل البائع قائلاً إن هلكت فمني وماتت فمن البائع لعدم القبض (ردالمحتار ۴/۴۸)۔

بیمار گائے خریدی اور یہ کہہ کر فروخت کنندہ کے گھر میں چھوڑ دی کہ ہلاک ہو جائے تو میری ہلاک ہوئی اور گائے مر گئی تو یہ بائع کے مال میں سے ہلاکت متصور ہوگی کیونکہ قبضہ نہیں پایا گیا۔

اس لئے محض ہلاکت مال کا ضامن ہو جانا قبضہ نہیں۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت میں شپنگ کے ذریعہ خرید وفروخت کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے، اس میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت بھی ہے اور ''ربح مالم یضمن'' بھی، اس لئے یہ صورت بھی جائز نہیں۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا محبوب علی وجیہی

۱۔ منقولات میں قبضہ سے پہلے بیع فاسد ہے، اس لئے کہ منقولات میں قبضہ شرط ہے بیع کی حقیقت نہیں ہے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ مشتری کا مبیع پر تصرف وقبضہ ہوجائے خواہ حقیقی ہو یا حکمی، بظاہر شریعت نے قبضہ کی کوئی خاص صورت معین نہیں کی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ مبیع کی نوعیتوں میں فرق ہے، اس کے لئے کوئی صورت معین نہیں کی جاسکتی، اس لئے قبضہ کی صورتیں بھی الگ الگ ہیں، زمین بوروں اور بکسوں میں نہیں بھری جاسکتی، اس کا قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری کا اس میں قفل لگوادے، اپنا سامان اگر اس میں ہوتو نکال لے، اس لئے شریعت مطہرہ نے نہ اس کی کوئی خاص صورت متعین کی اور نہ کوئی ایک طریقہ مقرر فرمایا بلکہ عرف کے مطابق ایسا عمل جو مشتری کے اس پر غلبہ کو بتائے اور مشتری کو مبیع میں تصرف کرنے میں کوئی مانع پیش نہ آئے بلکہ آزادانہ طور سے مشتری اس میں حسب منشاء تصرف کرسکے اور بائع کے اموال سے اس کو امتیاز حاصل ہوجائے اسی کو قبضہ مان لیا ہے۔

۳۔ منقول چیزوں میں قبضہ کا طور طریق غیر منقول سے جدا ہے، دونوں کی نوعیت ایک نہیں ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی احادیث معلول ہیں، بعض چیزوں میں ربا یا شبہ کے داخل ہونے سے محفوظ رکھنا ہے، اور بعض چیزوں میں غرر اور دھوکہ سے مشتری کو بچانا مقصود ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت عام نہیں ہے اسی لئے ائمہ مجتہدین اور اکابر علماء کا اس میں اختلاف ہے، بدایۃ المجتہد میں علامہ اندلسی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

أما بيع ما سوى الطعام قبل القبض فلا خلاف في مذهب مالك في إجازته و أما الطعام الربوى فلا خلاف في مذهبه أن القبض شرط في بيعه و أما أبو حنيفة فالقبض عنده شرط في مبيع ما عدا المبيعات التي لا تنتقل ولا تحول من الدور والعقار وأما الشافعي فان القبض عنده شرط في كل مبيع و به قال الثوري. اور آگے اسی میں ہے: وقال أبو عبيد و إسحاق كل شئ لا يكال ولا يوزن فلا بأس ببيعه قبل قبضه فيتحصل في اشتراط القبض سبعة أقوال الأول في الطعام الربوى فقط، الثاني في الطعام بإطلاق، الثالث في الطعام المكيل والموزون، الرابع في كل شئي ينقل ، الخامس في كل شئ، السادس في المكيل والموزون، السابع في المكيل

والموزون والمعدود .

اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز میں قبضہ شرط نہیں ہے بلکہ مستثنیات بھی ہیں، اس کے دلائل یہ ہیں: لا یحل بیع و سلف و لا ربح فی ما لم یضمن ولا بیع ما لیس عندک ، اور عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے: أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یقبضه.

اس سے معلوم ہوا کہ جو مبیع مشتری کی ضمان میں داخل نہیں ہوا اس کو فروخت کر کے نفع کمانا جائز نہیں، جب اس کی ضمان میں داخل ہو جائے تب اس کا قبضہ اور اس کا تصرف صحیح ہوگا، مگر یہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف منقولات میں ہے، اور غیر منقولات میں ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے اس لئے حکماً مشتری کی ضمان اور قبضہ میں مان لیا جاتا ہے، کیونکہ قبضہ حسّی بھی ہوتا ہے اور حکمی بھی، امام صاحب کے نزدیک قبضہ کے لئے تخلیہ کافی ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: ثم التسلیم یکون بالتخلیة علی وجه یتمکن من القبض اور ردالمحتار میں ہے: ولو اشتری حنطة فی بیت و دفع البائع المفتاح إلیه وقال خلیت بینک وبینها فهو قبض ۔

۶۔ میں نے یہ تحریر کیا ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) حسّی (۲) حکمی، ضمان میں مبیع کا داخل ہونا قبضہ حکمی کے اندر داخل ہے اس لئے خریدار نمبر (۲) کے ہاتھ بیع حکماً قبضہ ہو جانے کی وجہ سے صحیح ہے، جیسے بائع مبیع کو ایک کوٹھری میں رکھ کر مشتری سے کہے کہ میں نے مبیع کو کوٹھری میں رکھ کر بند کر دیا اور میں نے مبیع اور تمہارے درمیان تخلیہ کر دیا تو مشتری کا حکماً قبضہ ہو جائے گا۔

۷۔ جب ضمان کو ہم نے حکماً قبضہ تسلیم کر لیا تو پہلے بائع نے مال جہاز پر چڑھا دیا اور مال جہاز پر چڑھانے کے بعد یہ مشتری جس کا مال ہے اس کا ضامن ہو گیا تو حکماً اس مال پر اس کا قبضہ ہو گیا، اور جب اس کا قبضہ ہو گیا تو اس کے فروخت کرنے کا بھی حق اس کو حاصل ہو گیا، اور جب اس نے دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس کی ضمان سے نکل کر اس کی ضمان میں داخل ہو گیا، اور ضمان میں داخل ہونے کے ساتھ قبضہ بھی حکماً تسلیم کر لیا گیا، لہذا یہ بیع درست ہو گئی اور یہ صورت شرعاً درست ہو گئی۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے احکام

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی
پھلواری شریف پٹنہ

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا شرعی حکم:

تقریباً تمام فقہاء کرام قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو کسی نہ کسی درجہ میں ناجائز کہتے ہیں۔ البتہ یہ بیع فاسد ہے یا باطل اس سلسلہ میں حکم شرعی بیان کرنے سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء بیع باطل اور بیع فاسد کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک بیع جب تک صحیح نہ ہو اس وقت تک بیع کے اثرات مرتب نہیں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور سے کتابوں میں اس خاص مسئلہ میں جمہور کا مسلک بیان کرتے ہوئے ''ولا یجوز'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

وعند الجمهور وهم لا يفرقون بين الفاسد والباطل فى الجملة. هو مالم يترتب أثره عليه، فلم يثمر ولم تحصل به فائدته من حصول الملك.. (يرى جمهور الفقهاء المالكية والشافعية والحنابلة) انه لا فرق بين البيع الفاسد والبيع الباطل، فهما مترادفان، لأن كلا من البيع الفاسد والباطل وقع على خلاف ما طلبه الشارع، ولذلک لم يعتبره، ولم يترتب عليه الاثر الذى رتبه على البيع الصحيح من حصول الملک وحل الانتفاع (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۵۲،۵۴)۔

البتہ فقہاء احناف بیع فاسد اور بیع باطل کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بیع باطل وہ بیع ہے جو نہ اصلاً مشروع ہو اور نہ ہی وصفاً۔ اور بیع فاسد وہ بیع ہے جو اصلاً مشروع ہو لیکن وصفاً مشروع نہ ہو۔ اصل سے مراد یہ ہے کہ بیع کے ارکان (ایجاب وقبول) میں کوئی خلل ہو مثلاً: عاقدین میں ایجاب وقبول کی اہلیت نہ ہو۔ جیسے کوئی مجنون یا کوئی لایعقل بچہ ایجاب وقبول کرلے تو یہاں پر بیع کے ارکان ایجاب وقبول ہی میں خلل ہے۔ یا محل یعنی مبیع میں کوئی خلل ہو، مثلاً: مبیع مردار یا خنزیر یا خون یا شراب ہو تو دونوں صورتوں میں بیع باطل ہے۔ اور وصف سے مراد یہ ہے کہ بیع کے رکن اور محل کے علاوہ کسی دوسری چیز میں خلل ہو، مثلاً: شراب کے عوض میں کوئی چیز خریدی جائے، تو یہاں پر ثمن میں خلل ہے۔ یا مبیع غیر مقدور التسلیم ہو۔ یا کوئی ایسی شرط لگادی جائے جو مقتضاء عقد کے خلاف ہو تو ان صورتوں میں بیع فاسد ہوگی نہ کہ باطل۔

فقہاء احناف نے بیع باطل اور بیع فاسد کے درمیان فرق کرنے کے لئے ایک ضابطہ بیان کردیا ہے کہ... جب عوضین میں سے کوئی ایک کسی بھی دین سماوی میں مال نہ ہو تو اس کی بیع باطل ہے خواہ وہ مبیع ہو یا ثمن، لہذا مردار، خون اور آزاد شخص کی بیع باطل ہے۔ اس لئے کہ یہ اشیاء کسی بھی دین سماوی میں مال نہیں ہیں۔ اور اگر عوضین

میں سے کوئی ایک کسی دین سماوی میں مال ہے اور کسی میں نہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر اس کو مبیع بناتے ہیں تو اس کی بیع باطل ہے، اور اگر ثمن بناتے ہیں تو اس کی بیع فاسد ہے۔ مثلاً: اگر شراب کو درہم و دنانیر یا روپے پیسے کے عوض میں فروخت کرتے ہیں تو ایسی صورت میں شراب کا مبیع ہونا متعین ہو جائے گا اور اس کی بیع باطل ہوگی، اور اگر شراب کے عوض میں کوئی چیز خریدتے ہیں تو اس کی بیع فاسد ہوگی۔

"وكل ما أورث خللاً في ركن البيع فهو مبطل وما أورثه في غيره فمفسد ...(در مختار) (وقوله في ركن البيع) هو الإيجاب والقبول بان كان من مجنون أوصبى لا يعقل...أو في محله أعني المبيع فان الخلل فيه مبطل بان كان المبيع ميتة أو دما أو حرا أو خمرا كما في ط عن البدائع (قوله وما أورثه في غيره) أى في غير الركن و كذا في غير المحل و ذلك بان كان في الثمن بأن يكون خمرا مثلا أو بان كان من جهة كونه غير مقدور التسليم أو فيه شرط مخالف لمقتضى العقد فيكون البيع بهذا الصفة فاسداً لا باطلا لسلامة ركنه و محله عن الخلل...وبه ظهر أن الوصف ما كان خارجا عن الركن والمحل (تنبيه) في شرح مسكين ثم الضابط في تمييز الفاسد من الباطل ان أحد العوضين إذا لم يكن مالا في دين سماوى فالبيع باطل سواء كان مبيعا أو ثمنا فبيع الميتة والدم والحر باطل و كذا البيع به وإن كان في بعض الأديان مالا دون البعض إن أمكن اعتباره ثمنا فالبيع فاسد فبيع العبد بالخمر أو الخمر بالعبد فاسد وإن تعين كونه مبيعا فالبيع باطل فبيع الخمر بالدراهم أو الدراهم بالخمر باطل" (ردالمحتار ۴/۱۰۰)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جمہور فقہاء کے نزدیک قبضہ سے قبل بیع ناجائز ہے۔ بیع صحیح کے احکام و اثرات (ملکیت و انتفاع) اس پر مرتب نہیں ہوں گے۔ البتہ فقہاء احناف کے نزدیک چونکہ نہ تو بیع کے ارکان میں کوئی خلل ہے اور نہ ہی مبیع میں، بلکہ یہ خلل خارج میں ہے، اس لئے یہ بیع فاسد ہوئی نہ کہ باطل۔ بیع باطل میں سرے سے بیع ہوتی ہی نہیں۔ بیع کے احکام اس پر نافذ نہیں ہوتے ہیں۔ قبضہ کی وجہ سے نہ تو فروخت کرنے والا ثمن کا مالک ہوتا ہے اور نہ خریدار مبیع کا۔ البتہ بیع فاسد میں قبضہ کی وجہ سے بائع ثمن کا اور مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں خریدار قبضہ کے بعد مبیع کا مالک ہو جائے گا اور اس کے لئے دوسروں سے فروخت کرنا جائز ہوگا۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے متعلق فقہاء کے اقوال:

قبضہ سے قبل کن اشیاء کی بیع جائز ہے اور کن اشیاء کی ناجائز؟ اور عدم جواز کا حکم عام ہے یا خاص؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں جو درج ذیل ہیں:

ا۔ متفق علیہ قول:

اس پر تقریباً تمام فقہاء متفق ہیں کہ طعام کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے۔ اس میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ الموسوعہ میں شرح کبیر کے حوالہ سے ابن المنذر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ طعام کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے۔

اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

ویقول ابن المنذر: أجمع أهل العلم على أن من اشترى طعاما فليس له أن يبيعه حتى يستوفيه (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۱۳۷)۔

البتہ علامہ ابن قدامہ الحنبلی نے المغنی میں البتی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہر چیز کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ گویا کہ البتی کے نزدیک طعام کی بیع بھی قبضہ سے قبل جائز ہے۔ البتی کے اس قول کے متعلق علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ قول احادیث نبویہ اور متفق علیہ دلائل کی روشنی میں مردود ہے اور ایسا لگتا ہے کہ حرمت والی حدیث ''البتی'' تک نہیں پہونچی تھی۔ اس جیسے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ولم اعلم بين أهل العلم خلافا، إلا ما حكى عن البتى أنه قال: لا بأس ببيع كل شئ قبل قبضه، وقال ابن عبد البر: وهذا قول مردود بالسنة والحجة المجمعة على الطعام، وأظنه لم يبلغه هذا الحديث، ومثل هذا لايلتفت إليه (المغنی ۴/۱۲۷)۔

خلاصہ یہ ہے کہ طعام کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے۔ اس میں سوائے ایک مردود اور ناقابل اعتناء قول کے کسی بھی اہل علم کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ طعام کے علاوہ دیگر اشیاء کی خرید وفروخت قبضہ سے قبل جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

۲۔شوافع کا مسلک :

اس مسئلہ میں شوافع کا مسلک یہ ہے کہ قبضہ سے قبل کسی چیز کی بیع جائز نہیں ہے، خواہ وہ منقول ہو یا غیر منقول اور اگرچہ بائع کی اجازت دینے اور ثمن پر قبضہ کر لینے کے بعد ہو۔ امام شافعیؒ ''کتاب الام'' میں تحریر فرماتے ہیں: **(قال الشافعي) وبهذا نأخذ فمن ابتاع شيئا كائنا ما كان فليس له أن يبيعه حتى يقبضه**'' (کتاب الام ۳/۶۰) تحفۃ المحتاج میں ہے: ''**ولا يصح بيع المبيع قبل قبضه**'' اس کی شرح ''شرح منہاج'' میں ہے: ''**(قوله ولا يصح بيع المبيع) قال فى شرح الروض اى والمغنى وإن أذن البائع وقبض الثمن**'' (تحفۃ المحتاج مع شرح المنہاج ۴/۴۰۱)۔

شوافع کے دلائل:

شوافع کے دلائل وہ روایات ہیں جن میں مطلقاً قبضہ سے قبل مبیع کی بیع کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مصنف عبد الرزاق میں حکیم ابن حزام کی روایت ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں چیزوں کی خرید وفروخت کرتا ہوں۔ ان میں سے کونسی چیز میرے لئے حلال ہے اور کون سی چیز حرام، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''**يا ابن أخي! إذا اشتريت منها بيعا فلا تبعه حتى تقبضه**'' یعنی جب تم کوئی چیز خریدو تو اس پر قبضہ کرنے سے قبل فروخت نہ کرو (مصنف عبدالرزاق ۸/۳۹)۔

حکیم بن حزام ہی کی روایت نسائی شریف میں ہے کہ: حضور اکرم ﷺ نے غیر موجود شئ کی بیع سے منع فرمادیا

ہے (نسائی ۲/۲۲۵)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو چیز اپنے ضمان میں نہ ہو اس سے نفع حاصل کرنا حلال نہیں ہے۔ یہ روایت نسائی اور ترمذی میں ہے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ مبیع پر قبضہ سے قبل بیع کرنا "**بیع مالیس عندک**" اور "**ربح مالم یضمن**" ہے جس کی ممانعت احادیث میں آئی ہے۔

شوافع کی ایک دلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا وہ قول بھی ہے جس کو امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں نقل کیا ہے۔ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: **أما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام أن یباع حتی یقبض قال ابن عباس و لا أحسب کل شیٔ إلا مثله** (بخاری ۱/۲۸۶) یعنی حضور ﷺ نے طعام کی بیع قبضہ سے قبل کو منع فرمایا، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہر چیز کو طعام ہی کے مثل سمجھتا ہوں۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس طعام کی طرح ہر چیز کی بیع کو قبضہ سے قبل ناجائز سمجھتے تھے۔

شوافع کی عقلی دلیل یہ ہے کہ قبضہ سے قبل مبیع پر مشتری کی ملکیت کمزور ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مبیع قبضہ سے قبل ہلاک ہو جائے تو بیع ختم ہو جائے گی۔ اور جب ملکیت کمزور ہے تو اس کی بیع جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ در حقیقت غیر مملوک کی بیع ہوگی جس کی ممانعت احادیث میں موجود ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر قبضہ سے قبل بیع کو جائز قرار دیتے ہیں تو شیٔ واحد پر دو شخصوں کا ضمان لازم آتا ہے۔ ایک تو بائع اول ضامن ہے، اور دوسرا مشتری اول، مشتری ثانی کے لئے ضامن ہوگا، اور یہ صحیح نہیں ہے۔

وعلته ضعف الملک لانفساخه بتلفه کما مر وقیل اجتماع الضمانین علی شیٔ واحد إذ لو صح لضمنه المشتری ایضا للثانی قبل قبضه فیکون مضمونا له و علیه (تحفۃ المحتاج ۴/۴۰۱)۔

۳۔ مالکیہ کا مسلک:

مالکیہ کے نزدیک صرف طعام کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ خواہ طعام ربوی ہو جیسے گیہوں، یا غیر ربوی ہو جیسے پھل۔ طعام کے علاوہ دیگر تمام اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔ مالکیہ کے نزدیک طعام کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے۔ اس کے لئے بھی دو شرطیں ہیں:

طعام کسی چیز کے عوض میں لیا گیا ہو۔ مثلاً اجارہ یا شراء یا صلح کے ذریعہ حاصل ہو۔ ایسی صورت میں طعام کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے۔ اگر بغیر کسی عوض کے حاصل ہو، مثلاً: ہبہ یا وراثت میں ملا ہو تو ایسی صورت میں قبضہ سے قبل بھی طعام کی بیع جائز ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ناپ کر یا تول کر یا گن کر کے طعام کو حاصل کیا ہو۔ اس صورت میں قبضہ سے قبل بیع جائز نہیں ہے، خواہ وہ دوسروں کو کیل کر کے فروخت کرے یا اندازہ سے۔ اگر کیل یا وزن یا گن کر کے طعام حاصل نہیں کیا بلکہ اندازہ سے حاصل کیا تو ایسی صورت میں قبضہ سے قبل بھی اس کی بیع جائز ہے، خواہ وہ دوسروں کو کیل کر کے

فروخت کرے یا اندازہ سے۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں مذہب مالکیہ کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

ومذهب المالكية ان المحرم المفسد للبيع، هو بيع الطعام دون غيره من جميع الأشياء قبل قبضه سواءاً كان الطعام ربويا كالقمح أم غير ربوى كالتفاح عندهم، أما غير الطعام فيجوز بيعه قبل قبضه... لكنهم شرطوا فساد هذا النوع من البيع شرطين:

الف: أن يكون الطعام مأخوذا بطريق المعاوضة اى فى مقابلة شئ بإجارة أو شراء أو صلح أو إرش جناية....... أو غير ذلك من المعاوضات، فهذا الذى لا يجوز بيعه قبل قبضه.

أما لو صار إليه الطعام بهبة أو ميراث مما ليس أخذه بعوض فيجوز بيعه قبل قبضه.

ب: وأن تكون المعاوضة بالكيل أو الوزن أو العدد فيشتريه بكيل و يبيعه قبل قبضه سواءً ا باعه جزافا أم على الكيل أما لو اشتراه جزافا ثم باعه قبل قبضه فيكون بيعه جائزا سواء اباعه جزافا أم على الكيل (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲۶/۹)۔

مالکیہ کے دلائل:

ان کے دلائل وہ تمام روایات ہیں جن میں صراحت کے ساتھ طعام کی بیع قبضہ سے قبل ممنوع قرار دی گئی ہے۔ یہ روایات بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ بعض روایات میں قبل قبضہ اور بعض روایات میں قبل أن يستوفيه کا جملہ آیا ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ "طعام" کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ طعام کے ماسوا کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے، ورنہ تخصیص کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت والی روایات بعض تو مطلق ہیں اور بعض مقید۔ شوافع نے مقید کو مطلق پر محمول کیا ہے اور مالکیہ نے مطلق کو مقید پر۔ شوافع اور مالکیہ کے مابین اختلاف کی اصل وجہ یہی معلوم ہوتی ہے۔

۴۔ حنابلہ کا مسلک:

اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ سے متعدد روایتیں منقول ہیں۔ ان میں سے دو مشہور روایتیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ کسی چیز کی بھی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ اس روایت کو ابن عقیل نے اختیار کیا ہے۔

۲۔ صرف طعام کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔ علامہ ابن قدامہ نے اس روایت کو اظہر الروایتین قرار دیا ہے۔ علامہ ابن قدامہ المغنی میں امام احمد ابن حنبل کے مسلک کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما غير ذلك فيجوز بيعه قبل قبضه فى أظهر الروايتين...وعن أحمد رواية أخرى: لا يجوز بيع شئ قبل قبضه اختارها ابن عقيل (المغنی ۱۲۷/۴)۔

حنابلہ کے دلائل:

امام احمد بن حنبلؒ کا ایک قول شوافع کے مطابق ہے، اور ایک قول مالکیہ کے مطابق ہے۔ لہذا ان کے دلائل بھی وہی ہوں گے جو شوافع اور مالکیہ کے ہیں۔

احناف کا مسلک:

اس مسئلہ میں احناف کے مابین اختلاف ہے۔ امام محمد اور ایک قول کے مطابق امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تمام اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے، خواہ وہ منقولی ہوں یا غیر منقولی۔ منقولی اشیاء کی طرح زمین و جائداد کی بیع بھی قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ اور راجح قول کے مطابق امام ابو یوسفؒ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ غیر منقولی اشیاء مثلاً زمین کی بیع قبضہ سے قبل بھی جائز ہے۔

امام محمدؒ کے دلائل:

اس سلسلہ میں امام محمدؒ کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

الف: قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت سے متعلق روایات مطلق اور عام ہیں۔ ان میں منقولی اور غیر منقولی تمام اشیاء شامل ہیں۔ نیز غیر مضمون اشیاء سے نفع حاصل کرنے کی ممانعت احادیث میں آئی ہے۔ اور منقول اشیاء کی طرح زمین و جائداد بھی قبضہ سے قبل غیر مضمون ہیں۔ مشتری کے ضمان میں زمین نہیں آئی ہے، لہذا مشتری کے لئے اس سے انتفاع جائز نہیں ہوگا۔

ب: عین شئے کی ملکیت عقد کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور اس میں تصرف کی ملکیت قبضہ کے ذریعہ۔ اور عقد کے ذریعہ عین کی ملکیت حاصل ہونے میں عقار اور منقول دونوں برابر ہیں۔ لہذا قبضہ کے ذریعہ تصرف کی ملکیت حاصل ہونے میں بھی عقار اور منقول دونوں برابر ہوں گے۔

ج: مبیع کے جواز کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مبیع مقدور التسلیم ہو۔ بائع مبیع کو مشتری کے حوالہ کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اور جب غیر منقولی اشیاء قبضہ میں نہ ہوں تو بائع ان کو مشتری کے حوالہ کرنے پر قادر نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ شئے نہ تو اس کے قبضہ میں ہے اور نہ ہی اس کے نائب کے قبضہ میں۔ اگر نائب کے قبضہ میں ہوتی تو بھی مشتری کے حوالہ کرسکتا تھا۔ جہاں تک بائع اول کے قبضہ کا سوال ہے تو وہ مشتری اول کا نائب نہیں ہے۔

شیخین کے دلائل:

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے دلائل یہ ہیں کہ بیع کے ارکان ایجاب وقبول بھی صحیح ہیں، اس لئے کہ اپنے اہل عاقل، بالغ کی طرف سے صادر ہوئے ہیں اور ایجاب وقبول کا محل بھی صحیح ہے، اس لئے کہ وہ مال مملوک ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ قبضہ سے قبل بھی بیع صحیح ہو۔ البتہ منقول اور عقار دونوں میں فرق یہ ہے کہ منقول اشیاء میں قبضہ سے

قبل یہ اندیشہ ہے کہ مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے بیع ختم ہو جائے اور مشتری کو مبیع نہ مل سکے اس طرح مشتری کو دھوکہ ہوگا۔ اور روایات میں دھوکہ کی بیع سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہ ایسا غرر و دھوکہ ہے جس سے احتراز ممکن ہے۔ جہاں تک غیر منقول اشیاء کی بات ہے تو ان میں اس طرح کے دھوکہ کا امکان کم ہے۔ ان میں مبیع کے ہلاک ہونے کا اندیشہ شاذ و نادر ہے جسکا اعتبار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے یہ صراحت کردی ہے کہ اگر زمین ایسی جگہ میں ہو جہاں پر ضائع اور بر باد ہونے کا اندیشہ غالب ہو، مثلاً دریا اور سمندر کا کنارہ ہو، پانی یا ریت کے غالب آ جانے کی وجہ سے زمین کے بر باد ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی جگہ میں زمین یا دیگر عقار کی بیع بھی قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ اب رہا یہ اندیشہ کہ بیع کے بعد کوئی مستحق شخص نکل آئے تو اس کی وجہ سے بھی بیع ختم ہو جائے گی اور مشتری کو دھوکہ ہوگا تو یہ اندیشہ قبضہ کے بعد بھی ہے۔ اس طرح کے غرر اور دھوکہ سے بچنا ممکن نہیں ہے، لہذا اس کا اعتبار نہیں۔ عقار کی بیع قبضہ سے قبل بھی جائز ہے۔

اس کی مزید دلیل یہ ہے کہ شفیع کو قبضہ سے قبل بھی حق شفعہ حاصل ہے اور وہ بدل دے کر خریدی ہوئی جائداد کا مالک ہو جائے گا۔ جب وہ بدل دے کر مبیع کو لے لے گا تو مشتری کا حق ختم ہو جائے گا۔ اگر عقار پر قبضہ سے قبل بدل کے ذریعہ اس کے مالک بنانے کا احتمال نہ ہوتا تو شفیع کو قبضہ سے قبل حق شفعہ حاصل نہیں ہوتا۔

شیخین کے مسلک پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ممانعت والی روایات تو مطلق اور عام ہیں۔ ان میں منقول اور غیر منقول کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اور آپ قیاس کے ذریعہ یہ فرق کر رہے ہیں جو صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روایات **عام خص منه البعض** ہیں، اس لئے کہ چند چیزیں ایسی ہیں جن میں قبضہ سے قبل بھی تصرف صحیح ہے۔ مثلاً ثمن یا مہر یا بدلِ صلح یا بدلِ خلع۔ ان میں بالاتفاق قبضہ سے قبل تصرف جائز ہے۔ اور احناف کے نزدیک وہ روایات جو **عام خص منه البعض** ہوں ان کی تخصیص قیاس کے ذریعہ بھی جائز ہے۔

دیگر فقہاء کے دلائل کے جوابات:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلہ میں فقہاء کرام کے جو دلائل ہیں ان کے جوابات شیخین کی جانب سے دیے گئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

امام مالک کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ روایات میں طعام کی تخصیص ہے۔ لہذا طعام کے علاوہ دیگر اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہوگی ورنہ اس تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شئے کی تخصیص ماسوا کی نفی نہیں کرتی ہے۔ احناف کے نزدیک نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے۔ طعام والی روایات کے مقابلہ میں دوسری روایات بھی ہیں جو عام ہیں، جن کا ذکر شوافع کے دلائل کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ جہاں تک ان عام روایات کا تعلق ہے جن سے شوافع، حنابلہ اور امام محمد نے استدلال کیا ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ وہ روایات معلول بالعلۃ ہیں غرر کے ساتھ، جن جگہوں پر قبضہ سے قبل بیع کرنے میں ایسا غرر اور دھوکہ لازم آئے جس سے احتراز ممکن ہو تو وہاں پر قبضہ سے قبل بیع جائز نہیں ہوگی اور جہاں پر اس طرح کا غرر شاذ و نادر ہو یا احتراز ناممکن ہو وہاں پر بیع جائز ہوگی۔ جیسا کہ ثمن، مہر، اسی طرح بدل صلح، بدل خلع، اور میراث میں قبضہ سے قبل تصرف جائز ہے۔ اس لئے کہ ان میں غرر اور

دھوکہ کا امکان نہیں ہے۔ اگر ثمن یا مہر یا بدلِ صلح اور بدلِ خلع متعین ہوں تو بھی ان کے ہلاک ہونے کے بعد بیع ختم نہیں ہوگی بلکہ ان کی قیمت واجب الادا ہوگی۔

جہاں تک امام محمدؒ کی اس دلیل کا تعلق ہے کہ قبضہ کے بعد مبیع مشتری کے ضمان میں آتی ہے۔ اسی طرح قبضہ کے بعد ہی وہ مبیع کو مشتری کے حوالہ کرسکتا ہے، اس سے قبل نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مبیع میں تصرف کی اجازت حاصل ہونے کے لئے ملکیت شرط ہے نہ کہ ضمان۔ اگر ملکیت ثابت ہے تو تصرف کی اجازت ہے گرچہ وہ شئے ضمان میں نہ آوے۔ جیسا کہ شئے موہوب پر قبضہ کر لینے کے بعد موہوب کو اس میں تصرف کی اجازت ہے حالانکہ وہ شئے اس کے ضمان میں نہیں آتی ہے۔ اسی طرح مشتری کے حوالہ کرنے پر قدرت دوسروں کے ذریعہ بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ جبکہ دوسرا کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرے (احناف کے مسلک اور ان کے دلائل کی تفصیل کے لئے دیکھئے: بنایہ مع ہدایہ ٦/٥٠٧، ٥٠٩، تبیین الحقائق ٤/٧٩، ٨١، مبسوط للسرخسی ٧/٨، ١٠)۔

قول راجح:

تمام دلائل پر غور کرنے کے بعد شیخین یعنی امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف کا قول راجح اور اقرب الی الفقہ معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ شیخین کے دلائل اور دیگر فقہاء کرام کے دلائل کے جوابات سے واضح ہے۔

ایک ضابطہ:

کن چیزوں میں قبضہ سے قبل تصرف جائز ہے اور کن چیزوں میں جائز نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ:

ہر وہ عوض جو کسی عقد کے ذریعہ حاصل ہو قبضہ سے قبل اس کے ہلاک ہونے کی صورت میں عقد ختم ہو جائے تو اس عوض میں قبضہ سے قبل تصرف جائز نہیں ہے۔ جیسے مبیع یا اجرت جبکہ وہ متعین ہو۔ اور اگر قبضہ سے قبل اس کے فوت ہونے سے عقد ختم نہ ہو تو اس میں تصرف قبضہ سے قبل بھی جائز ہے۔ جیسے مہر کی رقم، یا بدل خلع، یا عتق علی مال ہے۔

وفي الإيضاح كل عوض ملك بعقد ينفسخ العقد فيه بهلاكه قبل القبض لم يجز التصرف فيه كالمبيع والأجرة إذا كانت عينا وبدل الصلح إذا كان معينا وما لا ينفسخ العقد بهلاكه فالتصرف فيه جائز قبل القبض كالمهر وبدل الخلع والعتق على مال وبدل الصلح" (بنایہ ٦/٥٠٨، المغنی ٤/١٢٨)۔

حنفیہ میں امام محمدؒ نے اس سلسلہ میں ایک دوسرا ضابطہ بیان کیا ہے کہ:

ہر وہ تصرف جو قبضہ کے بغیر تام و مکمل نہ ہو تو اس میں قبضہ سے قبل بھی تصرف جائز و درست ہے۔ مثلاً ہبہ، صدقہ، رہن اور قرض ہے۔ اگر مشتری مبیع پر قبضہ سے قبل ہی اس کو ہبہ کر دے یا رہن رکھ دے یا کسی کو قرض دیدے یا صدقہ کر دے تو یہ جائز ہوگا۔ اس لئے کہ یہ عقود بغیر قبضہ کے مکمل نہیں ہوتے۔ جب موہوب لہ قبضہ کرے گا تو وہ واہب کا (خریدار کا) نائب ہوگا۔ اس حیثیت سے وہ اولاً واہب کے لئے قبضہ کرے گا پھر اپنے لئے۔ ایسی صورت میں مشتری کا

تصرف درحقیقت قبضہ کے بعد سمجھا جائے گا۔

اور ہر وہ تصرف جو قبضہ کے بغیر بھی مکمل ہو جائے اس میں قبضہ سے قبل تصرف جائز نہیں ہے، مثلاً بیع یا اجارہ ہے۔ ان میں قبضہ سے قبل تصرف اس لئے جائز نہیں ہے کہ مشتری ثانی کا قبضہ مشتری اول کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا۔ کیونکہ یہ تصرف قبضہ پر موقوف نہیں ہے۔ اب جب مشتری اول فروخت کر رہا ہے تو گویا کہ قبضہ سے پہلے مبیع میں تصرف کر رہا ہے جو جائز نہیں ہے۔

ثم قال محمد كل تصرف لا يتم إلا بالقبض كالهبة والصدقة والرهن والقرض فهو جائز لأنه يكون نائبا عنه ثم يصير قابضا لنفسه...لأن الهبة لما كانت لا تتم إلا بالقبض صار الموهوب له نائبا عن الواهب وهو المشترى الذى وهبه المبيع قبل قبضه ثم يصير قابضا لنفسه فتتم الهبة بعد القبض بخلاف التصرف الذى يتم قبل القبض كالبيع مثلاً فإنه لا يجوز لأنه إذا قبضه المشترى الثانى لا يكون قابضا عن الأول لعدم توقف البيع على القبض فيلزم منه تمليك المبيع قبل قبضه وهو لا يصح (شامی ۱۶۲/۴، ۱۶۳)۔

کیا قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں؟

اوپر کے بیان سے یہ واضح ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں۔ اس لئے کہ بعض چیزوں میں قبضہ سے قبل تصرف کی اجازت خود روایات سے ثابت ہے۔ مثلاً ثمن میں قبضہ سے قبل تصرف کی اجازت ہے۔ اسی طرح مہر، بدل خلع اور بدل صلح میں قبضہ سے قبل تصرف کی اجازت ہے۔ اس سے واضح ہے کہ نہی والی روایات عام نہیں ہیں بلکہ نہی کی ایک علت ہے۔ اور وہ علت غرر اور دھوکہ ہے۔ جہاں قبضہ سے قبل بیع کرنے میں یہ اندیشہ ہو کہ مبیع کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں بیع ختم ہو جائے گی اور مبیع مشتری ثانی کو نہیں مل سکے گی وہاں قبضہ سے قبل بیع جائز نہیں ہوگی۔ اور جہاں غرر اور دھوکہ کا اندیشہ نہ ہو وہاں بلاشبہ قبضہ سے قبل بھی بیع جائز ہوگی اس لئے کہ صحت بیع کی جو شرطیں ہیں وہ پائی جاتی ہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"والغرر المنهى عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز"

صاحب بنایہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

(والحديث) اى الحديث المذكور (معلول به) اى بغرر انفساخ العقد فيما قبل القبض بهلاک المعقود عليه فيكون مخصوصا بالمنقول، ألا ترى أنه يجوز الإعتاق قبل القبض والوصية قبله (عملا بدلائل الجواز) أى جواز البيع من الكتاب والسنة والاجماع (بنایہ شرح ہدایہ ۵۰۹/۶)۔

تبیین الحقائق میں ہے: **ومارواه معلول بغرر انفساخ العقد بالهلاک قبل**

القبض... والدليل على أنه معلول به ان التصرف في الثمن قبل القبض جائز لأنه لا غرر فيه و كذلك التصرف في المهر ونحوه جائز قبل القبض لما أمن منه والفقه فيه أن المطلق للتصرف وهو الملك قد وجد لكن الاحتراز عن الغرر واجب ما أمكن و ذلك فيما يتصور فيه الغرر (تبیین الحقائق ۴/۸۰)۔

شرع اسلامی میں قبضہ کی حقیقت:

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قبضہ کی شرعاً کوئی تحدید نہیں ہے، بلکہ ہر چیز کا قبضہ اس کے حساب سے متصور ہے اور یہ عرف و عادت پر محمول ہے۔ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کا استیلاء اور عمل دخل لوگوں کے عرف میں قبضہ متصور ہو وہی اس کے حق میں قبضہ مانا جائے گا۔ اگر کیلی اور وزنی اشیاء ہوں تو ان کا قبضہ کیل اور وزن کے ذریعہ ہوگا۔ اگر دراہم و دنانیر اور روپے پیسے ہوں تو ان کا قبضہ ہاتھ میں لینے سے ہوگا۔ اور اگر کپڑا ہو تو اس کا قبضہ اس کی جگہ سے منتقل کر دینے سے ہوگا۔ اگر منقولی اشیاء ہوں تو ان کا قبضہ ان کی جگہ سے منتقل کر دینے سے ہوگا۔ اور اگر غیر منقولی اشیاء ہوں تو ان کا قبضہ تخلیہ کے ذریعہ ہوگا۔ یعنی مشتری اور مبیع کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

"وقبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا بيع كيلا أو وزنا فقبضه بكيله ووزنه وبهذا قال الشافعي... وإن كان المبيع دراهم أو دنانير فقبضها باليد وإن كان ثيابا باليد فقبضها نقلها وإن كان حيوانا فقبضه تمشيته من مكانه وإن كان مما لا ينقل ويحول فقبضه التخلية بينه وبين مشتريه لا حائل دونه... ولأن القبض مطلق في الشرع، فيجب الرجوع فيه إلى العرف كالاحراز والتفرق، والعادة في قبض هذه الأشياء ما ذكرنا (المغنی ۴/۱۲۵، ۱۲۶)۔

احناف کے نزدیک اس طرح کی کوئی تفصیل نہیں ہے، بلکہ مبیع اور مشتری کے درمیان ایسا تخلیہ جس سے قبضہ پر قدرت ہو جائے اور کوئی چیز مانع اور حائل نہ ہو، یہ تخلیہ قبضہ سمجھا جائے گا۔ درمختار میں ہے: ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع و حائل (درمختار)۔

علامہ شامی نے درمختار کی عبارت "على وجه يتمكن من القبض" کے تحت تفصیلی بحث کی ہے کہ تخلیہ بھی حکماً قبضہ ہے اور ہر چیز کا تخلیہ اس کے حساب سے ہے، مثلاً اگر کسی گھر میں گیہوں وغیرہ ہے تو اس کا تخلیہ یہ ہے کہ کنجی مشتری کے حوالہ کر دی جائے اور وہ بغیر کسی کلفت و پریشانی کے مکان کھولنے پر قادر ہو۔ اگر مکان ہے تو اس کا تخلیہ اور قبضہ یہ ہے کہ اس کے بند کرنے پر مشتری قادر ہو جائے۔ اگر جانور ہے تو اس کا تخلیہ اور قبضہ یہ ہے کہ چراگاہ میں جانور دکھا دیا جائے اور اس کی جانب اشارہ کر دیا جائے۔ اگر کپڑا ہے تو اتنا قریب ہو کہ مشتری جب ہاتھ اس کی جانب بڑھائے تو ہاتھ کپڑے تک پہنچ جائے۔

علامہ شامی اس کی پوری تفصیل بیان کرتے ہوئے البحر الرائق کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: "وحاصله أن التخلية قبض حكما أو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو

حـنـطة فـي بيت مثلا فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبـض أي بـأن تـكـون في البلد فيما يظهر وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مدّيده تصل إليه قبض (ردالمحتار ۴۳/۴)۔

صاحب بدائع علامہ کاسانی قبضہ کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

إن معنى القبض هو التمكين والتخلية وارتفاع الموانع عرفاوعادة حقيقة (بدائع الصنائع ۱۴۸/۵)۔

علامہ کاسانی اور علامہ شامی نے قبضہ اوراس کے ذیل میں تخلیہ کی بحث کرتے ہوئے اس کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قبضہ کی شرعاً کوئی تعیین وتحدید نہیں ہے بلکہ ہر شئے کا قبضہ اس کے حساب سے ہے، اور یہ عرف وعادت پر محمول ہے۔ جہاں جس عمل دخل کو قبضہ سمجھا جاتا ہو وہاں وہ عمل دخل اس کے حق میں قبضہ سمجھا جائے گا۔ احناف اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی خاص فرق نہیں معلوم ہوتا ہے...راقم الحروف کے خیال میں بھی ہر چیز کے قبضہ کو عرف وعادت پر محمول کرنا چاہئے۔ جس جگہ جس عمل، دخل کو قبضہ تصور کیا جاتا ہو اس عمل دخل کو اس کے حق میں قبضہ تسلیم کرنا چاہئے۔

اشیائے منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق ہے۔ دونوں کے قبضہ کی ایک ہی صورت نہیں ہوگی۔

فیکٹری سے خرید کردہ مال کو قبضہ سے قبل فروخت کرنا:

فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے قبل مبیع کی بیع اس لئے جائز نہیں ہے کہ وہ خریداروں کے ضمان میں نہیں آئی، اگر مبیع خریدار کے ضمان میں آجائے تو پھر اس کی بیع جائز ہے۔ گویا کہ فقہاء نے ضمان کو حسی قبضہ کے قائم مقام قرار دیا ہے، الموسوعہ میں طعام کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے، اس پر اہل علم کا اجماع نقل کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ: "قالوا: ولو دخل في ضمان المشتري جاز بيعه والتصرف فيه كما جاز ذلك بعد قبضه" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲۷/۹)۔

یعنی فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ اگر طعام مشتری کے ضمان میں داخل ہوجائے تو اس کی بیع اور اس میں تصرف جائز ہے جیسا کہ قبضہ کے بعد جائز ہے۔

امام مالکؒ طعام کی بیع کو قبضہ سے قبل اس وقت جائز قرار دیتے ہیں جب کہ وہ کیل یا وزن کرکے یا گن کر نہ لیا گیا ہو بلکہ اندازہ سے حاصل کیا گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ محض عقد ہی سے مشتری کے ضمان میں آگیا۔ لہذا حکماً مقبوض ہونے کی وجہ سے اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔

والتقييد عند المالكية بغير الجزاف، لا خراج ما بيع جزافا بغير كيل ولا عد ولا وزن

من الطعام فانه يجوز بيعه قبل قبضه لد خول فى ضمان المشترى لمجرد العقد فهو مقبوض حكما (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۱۳۰)۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کے نزدیک مبیع کا ضمان میں داخل ہونا قبضہ کے حکم میں ہے، نیز فقہاء احناف امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عقار کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔ یہ حضرات قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق روایات کو معلول بالعلۃ قرار دیتے ہیں۔ جب امام محمدؒ کی جانب سے ان پر اعتراض ہوا کہ عقار بھی قبضہ سے قبل مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوتا، تو اس کا جواب یہ دیا کہ مبیع میں تصرف کی اجازت ملکیت میں آ جانے کے بعد ہو جاتی ہے۔ ضمان میں داخل ہونا شرط نہیں ہے، اور محض عقد ہی سے ملکیت میں آ جاتی ہے۔ منقول اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز علت غرر کی بنیاد پر ہے جو عقار میں موجود نہیں ہے، کتب فقہ حنفی کی تفصیلات کے مطابق جس جگہ غرر اور دھوکہ سے امان ہو وہاں پر قبضہ سے قبل بیع جائز ہے۔

"**وما يقولون من أنه يدخل فى ضمان المشترى بالقبض قلنا شرط ثبوت الملك بالتصرف فى المحل اصل الملك دون الضمان بدليل جواز التصرف فى الموهوب بعد القبض**" (المبسوط للسرخسی ۷/۱۰)۔

اس مختصری وضاحت کے بعد سوال نامہ میں مذکور سوال کا جواب یہ ہے کہ فیکٹری سے مال خریدنے والا شخص اگر اپنا مال الگ کرا لیتا ہے۔ پھر وہیں سے دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو یہ بلا شبہ بیع بعد القبض ہے جو جائز ہے، احراز کو قبضہ تسلیم کیا جائے گا۔ اور اگر اپنا مال الگ کرائے بغیر دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو سوال میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ بائع اور مشتری کے معاہدہ کے مطابق وہ مال مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتا ہے، اور ہلاک ہونے کی صورت میں نہ تو بائع اول اس کا ضامن ہوتا ہے اور نہ مشتری ثانی، بلکہ مشتری اول اس کا ضامن ہوتا ہے۔ نیز یہاں پر غرر ودھوکہ بھی نہیں ہے، لہذا ضمان کو حکماً قبضہ تسلیم کرتے ہوئے اور دھوکہ نہ ہونے کی بنیاد پر اس طرح کی خرید وفروخت جائز ہونی چاہئے۔ میری رائے میں یہ صورت جائز ہے۔

جہاز پر مال چڑھا دینے کے بعد مشتری کا دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا:

جب معاملہ بیع مکمل ہو جانے کے بعد مال جہاز پر چڑھا دیا گیا اور مال مشتری کے ضمان میں داخل ہو گیا۔ ضائع ہونے پر بائع پر کوئی تاوان نہیں بلکہ مشتری کا نقصان ہوگا۔ تو ایسی صورت میں مشتری کا سمندر کے اندر ہی جہاز پر دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً جائز ودرست ہوگا۔ مال کو اس کی جگہ سے منتقل کر کے جہاز پر چڑھا دینا اور اس کا مشتری کے ضمان میں داخل ہو جانا اس کے قبضہ کی دلیل ہے، یہ بیع بعد القبض سمجھی جائے گی۔ اسی طرح مشتری ثانی بھی دوسروں کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے، کیونکہ خریداری کے بعد وہ مال اس کے ضمان میں داخل ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مفتی محی الدین بڑودوی

۱۔ بیع قبل القبض از قبیل فاسد ہے یا باطل؟

باطل وہ ہے جو نہ اصلاً درست ہو اور نہ وصفاً، اور فاسد وہ ہے جو وصفاً درست نہ ہو۔ ہر وہ چیز جس سے رکن بیع میں خلل آتا ہو وہ باطل ہے اور جس شی سے رکن بیع کے سوا دوسری طرح خلل آتا ہو وہ فاسد ہے، جیسے تسلیم وتسلم میں خلل آتا ہو جو بیع کی وجہ سے واجب ہوگئے ہیں، یا مبیع سے انتفاع مقصود میں خلل آتا ہو تو ایسی شی مفسد بیع ہے، یا بیع خلاف مقتضی عقد شرط سے خالی نہیں ہے اسلئے خلل واقع ہو تو ایسی بیع بھی فاسد ہے۔

والباطل هو ما لا يكون صحيحا أصلاً ووصفاً والفاسد هو ما لا يصح وصفاً وكل ما أورث خللا في ركن البيع فهو باطل وما أورث غيره كالتسليم والتسلم الواجبين به والانتفاع المقصود منه وعدم الاطلاق عن شرط لا يقتضيه وغير ذلك فهو مفسد (عنایۃ علی الہدایۃ بہامش فتح القدیر ٦/٤٣)۔

یہ الگ بات ہے کہ فقہاء کرام کے یہاں فاسد کا لفظ اصطلاحی باطل اور فاسد دونوں پر بولا جاتا ہے، جہاں جہالت مبیع یا ثمن مفضی إلی النزاع ہو اس پر بھی فساد کا اطلاق ہوتا ہے، اور مبیع پر بائع کی ملک نہ ہونے کی صورت میں بھی فساد کا اطلاق ہوتا ہے حالانکہ عدم ملک کی صورت میں فاسد باطل کے معنی میں ہوتا ہے، اسی طرح تسلیم وتسلم سے عجز کی صورت میں بھی فساد کا اطلاق ہوتا ہے۔

ثم الفاسد بالمعنى الذى يعم الباطل يثبت بأسباب منها الجهالة المفضية فى المبيع والثمن وبعدم ملك المبيع للبائع والفساد بمعنى البطلان إلا فى المسلم أو مع الملك لكن قبل قبضه ومنها العجز عن التسليم والتسلم (فتح القدیر ٦/٤٢)۔

دراصل بات یہ ہے کہ باطل کے بعض افراد اس قدر کمزور ہیں کہ فاسد سے ملتے جلتے ہیں اسلئے ان کو فاسد کہہ دیا جاتا ہے اور فاسد کے بعض افراد میں فساد اس قدر قوی ہوتا ہے کہ ان کو باطل سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ قدوری نے مدبر اور ام ولد اور مکاتب کی بیع کو فاسد کہا۔ اور صاحب ہدایہ نے باطل کہا ہے۔ ہدایہ کے باطل کہنے پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ باطل تو وہ ہے جس میں ملک ثابت نہیں ہوتی ہے، اور فاسد وہ ہے جس میں قبضہ کے بعد ملک ثابت ہو جاتی

ہے۔

اور فقہاءؒ لکھتے ہیں، مدبر یا ام ولد یا مکاتب کے ساتھ ملا کر کسی خالص غلام کو بیچا جائے تو مدبر وغیرہ میں بیع باطل ہوگی لیکن خالص غلام میں اسکے مقابل ثمن کے عوض بیع درست ہوگی، تو اگر بیع باطل ہے تو غلام میں بھی باطل ہونا چاہئے، اور فاسد ہے تو مدبر اور ام ولد پر بھی ملک ثابت ہونی چاہئے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ باطل اسلئے کہا گیا کہ مدبر اور ام ولد حر کی طرح قبضہ کے بعد بھی مملوک نہیں ہوں گے، اگر اس پر فاسد کا اطلاق ہوتا تو یہ مغالطہ ہوتا کہ مدبر، ام ولد اور مکاتب بھی قبضہ کے بعد مملوک ہو سکتے ہیں۔

صرف خطرہ یہ ہے کہ بائع قبضہ دینے سے انکار کر دے تو مشتری کی ملک تام نہ ہو سکے گی، اسلئے اس کو فاسد قرار دیا ہے۔

تو بیع قبل القبض فاسد کا وہ فرد قوی ہے جو باطل سے ملتا جلتا ہے لیکن درحقیقت فاسد ہے، جیسے بیع مدبر مع القن باطل کا فرد ہے جو فاسد سے ملتا جلتا ہے لیکن درحقیقت باطل ہے۔ اسلئے بیع قبل القبض میں نفس عقد سے جو ملک وجود پذیر ہوتی ہے اس کی بنیاد پر اس کو باطل سے ممتاز قرار دیا جا سکتا ہے۔ قبضہ کے بعد وہ ملک مؤکد ہو جاتی ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وإذا قبض المشترى المبيع فى البيع الفاسد بأمر البائع وفى العقد عوضان كل منهما مال ملك المبيع ولذمته قيمته وقال الشافعيؒ لا يملكه وإن قبضه لأنه محظور فلا ينال نعمة الملك الخ ولنا أن ركن البيع صدر من أهله مضافا إلى محله فوجب القول بانعقاده ولا خفاء فى الأهلية وركنه مبادلة المال بالمال (ہدایہ)۔

جب مشتری بیع فاسد میں مبیع پر بائع کی اجازت سے قابض ہو جائے اور عقد میں دونوں عوض مال ہوں تو مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے اور اس پر مبیع کی قیمت لازم ہو جاتی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بیع فاسد میں قبضہ کے بعد بھی مشتری مالک نہ ہوگا اسلئے کہ یہ بیع شرعاً ممنوع ہے، اس وجہ سے ایسی ممنوع بیع سے نعمت ملک حاصل نہیں ہو سکتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ رکن البیع (مبادلۃ المال بالمال) صادر ہو رہا ہے اس کے اہل سے، اور محل بیع میں صادر ہو رہا ہے، اس لئے بیع کے منعقد ہو جانے کا قائل ہونا واجب ہے۔ اہلیت میں خفاء نہیں ہے، اور رکن مبادلۃ المال بالمال موجود ہے، اور کلام اسی میں ہے (ہدایہ)۔

۲۔ بائع کی طرف سے مشتری کو مبیع میں تصرف پر قدرت دینے کا نام قبضہ ہے۔ جب بائع نے مشتری کو مبیع میں تصرف کرنے پر آزاد چھوڑ دیا اور موانع اٹھا لئے تو مشتری مبیع پر قابض سمجھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ تصرف پر قدرت اور تخلیہ ہر شئ، ہر ماحول ہر زمانہ کے لحاظ سے بدل سکتا ہے، اسلئے اس کی کوئی حد قطعی مقرر نہیں کی جا سکتی۔

حضرت امام فخر الدین قاضیخانؒ اپنے فتاوی میں رقمطراز ہیں:

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں مبیع ومشتری کے درمیان تخلیہ تین شرطوں پر قبضہ شمار ہوگا: اول بائع مشتری کو زبانی طور پر کہہ دے کہ میں نے تمہیں مبیع لینے کی اجازت دیدی ہے تم اسے لے لو، مشتری نے کہا کہ میں نے قبضہ کر لیا (لے لیا) (ظاہر بات ہے کہ عقار وغیر منقول میں اس قسم کا تخلیہ کافی ہوسکتا ہے)، دوسری شرط یہ ہے کہ مبیع مشتری کے سامنے موجود ہو اس طرح کہ مشتری مبیع کو لینا چاہے تو بلا کسی مانع (رکاوٹ) کے لے سکتا ہو (یہ منقولات کے بارے میں ممکن ہے)، تیسری شرط یہ ہے کہ مبیع غیر کے حق سے معمور و پُر نہ ہو اور دوسرے کی ملک سے ممتاز وعلیحدہ ہو، جیسے گھر میں بائع کا اسباب، اگر دوسرے کے حق کو مبیع معمور و پُر کر رہا ہو جیسے گیہوں بائع کے ظرف میں ہو یا اس جیسے کسی کو تو یہ تخلیہ میں مانع نہ ہوگا۔ (قاضی خاں ۲/۲۵۸)۔

بیع فاسد میں قبضہ کی حیثیت:

حضرت علامہ فخر الدین قاضیخانؒ فرماتے ہیں:

البائع إذا خلّى بين المبيع و بين المشترى بحيث يتمكن المشترى من قبضه يصير المشترى قابضا للمبيع حتى لو هلك قبل أن يقبضه حقيقة يهلك عليه و كذا لو خلّى المشترى بين البائع والثمن.... أجمعوا على أن التخلية فى البيع الجائز تكون قبضا وفى البيع الفاسد روايتان والصحيح انه قبض (فتاوی قاضیخان بہامش ہندیہ ۲/۲۵۷)۔

جب بائع نے مبیع اور مشتری کو چھوڑ دیا کہ مشتری مبیع کے قبضہ پر قادر ہو جائے تو ہلاکت مشتری کی ملک و قبضہ میں شمار ہوگی (بائع ضامن نہ ہوگا)، اسی طرح اگر مشتری نے بائع اور ثمن میں تخلیہ کر دیا تو بائع ثمن پر قابض شمار ہو گا... اس پر فقہاء کرامؒ کا اتفاق ہے کہ بیع جائز میں تخلیہ کو قبضہ کہیں گے، اور بیع فاسد میں تخلیہ کے قبضہ ہونے کے بارے میں دو روایتیں ہیں، صحیح روایت یہ ہے کہ بیع فاسد میں بھی تخلیہ قبضہ شمار ہوگا۔

ہر شئی میں تخلیہ اور قبضہ کی صورت جدا ہوگی:

ولو باع تمرا على النخيل و خلّى بينه و بين المشترى صار قابضا (قاضیخاں)۔

اگر کھجور درخت پر بیچ ڈالی اور مشتری کو اجازت دیدی تو مشتری قابض ہو گیا۔ تو کھجور کا درخت اگر چہ بائع کا مملوک ہے مگر پھر بھی تخلیہ سے قبضہ ہو گیا۔

لیکن گھر خریدا اور بائع کا اسباب گھر میں ہے تو تخلیہ کے باوجود گھر پر قبضہ شمار نہ ہوگا کیونکہ تخلیہ کو قبضہ قرار دینے کی شرط یہ ہے کہ مبیع غیر کی ملک سے معمور و مشغول نہ ہو۔

اسی طرح زبانی تخلیہ کا قبضہ شمار ہونا عقار و غیر منقول اشیاء میں متصور ہے جبکہ گھر یا جائداد قریب ہو اور حق غیر سے خالی ہو۔ لیکن گھر یا جائداد دور ہو اور مشتری اس میں داخلہ یا اسکو مقفل کرنے پر قادر نہ ہو تو صرف زبانی کہہ دینے سے مشتری قابض نہ ہوگا، بلکہ حقیقی قبضہ مطلوب ہوگا، مثلاً دوسرے ملک میں جائداد ہے کہ مشتری بلا ویزا وغیرہ کے پہنچ نہیں سکتا تو زبانی تخلیہ سے قابض نہ ہوگا جب تک کہ مشتری یا اس کا وکیل قابض نہ ہو جائے۔

آج کل جائداد وغیرہ کے دستاویز جو بواسطہ عدالت ہوتے ہیں۔ایک ملک میں ہوں اور جائداد حق غیر میں مشغول نہ ہو، قبضہ شمار ہو سکتے ہیں۔لیکن دوسرے ملک میں ہوں تو دستاویز کے باوجود بھی مشتری کو قابض نہ سمجھا جائے گا۔چنانچہ قاضیخاںؒ فرماتے ہیں:

اگر کسی شخص کے ہاتھ مکان فروخت کیا اور مکان بائع ومشتری کے سامنے موجود نہیں ہے، بائع نے کہا میں نے سپرد کر دیا، مشتری نے کہا میں نے قبول کیا، تو ظاہر الروایہ میں ہے کہ مکان اور جائداد غیر منقولہ میں یہ زبانی تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوگا جبکہ مکان قریب ہو۔اور نوادر روایت میں ہے کہ جب بائع مشتری سے کہتا ہے میں نے مکان سپرد کرایا اور مشتری کہہ دے کہ قبول کیا، مکان سامنے موجود نہیں ہے (مگر وہ پہلے دیکھ لیا ہو) تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق مشتری قابض ہو جائے گا (خواہ مکان قریب ہو یا دور ہو)، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مکان قریب ہو اور داخلہ ممکن ہے یا مشتری اس پر اپنا قفل لگا سکتا ہو تب تو زبانی تخلیہ قبضہ شمار ہوگا اور مشتری قابض کہلائے گا ورنہ نہیں، لیکن ظاہر الروایت میں قریب کا اعتبار ہے، اور صاحبین اور امامؒ صاحب کے درمیان اختلاف کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور صحیح وہی ہے جو ظاہر الروایہ میں ہے کیونکہ جب مکان قریب ہو اور حقیقی قبضہ متصور ہو تو تخلیہ حقیقی قبضہ کے قائم مقام بن سکتا ہے، اور اگر مکان دور ہو اور قبضہ حقیقی متصور نہ ہو تو تخلیہ اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ ہبہ اور صدقہ میں بھی یہی حکم ہے۔(قاضی خاں ۲/۲۵۷)۔

اس مذکورہ تفصیل سے قبضہ حقیقی اور حکمی کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۳۔ مذکورہ بالا وضاحت سے اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت واضح ہوگئی کہ منقولہ میں اشیاء کے لحاظ سے نوعیت جدا ہو سکتی ہے اور غیر منقولہ میں نوعیت کا فرق ممکن ہے، اور یہ شریعت میں قبضہ کا ایک خاص مفہوم ہے۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کی نوعیت مقام ومواقع کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے، لوگوں کے عرف وعادت کا اعتبار تو ہوگا مگر قبضہ کے شرعی مفہوم اور تخلیہ کی شرائط کی رعایت ضروری رہے گی۔عرف وعادت میں قبضہ اور قبضۂ شرعی میں تساوی نہیں ہے بلکہ عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔

۵،۴۔ احادیث متعلقہ بیع قبل القبض اور ممانعت کی نوعیت:

حضرت امام مالکؒ کے یہاں طعام مکیل وموزون کے ساتھ مخصوص ہے، اور حضرت امام احمدؒ کے یہاں بھی طعام کے ساتھ مخصوص ہے۔دوسری اشیاء میں بیع قبل القبض جائز ہے۔

حضرت امام محمد اور حضرت امام شافعیؒ کے یہاں بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، نہ منقولات نہ غیر منقولات میں۔حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول اول بھی یہی ہے، لیکن حضرات شیخینؒ کا قول معمول بہ یہ ہے کہ منقولات میں بیع قبل القبض جائز نہیں ہے اور عقار وغیر منقولات میں بیع قبل القبض جائز ہے۔

حضرت امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مستدل وہ احادیث ہیں جن میں خاص طعام کی بیع سے ممانعت ہے۔ جیسے حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں: **قال رسول الله ﷺ من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى**

یـکتـاله فقلت لابن عباس لم؟ فقال ألاتراهم یتبا یعون بالذهب والطعام مرجأ ولم یقل أبو کریب مرجأ (مسلم شریف)۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جوآدمی غلہ خریدے تو اسکو کیل کرنے سے قبل فروخت نہ کرے،تو میں نے ابن عباسؓ سے دریافت کیا کیوں؟ فرمایاتم (دیکھ رہے ہو) کہ لوگ سونے اور طعام (غلہ) کے عوض ادھار بیچتے ہیں۔ اورابوکریب نے ادھار کا لفظ نہیں کہا۔

اسی طرح مختلف طرق سے یہ روایت مروی ہے جسکو مسلم نے بیان کیا ہے،اورروایت کے عام طرق میں طعام کے ساتھ ہی ممانعت کومخصوص کیا گیا ہے۔اس لئے حضرت امام مالکؒ اورامام احمدؒ نے ممانعت کوطعام کے ساتھ ہی مخصوص مانا ہے۔خاص طعام کا ذکراس بات کی دلیل ہے کہ اس کے ماسوا میں حکم اس کے خلاف ہے،ورنہ تخصیص کا فائدظاہر نہ ہوگا۔ہم نے اس کا جواب دیا ہے کہ خاص طور پر کسی حکم کوکسی شئی کے ساتھ ذکرکرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس شئی کے ماسوا میں حکم اس کے خلاف ہے۔دیکھئے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **فلا تـظـلـموا فیهن أنفسکم**،اشہر حرام میں اپنے اوپرظلم نہ کیا کرو۔تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیراشہرحرام میں ظلم کرنا چاہئے۔

دیگرائمہ فرماتے ہیں کہ ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں مطلقا بیع قبل القبض کی ممانعت ہے اورایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں ممانعت کی صراحت ہے۔

ترمذی شریف میں عبداللہ بن عمروکی روایت ہے: **إن رسـول الـلـه ﷺ قال لا یحل سلف ولا بیع ولا شـرطـان فـی بیع ولا ربح مالم یضمن ولا بیع ما لیس عندک أخرجه الترمذی فی باب کراهیة بیع ما لیس عنده** (وقال ہذاحدیث حسن صحیح)۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا قرض اوربیع جائزنہیں اورایک بیع میں دوشرطیں جائزنہیں اور جوشئی اپنے ضمان وذمہ داری میں نہیں آئی اس کا نفع وفائدہ حلال نہیں ہےاور جوشئی اپنے پاس نہیں (جس کا مالک نہیں) اس کی بیع جائزنہیں۔

دوسری روایت حکیم بن حزامؓ کی ہے:

عـن حـکـیـم بـن حزام قال قلت یا رسول الله ﷺ إنی أبتاع هذه البیوع فما یحل لی منها وما یحرم علّی؟ قال یا بن أخی لا تبیعنّ شیئا حتی تقبضه وفی روایة أبان إذا اشتریت بیعا فلا تبعـه حتـی تـقبضه. هذا اللفظ للبیهقی فی سننه وقال هذا إسناد حسن متصل و أخرجه أیضا ابن حبان فی صحیحه و أحمد فی مسنده ۳/۴۰۲،و فیه تعمیم الحکم لکل شئ.

حکیم بن حزام فرماتے ہیں کہ میں نے کہایارسول اللہ ﷺ میں یہ تجارت کررہاہوں توان میں سے کون سی بیوع میرے لئے حلال اورکونسی بیوع حرام ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے جواباایک ضابطہ کلیہ بیان کیا کہ کسی شئی کوقبضہ سے پہلے نہ بیچو،اورابان کی ایک روایت میں ہے کہ جب کسی مبیع کوخریدوتوجب تک قبضہ نہ کرلوفروخت نہ کرو۔اس

روایت میں ممانعت کا حکم ہر شی پر عام ہے۔

بیع قبل القبض کی نہی معلول بالعلۃ ہے:

گذشتہ روایات میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت گذری ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے خود ایک علت بیان کی ہے: ''لوگ سونے اور غلہ کے عوض ادھار بیع کرتے ہیں''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیع منتج ہوتی ہے ''بیع الذھب بالذھب متضاضلاً'' پر۔ کیونکہ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص نے سو دینار میں ایک شی فروخت کی، ثمن ادا کر دیا مبیع بائع کے قبضہ میں ہے، اور مشتری نے قبضہ سے پہلے ہی اس شی کو ایک سو بیس دینار کے عوض فروخت کر دیا اور ایک سو بیس دینار لے لئے۔ گویا مشتری نے طعام پر قبضہ نہ کر کے بالا ہی بالا اس کی بیع کر دی تو نتیجہ یہ ہوا کہ مشتری نے بائع کو جو سو دینار دئے تھے اس کے بالمقابل اپنے مشتری سے ایک سو بیس دینار لے رہا ہے تو اس مشتری اول کو بیس دینار کا اضافہ سود کے بدلہ مل رہا ہے۔ طعام تو گویا درمیان میں رہا ہی نہیں۔

یہ علت منقولات اور غیر منقولات سب پر عام ہے کہ عقار کی بیع بھی قبل القبض جائز نہ ہونا چاہئے منقولات کی خصوصیت نہیں ہے، لیکن یہ تعلیل حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے خلاف جا رہی ہے، کیونکہ وہ عقار کی بیع کو قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں۔

اسلئے دیگر حضرات نے علت ''ربح مالم یضمن'' قرار دی اور کہا کہ بیع قبل القبض میں مشتری ایک ایسی شی سے نفع اٹھا رہا ہے جس کے نقصان کا وہ ذمہ دار نہیں ہے، اسلئے یہ بیع جائز نہیں، اور عقار کی قبل القبض بیع میں ربح مالم یضمن کا تصور نہیں ہے، کیونکہ عقار کی ہلاکت متصور نہیں ہے، جب نقصان کا پہلو بیع عقار میں نہیں ہے تو ربح مالم یضمن بھی متحقق نہ ہوگا اور یہ علت حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کی مذکورہ بالا روایت میں مذکور ہے (تکملہ فتح ۱/۲۹۲)۔

تکملہ فتح الملہم میں عبداللہ بن عمرو کی روایت کے حوالہ سے ربح مالم یضمن کے علت ہونے کے بارے میں صرف اشارہ ہے، لیکن مسئلہ وضاحت طلب ہے۔

حضرت علامہ شمس الدین سرخسیؒ نے اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

شیخینؒ کے نزدیک بیع عقار قبل القبض جائز ہے، اور امام محمد و شافعیؒ کے یہاں جائز نہیں ہے، حضرت امام محمدؒ و شافعیؒ اسی عبداللہ بن عمروؓ والی روایت اور بیع قبل القبض کی نہی کے بارے میں جو عمومی روایات آئی ہیں ان سے استدلال کرتے ہیں۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ بیع عقار قبل القبض میں بھی جبکہ اپنی خرید قیمت سے زیادہ میں فروخت کیا جائے تو ربح مالم یضمن کا تحقق ہوتا ہے، کیونکہ اس نے مبیع قبل القبض کی بیع کی ہے، تو جس طرح منقول میں ربح مالم یضمن لازم آتا ہے عقار میں بھی لازم آئے گا، اس لئے دونوں میں بیع قبل القبض جائز نہ ہوگی، وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ملک عین (ذات) نفس عقد سے حاصل ہوتی ہے تو قبضہ سے ملک تصرف حاصل ہوتی ہے، اور عقار و منقول ملک عین و ملک تصرف میں برابر ہیں تو حکم میں بھی یکسانیت ہونی چاہئے۔

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سبب ملک بیع ہے اور بیع بلا قبضہ کئے تام نہیں ہوتی ہے، اس لئے قبضہ سے پہلے عقد کے بعد مبیع میں جو اضافہ حاصل ہوتا ہے، اس کو بوقت عقد موجود مان کر مبیع میں شامل رکھا جاتا ہے، اور ملک مؤکد ہوتی ہے سبب ملک کے مؤکد ہونے سے (اور سبب ملک قبضہ سے مؤکد ہوتا ہے) اس میں منقول و غیر منقول برابر ہیں۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قبضہ سے قبل مبیع مضمون بغیرہ ہوتی ہے، یعنی ثمن سے مضمون ہوتی ہے، (مشتری ثمن کا ذمہ دار ہوتا ہے) اگر قبضہ سے قبل مبیع ہلاک ہو جائے تو مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جاتا ہے، اسی طرح عقار کی ہلاکت متصور ہو اور قبل القبض ہلاک ہو جائے تو ثمن ساقط ہو جائے گا، جب ثمن کے ضمان میں دونوں یکساں ہیں تو پھر ربح مالم یضمن کے بارے میں بھی دونوں یکساں رہیں گے۔

ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ عقار ہو یا منقول ہو جواز بیع کے لئے قدرت علی التسلیم دونوں میں شرط ہے، قدرت علی التسلیم بذاتہ حاصل ہو یا نائب و وکیل کے واسطے سے ہو، تو عقار جب تک بائع کے قبضہ میں ہے بائع اول کا قبضہ مشتری اول کے قبضہ کا نائب نہیں ہے، اس لئے مشتری اول کو بواسطہ نیابت قادر علی التسلیم نہیں مانا جاسکتا، اسلئے بیع عقار قبل القبض قدرت علی التسلیم نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

حضرات شیخینؒ فرماتے ہیں کہ بیع عقار قبل القبض کا وہی درجہ ہے جو بیع منقول قبل القبض کا درجہ ہے، لیکن تصرف کے جواز کا مدار صرف ملک پر ہے قبضہ پر نہیں ہے۔

دیکھئے اپنے مودع یا غاصب کے قبضہ میں کوئی شئ ہے اور مودع اور غاصب کو اقرار ہے کہ اس شئ کا مالک فلاں ہے، تو فلاں کیلئے اس شئ کو فروخت کرنا مودع اور غاصب کے قبضہ میں رہتے ہوئے بھی جائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ تصرف کا مدار ملک پر ہے۔

البتہ غرر جواز تصرف میں مانع بن جاتا ہے اگر ملک میں غرر در پیش ہو اور اس غرر سے احتراز ممکن بھی ہو تو غرر سے بچ کر چلا جائے اور غرر کی موجودگی میں بیع نہ کی جائے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔

منقول میں قبضہ سے پہلے ملک (مشتری) میں غرر ہے، اسلئے کہ مبیع کی ہلاکت سے بیع منتقض ہو جائے گی اور مشتری کی ملک باطل ہو جائے گی، اور قبضہ کے بعد یہ غرر منتفی ہو جاتا ہے، اگر احتمال غرر رہتا ہے تو مبیع کے استحقاق کا رہتا ہے، اور اس قسم کے غرر سے احتراز ممکن نہیں ہے (اسلئے ایسے غرر کا اعتبار بھی نہیں اور اس کو مانع عن البیع نہیں قرار دیا جاسکتا)۔ اور عقار میں قبضہ سے پہلے استحقاق کے سوا مشتری کی ملک میں کوئی غرر متصور نہیں ہے، جس سے ہلاکت مبیع اور فسخ بیع کی نوبت آجائے (اسلئے عقار کی بیع قبل القبض جائز ہے)

علامہ شمس الدین السرخسی فرماتے ہیں:

وانتفاء الغرر لعدم تصور سببه أصلا يكون أبلغ من انتفاء الغرر إذا تصور سببه ولم

يعمل وإنما يتصور الغرر فيه من حيث الاستحقاق و ذلك لا يمكن الاحتراز عنه والدليل عليه أن التصرف في الثمن قبل القبض جائز لأنه لا غرر في الملك و كذلك التصرف في المهر قبل القبض يجوز عندنا لانعدام الغرر في الملك فإن بالهلاک لايبطل ملكها ولكن على الزوج قيمتها (المبسوط ۱۳/۱۰)۔

سبب غرر کے بالکل متصور نہ ہونے کی وجہ سے غرر نہ ہونا زیادہ موثر ہے بہ نسبت اس کے کہ سبب غرر متصور ہو اور موثر نہ ہو(کیونکہ سبب غرر کا متصور ہونا بھی شبہ کا ناشی ہے) غیر منقول میں جبکہ استحقاق کے سوا دوسرا سبب غرر متصور ہی نہیں تو مانع بیع کا شبہ ہی نہیں ہے۔ استحقاق متصور ہے لیکن احتراز ممکن نہ ہونے کی وجہ سے وہ مانع نہیں ہے۔

اوراس بات کی دلیل کہ جواز تصرف کا مدار عدم غرر پر ہے کہ ثمن میں قبل القبض تصرف جائز ہے۔ اسلئے کہ ثمن (نقد) کی ملک میں غرر نہیں ہوتا کیونکہ عقود میں دراہم و دنانیر متعین نہیں ہوتے ، اسی طرح مہر میں قبضہ سے پہلے زوجہ تصرف کرسکتی ہے کیونکہ مہر کی ملک میں غرر ہے ہی نہیں ، اسلئے کہ مہر میں قبضہ سے قبل ہلاکت کی صورت میں مہر کی ملکیت باطل نہیں ہوتی بلکہ شوہر پر ہلاک شدہ مہر (اگر عرض ہو) کی قیمت کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرات شوافع میں مہر کے قبل القبض ہلاکت کی صورت میں اختلاف ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ ہلاکت کی صورت میں تسمیہ باطل ہو جائے گا وہ قبضہ سے قبل مہر میں تصرف کے قائل نہیں ہیں" لبقاء الغرر في الملک" ملک میں غرر کی موجودگی کی وجہ سے ، اور جو یوں کہتے ہیں کہ ہلاک مہر سے تسمیہ باطل نہیں ہوتا وہ قبل القبض تصرف کو جائز قرار دیتے ہیں ، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل وہی ہے جو ہم کہتے ہیں کہ تصرف کا مدار عدم غرر پر ہے۔

فرماتے ہیں: جس تصرف سے غرر مانع نہیں ہے ایسا تصرف قبضہ سے پہلے بھی مبیع میں جائز ہوتا ہے (جیسے آبق کا عتق) ، چنانچہ مبیع قبل القبض میں عتق نافذ ہو جاتا ہے ، اسی طرح تزویج مبیع قبل القبض میں نافذ ہو جاتی ہے۔ (مبسوط)

اسی سے حضرات شوافع کے اس استدلال کا فساد واضح ہو جاتا ہے کہ ملک مؤکد ہوتی ہے سبب ملک کے مؤکد ہونے سے (یعنی بیع کے مؤکد ہونے سے) اور بیع قبضہ سے مؤکد ہوتی ہے (اسلئے بلاقبض عقار کی بیع بھی جائز نہ ہونا چاہئے کیونکہ منقول وعقار اس سبب میں متفق ہیں تو حکم میں بھی متفق رہنا چاہئے) کیونکہ حق تاکد ملک کے تقاضہ میں محل کے اندر بیع سے بڑھکر اور مضبوط ہے۔

رہی یہ بات کہ شوافع کہتے ہیں کہ ملک تصرف مشتری کو قبضہ سے حاصل ہوتی ہے اور قبضہ سے ہی مبیع مشتری کے ضمان میں آتی ہے ، ٹھیک نہیں ہے ، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ محل میں تصرف کی ملک (حق) اصل ملک سے ہی ثابت ہو جاتی ہے (ضمان سے ثابت نہیں ہوتی) ، اس کی دلیل یہ ہے کہ موہوب شی میں قبضہ کے بعد تصرف جائز ہے (قبضہ سے قبل موہوب میں تصرف جائز نہیں ہے) کیونکہ ہبہ میں قبضہ کے بعد ہی ملک تام ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ تصرف کا مدار ملک پر ہے، اسی طرح قدرت علی التسلیم بھی ضمان سے متعلق نہیں ہے بلکہ ملک

سے متعلق ہے، چنانچہ قدرت علی التسلیم غیر کے ہاتھ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جبکہ مالک منع نہ کرے۔

اور حضرات شوافع کا یہ کہنا کہ حدیث نہی عام ہے اسلئے منقول اور غیر منقول سب پر عام رہے گی، ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ حدیث اپنے عموم پر باقی نہیں ہے، اس میں تخصیص ہو چکی ہے، اسلئے کہ سب اس پر متفق ہیں کہ ثمن میں قبل القبض تصرف جائز ہے اور مہر میں بھی قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے۔

لہذا عام خص منہ البعض میں قیاس سے تخصیص جائز ہے، اس لئے ہم اپنی دلیل مذکور سے حدیث عام کو منقول پر محمول کرتے ہیں اور خاص سمجھتے ہیں۔

اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ حق شفعہ شفیع کو قبل القبض ہی مل جاتا ہے، اور شفیع بدل و قیمت سے ہی جائداد کا مالک ہو سکتا ہے، تو عقار قبل القبض مملوک بننے کا احتمال نہ رکھتی ہو تو شفیع کو بھی قبضہ سے پہلے اس عقار کو قبضہ سے پہلے لینے کا حق نہ ملنا چاہئے۔

لیکن حق شفیع کو قائم مقام حق مشتری کا قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ حق شفیع مشتری کے حق سے مقدم ہے، اسی لئے شفیع کے لے لینے کی وجہ سے ملک مشتری باطل ہو جاتی ہے، اور ذمہ داری بائع پر عائد ہو جاتی ہے (المبسوط سرخسی۔ ۱۳/۱۰)۔



قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا محمد حنیف

ریاض العلوم، گورینی ۔ جونپور

۱۔ بیع قبل القبض شریعت میں ناجائز ہے، اسکا شمار بیع فاسد میں ہوتا ہے، صح بیع عقار لا یخشی هلاکه قبل قبضه ولا یصح قبل قبضه بیع المنقول و مفسد بیع المنقول قبل قبضه (درمختار۔ ج ۴ / ص ۱۶۲، ۶۳)۔

۲۔ کتاب وسنت میں قبضہ کی کوئی حقیقت متعین نہیں کی گئی ہے، قبضہ کا مقصود بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہونا ہے۔ لہذا عرف میں جس چیز سے مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے اس کو قبضہ سمجھا جائے گا، بہرحال کتاب وسنت میں قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں ہے، اس لئے منقولہ کے قبضہ کی حقیقت میں حضرات علماء کا اختلاف ہوا ہے۔

اشیاء منقولہ میں قبضہ کی حقیقت:

حضرات احنافؒ:

حضرات احناف کے نزدیک مبیع کے اعتبار سے قبضہ کی حقیقت مختلف ہوتی ہے، لیکن ان حضرات کے نزدیک اتنی بات مسلم ہے کہ اگر مبیع فی الحال مقدور التسلیم والتسلم ہو تو مشتری کو اطلاع کے بعد تخلیہ قبضہ حکمی ہوتا ہے، البتہ اشیاء کے مختلف ہونے کے لحاظ سے تخلیہ کی صورت بھی مختلف ہوگی، مبیع خواہ منقولہ ہو، یا غیر منقولہ اگر فی الحال مقدور التسلیم والتسلم ہے، تو تخلیہ قبضہ ہے اور اگر فی الحال مقدور التسلیم والتسلم نہیں تو تخلیہ قبضہ نہیں، مثلاً مبیع دور ہو، خواہ منقولہ ہو، خواہ غیر منقولہ، یہی ظاہر الروایہ ہے، بعض کتابوں میں اشیاء غیر منقولہ کے سلسلے میں حضرات صاحبین کا جو اختلاف منقول ہے وہ ضعیف ہے۔

ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل و شرط في الأجناس شرطا ثالثا وهو أن يقول: خليت بينك و بين المبيع، فلو لم يقله أو كان بعيدا لم يصر قابضا والناس عنها غافلون، فإنهم، يشترون قرية و يقرون بالتسلم والقبض وهو لا يصح بالقبض على الصحيح (درمختار۔ ص ۴۲)۔

وفي حاشية: وحاصله أن التخلية قبض حكما ولو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت فدفع المفتاح وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أي بأن تكون في البلد فيما يظهر، وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى و يشار إليه قبض، وفي نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين.

وقوله على الصحيح وهو ظاهر الرواية و مقابله ما فى المحيط و جامع شمس الأئمة أنه بالتخلية يصح القبض وإن كا ن العقار بعيدا غائبا عنهما عند أبى حنيفة خلافالهما وهو ضعيف كما فى البحر (درمختار۴/۴۳)۔

بہر حال عبارات مذکورہ سے یہ واضح ہے کہ تخلیہ کی صورت مختلف ہوتی ہے، اور تخلیہ فی الحال مقدور التسلیم والتسلم اشیاء ہیں، خواہ منقولہ ہوں، یا غیر منقولہ قبضہ ہے، البتہ اشیاء غیر منقولہ کے سلسلے میں جب وہ فی الحال مقدور التسلیم والتسلم نہ ہوں تو ایک روایت میں ہے کہ اس میں بھی اشیاء منقولہ غیر مقدور التسلم کی طرح تخلیہ قبضہ نہیں ہے، اور محیط، جامع شمس الائمہ کی روایت میں حضرات صاحبین کا اختلاف منقول ہے کہ امام صاحب کے نزدیک تخلیہ قبضہ ہے، حضرات صاحبین کے نزدیک نہیں ہے۔

اشیاء منقولہ میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اشیاء منقولہ میں قبضہ کا مدار عرف پر ہے، قبضہ کے لئے عرف میں جو چیز رائج ہوگی اس کو قبضہ متصور کیا جائے گا، مثلاً دراہم ودنانیر میں قبضہ بالبراجم، مکیلات وموزومات میں قبضہ کے لئے کیل ووزن کی شرط لگاتے ہیں۔

قال المالكية والشافعية: قبض المنقول كالأمتعة والأنعام والدواب بحيث العرف الجارى ، بين الناس قال الحنابلة: قبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا فقبضه بكيله ووزنه أى أنه يجب الرجوع فى القبض إلى العرف (الفقہ الاسلامی۴/۴۱۹)۔

اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ:

اتفق الفقهاء على أن قبض العقار يكون بالتسليم الفعلى بالتخلية أى رفع المانع من القبض أوا لتمكن من إثبات اليد بارتفا ع الموانع (الفقہ الاسلامی۔۲۰۸) ثم لا خلاف بين أصحابنا فى أن أصل القبض يحصل بالتخلية فى سائر الأموال (بدائع۵/۲۴۴)۔

اشیاء غیر منقولہ میں تخلیہ قبضہ ہے اس میں تمام علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ اگر اشیاء غیر منقولہ فی الحال مقدور التسلیم نہ ہوں تو اس میں قبضہ کے سلسلے میں حضرات احناف کا اختلاف ہے، جو کہ شروع میں گذر چکا ہے۔

قبضہ کی قسمیں: قبضہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تام، (۲) ناقص، قبضہ تام اور ناقص، اشیاء اور ان کی بیع وشراء کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے، اس لئے اشیاء کے اقسام کو ذکر کیا جاتا ہے، ساتھ ہی وضاحت بھی کردی جائیگی کہ قبضہ تام کیا ہے اور قبضہ ناقص کیا ہے۔

مقدور التسلیم اشیاء کے اقسام:

(۱) اشیاء غیر منقولہ فی الحال مقدور التسلیم

(۲) اشیاء غیر منقولہ غیر مثلیہ۔ جیسے عددیات، مزروعات، متفاوتہ دونوں قسموں میں قبضہ تام صرف تخلیہ سے متحقق ہوجائے گا، بعد تخلیہ مشتری کو اس میں ہر طرح کے تصرف کی اجازت ہوگی۔

(۳) اشیاء منقولہ کیلی، یا وزنی ہوں ان کی بیع وشراء مجازفۃ بغیر کیل و وزن کے ہو تو اس میں بھی صرف تخلیہ ہی قبضہ تام ہے، بعد تخلیہ مشتری کو تمام تصرفات کی اجازت ہے۔

(۴) اشیاء منقولہ کیلی، یا وزنی جس کی شراء مجازفۃ یعنی بغیر کیل و وزن کے ہو اور بیع کیل، یا وزن سے ہو تو مشتری اول کیلئے صرف تخلیہ ہی قبضہ تام ہے، اور مشتری ثانی کیلئے تخلیہ قبضہ تام نہیں ہے بلکہ قبضہ ناقص ہے۔ اس لئے اس صورت میں مشتری اول کے لئے بعد تخلیہ تمام تصرفات کی اجازت ہوگی اور مشتری ثانی کیلئے اس میں تصرف کرنا جائز نہ ہوگا۔

(۵) اشیاء منقولہ کیلی، یا وزنی جس کی شراء کیل، یا وزن سے ہو اور بیع بغیر کیل کے مجازفۃ ہو تو اس صورت میں مشتری ثانی کے لئے تخلیہ قبضہ تام ہوگا، اور مشتری اول کے لئے قبضہ تام نہ ہوگا۔

(۶) اشیاء منقولہ کیلی، یا وزنی جسکی بیع وشراء دونوں کیل، یا وزن سے ہو، اس صورت میں تخلیہ کسی کے لئے بھی قبضہ تام نہ ہوگا دونوں کے لئے قبضہ ناقص ہے، کسی کے لئے بھی بغیر کیل، یا وزن کے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

(۷) عددیات ومزروعات متقاربہ، اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اشیاء کیلیہ، وزنیہ کے حکم میں ہے۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک اشیاء کیلیہ، وزنیہ کے حکم میں نہیں بلکہ اشیاء غیر مثلیہ کے حکم میں ہے۔ لہذا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عددیات مزروعات متقاربہ میں تخلیہ قبضہ تام نہیں ہے۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک تخلیہ قبضہ تام ہے (نوٹ) کیل اور وزن وعدد وغیرہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حقیقی (۲) حکمی دونوں کا حکم ایک ہے۔

(۱) مشتری کا خود کیل ہو، یہ کیل حقیقی ہے۔

(۲) مشتری کے سامنے بائع کیل، یا وزن کردے، یہ کیل حکمی ہے۔ دونوں میں سے یعنی کیل حقیقی، اور حکمی میں سے کوئی بھی پالیا جائے تو قبضہ تام ہوجائے گا مشتری کی موجودگی میں بائع کا کیل مشتری کا کیل متصور ہوتا ہے مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے (۲۴۴/۵)۔

(۳) وإنما شرط الاكتيال على المشترى لكونه من تمام القبض فى المكيل والموزون إذا وقع البيع مكايلة، فلا يجوز التصرف فيه بالبيع ونحوه قبل الكيل أو الوزن (تکملہ فتح الملہم ۳۵۸/۱) وفى البدائع ولو كاله البائع أووزنه بحضرة المشترى كان ذلك كافيا لا يحتاج إعادة الكيل لأن المقصود يحصل بكيله مرة واحدة بحضرة المشترى (ص۲۴۴)۔

خلاصہ :

یہ کہ مبیع میں قبضہ تام سے پہلے مشتری کیلئے کوئی تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اور قبضہ تام اشیاء منقولہ مثلیہ

(کیلیہ، وزینہ) کی اگر بیع وشراء دونوں کیل، یا وزن سے ہوتو تخلیہ نہ ہوتو مشتری اول اور نہ مشتری ثانی کے حق میں قبضہ تام ہوگا۔ کیونکہ دونوں کے قبضہ کی تمامیت کیلئے کیل، یا وزن کا پایا جانا ضروری ہے، اور اگر بیع کیلاً، یا وزناً ہو اور شراء مجازفۃً بغیر کیل کے ہوتو مشتری اول کے لئے تخلیہ قبضہ تام ہے، اور مشتری ثانی کے لئے قبضہ تام نہیں ہے، اور اگر شراء کیلاً یا وزناً ہو اور بیع مجازفۃً ہوتو مشتری ثانی کے لئے تخلیہ قبضہ تام ہے، مشتری اول کے لئے تام نہیں ہے، بلکہ اس کا کیل، یا وزن کرنا ضروری ہے، مذکورہ صورتوں کے علاوہ صرف تخلیہ ہی قبضہ تام ہوجاتا ہے، البتہ عددیات، مزروعات متقاربہ میں حضرت ابوحنیفہؒ کے نزدیک تخلیہ قبضہ تام نہیں اور صاحبین کے نزدیک قبضہ تام ہے، قبضہ تام مشتری کے خود کیل کرنے، یا مشتری کے سامنے بائع کے کیل کرنے سے بھی متحقق ہوجاتا ہے، اسی طرح مشتری کے وکیل کے سامنے بھی کیل ووزن کرنے سے قبضہ متحقق ہوجاتا ہے۔

بیع وتصرف قبل القبض کے سلسلے میں مذاہب:

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک کسی بھی چیز میں بیع قبل القبض جائز نہیں، خواہ مطعومات، یا غیر مطعومات، منقولات وغیر منقولات ہی کی قبیل سے کیوں نہ ہو، تمام چیزوں میں ان حضرات کے نزدیک قبضہ کی تمامیت شرط ہے۔

قال الشافعي و محمد ابن الحسن من الحنيفة: يحرم بيع كل شئ قبل قبضه طعاما أو كان غيره منقولا أو كان غير منقول.

حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کے نزدیک صرف مطعومات میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔

قال ابن حنبل في المهر الرواية: إنما يختص النهي والطعام فلا يجوز بيعه قبل قبضه ويجوز فيما سوا، كما حققه ابن قدامة.

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک مطعومات ومشروبات میں بیع قبل القبض جائز نہیں۔

قال مالكؒ: إنما يمنع البيع قبل القبض في المكيل والموزون من الطعام خاصة (تکملہ ۱/۳۵۱-۵۲) يجوز كل مبيع قبل قبضه إلا المأكول والمشروب قاله مالك وأبوثور قال ابن المنذر: وأصح المذهب لحديث النهي عن بيع الطعام قبل أن يستوفي (اعداد السنن ۴/۲۲۱)۔

حضرات شیخینؒ کے نزدیک تمام منقولات میں قبضہ کی تمامیت سے پہلے بیع جائز نہیں، قال أبو حنيفة وأبو يوسفؒ: يمتنع البيع قبل القبض في سائر المنقولات، ويجوز في العقار الذي لا يخشى هلاكه (تكملة. في فتح الملهم. (۵/۳۵۰-۵۱)۔

ائمہ کے دلائل:

(۱) نهى رسول ﷺ أن تباع السلع حيث يبتاع حتى يحوز ها التجار إلى رحالهم.

(۲) وعن حكيم ابن حزام قال: قلت يا رسول الله ﷺ إني أبتاع هذه البيوع فما يحل

لى منها وما يحرم على قال يا ابن أخي لا تبعن شيئا حتى تقبضها، في رواية أبان إذا اشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه.

(۳) وعن عبدالله ابن عمرو أن رسول الله ﷺ قال لا يحل سلف و بيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ما ليس عندک (تکملۃ فتح الملہم)۔

روایت مذکورہ ثلثہ بیع قبل القبض کے عدم جواز پر دال ہیں، خواہ مبیع مطعومات وغیر مطعومات کے قبیل سے ہو، یہ روایات حضرات امام شافعی وامام محمد وامام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہم اللہ اجمعین کا مستدل ہے۔

دلیل احمد ابن حنبلؒ وامام مالک:

عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه، وفي رواية: حتى يقبضه.

روایت مذکورہ مبیع مطعومات میں قبل القبض تصرف کے عدم جواز پر دال ہے، یہ روایت حضرت امام احمد ابن حنبل کا مستدل ہے۔

دلیل حضرات شیخین:

نهى رسول الله ﷺ عن ربح ما لم يضمن وما ليس عندک، ونهى رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر، ونهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوز ها التجار إلى رحالهم، فقال رسول الله ﷺ يا ابن أخي لا تبيعن شيئا حتى تقبضه وفي رواية أبان: إذاا شتريت بيعافلا تبعه حتى تقبضهٗ ۔روایت مذکورہ بیع قبل القبض کے عدم جواز پر دال ہے۔ حضرات شوافع، امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک بیع قبل القبض کی علت نہی ''ربح مالم یضمن'' ہے، کیونکہ بیع قبل القبض ''ربح مالم یضمن'' کو متضمن ہے، جب بھی بیع قبل القبض ہوگی تو ''ربح مالم یضمن'' ہوگا، اور ''ربح مالم یضمن'' نص حدیث سے ممنوع ہے، لہذا ہر وہ بیع جو ''ربح مالم یضمن'' کو متضمن ہوگی وہ ممنوع ہوگی، اس لئے بیع قبل القبض ناجائز ہے، جیسا کہ بہت سی احادیث شریفہ میں صراحت ہے۔ خواہ بیع قبل القبض مطعومات وغیر مطعومات، منقولات، غیر منقولات جس چیز میں بھی ہو، حضرات شوافع اور امام محمد کے نزدیک ''ربح مالم یضمن'' کو متضمن ہونے کی بنا پر ممنوع ہوگی۔

حضرات شیخین:

حضرات شیخینؒ کے نزدیک منقولات میں بیع قبل القبض ناجائز ہے۔ یعنی فاسد ہے۔ اور غیر منقولات میں بیع قبل القبض جائز ہے۔

ومن اشترى شيئا مما ينقل ويحول لم يجز بيعه حتى يقبضه لأنه عليه السلام نهى عن بيع مالم يقبض لأنه فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاک ويجوز بيع العقار قبل القبض عند

أبي حنيفة وأبي يوسف وقال محمد لا يجوز رجوعا إلى إطلاق الحديث واعتبارا بالمنقول و صار كالإجارة (ہدایہ)۔

حضرات شیخین کے مسلک کی توضیح دوطرح سے ہوسکتی ہے، ایک اس طرح سے کہ اصل علت نہی ''ربح مالم یضمن'' کوٹھہرایا جائے اور جہت کے اطلاق وعموم سے غیر منقولات کو مستثنیٰ کردیا جائے۔ کیونکہ حدیث شریف میں بیع قبل القبض کی اصل علت نہی ''ربح مالم یضمن'' ہے اور ضمان کا تصور صرف ان ہی چیزوں میں ہوتا ہے جن میں مبیع کے ضیاع کا اندیشہ ہو اور چونکہ غیر منقولات میں ضیاع وہلاکت نادر وکالعدم ہے۔ اسلئے غیر منقولات میں ضمان کا سوال ہی نہیں اور جب ضمان کا وجود نہیں تو ''ربح مالم یضمن'' کا وجود کیسے ہوگا جو مدار نہی ہے، لہذا قاعدہ فقہیہ: "إذا فات العلة فات الحكم" سے غیر منقولات کی بیع جائز ہے۔

دوسری تشریح یہ ہوسکتی ہے کہ علت نہی غرر انفساخ عقد کو ٹھہرایا جائے کہ جس میں مبیع کے ضیاع سے عقد ختم ہو جائے تو ایسا عقد تصرف مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے جائز نہیں اور حدیث ''ربح مالم یضمن'' کو مخصوص منہ البعض مانا جائے دلائل جواز پر عمل کرتے ہوئے، کما في الهداية: لهما أن ركن البيع صدر من أهله في محله ولا غرر فيه لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول و الغرر منهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز أي من الكتاب والسنة (ہدایہ ص ۳۳۳)۔

حدیث ''ربح مالم یضمن'' میں تخصیص بالاتفاق جائز ہے، مثلاً قبضہ سے پہلے ایسی مبیع میں تصرف کرنا کہ اس سے مبیع کے ضیاع سے فسخ کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی مبیع میں تصرف بالاتفاق جائز ہے۔ حالانکہ اس میں بھی ''ربح مالم یضمن'' موجود ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حدیث ''ربح مالم یضمن'' مخصوص منہ البعض ہے، ورنہ تو اس مبیع میں بھی جس میں اس کے ضیاع سے فسخ عقد کا اندیشہ نہ ہو یہ تصرف جائز نہ ہوتا، مثلاً مہر، بدل خلع، عتق علی مال، بدل صلح من دم العمد، جب اعیان کی قبیل سے ہوں، تو ان میں قبضہ سے پہلے تمام تصرفات جائز ہیں۔ اسی طرح اخذ شفعہ ''قبل قبض المبیع'' بھی جائز ہے۔ تو ان سب سے معلوم ہوا کہ ایسی مبیع میں تصرفات جس میں مبیع کے ضیاع کا اندیشہ نہ ہو قبل القبض جائز ہیں۔ اور علت نہی غرر انفساخ عقد ہے جو حدیث ابوہریرہ: "نهى رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر" سے ثابت ہے، (مسلم شریف) اور اگر علت نہی ''ربح مالم یضمن'' ہوتی تو بیع تولیہ کو جائز ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ بیع تولیہ بھی قبل القبض جائز نہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل علت نہی ''ربح مالم یضمن'' نہیں بلکہ غرر انفساخ عقد ہے، تو جس طرح سے ایسی مبیع میں جس میں اس کے ضیاع سے فسخ کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے، مثلاً: مہر، بدل خلع، صلح عن دم العمد، اخذ شفعہ قبل القبض وغیرہ جائز ہیں۔ اسی طرح سے غیر منقولات جس میں ضیاع نادر ہے، ان میں بھی تصرف قبل القبض جائز ہوگا، کیونکہ غیر منقولات کی بیع قبل القبض کی صورت میں انفساخ عقد کا احتمال نہیں رہتا ہے۔ لہذا غیر منقولات میں بیع قبل القبض جائز ہوگی، اسی علت پر مدار رکھ کر حضرات فقہاء نے یہ کلیہ بیان کیا ہے، أن كل عوض ملك بعقد ينفسخ بهلاكه قبل قبضه فالتصرف فيه غير جائز، وما لا فجائز (عینی، درمختار ۴/۱۶۲)۔

حاصل یہ ہے کہ حضرات شیخین کے نزدیک اصل علت نہی غرر انفساخ عقد ہے، اور حضرات امام شافعی و امام محمدؒ کے نزدیک علت نہی ''ربح مالم یضمن'' ہے۔ اور حضرات شیخین نے حدیث ''ربح مالم یضمن'' کو مخصوص کر دیا ہے ان معاملات کے ساتھ جن میں مبیع کے ضیاع سے فسخ عقد کا احتمال ہو۔

نہی عن بیع الطعام:

آپ ﷺ کے ارشاد: نهى عن بيع الطعام حتى يجرى فيه الصاعان ـ'' صاع البائع و صاع المشترى '' کی علت نہی مال غیر میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرنے سے بچانا مقصود ہے۔ کیونکہ مال غیر میں تصرف بغیر اس کی اجازت کے ناجائز وحرام ہے اس سے تحرز واجب ہے۔ نهى عن بيع الطعام... إلى... فيكون لصاحبه والزيادة عليه النقصان ذكره الزيلعي: في نصب الراية، وقال الحافظ: في الدراية، إسناده جيد، وهذا يدل على أن العلة في النهي عن بيع الطعام حتى يجرى فيه الصاعان إنما هو امتياز حق البائع عن المشترى (تكملة (۳۵۸/۱)۔

خلاصہ:

سطور سابقہ میں ذکر کردہ مسائل واحکام کا خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ مبیع کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، مبیع اولاً دو طرح کی ہوتی ہے (۱) مبیع مثلیہ، کیلیہ، یا وزنیہ مشتری بالکیل، یا بالوزن ہو (۲) مبیع اسکے علاوہ ہو یعنی مثلی نہ ہو اور اگر مثلی ہو تو کیلی، یا وزنی نہ ہو، کیلی، یا وزنی ہو تو شراء کیل، یا وزن سے نہ ہوئی ہو۔ ان دونوں قسموں میں سے قسم اول میں حضرات احناف کے نزدیک تخلیہ قبضہ ناقص ہے، اور قبضہ کی تمامیت کے لئے مشتری کے کیل، یا وزن کی شرط ہے کہ مشتری دوبارہ خود کیل، یا وزن کرے، یا کم از کم اس کے سامنے کیل، یا وزن کی گئی ہو تو تخلیہ قبضہ تام ہوگا، ورنہ نہیں، اور کسی چیز میں تصرف قبضہ کی تمامیت سے پہلے جائز نہیں۔ اگر عقد کرے گا تو عقد فاسد ہوگا۔ ''اشترى كيلا بشرط الكيل حرم أى كره تحريما بيعه وأكله حتى يكيله وقد صرحوا بفساده'' (درمختار ۱۶۳/۴) اور مبیع کی دوسری قسم میں اگر وہ فی الحال مقدور التسلیم ہے تو صرف یہ تخلیہ ہی قبضہ تام ہے، لہذا اس میں بعد تخلیہ مشتری کو ہر طرح کے تصرف کرنے کا اختیار ہے، لیکن اگر مبیع ذراعی اور عددی متقاربہ ہو اور شراء عدد و ذراع سے ہوئی ہو تو حضرات صاحبین اور امام صاحب کا اس میں اختلاف ہے، حضرات صاحبین کے نزدیک ان میں بھی تخلیہ قبضہ تام ہوگا اور حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک تخلیہ قبضہ تام نہیں، بلکہ قبضہ کی تمامیت کیلئے عدد و ذراع کی شرط ہے۔

في البدائع أما المعدودات المتقاربة إذا بيعت عددا لا جزافا فحكمها حكم المكيلات والموزونات. عند أبي حنيفة حتى لا يجوز بيعها إلا بعد العدد و عند أبي يوسف و محمد حكم المذروعات فيجوز بيعها قبل العدد. و وجه قولهما أن العددى ليس من أموال الربوا كالذراع ولهذا لم تكن المساواة فيها شرطا لجواز العقد كما لا تشرط في المذروعات فكان حكمه حكم المذروع (بدائع ۲۴۵/۵)۔

اورفتوی کے لئے ضرورۃ عموم بلوی کی بناء پر صاحبین کے قول کواختیار کیا جائے گا تا کہ " یسـرا و لا تـعسـرا" پرعمل ہوکر معاملات میں سہولت وآسانی پیدا ہوجائے اور نیز بیع قبل القبض کی مروجہ صورت میں سہولت و آسانی کیلئے بعض چیزوں میں حضرت امام مالک کا مسلک اختیار کرنے میں کوئی جرم نہیں ہے۔اوران کے مسلک و مذہب کے مطابق ضرورۃ فتوی دینا جائز ہے،جیسا کہ فقہاء متقدمین فقہ حنفی کے اصول "إذا ضاق الأمر اتسع، إذا عـمت البلية خفت خفية، المشقة تجلب التسير" کی بنا پرضرورت کے وقت دوسرے امام کے مذہب کو اختیار کیا ہے۔مثلاً شامی، طحطاوی وغیرہ نے جمع بین الصلاتین کوضرورت کے وقت مذہب شافعی پر جائز فرمایا ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔دیانت میں نہیں معاملات میں ابتلاء عام ہوتا ہے،دوسرے امام کے قول پراگر جواز کی گنجائش ہوتی ہے،تواس پرفتوی دیدیتا ہوں،دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ میراارادہ تھا کہ ایک رسالہ احکام معاملات میں ایسا لکھوں جن معاملات میں عوام مبتلا ہیں،اگروہ صورتیں کسی بھی مذہب میں جائز ہوں تواس کی اجازت دے دوں تاکہ مسلمانوں کے افعال کسی طرح بھی جائز ہوسکیں۔اورفرمایا کہ احتیاطاً میں نے حضرت گنگوہیؒ سے اس کی اجازت لے لی تھی،حالانکہ حضرت پکے حنفی تھے(فقہ حنفی کے اصول وضوابط/۱۶۹)۔

امام مالک کا مذہب:

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک مطعومات کے علاوہ تمام چیزوں میں تصرف قبل القبض جائز ہے۔قـال مـالک: يـجـوز جميع التصرفات فيه قبل القبض في غير الطعام لأنه عليه السلام خص الطعام با الـذكـر عند النهي بقوله: "من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه" فدل على تخصيص الحكم وإلا فليس لهذا التخصيص فائدة (بنایہ ۷/۳۲۱)۔

بیوع کے چند مروجہ طریقے:

(۱) بائع کمپنی یا بڑی بڑی تھوک دوکانوں پرفون وغیرہ سے اشیاء کی قیمت معلوم کرتا ہے پھر جب اطمینان کرلیتا ہے تو بھیجنے کا آرڈر دیتا ہے۔

(۲) بائع مشتری سے اشیاء کی قیمت معلوم کرکے یہ کہتا ہے کہ ان چیزوں کونکال کر یا تول کر رکھ دو،پھرمشتری کا ملازم جاکر وہ سامان لے آتا ہے۔

(۳) بائع لکھ کر،یا ٹیلی فون سے مشتری کو آرڈر دیتا ہے اور بائع مطلوبہ اشیاء کومع قیمت کی فہرست کے بھیج دیتا ہے۔

(۴) ایک شخص ایجنسی وغیرہ میں فون وغیرہ سے کسی چیز کا آرڈر دیتا ہے اورایجنسی والے اس کا پتہ وغیرہ نوٹ کرکے کمپنی میں آرڈر دیتے ہیں،فلاں پتہ پراتنا مال روانہ کردیا جائے۔

(۵) کوئی شخص تھوک دوکان والوں سے کسی چیز کوطلب کرتا ہے،اوران کے پاس نہیں ہوتی ہے تووہ ایجنسی،یا کمپنی کو آرڈر دیتے ہیں،فلاں پتہ پراتنا مال روانہ کردیا جائے اس کوبھی اطلاع کردیتے ہیں کہ تمہارا مال پہونچ رہا

ہے۔

(۶) آجکل مختلف چیزیں اوزان کے ڈبوں میں اور مختلف اوزان کے سلے ہوئے بوروں، میں بنڈلوں میں، تھیلوں میں، عدد، کیل، وزن، ذراع شدہ رکھی رہتی ہیں جن پر متعینہ وزن لکھا رہتا ہے اور بعض مبیع میں مبیع کے تعارف کی پوری تفصیل درج ہوتی ہے مشتری جب ان چیزوں میں سے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو بائع وہی پیکٹ وغیرہ جو پہلے سے کیل وغیرہ کر کے رکھا ہے، دیدیتا ہے۔

(۷) باہر ممالک سے مشتری کوئی چیز خریدتا ہے اور قبضہ سے پہلے ابھی مال جہاز ہی وغیرہ میں ہوتا ہے اس کو فروخت کر دیتا ہے دوسرا تیسرے کو، تیسرا کسی اور کو، اسی طرح سے وہ چیز قبضہ سے پہلے فروخت ہوتی رہتی ہے، ان سب مروجہ صورتوں کا کیا حکم ہے؟ کیا بغیر کیل و وزن کئے ہوئے اور بغیر قبضہ کئے ہوئے اس میں تصرف کرنا جائز ہے؟

بیع قولی وتعاطی:

مذکورہ مروجہ صورت کے حکم سے پہلے بیع بالالفاظ، بیع بالافعال (تعاطی) کو سمجھ لینا ضروری ہے، نیز قبضہ کی حقیقت ٹرانسپورٹ وغیرہ کی شرعی حیثیت کا علم ہونا ضروری ہے، کیونکہ بیع کی مروجہ صورتوں میں ان سب کا واسطہ ہوتا ہے، لہذا ان صورتوں کا حکم بیع تعاطی، قولی، قبضہ ٹرانسپورٹ وغیرہ کے بعد لکھا جائے گا، تا کہ اخذ حکم میں سہولت ہو۔

بیع قولی:

بیع بالالفاظ کی اولاً دو صورتیں ہیں۔ (۱) ایجاب وقبول دونوں لفظ ماضی یا حال سے ہوں (۲) ایجاب لفظ سے ہو قبول لفظ سے نہ ہو بلکہ فعل سے ہو۔ مثلاً زید نے عمر سے کہا کہ میں نے آپکے ہاتھ یہ چیز فروخت کی تو عمر نے اس پر قبضہ کرلیا۔ قبول کے لئے کوئی لفظ استعمال نہیں کیا یہ بھی بیع بالالفاظ میں داخل ہے۔

كما في الرد : قلت قوله من غير لفظ لغير ما قد مناه عن الفتح من أنه لو قال بعتكه بألف فلم يقل المشترى شيأ كان قبضه قبولا وليس من التعاطى فلا لمن جعل منه ليس فيه إيجاب بل قبض بعد معرفة ثمنه (ردالمحتار۔ ج ۴ ص ۱۱)۔

(۲) دوسری قسم، یعنی ایجاب وقبول دونوں الفاظ سے ہوں، اسکی چار صورتیں ہیں، (۱) ایجاب وقبول دونوں صیغہ ماضیہ سے ہوں (۲) ایجاب وقبول دونوں صیغہ حال سے ہوں (۳) ایجاب صیغہ ماضی سے ہو، قبول صیغہ حال ہو (۴) قبول صیغہ ماضی سے ہو اور ایجاب صیغہ حال سے ہو۔

البيع ينعقد بالإيجاب والقبول إذا كانا بلفظى الماضى مثل أن يقول بعت والآخر اشتريت ولا ينعقد بلفظين احدهما لفظ المستقبل وفى التنوير. وهما عبارة عن كل لفظين ينبآن عن التملک والتمليک ما ضيين أو حالين ولكن لا يحتاج الأول إلى نية بخلاف الثانى فإن توكل به الإيجاب للحال صح على الأصح وإلا لا وإذا استعمله للحال فكالماضى

کأبیعک الآن لتمحضه للحال وأما المتمحض للاستقبال فکان الأمر لا یفتح أصلا إلا إذا دل علی الحال کخذه بکذا فقال أخذت أو رضیت صح بطریق الاقتضاء (تنویر مع الدر المختار ملخصا ۴/ ۹۔۱۰)۔

حاصل یہ ہے کہ بیع بالا لفاظ کی زیادہ سے زیادہ چھ صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) ایجاب لفظ سے ہو، قبول فعل سے ہو۔(۲) ایجاب وقبول دونوں صیغۂ ماضی سے ہوں (۳) ایجاب و قبول دونوں صیغہ حال سے ہوں (۴) ایجاب ماضی سے قبول حال سے ہو (۵) ایجاب حال سے اور قبول ماضی سے ہو (۶) ایجاب صیغہ امر سے ہو تو قبول کا صیغہ ماضی سے ہونا ضروری ہے۔ صیغہ امر ایجاب کے لئے اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ امر سے اقتضاء حال کا معنی مستنبط ہو، بیع بالکتابت، اگر وہ...مرسومہ ہو تو الفاظ کے ساتھ ملحق ہے، کیونکہ کتابت الفاظ کا ترجمان اور قائم مقام ہوتی ہے (ارجع للتفصیل إلی الدر ۴/ ۸،۱۰)۔

بیع تعاطی:

بیع تعاطی کی پانچ صورتیں ہیں (۱) ثمن طے کرنے کے بعد ثمن حوالہ کر دے، مبیع پر قبضہ بعد میں کرے۔(۲) مبیع پر قبضہ کر لے، ثمن بعد میں دے۔(۳) ثمن طے کرنے اور معرفت ثمن سے پہلے ہی مبیع پر قبضہ کر لے۔(۴) ثمن کے علم ومعرفت سے پہلے ہی ثمن دیدے، اور مبیع پر قبضہ بعد میں کر لے۔(۵) ثمن دیدے اور مبیع لے لے۔التعاطی هو الأخذ والإعطاء وفی الرد وصورته أن یتفقا علی الثمن ثم یأخذ المشتری المتاع ویذهب برضی صاحبه من غیر دفع الثمن أو بدفع المشتری الثمن للبائع ثم یذهب من غیر تسلیم المبیع فإن البیع لازم علی الصحیح ...قلت: فیها خامسة إنه ینعقد به ولو تأخرت معرفة الثمن لکون دفع الثمن قبل معرفته (رد المحتار ۴/ ۱۱، البحر الرائق ۴/ ۱۱)۔

حاصل یہ کہ ثمن کے علم کے بعد یا ثمن کے علم سے پہلے بائع ثمن پر قبضہ کر لے یا مشتری مبیع پر قبضہ کر لے، یا دونوں ایک دوسرے پر قبضہ کرلیں، تو یہ بیع تعاطی ہے بشرطیکہ اس میں ایجاب وقبول کے وہ الفاظ جن کی تفصیل گذر چکی ہے نہ پائے جائیں۔

بیع تعاطی کا حکم:

(۱) بیع تعاطی میں جب مبیع، یا ثمن پر قبضہ ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے

(۲) بیع تعاطی میں اشیاء کیلیہ، وزنیہ میں بھی تصرف کیلئے اعادۂ کیل اور وزن کی شرط نہیں ہے: فی الدر "اشتری مکیلا بشرط الکیل حرم أی کره تحریماً بیعه وأکله حتی یکیله ومثله الموزون والمعدود غیر الدراهم والدنانیر لجواز التصرف فیهما بعد القبض قبل الکیل والوزن کبیع التعاطی فإنه لا یحتاج فی الموزونات إلی وزن المشتری ثانیا لأنه صار تبعا بالقبض بعد الوزن، قنیة وعلیه الفتوی خلاصة (الدر المختار ملخصا ۴/ ۱۶۳۔۱۶۴)۔

عبارات مذکورہ سے واضح ہے کہ بیع تعاطی میں مشتری کے اعادۂ کیل اوروزن کی شرط قبضہ کی تمامیت کیلئے نہیں ہے، کیونکہ یہ بیع قول سے نہیں، بلکہ بائع، مشتری، یا ان میں سے کسی کے قبضہ سے ہوتی ہے (حاشیۃ الدر ۴/ ۱۲۴)۔

بیوع فاسدہ باطلہ کے بعد بیع تعاطی:

بیع فاسد و باطل کے بعد اگر متعاقدین سے تسلیم وتسلم پالیا جائے تو کیا یہ عقد بیع تعاطی بن کر درست ہوسکتا ہے؟

بیع فاسد و باطل کے بعد جب تک عقد اول کو فسخ نہ کر دیا جائے اس وقت تک نہ تو، وہ معاملہ ایجاب وقبول سے اور نہ ہی بیع تعاطی سے درست ہوسکتا ہے، بلکہ علی حالہ فاسد و باطل ہی رہے گا۔

التعاطی لا ینعقد بعد بیع باطل أو فاسد ما لم یفسخ العقد الأول (حاشیۃ البحر ۶/ ۲۷۹، ۴/ ۱۱)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بیع فاسد و باطل کے بعد جب تک عقد اول کو بالکل ختم نہ کر دیا جائے اس وقت تک نہ تو دوبارہ ایجاب وقبول سے اور نہ ہی بیع تعاطی معاملہ درست ہوسکتا ہے بلکہ عقد اول کو فسخ کرنا ضروری ہے پھر اگر فسخ کے بعد لین دین ہو جائے یا دوبارہ ایجاب وقبول ہو جائے تو معاملہ درست ہوسکتا ہے لہذا اگر فی الحال غیر مقدورالتسلیم والتسلم اشیاء کو خریدا تو جب تک قبضہ نہ کرلے اس وقت تک اس کو فروخت کرنا جائز نہیں اور اگر فروخت کر دے گا تو بیع فاسد ہوگی اور بیع فاسد کے بعد اگر لین دین بھی ہوگا تو یہ بیع تعاطی نہیں بن سکتا بلکہ اس عقد کو ختم کرنا واجب رہے گا۔

نوٹ:

اگر وجہ فساد کو مجلس عقد ہی میں دور کر دیا جائے تو بیع تعاطی ہو کر معاملہ درست ہوجائے گا، والفرق أنه بعد المجلس تقرر الفساد من کل وجه فلا بد من المتارکة، أما فی المجلس ولا یتقرر من کل وجه متحصل المتارکة ضمناً فتأمل (شامی ۴/ ۱۲)۔

مثلاً "کل قفیز بدرهم" والی صورت میں اگر صبرۂ طعام کو مجلس عقد ہی میں کیل ووزن کر دیا جائے تو معاملہ درست ہو جائے گا۔

فی الدر: وإن علم عدد الغنم فی المجلس لم ینقلب صحیحاً عنده علی الأصح ولو رضیا العقد بالتعاطی ونظیره البیع بالرقم سراج (درمختار ۲۹)۔

عبارت مذکورہ میں" ولو رضیا العقد بالتعاطی "کو اگر 'بعد المتارکۃ' یا 'بعد عدد' پر محمول کیا جائے تو درست ہوسکتی ہے، ورنہ یہ عبارت خود مصنف کی سابق ذکر کردہ عبارت کے خلاف ہے، جیسا کہ مضمون ہذا میں نقل کیا گیا۔

قبضہ کی حقیقت:

قبضہ کی اصل روح اور حقیقت مبیع کے بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہونا ہے اور حضرات فقہاء احناف نے انتقال ضمان کے سلسلہ میں اگر فی الحال مقدور التسلیم والتسلم ہوتو مشتری کو اطلاع دینے کے بعد تخلیہ کو حکما انتقال ضمان کیلئے ، یعنی قبضہ کیلئے کافی مانا ہے، اور اگر مبیع فی الحال مقدور التسلیم والتسلم نہ ہوتو تخلیہ قبضہ نہیں ہوسکتا، خواہ مبیع منقولات کی قبیل سے ہو یا غیر منقولات کی قبیل سے، اگر فی الحال مقدور التسلیم والتسلم ہے تو مشتری کو اطلاع دینے کے بعد تخلیہ قبضہ سمجھا جائے گا، لیکن یہ بھی یاد رہے کہ قبضہ میں عرف کا بہت دخل ہے، جیسا کہ حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قبضہ کا مدار ہی عرف پر ہے، اگر عرف میں کوئی چیز ایسی رائج ہو کہ جس سے مبیع بائع کے ضمان وذمہ داری سے نکل کر مشتری کے ضمان وذمہ داری میں داخل ہوجائے تو اس کو بھی قبضہ سمجھا جائے گا، کیونکہ حضرات احناف کے نزدیک بھی عرف کا بہت اعتبار ہے۔

(۱) اشترى في المثل حطباً فغصبه غاصب حال حمله إلى منزله فمن البائع لأن عليه التسليم في منزل الشاري بالعرف (ردمحتار ۴؍۴۴)۔

عرف اگر کسی نص کے مخالف نہیں ہے تو عرف خاص ہو یا عام دونوں معتبر ہے، لہذا اگر عرف میں کوئی چیز قبضہ کیلئے رائج ہوتو اس کے پائے جانے کے بعد قبضہ تسلیم کرلیا جائے گا، اور مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہوجائے گی۔

(۲) في الدر : المذهب عدم اعتبار العرف الخاص لكن أفتى كثير باعتباره وفي حاشية: فأفاد أن عدم اعتباره بمعنى أنه إذا وجد النص بخلافه لا يصلح ناسخاً للنص ولا مقيداً له وإلا فقد اعتبروه في مواضع كثيرة منها مسائل الإيمان وكل عاقد وواقف وحالف يحمل كلامه على عرفه كما ذكره ابن همام عرف العام يصلح مقيدا (ردالمحتار ۱؍۱۴)وفيه عبارة الأشباه أقول: على اعتباره أي اعتبار العرف الخاص ينبغي أن يفتى بأن ما يقع في بعض أسواق القاهرة من خلو الحوانيت لازم (ردمحتار ۱؍۱۵)۔

ایک بات یہ غور کرنے کی ہے کہ حضرات فقہاء نے تخلیہ وغیرہ کو قبضہ کیوں مانا ہے؟ اس میں کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات فقہاء کے تخلیہ وغیرہ کو قبضہ شمار کرنے کی دو وجہیں ہیں (۱) قدرت تصرف کامل (۲) انقطاع تعلق البائع من المبیع بحکم المشتری، حضرات فقہاء کے تخلیہ وغیرہ کو قبضہ شمار کرنے کی یہی دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں۔

(۱) أن التخلية تعتبر إقباضاً في العرف والشرع أما في العرف فلأنه لا يكون في العقار إلا بها فتقال هذه الدار في يد فلان فلا يفهم منه إلا التخلي وهو التمكن من التصرف (الفقہ الاسلامی ۵؍۲۰۰)۔

(۲) وفی النهاية معزيا إلى الغاية: إن القبض فی العقار بالتخلية وفی المنقول بالنقل إلی مکان لا يختص بالبائع (بحرالرائق ۳۰۹/۵)۔

عبارت مذکورہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرات فقہاء کے تخلیہ وغیرہ کو قبضہ شمار کرنے کی دو وجہیں ہیں (۱) بائع کو مکمل قدرت تصرف حاصل ہوجائے (۲) مبیع سے بائع کا تعلق، بالکل ختم ہوجائے مشتری کے حکم سے اور مشتری کے حق کے ساتھ محبوس ہوجائے، جب ان دو وجہوں میں سے کوئی وجہ پائی جاتی ہے تو حضرات فقہاء اس کو قبضہ تسلیم کرتے ہیں۔

ٹرانسپورٹ ڈاک وغیرہ کی شرعی حیثیت:

(۱) قبضہ کی حقیقت میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ اگر مشتری کے حکم کی وجہ سے بائع کا تعلق مبیع سے بالکل ختم ہوجائے تو یہ مشتری کا قبضہ ہے۔

(۲) ڈاک ٹرانسپورٹ وغیرہ کو حوالہ کردینے کے بعد مبیع بائع کے قبضہ سے نکل جاتی ہے، اور اس کا تعلق مبیع سے بالکل ختم بھی ہوجاتا ہے، لیکن اگر ان کا کرایہ بائع خود ادا کرے تو یہ بائع کے وکیل بالاجرت ہوں گے اور وکیل کا فعل مؤکل کا فعل ہوتا ہے، لہذا بائع کے ان کا کرایہ ادا کرنے کی صورت میں مبیع بائع کے وکیل کے قبضہ میں رہے گی اور وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے، لہذا مبیع سے بائع کا تعلق ختم نہیں ہوگا، بلکہ اس کا تعلق علی حالہ باقی رہے گا، فرق صرف اتنا ہوگا، جیسے بائع نے مبیع کو ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کردیا اور جب مبیع بائع کے قبضہ سے نکلے گی نہیں تو مشتری کے ضمان میں داخل بھی نہ ہوگی، اور جب ضمان میں داخل نہ ہوگی تو حقیقت قبضہ مفقود ہوگی اور اگر ان کا کرایہ بائع نہیں ادا کررہا ہے تو بائع کا تعلق مبیع سے مشتری کے حکم کی بناء پر بالکل ختم ہوجائے گا اور مبیع سے کوئی تعلق باقی نہ رہے گا، اس لئے اگر ڈاک ٹرانسپورٹ وغیرہ کا کرایہ بائع نہ ادا کرے تو مبیع کے بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہونے سے قبضہ کی حقیقت پائی جائے گی، اور مشتری کے ضمان میں آنے کی صورت میں اس کا قبضہ شمار ہوگا: قال فی الهندية: إذا قال المشتری للبائع ابعث إلی ابنی واستأجر البائع رجلاً يحمله إلی ابنه فهذا ليس بقبض والأجر علی البائع إلا أن يقول استأجر من يحمله فقبض الأجير يكون قبض المشتری إن صدقه أنه استأجره ودفع إليه وإن أنكر استيجاره والدفع إليه فالقول قوله كذا فی التاتارخانية (عالمگیریہ ۱۹/۳ نقلا من احسن الفتاوی ۶)۔

اگر مشتری بائع سے یہ کہے کہ فلاں کے ذریعہ سامان بھیجو اور وہ شخص صرف حمالی کا کام کرتا ہو تو یہی سمجھا جائے گا کہ مشتری نے بائع کو اس کا حکم دیا ہے کہ اس شخص کو اس کی جانب سے اجیر رکھ کر سامان بھیجا جائے تو اگر بائع کرایہ نہ ادا کرے تو وہ شخص وکیل مشتری کا وکیل ہوگا، اسی طرح سے ڈاک ٹرانسپورٹ وغیرہ جو بار برداری کا کام کرتے ہیں، اگر مشتری نے ان کے ذریعہ بھیجنے کا حکم دیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے کہا" استأجر من يحمله إلی": تو اگر ڈاک ٹرانسپورٹ وغیرہ کا خرچ مشتری کے ذمہ آتا ہو تو بائع مشتری سے وصول کرکے ان کو کرایہ دے یا مشتری خود کرایہ

ادا کرے، بہرحال اگران کا کرایہ بائع نہیں ادا کررہا ہے اور یہ کہنے کی صورت میں کہ ڈاک سے بھیجد وعرف میں ان کے کرایہ کی ادائیگی مبعوث الیہ کے ذمہ آتی ہے تو ڈاک وغیرہ مشتری کے وکیل ہوں گے، لہذا ان کے قبضہ میں مال پہونچنے کے بعد مشتری کا قبضہ محقق ہو جائے گا، اور مبیع بائع کے ذمہ سے نکل جائے گی۔

حاصل یہ ہے کہ ڈاک ٹرانسپورٹ وغیرہ کا کرایہ اگر اپنی جیب سے نہیں ادا کرتا ہے بلکہ ان کے کرایہ کی ادائیگی مشتری کے ذمہ لازم ہوتی ہے تو یہ مشتری کے وکیل ہیں اوران کا قبضہ مشتری کا قبضہ سمجھا جائے گا اور اگر ان کے کرایہ کی ادائیگی بائع کے ذمہ لازم آتی ہے اور وہ اپنی جیب سے ادا کررہا ہے پہلے، یا بعد میں مشتری سے وہ کرایہ وصول نہیں کرتا ہے تو یہ بائع کے وکیل ہیں اوران کا قبضہ بائع کا قبضہ سمجھا جائے گا، اور مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل نہ ہوگی، جو قبضہ کی حقیقت اور روح ہے۔

بیوع کے مروجہ مذکورہ چند طریقوں کا حکم:

بیع بالالفاظ اور بیع بالافعال قبضہ ٹرانسپورٹ وغیرہ کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد مذکورہ صورتوں کا حکم نکالنا آسان ہے اب مذکورہ صورتوں کے احکام لکھے جارہے ہیں (۱-۲-۳-۴-۵) ان سب صورتوں کا تعلق مشتری کے بائع کو آرڈر دینے سے ہے اور آرڈر حقیقت میں صیغۂ امر ہے اور وہ بھی حال کے معنی میں نہیں ہوسکتا، اس لئے یہ ایجاب لفظی نہ بنے گا اور جب بائع مبیع کو مشتری کے کہنے کے مطابق ڈاک ٹرانسپورٹ ریلوے، اور ملازم وغیرہ کو دیدیتا ہے، اور دینے کے بعد بائع کے کرایہ نہ ادا کرنے کی صورت میں مبیع سے اس کا تعلق بالکل ختم ہو جاتا ہے اور یہ چیزیں بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے وکیل کے قبضہ میں آجاتی ہیں، اور وکیل کا فعل مشتری کا شمار ہونے کی وجہ سے وہ اشیاء مشتری کے قبضہ میں داخل ہو جاتی ہیں اور جب بغیر ایجاب لفظی کے مشتری کے قبضہ میں مبیع آگئی تو یہ بیع تعاطی بنی اور بیع تعاطی کا حکم بیع کا لزوم ہے، اور اشیاء کیلیہ، وزنیہ مشتری بالکیل والوزن میں بھی قبل الکیل والوزن مشتری کو تمام تصرفات کی اجازت ہے، لہذا صورت مذکورہ میں اگر چہ وہ اشیاء کیلی، وزنی ہوں، یا کیلی، وزنی نہ ہوں، جب آرڈر دینے والے کے پاس پہونچ جاتی ہیں اور یہ ان پر قبضہ کرلیتا ہے تو پھر مشتری اول اور مشتری ثانی کے درمیان بیع تعاطی کے ذریعہ سے ایک نیا عقد ہو جاتا ہے، یہ ہونے والا عقد پہلے سے نہ تو باطل تھا نہ فاسد تھا، بلکہ اس کا وجود ہی نہ تھا، اس لئے جب مشتری اول مشتری ثانی کے درمیان بیع تعاطی ہوئی تو مشتری اول کو حاصل ہونے والا نفع حلال وطیب ہے، اور یہ بیع قبل القبض میں داخل نہیں، کیونکہ مشتری ثانی کے پاس مبیع مشتری اول کے وکیل یعنی ڈاک، ٹرانسپورٹ وغیرہ کے ذریعہ پہونچی ہے اور وکیل کا فعل مؤکل کا شمار ہونے کی وجہ سے حقیقت میں وہ مشتری اول کے قبضہ سے مشتری ثانی کے قبضہ میں گئی ہے، نیز اصل قبضہ اور حقیقت قبضہ ضمان میں داخل ہونا ہے، تو اگر مبیع مشتری اول کے ضمان میں آنے کے بعد وہ مشتری ثانی کے ضمان میں گئی ہے تو یہ بیع قبل القبض نہیں اور مشتری ثانی کا پہلے سے آرڈر دینا اور مشتری اول کا وعدہ کرلینا یہ بیع نہیں بنے گا، کیونکہ آرڈر امر ہے، اور امر ایجاب نہیں ہوتا ہے، اور مشتری اول کا وعدہ قبول نہیں ہوگا:

أما قول المشتري يعني يكون مساومة وطلباً والطلب أمر والإيجاب أمر آخر طلب الإيجاب

لیس بایجاب وإنما لم یذکر الشارح اللبیب برھان عدم الانعقاد علی قول المشتری وھو یعنی بظھورہ (حاشیۃ بنایۃ ۷/۱۱)۔

حاصل یہ کہ آرڈر ایجاب نہیں ہوتا ہے، بلکہ صرف بیع کا مطالبہ ہوتا ہے، لہذا جب مبیع بغیر ایجاب وقبول کے مشتری کے ضمان اور قبضہ میں داخل ہوجائے تو یہ بیع تعاطی ہوگی اور مشتری کیلئے اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کی صورت میں بیع قبل القبض نہ ہوگی۔

(۶) کا حکم یعنی پیک شدہ ڈبے شیشیاں بنڈل وغیرہ جن کو آج کے موجودہ زمانہ میں برقی مشینوں کے ذریعہ سے کیل، وزن، ذراع وغیرہ کرنے کے بعد مبیع کو ڈبوں، بوروں، پیکٹوں میں سل کر بند کردیا جاتا ہے، اور بہت سی چیزوں میں پیکٹ وغیرہ پر مبیع کا پورا تعارف، وزن، قیمت تاریخ وغیرہ تمام چیزیں درج ہوتی ہیں، پھر اسی مکتوبہ وزنی، قیمت وغیرہ پر اعتبار کرکے اس کی بیع وشراء ہوتی ہے نہ تو بائع تولتا ہے اور نہ مشتری اپنے گھر لے جانے کے بعد ان چیزوں کو تولتا ہے، اور نہ بائع سے تولنے کیلئے کہتا ہے، اور اگر بالفرض پیک کو کھولنے کے بعد تول وناپ لے تو کم ہونے کی صورت میں واپسی ہوجاتی ہے لیکن اگر اسی وزن کے اعتبار سے قیمت کم کرکے بیع وشراء کرنا چاہیں، قیمت کچھ کم نہیں ہوتی، جب کہ قانون شرعی کے مطابق کم ہونے کی صورت میں قیمت کم ہونا چاہئے، نیز بائع ومشتری میں سے کوئی بھی معاملہ کرتے وقت، یا معاملہ کے بعد ان کو کیل ووزن نہیں کرتا ہے، معلوم یہ ہوا کہ جو چیزیں پیک ہوکر سلے ہوئے بوروں میں فروخت ہوتی ہیں تو ان میں کیل، وزن مقصود ہی نہیں رہ جاتا، بلکہ وہ ڈبہ، لفافہ پیکٹ وغیرہ مقصود ہوتا ہے، تو یہ چیزیں پیک ہونے کے بعد معدودات میں داخل ہوجاتی ہیں، ان کی بیع وشراء میں وزن مشروط نہ ہونے کی وجہ سے بیع مجازفۃ میں داخل ہیں اس لئے اگر چہ وہ اشیاء فی نفسہ کیلی یا وزنی ہوں مشتری نے شراء کے وقت ایک متعین کیل اور وزن کی مقدار بیان کرکے خریدا ہو تو بھی وزن مقصود نہیں ہوتا ہے، اس لئے اس کو قبل الکیل والوزن تصرف کرنا، بیع وشراء کرنا جائز ہے۔

(۷) جہاز وغیرہ سے بیع وشراء کا حکم یہ ہے حضرات احناف کے نزدیک قبضہ کی حقیقت میں دو چیزیں داخل ہیں (۱) تخلیہ یعنی قدرت تصرف (۲) مبیع سے بائع کا بالکل انقطاع تعلق، لہذا اگر جہاز مال بردار کمپنی کا کرایہ مشتری ادا کررہا ہے تو اس کا قبضہ متحقق ہوجانے کی وجہ سے قبضہ حسی سے پہلے اس کیلئے بیع وشراء جائز ہے، اور مشتری ثانی کیلئے جائز نہیں، کیونکہ مبیع سے بائع کا تعلق منقطع نہیں ہوا اور نہ تخلیہ ہی ہوا۔

کمپنی کی اشیاء اور ان کا حکم:

(۱) کمپنی میں تیار ہونے والی چیزیں، خواہ مطعومات ومشروبات کی قبیل سے ہوں، یا غیر مطعومات کی قبیل سے ہوں، اکثر وبیشتر وہ پیک شدہ ہوتی ہیں۔

(۲) اور اگر پیک شدہ نہ ہوں تو بھی، یا تو مشتری بالکیل والوزن نہ ہوں گی، یا عددی ذراعی ہوں گی ان تینوں قسموں کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے بعض چیزیں معدودات میں داخل ہیں، اور بعض میں بیع مجازفۃ ہوتی ہے، اس

لئے بائع کے تخلیہ اور اس کے مشتری کے حکم کی بناء پر مبیع سے انقطاع تعلق کے بعد قبضہ متحقق ہو جانے کی وجہ سے مشتری کیلئے ہر طرح کا تصرف جائز ہے، مگر یہ کہ مشتری ثانی کی بیع وشراء تخلیہ اور بائع کے انقطاع تعلق سے پہلے بیع قبل القبض ہونے کی بناء پر بیع فاسد ہوگی۔

نیز اگر حضرت امام مالکؒ کے مذہب کو اختیار کیا جائے تو ماکولات ومشروبات کے علاوہ بقیہ تمام چیزوں میں ان کے نزدیک بیع قبل القبض کے جائز ہونے کی وجہ سے سہولت وآسانی ہو جائے گی اور موجودہ دور میں ضرورت کے وقت حضرت امام مالک کے مذہب کو اختیار کر کے لوگوں کو حرج وتنگی سے بچانا ضروری ہے "لا حرج في الدين، يسرا ولا تعسرا" کا ارشاد ہے، اور فقہاء کا اصول ہے: "إذا ضاق الأمر اتسع، المشقة تجلب التيسير" وغیرہ، اس لئے حضرت امام مالک کے مذہب کو ضرورت کے وقت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

کمپنی وغیرہ سے شراء کے بعد قبضہ حسی سے پہلے بیع کا حکم:

کمپنی سے مال کی خریداری پھر اس کی بیع چار طریقوں سے ہوسکتی ہے۔

(۱) مال خریدنے کے بعد اس کو نہ دیکھا، نہ اس پر قبضہ کیا، وہ مال کمپنی ہی کے پاس تھا صرف معاملہ کرنے کے بعد اس کو فروخت کر دیا۔

(۲) خریدنے کے بعد اس کو ٹرانسپورٹ وغیرہ کے حوالہ کرنے کے بعد اس کی بیع کیا اور ٹرانسپورٹ کی اجرت بائع کے ذمہ نہ ہو۔

(۳) مال خرید کر کمپنی ہی میں مشتری نے خود، یا اس کے وکیل نے اس کو الگ رکھوا دیا اور کمپنی نے اس کو پوری قدرت تصرف بھی دے دی، اور وہ مال مشتری کے ضمان میں داخل بھی ہو گیا کہ اگر ضائع ہوگا تو مشتری کا ضائع ہوگا۔

(۴) مال خریدنے کے بعد بائع ہی کو اس کی بیع کا وکیل بنا دیا۔

پہلی صورت کا حکم:

کمپنی سے مال خرید کر اپنے، یا وکیل وغیرہ کے قبضہ وضمان میں آنے سے پہلے ہی کمپنی ہی سے اس کی بیع کر دیا تو یہ بیع فاسد ہوگی اگر اس سے ربح حاصل ہوگا تو "ربح مالم یضمن" ہوگا، اگر چہ بیع کے بعد مبیع مشتری اول کے ضمان میں آجائے، کیونکہ جس وقت عقد کیا ہے اس وقت وہ مبیع غیر مقبوض تھی اور اس سے حاصل ہونے والا نفع اسی عقد کی جانب منسوب ہوکر "ربح مالم یضمن" ہوگا، کیونکہ ربح اسی عقد کا نتیجہ ہے، لہذا اگر اس صورت میں بیع کے تمام ارکان وغیرہ پائے گئے ہیں تو عقد بیع تعاطی بھی نہیں بن سکتا، عقد اول کے فاسد ہو جانے کی وجہ سے، لہذا اس ربح کا حضرات احناف کے مطابق تصدق واجب ہے، البتہ اگر ایجاب وقبول کیلئے صیغہ مستقبل استعمال کیا، مشتری نے کمپنی سے کہا بھیجدو اور کمپنی نے کہا بھیج دیا جائے گا، تو ایجاب وقبول نہ ہونے کی وجہ سے اگر مبیع یا ثمن پر بعد میں قبضہ ہو جائے تو یہ بیع تعاطی بن جائے گی۔

دوسری صورت کا حکم:

ٹرانسپورٹ وغیرہ کو حوالہ کرنے کے بعد اگر اس کی بیع کیا اور اس کی اجرت بائع نے نہ ادا کیا ہو تو وہ مال مشتری کا مقبوض سمجھا جائے گا، اور اس کی بیع درست ہے اور اس سے حاصل شدہ نفع "ربح مالم یضمن" نہ ہوگا، لیکن مشتری ثانی کیلئے کسی تیسرے کے ہاتھ فروخت کرنا مال کے وصول ہونے سے پہلے جائز نہیں کیونکہ جب تک وہ مال ٹرانسپورٹ وغیرہ کے قبضہ میں ہے اس وقت تک وہ مقدور التسلیم نہیں، اس لئے مشتری کا قبضہ اس پر نہیں ہوسکتا، لہذا اس کا بیع کرنا بیع قبل القبض ہوگا جو بیع فاسد ہے۔

(۳) مال خرید کر مشتری، یا اس کا وکیل کمپنی کے کسی کمرے، گودام وغیرہ میں رکھدے اور مشتری کو پوری قدرت تصرف ہو تو وہ مال کا مشتری مقبوض سمجھا جائے گا اور اس کی بیع جائز ہے، البتہ مشتری ثانی کیلئے وصول ہونے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں۔

(۴) بائع ہی کے پاس مال خرید کر چھوڑ دیا اور قبضہ سے پہلے بائع کو فروخت کرنے کا وکیل بنادیا تو اس کی تین صورتیں نکلتی ہیں، اگر دیکھنے سے پہلے ہی بائع سے کہا کہ اس کو فروخت کردو تو بائع مشتری کے درمیان ہونے والے عقد کو فسخ سمجھا جائے گا، بائع نے اس کو قبول کیا ہو یا نہ قبول کیا ہو، اور اگر مشتری نے بائع سے کہا کہ اس کو میرے لئے فروخت کردو تو اس صورت میں اگر بائع قبول کرلے تو عقد فسخ سمجھا جائے گا، اور اگر بائع راضی نہ ہو تو فسخ نہ ہوگا، اور اگر قبضہ اور دیکھنے کے بعد اس سے کہا کہ اس کو فروخت کردو یا میرے لئے فروخت کردو تو یہ بیع کی وکالت ہوگی اور چونکہ قبضہ کے بعد بیع کا وکیل بنایا ہے، اس لئے بیع قبل القبض بھی نہ ہوگی۔

ولو اشترى ثوباً أو حنطة فقال للبائع ، قال الإمام الفضلى إن كان قبل القبض والرؤية كان فسخاً وإن لم يقل البائع نعم لأن المشترى ينفرد بالفسخ فى خيار الرؤية وإن قال بعه لى أى كن وكيلاً فى الفسخ فما لم يقبل البائع لا يكون فسخاً وكذا لو بعد القبض والرؤية لكن يكون وكيلاً بالبيع سواء قال بعه او بعه لى هكذا كله ملخص مما فى البحر (شامی ۴/۴۳)۔

تفصیل مذکور حضرات احناف کے مذہب کے مطابق کی گئی، البتہ حضرت امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا مسلک اختیار کرنے میں سہولت و آسانی ہے، ان کے نزدیک صرف مطعومات میں بیع قبل القبض ناجائز ہے، اس کے علاوہ میں جائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

مولانا شمس پیرزادہ، ممبئی

ا۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت شرعی اعتبار سے:

ترمذی کی حدیث ہے، حکیم بن حزام کہتے ہیں:

سألت رسول الله ﷺ فقلت يأتيني الرجل فيسألني من البيع ما ليس عندي، أبتاع له من السوق ثم أبيعه قال: لا تبع ما ليس عندك (ترمذی أبواب البیوع)۔

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میرے پاس کوئی شخص آتا ہے اور ایسی چیز کا سودا طلب کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی، کیا میں اس کے لئے بازار سے خریدوں اور پھر اس کو فروخت کروں؟ فرمایا: جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے وہ نہ بیچو۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قبضہ سے پہلے مال فروخت کرنا جائز نہیں، فقہاء بھی عام طور سے اس کو جائز نہیں قرار دیتے، بدائع الصنائع میں ہے:

ومنها القبض في بيع المشتري المنقول فلا يصح بيعه قبل القبض (بدائع الصنائع ۵ /۱۸۰)۔

اور منقولہ مال کی بیع میں قبضہ ضروری ہے، قبضہ سے پہلے اس کی بیع صحیح نہیں۔

اور فقہ السنہ میں ہے:

أما التصرف بالبيع قبل القبض فإنه لا يجوز، إذ يحتمل أن يكون هلك عند البائع الأول فيكون بيع غرر، و بيع الغرر غير صحيح سواء أكان عقاراً أم منقولاً و سواء أكان مقدراً أم جزافا (فقہ السنۃ للسید سابق ۳/ ۶۷)۔

قبضہ سے پہلے بیع میں تصرف جائز نہیں، کیونکہ اس میں بائع اول کے پاس مال کے ہلاک ہونے کا احتمال ہے اور ایسی صورت میں یہ بیع غرر ہوگی اور بیع غرر صحیح نہیں، خواہ وہ غیر منقولہ کی بیع ہو یا منقولہ چیزوں کی اور خواہ اس کی مقدار معلوم ہو یا تخمینہ سے ہو۔

بعض فقہاء نے منقولہ اور غیر منقولہ میں تفریق کی ہے، اور غیر منقولہ کی فروخت قبضہ سے پہلے جائز قرار دی ہے:

وأما بيع المشتري العقار قبل القبض فجائز عند أبي حنيفة و أبي يوسف استحسانا (

بدائع الصنائع ۵/۱۸۱)۔

رہی خریدی ہوئی غیر منقولہ کی قبضہ سے پہلے بیع تو وہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک استحساناً جائز ہے۔

اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ غیر منقولہ میں اس کے ہلاک ہونے کا خطرہ نہیں ہوتا اس لئے اس میں غرر بھی نہیں ہوتا۔

اور مالکی مسلک میں تو اس سے زیادہ وسعت ہے:

وأما بيع ما سوى الطعام قبل القبض فلا خلاف في مذهب مالك في إجازته (بداية المجتهد ۲/۱۴۳)۔

جہاں تک غذائی اشیاء کے ماسوا کی قبضہ سے پہلے بیع کا تعلق ہے تو امام مالک کے مسلک میں اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حدیث میں بیع سلم کو جائز قرار دیا گیا ہے جبکہ مال کی صفات معلوم ہوں، حالانکہ بیع سلم میں فروخت کیا جانے والا مال بائع کے پاس موجود نہیں ہوتا مگر ضرورت اور تعامل کے پیش نظر اس کی اجازت دی گئی ہے۔

خلاصہ یہ کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے لیکن اس میں کچھ استثنائی صورتیں بھی ہیں جبکہ اس میں کوئی غرر نہ ہو، اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مروجہ کاروباری طور طریقوں میں جہاں ضرورت متقاضی ہے اور غرر کا اندیشہ نہ ہونے کے برابر ہے اور بائع کی طرف سے ضمانت بھی ہے تو ایسی صورت میں بیع قبل القبض کی اجازت ہوگی، اگر اس بیع کو ناجائز سمجھا جائے تو اس کا شمار بیع فاسد میں ہوگا، لیکن مالکیہ کے ہاں بعض صورتوں میں اس پر صحت کا حکم لگانے کی بھی گنجائش ہے:

وربما صح عنده بعض البيوع الفاسدة بالقبض لخفة الكراهة عنده في ذلك (بداية المجتهد ۲/۱۸۲)۔

اور بعض صورتوں میں امام مالک کے نزدیک فاسد بیع قبضہ کے بعد صحیح ہو جاتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس میں کراہت ہلکی ہے۔

۲۔ شریعت میں قبضہ کی حقیقت:

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فالقبض مرجعه إلى عرف الناس حيث لم يكن له حد في اللغة و لا في الشرع (فتاوی ابن تیمیہ ۳۰/۲۷۵)۔

قبضہ کا مرجع عرف ہے، اس کی حد نہ لغت میں متعین ہے اور نہ شرع میں۔

لہذا عرف و عادت کے مطابق قبضہ کا جو تصور ہوگا اس کو شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا، الا یہ کہ کوئی بات کسی نص

حکم کے خلاف ہو۔

جدہ کی منظمۃ المؤتمر الاسلامی کی مجلس مجمع الفقہ الاسلامی منعقدہ مارچ ۱۹۹۰ء نے قبضہ کے سلسلہ میں نئی صورت حال کے پیش نظر جو قرارداد منظور کی ہے اس میں کہا ہے کہ:

قبض الأموال كما يكون حسيا في حالة الأخذ باليد أو الكيل أو الوزن في الطعام، أو النقل و التحويل إلى حوزة القابض، يتحقق اعتبارا و حكما بالتخلية مع التمكن من التصرف ولو لم يوجد القبض حسا و تختلف كيفية قبض الأشياء بحسب حالها واختلاف الأعراف فيما يكون قبضا لها.

مال کا قبضہ جس طرح حسی ہوتا ہے غذائی اشیاء میں ہاتھ سے لینے یا ناپ کر یا تول کر لینے میں یا نقل وتحویل کے ذریعہ قابض کے اختیار میں آجانے سے، اسی طرح تصرف کے اختیار کے ساتھ تخلیہ کر دینے سے اعتباراً وحکماً متحقق ہوتا ہے اگر چہ حسی قبضہ نہ پایا جاتا ہو، اور اشیاء کے قبضہ کی کیفیت مختلف ہوتی ہے ان کے حال کی مناسبت سے قبضہ کے تعلق سے عرف کے مختلف ہونے کی بنا پر۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت:

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک غیر منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے، بدائع میں ہے:

بيع المشترى العقار قبل القبض فجائز عند أبي حنيفة و أبي يوسف استحسانا.

خریدشدہ غیر منقولہ امور کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک استحساناً۔

اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب بدائع لکھتے ہیں:

ولأن الأصل في ركن البيع إذا صدر من الأصل في المحل هو الصحة والامتناع لعارض غرر انفساخ العقد بهلاك المعقود عليه و لا يتوهم هلاك العقار فلا يتقرر الغرر فبقي بيعه على حكم الأصل (بدائع الصنائع ۵/۱۸۱)۔

یہ اسلئے کہ بیع کے رکن کی اصل صحت ہے جب کہ وہ اہل بیع سے صحیح مقام پر صادر ہو، اور ممانعت اس بنا پر ہے کہ مال کے تلف ہوجانے سے عقد کے فسخ ہوجانے کا غرر (خطرہ) ہے لیکن غیر منقولہ اشیاء کے تلف ہوجانے کا اندیشہ نہیں ہوتا اس لئے اس میں غرر (خطرہ) نہیں ہے لہذا ان کی بیع اصل حکم پر برقرار ہے۔

اور مالکیہ کے مسلک میں بہت وسعت ہے:

يصح للمشتري أن يتصرف في المبيع قبل قبضه بالبيع سواء كان المبيع أعيانا منقولة أو أعيانا ثابتة كالأرض و النخيل و نحوهما إلا الطعام كالقمح والفاكهة فإنه لا يصح بيعه قبل قبضه (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ۲/۲۳۵)۔

خریدنے والے کیلئے جائز ہے کہ وہ قبضہ سے پہلے خریدے ہوئے مال میں تصرف کرے خواہ مال منقولہ اشیاء میں سے ہو یا غیر منقولہ ہو جیسے زمین اور کھجور کے درخت وغیرہ، بجز غذائی اشیاء کے مثلاً گیہوں اور پھل، کہ ایسی چیزوں کی بیع قبضہ سے پہلے صحیح نہیں۔

اور اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں:

لأنها بمجرد العقد تكون في ضمان المشترى فهي في حكم المقبوضة (حوالہ مذکور)۔

کیونکہ مجرد عقد سے یہ چیز خریدار کی ضمانت میں آجاتی ہے! اس لئے وہ قابض شدہ کے حکم میں ہے۔

راقم سطور کی رائے میں موجودہ زمانہ کے کاروباری عرف کو سامنے رکھنے اور قبضہ کے تصور میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں اور ان کی علت غرر (خطرہ) ہے، اور خاص طور سے یہ بات کہ خریدار جب مال کا ضامن نہیں ہے تو اس پر نفع کمانے کا اس کو کیا حق ہے، چنانچہ ترمذی کی حدیث میں ہے:

ولا ربح ما لم يضمن (ترمذی أبواب البيوع)

جس مال کی ضمانت نہیں لی گئی اس پر نفع حاصل کرنا درست نہیں۔

لیکن اگر موجودہ تجارتی سسٹم میں خریدار مال کا قبضہ سے پہلے ضامن بنتا ہے اور غرر کا اندیشہ نہ ہونے کے برابر رہتا ہے اور ضرورت بھی اس طرح کے معاملہ کی متقاضی ہے تو قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عام ہے یا اس میں کچھ استثناءات ہیں:

اس کا جواب اوپر گذر چکا، مزید یہ کہ فقہ السنۃ میں ہے:

ويستثنى من هذه القاعدة جواز بيع أحد النقدين بالآخر قبل القبض فقد سأل ابن عمر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الإبل بالدنانير و أخذ الدراهم بدلا منها فأذن له (فقہ السنۃ للسید سابق ۳/۶۸)۔

اس قاعدہ سے مستثنیٰ ایک نقدی کی دوسری نقدی کے ساتھ قبضہ سے پہلے بیع ہے، چنانچہ حضرت ابن عمر نے رسول اللہؐ سے پوچھا اونٹ کو دینار کے عوض بیچنے سے اور ان کے بدل کے طور پر درہم لینے سے متعلق، تو آپ نے ان کو اس کی اجازت دی۔ معلوم ہوا کہ کچھ مستثنیٰ صورتیں بھی ہیں۔

۶۔ مال قبضہ میں آنے سے پہلے دوسرے کے ہاتھ فروخت کردینا جبکہ بائع اس کا ضامن ہو:

ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے لیکن فیکٹری سے خریدا

ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر (۲) کو روانہ کردیتا ہے اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہوجائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے نہ خریدار نمبر (۲) پر بلکہ یہ اسی شخص (خریدار نمبر (۱)) کا نقصان قرار پاتا ہے، اس صورت معاملہ میں اگر چہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر حسی قبضہ نہیں ہوا لیکن وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہنچنے سے پہلے اس کی ضمان میں رہا، اسلئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے ربح مالم یضمن (ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) حاصل کیا بلکہ اس نے مال مضمون پر نفع حاصل کیا ہے، لہذا ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جائے گا۔

جب ملکیت ہی کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا مادی ہونا ضروری نہیں تو قبضہ کا مادی یا حسی ہونا کیوں ضروری ہو، مصطفیٰ احمد الزرقاء ملکیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وبذلک یتبین أن الملکیة لیست مادیا ، وإنما هی حق من الحقوق والحق نوع من الاعتبار الشرعی (المدخل الفقہی العام ۲۴۲/۱)۔

اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ ملکیت کوئی مادی چیز نہیں ہے بلکہ حقوق میں سے ایک حق ہے، اور حق ایک ایسی نوع ہے جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہے۔

۷۔ مشتری کا جہاز پر چڑھائے ہوئے مال کو وصول کرنے سے پہلے فروخت کرنا:

بین الاقوامی تجارت میں جہاز پر مال چڑھانے کے بعد اصل بائع کا ذمہ ختم ہوجاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا، ایسی صورت میں مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کردیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے تو یہ صورت شرعاً جائز نہیں قرار دی جاسکتی، کیونکہ رائج طریقہ کے مطابق مشتری کی ہدایت کے مطابق بائع مال جہاز کے ذریعہ بھیجتا ہے لہذا اس کی ذمہ داری جہاز پر مال چڑھانے کے بعد ختم ہوجاتی ہے، اسی طرح مشتری دوسرے خریدار کو یہ مال وصول کرنے سے پہلے فروخت کرتا ہے تو یہ بات معہود Understood) (ہوتی ہے کہ یہ دوسرا خریدار جہاز پر چڑھائے ہوئے مال کی ذمہ داری کو قبول کرتا ہے اسلئے اول الذکر مشتری ضمانت سے بری ہے۔

خلاصہ یہ کہ مال کی ترسیل کے سلسلہ میں مشتری کی ہدایت کے مطابق مال جہاز وغیرہ کی تحویل میں دینے سے بائع اپنی ذمہ داری سے بری ہوجاتا ہے، اس کے بعد اگر مال تلف ہوجاتا ہے تو بائع پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، البتہ مال کی تلافی کی صورت میں معاوضہ کیلئے قانون نے انشورنس کا طریقہ رائج کیا ہے، اور یہ اسی طرح جائز ہے جس طرح پوسٹل انشورنس۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت۔ اصولی مباحث

مولانا اختر امام عادل

قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ اربعہ کے درمیان یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

مذاہب ائمہ:

بنیادی طور پر اس سلسلہ میں تین رائیں پائی جاتی ہیں:

۱۔ قبضہ سے قبل علی الاطلاق کسی بھی چیز کی بیع درست نہیں، خواہ مبیع منقول ہو یا غیر منقول، طعام ہو یا غیر طعام، یہ رائے امام شافعیؒ، امام محمد بن حسن شیبانیؒ اور امام زفرؒ کی ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس کی جانب بھی اس کی نسبت کی گئی ہے، (بدائع الصنائع ۱۸۱/۵، الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۲۳۴/۲، ۲۳۵)۔

۲۔ طعام کے سوا جس چیز کو کیل یا وزن کے ساتھ فروخت کیا گیا ہو، دوسری چیزوں کی بیع قبضہ سے قبل درست نہیں، طعام کو بھی اگر اندازے سے فروخت کردیا گیا اور اس کو کیل یا وزن کے ساتھ فروخت نہیں کیا گیا تو اس کی بیع بھی قبل القبض درست ہے، یہ رائے امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی ہے (الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۲۳۴/۲، بلوغ الامانی ۴۶/۱، مبسوط سرخسی ۸/۱۳، نووی شرح مسلم ۱۶۹/۱)۔

۳۔ اشیاء منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت علی الاطلاق درست نہیں، اور اشیاء غیر منقولہ کی بیع قبضہ سے قبل اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ ان کے ہلاک یا ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو، مثلاً زمین، جائداد اور مکان وغیرہ، لیکن اگر زمین کسی ایسی ندی کے کنارے ہو جو موج کی طغیانی سے کٹ سکتی ہو، یا مکان ایسی پوزیشن میں ہو کہ اس کے گرجانے کا اندیشہ ہو، ایسی شکلوں میں بغیر قبضہ فروخت کرنا درست نہیں، یہ رائے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ہے (فتح القدیر ۶۶۶/۵، مبسوط سرخسی ۸/۱۳، الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۲۳۴/۲)۔

دلائل ووجوہ:

مذہب اول: پہلی رائے جو امام شافعیؒ، امام محمدؒ اور امام زفر کی طرف منسوب ہے جس میں علی الاطلاق قبضہ سے پہلے کسی چیز کی بیع وشراء درست نہیں ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) پہلی دلیل وہ روایات ہیں جن میں بلا کسی قید کے قبضہ سے قبل کوئی چیز فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، مثلاً: عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (اخرجہ ابوداؤد ۳۵۶، بحوالہ تکملہ فتح الملہم ۳۲۵/۱)۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جہاں سامان خریدا جائے وہیں سامان بیچنے سے منع فرمایا، جب تک کہ تجار اپنی حفاظت وقبضہ میں سامان کو نہ لے لیں۔

اور ابان کی روایت میں ہے کہ جب کسی چیز کو خریدو تو اس وقت تک فروخت نہ کرو جب تک کہ قبضہ نہ کرلو۔

في رواية أبان إذا إشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه (السنن الکبریٰ ۵/۳۱۳)۔

اس مضمون کی ایک روایت عبداللہ بن عمرو ابن العاص سے بھی منقول ہے:

ان رسول الله ﷺ قال لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع ولا ربح ما لم يضمن ولا بيع ما ليس عندک (أخرجه الترمذي في باب كراهية بيع مال ليس عندک وقال هذا حديث حسن صحيح ، بحوالہ تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۰)۔

ان روایات میں سے کسی بھی روایت میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کیلئے کوئی قید ذکر نہیں کی گئی ہے، اس لئے یہ ممانعت تمام چیزوں کیلئے یکساں رہے گی۔

(۲) دوسری دلیل اس رائے کے حاملین نے یہ دی ہے کہ تمام منقول چیزوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے (البحر الرائق ۶/۱۱۶)

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ کسی بھی عقد کی صحت کیلئے مقدور التسلیم ہونا شرط ہے اور یہ بغیر قبضہ کے ممکن نہیں، بغیر قبضہ کے مال انسان کی مکمل ملکیت میں نہیں آتا اور جس پر مکمل ملکیت نہ ہو اس کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

(۴) اس کے علاوہ اس میں سامان کے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، جس سے مشتری ثانی کو غرر ہوسکتا ہے (بدائع الصنائع ۵/۱۸۱، الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۲/۲۳۵)۔

مذہب ثانی: دوسرا مذہب امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا ہے، ان حضرات کے نزدیک اصولی طور پر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے، مگر اس عموم سے صرف ایک صورت کا استثناء ہے وہ یہ کہ طعام کی بیع اگر کیل یا وزن، یا گنتی کے ساتھ کی جائے تو اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں، طعام کے علاوہ تمام چیزوں کی بیع قبضہ سے قبل درست ہے، اور اگر طعام کو بھی کیل یا وزن یا گنتی کے بجائے اندازہ سے بیچا جائے تو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ محض عقد ہی سے مشتری کے ضمان میں آجاتا ہے، اس لئے کہ یہ مقبوض کے درجہ میں ہے، قبل القبض ہے ہی نہیں۔

ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت والی متعدد روایات میں طعام کی قید مذکور ہے، بعض میں "یکتالہ" کی قید کا بھی ذکر ہے، اگر یہ حکم عام ہوتا تو ان قیدوں کا فائدہ کیا تھا (مبسوط ۱۳/۸)۔

وہ روایات یہ ہیں:

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه وعن عبد الله ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال من اشترى طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه ويقبضه (مسلم شریف ۲/۵)۔

حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کھانے کی چیز خریدے تو اس کو فروخت نہ کرے، جب تک کہ قبضہ نہ کرے۔

اورحضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ ''حتی یکتالہ'' یہاں تک کہ اسے کیل سے ناپ نہ لے۔

عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ قال من اشترىٰ طعاما فلا يبعه حتى يكتاله (مسلم شریف ۲/۵)۔

اس طرح امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے طعام اور کیل کی قید کو احترازی قرار دیا، جبکہ دوسرے علماء نے ان کو قید اتفاقی قرار دیا ہے (بلوغ الامانی ۱/۴۶)۔

مذہب ثالث: حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف جو منقولات میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی اجازت نہیں دیتے، اور غیر منقولات میں دیتے ہیں بشرطیکہ ضیاع کا اندیشہ نہ ہو۔

(۱) ان کے سامنے بھی وہی احادیث ہیں جن میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت آئی ہے، مگر یہ غیر منقول کا استثناء کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ ممانعت ایک علت کی بنا پر آئی ہے، اور وہ علت ہے غرر کا امکان، مشتری اگر مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے کسی کے ہاتھ فروخت کردے اور کسی وجہ سے ہلاک ہو جائے تو یہ بیع نافذ نہیں ہو سکے گی، اس طرح مشتری ثانی کو دھوکہ ہو جائے گا، اور یہ علت مستفاد ہوتی ہے اس حدیث سے جس میں حضورؐ نے بیع غرر اور بیع غیر مقدور التسلیم سے منع فرمایا (ترمذی شریف ۱/۱۱۳، الفتح الربانی ۱۵/۳۵)۔

اور جب یہ ممانعت کسی خاص سبب سے ہے تو جس صورت میں یہ سبب نہیں پایا جائے گا ممانعت باقی نہیں رہے گی، غیر منقول چیزیں، مثلاً زمین، مکان وغیرہ کے ضیاع کا اندیشہ عموماً نہیں ہوتا، اسلئے ان چیزوں کی بیع قبضہ سے قبل بھی درست ہوگی (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۰، مبسوط سرخسی ۱۳/۸)۔

(۲) ایک بات اور ان کی طرف سے کہی جاتی ہے، وہ یہ کہ جب کوئی معاملہ دو عاقل، بالغ مسلمان کے درمیان طے پائے، اور جس چیز پر معاملہ کیا گیا ہے وہ اس کے لائق بھی ہو تو یہ معاملہ اصولاً جائز ہونا چاہئے، ایک مبیع جو معدوم نہیں موجود ہے، اس پر بائع کی ملکیت بھی ہے، صرف قبضہ نہیں ہے، یہ محل بیع بن سکتا ہے، اور جب یہ عقد دو اہل کے درمیان طے پائے تو اس کو درست ہونا چاہئے، یہ شریعت کے اصول کلی کے تحت سمجھ میں آتا ہے، اور قرآن نے جو ''أحل الله البيع'' کہہ کر بیع کی اجازت دی ہے، اس کے عموم میں ہر طرح کی بیع آجاتی ہے، اب اگر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت والی شکل کو احادیث کی بنا پر ہم خاص کرلیں تو خبر واحد سے کتاب اللہ کے عموم میں تخصیص کرنا لازم آتا ہے، جو اصول کے مطابق درست نہیں، اس بنا پر ہم اخبار آحاد کی بنا پر قرآن پاک کے عموم اور شریعت کے اصول کلی کو ترک نہیں کر سکتے، زیادہ سے زیادہ حدیث پر عمل کرنے کیلئے ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ان تمام احادیث کو جن میں بیع قبل القبض کی ممانعت آئی ہے ان کو اشیاء منقولہ پر محمول کرلیں، تاکہ کتاب اللہ اور احادیث کے درمیان تطبیق ہو جائے اور کسی کا ترک لازم نہ آئے۔

اور منقول کو کتاب اللہ کے عموم سے ہم خارج اسلئے کرتے ہیں کہ یہ بھی شریعت کے ایک اصول کلی سے ثابت ہے، وہ یہ کہ ''بیع غرر'' اور ''ربح مالم یضمن'' درست نہیں، اور یہ دونوں خرابیاں منقول کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں لازم آتی ہیں، رہا غیر منقول تو اس میں عموماً ہلاکت کا اندیشہ ہی نہیں کہ دھوکہ ہو، یا ضمان میں لینے کی

ضرورت پیش آئے (فتح القدیر ۵/۲۶۶، البحر الرائق ۶/۱۱۶، بدائع الصنائع ۵/۱۸۱)۔

بیع قبل القبض کی ممانعت والی روایت معلول بالعلۃ:

اس پوری تفصیلی گفتگو سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ائمہ اربعہ میں سے کسی بھی امام کے نزدیک مطلق جائز نہیں ہے، بعض فقہاء نے تو مطلقاً ناجائز قرار دیا اور بعض نے بعض صورتوں کا استثناء کرکے اس کو ناجائز قرار دیا، اس طرح ایک طرف فقہاء کا عمومی رجحان کم از کم منقولہ چیزوں میں عدم جواز کا معلوم ہوتا ہے تو دوسری طرف یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ بعض صورتوں کا جن لوگوں نے استثناء کیا ہے ان کے ذہن میں ممانعت کی کوئی علت ہے، جس کے نہ ہونے کی صورت میں ان لوگوں نے جواز کا حکم لگایا۔

مثلاً جمہور احناف نے اعیان غیر منقولہ کو قبضہ سے قبل بیچنے کی اجازت دی ہے، اور اس کو ممانعت والے حکم کے عموم سے خارج کردیا ہے، ان کے ذہن میں اس ممانعتی حکم کی بنیادی علت اندیشہ غرر ہے جو منقول میں پایا جاتا ہے، غیر منقول میں نہیں (فتح القدیر ۵/۲۶۶)۔

اسی طرح شافعیہ اور امام محمد نے جو عمومی ممانعت کی دلیلیں دی ہیں، ان میں بھی بنیادی اہمیت روایات کے بعد اسی اندیشہ غرر اور غیر مقدور التسلیم ہونے والی بات کو حاصل ہے (الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۲/۲۳۵)۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کے دلائل:

ان مخصوص صورتوں کے علاوہ عام حالات میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو جمہور فقہاء جائز نہیں قرار دیتے، اگر مختلف ائمہ کے یہاں پھیلی ہوئی بحثوں کو اس جمہوری نقطۂ نظر کیلئے سمیٹا جائے تو تمام مباحث اور دلائل کا نچوڑ یہ نکلے گا:

کہ خریدے ہوئے سامان کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا، یا اس قسم کا کوئی اور تصرف کرنا جائز نہیں، الا یہ کہ مشتری کوئی ایسا تصرف کرے جو قبضہ کے مترادف سمجھا جائے، مثلاً کسی کو ہبہ کردے، یا صدقہ کردے، یا کسی تیسرے شخص کے پاس رہن رکھ دے، یا بطور قرض دیدے وغیرہ، تو اس قسم کے تصرفات مشتری کی جانب سے درست ہوں گے، اس معنی میں کہ مشتری اس مبیع پر قبضہ حاصل کررہا ہے یا کرچکا ہے (شامی ۴/۱۸۱، مبسوط سرخسی ۱۳/۸)۔

(۱) اور اس کیلئے دلیل ایک طرف وہ روایات ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ نے قبضہ کرنے سے پہلے خریدے ہوئے سامان کو بیچنے سے منع فرمایا ہے، روایات ماقبل میں گذر چکی ہیں (مشکوۃ /۲۴۸، مسلم شریف باب بطلان بیع المبیع ۲/۵)۔

دوسرے عقلی دلائل ہیں جو دراصل وجوہ وعلل کا درجہ رکھتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

(۲) قبضہ کے بغیر کسی چیز پر ملکیت تام نہیں ہوتی اور جب تک مکمل ملکیت حاصل نہ ہو اس وقت تک اس کو فروخت کرنا صحیح نہیں، قبضہ میں بھی قبضہ ضمان ضروری ہے، قبضہ امانت کافی نہیں (الاشباہ والنظائر ۲/۲۷۵)۔

(۳) قبضہ سے قبل تصرف اس لئے بھی جائز نہیں کہ وہ مقدور التسلیم نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اب تک بائع کے

قبضہ میں ہے اور اس حالت میں اس کو کسی کے ہاتھ بیچنا دراصل بائع کے حق میں تصرف کرنا ہے جو درست نہیں (مبسوط سرخسی ۸/۱۳)۔

(۴) جس چیز پر مشتری کا قبضہ نہ ہوا ہو اس کو فروخت کرنے میں اندیشہ غرر ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ سامان مشتری ثانی کو حوالہ کرنے سے پیشتر ہی کسی وجہ سے ضائع ہوجائے، جبکہ حضور علیہ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے (بدائع الصنائع ۱۸۵/۵، البحر الرائق ۱۱۶/۶)۔

(۵) جس سامان پر انسان کا قبضہ نہ ہو وہ محل تملیک نہیں بن سکتا، اور وہ انسان کے ضمان میں نہیں آتا، اور حضورؐ نے ایسی چیز کے بیچنے سے منع فرمایا ہے جو انسان کے ضمان میں نہ ہو، یا جو محل تملیک نہ بن سکتا ہو۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت بیع فاسد ہے:

یہاں ایک اہم ترین بحث یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک عام حالات میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے، لیکن اگر کوئی شخص قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کرلے تو اس کو بیع ممنوع کی تین قسموں (بیع باطل، بیع فاسد، بیع مکروہ (درمختار ۱۱۱/۴)) میں سے کس قسم میں داخل کیا جائے؟

اس کا جواب فقہاء کی تصریحات اور اصولی بحثوں کے مطابق یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت فاسد کے ذیل میں آتی ہے، اسلئے کہ بیع باطل کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جو اپنے اصل اور وصف دونوں لحاظ سے جائز نہ ہو اور بیع فاسد کی تعریف کی گئی ہے کہ جو اپنے اصل کے اعتبار سے جائز ہو، مگر وصف کے اعتبار سے جائز نہ ہو اور بیع مکروہ کہتے ہیں: جو اپنے اصل اور وصف دونوں لحاظ سے درست ہو، مگر کسی خارجی نقص کی بنا پر اس میں کراہت آگئی ہو، جیسے جمعہ کی اذان کے وقت بیع وشراء کرنا (شامی ۱۱۱/۴)۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اپنے اصل کے لحاظ سے جائز ہے، کیونکہ یہ معاملہ ایک قابل بیع چیز پر دو عاقل بالغ مسلمانوں کے درمیان طے ہوا ہے، اور "مبادلۃ المال بالمال" کی حقیقت بھی پائی جاتی ہے، اور رکن بیع ایجاب وقبول بھی درست ہے، اسلئے اس کو اصل کے لحاظ سے غلط نہیں کہہ سکتے، البتہ غیر مقبوض، یا غیر مقدور التسلیم، یا اندیشہ غرر ہونا یہ وصف کا نقصان ہے جس کی بنا پر اس کو بیع فاسد قرار دے سکتے ہیں، جیسا کہ بعض فقہاء کے یہاں اس کی تصریح بھی ملتی ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲۳۳/۲)۔

بعض کتابوں (مثلاً الجوہرۃ) میں اس کو بیع باطل کہہ دیا گیا تو شامیؒ نے اس کی وضاحت کی کہ یہ اطلاق عام معنی میں ہے اصطلاحی معنی میں نہیں ہے (شامی ۱۸۲/۴، وکذا فی الطحطاوی علی الدر المختار)۔

قبضہ کی حقیقت:

اس موضوع کی ایک خصوصی بحث قبضہ کی حقیقت ونوعیت سے متعلق ہے۔

فقہاء نے قبضہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ قبضہ حقیقی، ۲۔ قبضہ حکمی۔

قبضہ حقیقی اس قبضہ کو کہیں گے جس میں شی انسان کے واقعی تصرف میں آجائے، مثلاً کتاب خریدی تو اپنے ہاتھ میں لے لے، کوئی موٹر خریدی تو اس پر سوار ہوجائے، جانور خریدا تو اس کی باگ ڈور پکڑ لے وغیرہ۔

اور قبضہ حکمی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کیلئے سامان اس پوزیشن میں ہوجائے کہ وہ چاہے تو اسے بآسانی اپنے تصرف میں لاسکتا ہو اور استعمال کرسکتا ہو، مثلاً کسی نے کپڑا خریدا اور بائع نے اس کے سامنے کپڑا اتنی دور پر رکھ دیا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس کو بے تکلف لے سکتا ہے تو یہ قبضہ حکمی ہے (قواعد الفقہ ۴۲۲، فتاوی الفقرویہ ا/۲۵۴، بدائع ۲۴۷/۵)۔

قبضہ حکمی کی مختلف شکلیں کتب فقہ میں ملتی ہیں، فقہاء نے متعدد امثال وعلامات ذکر کئے ہیں، جن کے پیش نظر ہر کسی چیز پر قبضہ حکمی کا حکم لگا سکتے ہیں، ویسے انہی صورتوں میں انحصار نہیں ہے، کسی فقیہ نے یہ دعوی نہیں کیا کہ قبضہ حکمی کی یہی چند شکلیں ہیں جو اس نے ذکر کی ہیں، ان کے علاوہ کوئی اور شکل نہیں ہوسکتی، بلکہ فقہاء نے جو کچھ لکھا اپنے استقراء اور تتبع کے لحاظ سے لکھا، اور آخر میں یہ قاعدہ کلیہ لکھدیا کہ:

لکن ذلک یختلف بحسب حال المبیع (شامی ۴/۴۷)۔

قبضہ کی کوئی ایک صورت ونوعیت متعین نہیں ہے، بلکہ وہ مبیع کی حالت وکیفیت کے لحاظ سے تبدیل ہوتی رہتی ہے، شامیؒ نے اس کو مثالوں سے واضح کیا ہے، مثلاً کمرے میں اناج رکھا ہوا ہو، تو اس پر قبضہ اس وقت مانا جائے گا جب کہ اس کمرے کی چابی مشتری کو مل جائے اور وہ اسے بے تکلف کھول سکے، کسی مکان کی فروخت میں مکان پر قبضہ اس وقت مانا جائے گا جب کہ اس کے بند کرنے پر مشتری قادر ہوجائے۔

چراگاہ کے جانور پر قبضہ اس وقت متصور ہوگا جب کہ وہ نگاہ کے سامنے ہو اور اس کی طرف اشارہ کیا جاسکے کسی مکان میں بند گھوڑے اور پرندے پر قبضہ اس وقت ہوگا جبکہ مشتری بغیر کسی کی مدد کے ان کو پکڑ سکے وغیرہ (شامی ۴/۴۸)۔

یہ مثالیں سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ قبضہ کی کوئی ایک صورت معین نہیں ہے، بلکہ مبیع کے حال کے لحاظ سے وہ تبدیل ہوتی رہتی ہے، اس کے باوجود فقہاء نے چند علامتی افعال واحوال کا ذکر کیا ہے جن سے قبضہ حکمی کا بڑی حد تک احاطہ ہوجاتا ہے، علامہ کاسانیؒ نے تو مستقل باب ہی قائم کیا ہے: "بیا ن ما یصیر به المشتری قابضا للمبیع من التصرفات وما لا یصیر به قابضا"۔

ان افعال واحوال کا ہمارے سامنے رہنا ضروری ہے، تاکہ ان کی روشنی میں آج کے حالات وظروف میں سے کسی چیز کے قبضہ کے بارے میں ہم فیصلہ کرسکیں، وہ افعال واحوال درج ذیل ہیں:

(۱) تخلیہ کو فقہاء نے قبضہ حکمی قرار دیا ہے، تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ ہونے کے بعد مبیع کو بائع مشتری کیلئے چھوڑ دے تو یہ قبضہ متصور ہوگا، بشرطیکہ تین باتیں پائی جائیں:

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ بائع کہہ دے کہ یہ سامان میں نے تمہارے لئے چھوڑ دیا، اور مشتری کہے کہ میں نے قبضہ کرلیا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ مبیع مشتری کے سامنے موجود ہو، بایں طور کہ وہ اس کو بآسانی حاصل کرسکتا ہو۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ مبیع کے ساتھ حق غیر اس طور پر وابستہ نہ ہو کہ یہ تابع ہو اور حق غیر اصل، لیکن اگر حق غیر کی وابستگی اس طور پر ہو کہ مبیع اصل ہو اور حق غیر تابع، مثلاً گیہوں بائع کے تھیلوں میں رکھے ہوئے ہوں تو ایسی صورت میں مضائقہ نہیں (فتاوی الفقرویہ ۱/۲۵۴، الاشباہ والنظائر ۲/۲۷۸۔۲۷۹، شامی ۴/۴۸)۔

(۲) مشتری یا بائع کی طرف سے ایسا فعل صادر ہو جائے جس سے پتہ چلے کہ بائع کی طرف سے مبیع پر تصرف کرنے کی اجازت ہے تو اسے بھی حکماً قبضہ قرار دیا جائے گا، مثلاً مبیع ابھی بائع کے قبضہ میں ہو اور مشتری اس کو ضائع کردے، یا اس میں کوئی ایسا تصرف کردے جو مبیع میں حقیقۃً یا حکماً کوئی نقص یا عیب پیدا کردے اور بائع اس پر کوئی اعتراض نہ کرے، تو یہ مشتری کا قبضہ ہی سمجھا جائے گا، حقیقی نقص کی مثال جیسے جانور خریدا تھا، اس کا پاؤں کاٹ دیا، یا سر یا آنکھ زخمی کردیا۔ اور حکمی نقص کی مثال: جیسے باندی تھی اس کو ام ولد بنادیا، یا غلام تھا اس کو مدبر بنادیا، یعنی ام ولد ہونے یا مدبر ہونے کا اقرار کرلیا تو اس سے غلام یا باندی میں نقص پیدا ہوگیا کہ اب اس کو فروخت نہیں کرسکتے، کسی کو ہبہ یا ہدیہ میں نہیں دے سکتے وغیرہ (بدائع الصنائع ۵/۲۴۶، شامی ۴/۴۷)۔

(۳) یا یہ کہ مبیع کو نقصان پہونچانے والے افعال مشتری کی اجازت وحکم سے خود بائع انجام دے، تو یہ بھی مشتری ہی کی طرف حکماً منسوب ہوں گے، اور اس صورت میں بھی مشتری کا قبضہ تسلیم کیا جائے گا، لیکن اگر بائع نے مشتری کے کہنے پر ایسے افعال انجام دیئے جو مبیع کو نقصان نہیں پہونچائے، مثلاً مشتری کے کہنے پر اس نے مبیع کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردیا وغیرہ، تو اس صورت میں مشتری کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ یہ تصرفات خود بائع ہی کی طرف منسوب ہوں گے، اور وہی تصرف کرنے والا قرار دیا جائے گا (بدائع ۵/۲۴۶، شامی ۴/۴۷)۔

(۴) مشتری کی طرف سے مبیع کے تعلق سے ایسی حرکت سرزد ہو جس سے اندازہ ہو کہ وہ اس معاملہ پر پوری طرح راضی ہے اور اسی بنا پر وہ اس کو اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے، مثلاً معاملہ ہونے کے بعد مشتری مبیع کسی کو بطور عاریت، یا بطور ہبہ، یا ودیعت کے دیدے، یا کوئی اور ایسا تصرف کردے جس کے وجود وانعقاد کیلئے قبضہ ضروری ہے، تو علامتی طور پر یہ مشتری کا قبضہ متصور ہوگا، بشرطیکہ اس نے یہ معاملات خود بائع سے نہ کئے ہوں، اس لئے دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے کی صورت میں وہ دوسرا شخص قبضہ کے باب میں مشتری کا نائب تصور کیا جائے گا کہ پہلے وہ مشتری کی طرف سے قبضہ کرے گا، پھر اپنی طرف سے، اس کے برخلاف اگر مشتری یہ معاملہ خود بائع سے کرے تو مبیع پر قبضہ کے باب میں بائع کو مشتری کا نائب قرار نہیں دیا جاسکتا، اسلئے کہ اس کا قبضہ مبیع پر بطور اصل کے قائم ہے، اسلئے اس کو نائب کی حیثیت سے قابض نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اسی طرح اگر مشتری مبیع میں ایسا تصرف کرے جس کا انعقاد قبضہ پر موقوف نہیں ہے، مثلاً کسی کے ہاتھ بیع کردے تو اس سے بھی مشتری کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، اسلئے کہ جب قبضہ اس کیلئے لازم نہیں تو مشتری ثانی کو مشتری اول کی طرف سے بطور نیابت قابض ماننے کی ضرورت نہیں ہے (بدائع الصنائع ۵/۲۴۶)۔

(۵) اگر مبیع مشتری کے ضمان میں آجائے اور قانونی طور پر وہ اس کی ضمانت قبول کرے، تو اگر چہ کہ حسّاً اس کا قبضہ اس پر نہ ہو مگر حکماً اس کا قبضہ سمجھا جائے گا، اور اگر حسّاً قبضہ ہو مگر قبضہ ضمان نہ ہو بلکہ مثال کے طور پر قبضہٗ امانت ہو تو حسّاً قبضہ کے باوجود وہ قابض نہیں سمجھا جائے گا (فتح القدیر۵/۲۶۶، الاشباہ والنظائر۲/۲۷۵)۔

اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت جدا جدا:

اس تفصیل سے ایک طرف قبضہ کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت ایک نہیں ہوگی، بلکہ خود تمام اشیاء غیر منقولہ میں بھی قبضہ کی نوعیت ایک نہیں ہوگی، مکان اور زمین دونوں اشیاء غیر منقولہ میں سے ہیں، مگر کتب فقہ میں دونوں کے قبضہ کی نوعیت الگ بتائی گئی ہے، زمین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی نے جنگل میں کوئی زمین فروخت کی اور وہ زمین اس کے حوالہ کر دی تو یہ قبضہ اس وقت مکمل ہوگا جبکہ مقام عقد سے وہ زمین قریب ہو جس کو وہ دیکھ اور سمجھ سکتا ہو، ورنہ قبضہ تسلیم نہیں کیا جائے گا (الاشباہ والنظائر۲/۲۷۸)۔

اور مکان کے بارے میں فقہی جزئیہ ملتا ہے کہ مکان پر قبضہ اس وقت سمجھا جائے گا جب کہ اس کی چابی اس کے حوالے کر دے اور مشتری اس مکان کو بند کرنے پر قادر ہو جائے ورنہ قبضہ نہیں ہوگا (عالمگیری۳/۱۶)۔

تو جب خود اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق ہے تو اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ کے درمیان قبضہ کی نوعیت میں فرق واقع ہونا طبعی ہے، اور اس کیلئے صرف ایک مثال عرض کرتا ہوں، تخلیہ کی شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ مبیع مشتری کے سامنے موجود ہو، یہ اشیاء منقولہ کیلئے ہے، اشیاء غیر منقولہ میں سامنے کے بجائے قریب ہونا کافی ہے (شامی۴/۴۷)۔

قبضہ ضمان کی ایک شکل:

اس اصولی گفتگو کی روشنی میں اس صورت مسئلہ کا جواب بآسانی دیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال بظاہر اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار (۲) کو روانہ کر دیتا ہے اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار (۲) کے پاس پہونچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے، تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے نہ خریدار (۲) پر، بلکہ یہ اسی شخص (خریدار نمبر (۱)) کا نقصان قرار پاتا ہے، اس صورت معاملہ میں اگر چہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر حسی قبضہ نہیں ہوا، لیکن وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہونچنے سے پہلے اس کے ضمان میں رہا، اسلئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ''ربح مالم یضمن'' (ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) حاصل کیا، بلکہ اس نے مال مضمون پر نفع حاصل کیا ہے جو قبضہ حکمی کے درجہ میں ہے، اسلئے یہ صورت معاملہ شرعاً جائز معلوم ہوتی ہے۔

ایک ناجائز شکل:

البتہ وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت شپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ

فارغ ہوجاتا ہے، اوراگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے، یہ صورت معاملہ شرعاً ناجائز ہے۔

(۱) ایک تو ''ربح مالم یضمن'' کی وجہ سے (۲) دوسرے اقتصادی بحران پیدا ہونے کے خطرہ کی وجہ سے، اس لئے کہ ایک چیز کی جو قیمت جہاز پر چڑھاتے وقت تھی، اس کی دس گنی قیمت جہاز سے اترتے وقت تک ہوجاتی ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۴)۔

خلاصہ جوابات:

اب سوالات کی ترتیب پر خلاصہ جوابات ملاحظہ ہو۔

(۱) شرع اسلامی کی رو سے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں اور یہ بیع فاسد میں داخل ہے۔

(۲) اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو کسی چیز پر واقعی تصرف حاصل ہوجائے، یا قدرت علی التصرف حاصل ہوجائے، اس کیلئے کتاب وسنت نے کوئی خاص صورت متعین نہیں کی ہے، بلکہ اسے لوگوں کے عرف وعادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا۔

(۳) اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق واقع ہوگا، جو اشیاء کے حسب حال عرف کے مطابق طے کیا جائے گا۔

(۴) قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث جمہور علماء کے نزدیک معلول بالعلۃ ہیں، اور علت بنیادی طور پر ''اندیشۂ غرر'' ہے۔

(۵) قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت جمہور احناف اور مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک عام نہیں ہے، بلکہ اس میں کئی تخصیصات اور استثناءات کی گئی ہیں، مثلاً حنفیہ نے اشیاء غیر منقولہ کی تخصیص کی، اور مالکیہ وحنابلہ نے اس حکم ممانعت کو صرف ایسے طعام کے ساتھ خاص کردیا جس کو کیل ووزن، یا گنتی سے فروخت کیا گیا ہو، باقی چیزوں میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو وہ جائز کہتے ہیں، شافعیہ اور امام محمدؒ وزفرؒ کے نزدیک، البتہ یہ حکم عام ہے۔

(۶) فیکٹری سے مال خرید کر بھجوانے کی صورت میں جب مشتری اول ضمان لیتا ہو تو یہ قبضہ سمجھا جائے گا اور بیع درست ہوگی۔

(۷) اور اگر پہلا خریدار سامان کی ضمانت نہیں لیتا تو یہ قبضہ نہیں ہوگا اور بیع درست نہ ہوگی۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی

شریعت اسلامی میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے:

أما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام أن یباع حتی یقبض قال ابن عباسؓ ولا أحسب کل شئ إلا مثله (صحیح بخاری: ۱/۲۸۶)۔

وہ چیز جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ ایسی کھانے کی چیزیں ہیں جنہیں قبضہ سے پہلے بیچا جائے۔ تاآنکہ ان پر قبضہ ہو۔

ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے:

إن النبی ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه، زاد اسماعیل من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یقبضه (بخاری: ۱/۲۸۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کھانے کی اشیاء بیچنا چاہے تو اسے اس وقت تک نہ بیچے جب تک پوری طرح قبضہ میں نہ لے لے، اسماعیل نے اپنی روایت میں "حتی یستوفیه" کی جگہ "حتی یقبضه" کا اضافہ کیا ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا ہے:

والقبض والاستیفاء سواء والذی یستفاد من الحدیث أنه ﷺ نهی عن بیع الطعام إلا بعد القبض.

اور قبضہ اور استیفاء دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور جو کچھ حدیث سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیع طعام سے منع فرمایا ہے مگر یہ کہ قبضہ کے بعد ہو (تو درست ہے) (عمدۃ القاری: ۵/۴۷۸)۔

ترمذی کی روایت میں مزید وضاحت ہے:

عن حکیم بن حزام قال سألت رسول الله ﷺ فقلت یأتینی الرجل فیسألنی من البیع ما لیس عندی . ابتاع له من السوق ثم أبیعه. قال لا تبع ما لیس عندک (ترمذی ۱/۱۴۸)۔

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ایک شخص ایسی چیز کے بیع کا مجھ سے سوال کرتا ہے جو میرے پاس موجود نہیں ہوتی۔ میں اس کے لئے بازار سے خرید کر لاتا ہوں پھر اسے فروخت کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز تمہارے پاس موجود نہ ہو اسے مت فروخت کرو۔

قبل القبض کا حکم:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت فقہی نقطہ نظر سے بیع فاسد میں داخل ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

وقید بالقبض لأن العقد فی ذاته صحیح غیر أنه لا یجب علی المشتری دفع الثمن لعدم القبض (شامی ۴/۴۳)۔

قبضہ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ معاملہ بیع ذاتی اعتبار سے صحیح ہے، البتہ قبضہ نہ ہونے کے سبب خریدار پر ثمن کی ادائیگی واجب نہیں۔ ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں:

وحکم الفاسد مالا یفیده بمجرده، بل بالقبض.

بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ محض معاملہ بیع سے ملک کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ قبضہ سے ملک حاصل ہوتی ہے۔ (البحر الرائق ۶/۶۹)۔

قبضہ کی حقیقت:

قرآن وحدیث میں قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی گئی ہے، البتہ اشارۃ النص سے وہی ظاہر ہوتا ہے جو فقہاء کی عبارتوں سے واضح ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کچھ خاص قسم کے عمل دخل کو جو لوگوں کے عرف وعادت کے مطابق قبضہ تصور کیا جاتا ہے۔ قبضہ مانا جائے گا۔ علامہ شامی نے قبضہ کی دو قسمیں قرار دی ہیں:

(۱) **قبضہ حقیقی:** جو شئے مقبوض پر قابض کے عملی تصرف کو ظاہر کرتا ہو۔

(۲) **قبضہ حکمی:** جو قابض کو صرف اس درجہ میں حاصل ہو کہ وہ قبضہ کر سکنے کی پوزیشن میں ہو یا اس کو عرف میں قبضہ مانا جاتا ہو۔

ثم التسلیم یکون بالتخلیة علی وجه یتمکن من القبض بلا مانع ولا حائل (در مختار: ۳/۲۶۳)۔

پھر سپردگی خریدار اور سامان کے درمیان ایسی تنہائی پیدا کر دینے سے ہوتی ہے جس میں سامان پر قبضہ کرنے کی صورت ممکن ہو اور کوئی رکاوٹ یا آڑ نہ ہو، یعنی مبیع خریدار کے سامنے ہو اور بائع اس کو اپنی ملک سے اس طرح علیحدہ کر دے کہ حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

وحاصله أن التخلیة قبض حکماً لو مع القدرة علیه بلا کلفة لکن ذالک یختلف بحسب حال المبیع (شامی ۴/۴۳)۔

خلاصہ یہ کہ تخلیہ قبضہ حکمی ہے بشرطیکہ بلا مشقت سامان پر قدرت حاصل ہو لیکن مبیع کے حسب حال یہ مختلف ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ گھر میں گیہوں ہو تو اس کا قبضہ یہ ہے کہ بائع کمرے کی کنجی خریدار کو دے دے۔ اور خریدار بلا مشقت اس کو کھول سکے۔ اور گھر پر قبضہ یہ ہے کہ خریدار اس کا تالا لگا سکتا ہو۔ جبکہ وہ گھر شہر میں ہو۔ اور چراگاہ میں قبضہ

گائے کا یہ ہے کہ اس کو دیکھا جاسکے اور اس کی طرف اشارہ ہو سکے اور کپڑے میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری ادھر ہاتھ پھیلائے تو کپڑے تک پہنچ جائے اور گھوڑے یا پرندے پر جو کسی گھر میں ہوں قبضہ یہ ہے کہ اس مکان سے بلاکسی مدد گار کے خریدار کا ان کو پکڑ لینا ممکن ہو۔

اشیائے منقولہ وغیر منقولہ کا حکم:

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اشیائے منقولہ وغیر منقولہ میں باعتبار حکم فرق ہے۔ اشیائے غیر منقولہ میں ان حضرات کے یہاں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں:

ولكن أبو حنيفة قال لا بأس ببيع الدور والأرضين قبل القبض لأنها لا تنتقل ولا تحول (عمدۃ القاری ۴۷۹/۵)۔

لیکن امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ گھر اور زمین کو قبل القبض بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔

علامہ ابن نجیمؒ نے امام ابو یوسفؒ کو اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ بتایا ہے۔

صح بيع العقار قبل قبضه أى عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ (البحر الرائق ۱۱۶/۶)۔

زمین کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت صحیح ہے، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک، البتہ امام مالکؒ اور ابن المنذر کے نزدیک طعام کی قسم کی جملہ اشیاء میں جواز قسم مکیل وموزون ہوں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے، مگر طعام کے علاوہ چیزوں میں جائز ہے۔

لیکن امام مالکؒ اور امام احمد کی ایک روایت اور امام شافعیؒ کے قول جدید کے مطابق ہر چیز میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے، یہی مذہب حضرت ابن عباس، عطا بن ابی رباح اور ثوری، ابن عینیہ، ابوحنیفہ، ابو یوسف ومحمدؒ سے منقول ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ۴۷۹/۵)۔

علتِ نہی:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں اور علت نہی غرر ہے۔

ابن نجیم لکھتے ہیں:

لا بيع المنقول أى لا يصح لنهيه ﷺ عن بيع مالم يقبض ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك (البحر الرائق ۱۱۶/۶)۔

منقول شئے کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے قبل القبض بیع کو منع فرمادینے کی وجہ سے اور اس لئے بھی کہ اس میں غیر مقبوض سامان کی ہلاکت کے اعتبار سے عقد بیع ٹوٹ جانے کا غرر (خطرہ) ہے۔

ممانعت عام ہے یا خاص:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عام نہیں ہے بلکہ اس سے کچھ چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ ائمہ اربعہ اور

فقہاء کے مسالک کی تفصیل پیچھے بیان کی جا چکی ہے۔ ہبہ، صدقہ، قرضہ، غلام اور باندی کا نکاح اور وصیت وغیرہ امور قبل القبض درست ہیں (البحر الرائق: ۶/ ۱۱۷)۔

ایک مخصوص صورت مسئلہ:

ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا ہے۔ بلکہ براہ راست فیکٹری سے مال خرید کر خریدار نمبر۲۔ کو روانہ کر دیتا ہے اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر۲۔ کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ضائع ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری فیکٹری پر آتی ہے نہ خریدار نمبر۲ پر بلکہ یہ اسی شخص (خریدار نمبر۱) کا نقصان قرار پاتا ہے۔ اس صورت معاملہ میں اگر چہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر حسی قبضہ نہیں ہوا۔ لیکن وہ مال خریدار نمبر۲۔ تک پہنچنے سے پہلے اس کے ضمان میں رہا، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ربح مالم یضمن (اس چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) حاصل کیا، بلکہ اس نے مال مضمون پر نفع حاصل کیا ہے۔

تو اس صورت معاملہ کا شرعی حکم یہ ہے کہ چونکہ خریدار اول نے اگر چہ فیکٹری کے مال پر حسی قبضہ نہیں کیا ہے لیکن چونکہ فیکٹری کے مالک، یا اس کے وکیل نے وہ مال اپنی ملک سے بحق مشتری فارغ کر دیا اور خریدار اول کے لئے بلا مشقت اس پر قبضہ کر لینا ممکن ہے، بنا بریں اس پر قبضہ حکمی متحقق ہے۔ اور اس بنیاد پر خریدار اول کو یہ سامان خریدار نمبر۲ سے بیچنا جائز ہے۔

فیکٹری کے مال کا خریدار اول کے ضمان میں رہنا بھی قبضہ حکمی کے معنی میں ہے، اس لئے اس کی بیع صحیح ہے۔

ایک فقہی جزیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ومن القبض مالو أودعه المشترى عند أجنبى أو أعاره وأمر البائع بالتسليم إليه (شامی ۴/ ۴۲)۔

اور یہ بھی قبضہ کی صورت ہے کہ خریدار نے مال کو کسی اجنبی کے پاس امانت رکھنے یا اس کو ادھار دینے کو کہا اور بائع کو حکم دیا کہ یہ مبیع اس کے حوالے کر دے۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں جب خریدار اول فیکٹری سے خریدار نمبر۲ کو مال روانہ کر دیتا ہے تو گویا وہ بائع کو اپنی طرف سے خریدار نمبر۲ کو سپرد کرنے کا پابند کر رہا ہے، اس صورت میں خریدار اول مبیع پر حکماً قابض ہو جاتا ہے۔ مال کا خود روانہ کرنا یا فیکٹری کے ذرائع سے روانہ کرنا اس کی دلیل ہے۔

اور ایسی شکل میں اس کا کسی دوسرے خریدار سے مال بیچنا اور اس پر نفع کمانا جائز ہے۔ مال کا اس کی ضمان میں ہونا قبضہ حکمی کے درجہ میں ہے۔

شپنگ کا حکم:

وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت میں شپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے اور اگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جب کہ مال سمندر میں ہو تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کر دیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے۔

اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ شپنگ مشتری کیلئے اس شیشی یا بوری کی طرح ہے جسے بائع کے حوالے کر کے مشتری نے یہ کہہ دیا ہو کہ اس میں تیل، یا غلہ وزن کر کے بھر دے۔

اب خواہ تیل وزن کرتے وقت یا غلہ بھرنے کے وقت مشتری وہاں موجود ہو یا نہ ہو، ہر دو صورت میں یہ بیع وشراء درست ہے، کیونکہ تیل یا غلہ کے لئے مشتری کا اپنی شیشی یا بوری پیش کر دینا ہی اس کے قبضہ کے قائم مقام ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

ومنه مالو اشترى دهنا ودفع قارورةً يزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشترى فهو قبض وكذا بغيبته فى الأصح (شامی ۴/۴۲)۔

اور قبضہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مشتری نے تیل خرید کر شیشی بائع کے سپرد کر دی کہ اس میں تیل وزن کر دے۔ پس اس نے اس میں مشتری کی موجودگی میں تیل وزن کر دیا تو یہ قبضہ مانا جائے گا، اور یہ حکم صحیح قول کے مطابق اس کی غیر موجودگی میں بھی ہے۔

یہاں مشتری اول نے بائع کو شپ کے ذریعہ مال بھیجنے کا آرڈر دے کر صورت حال اسی قسم کی بنا دی ہے جس میں کوئی خریدار اپنی خرید کردہ چیز کو قبضہ میں لینے کے لئے بوری یا شیشی پیش کر دیتا ہے، اگر چہ شپ بوری یا شیشی کی طرح اس کی ملک نہیں ہے لیکن اگر مشتری کسی دوسرے سے لے کر بائع کو مبیع بوری میں بھر دینے کا حکم دے دے تب بھی قبضہ حکمی معتبر مانا جائے گا، اسی طرح جب شپ کو مشتری نے اپنی خرید کردہ اشیاء کی منتقلی کا ذریعہ بنایا اور بائع کو ایسا کرنے کو کہا تو یہ قبضہ حکمی کے معنی میں ہو گیا۔ لہذا بائع اول اور مشتری اول کے حق میں اس بیع وشراء کو جائز قرار دیا جانا چاہئے۔

البتہ بائع ثانی اور مشتری ثانی کے حق میں بیع وشراء کو درست قرار دینا مشکل ہے کیونکہ مال جب تک سمندر میں ہے بائع ثانی کے لئے غیر مقدور التسلیم اور مشتری ثانی کے حق میں غیر مقبوض ہے۔ اور یہ بیع غرر کے ذیل میں آتا ہے۔ جو شریعت اسلامی میں ممنوع ہے۔ لہذا مال ضائع ہو جانے کی شکل میں مشتری ثانی یعنی دوسرے نمبر کے خریدار پر ثمن کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی۔

لا يجب على المشترى دفع الثمن لعدم القبض (شامی ۴/۴۳)۔

مشتری پر ثمن کی ادائیگی لازم نہیں۔ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے۔

خلاصہ بحث:

۱ بیع قبل القبض احادیث نبویہ اور تصریحات فقہیہ کے مطابق نا جائز ہے۔

۲۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ممنوع بیع کی فاسد قسم میں داخل ہے۔

۳۔ اشیاء غیر منقولہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے۔ امام مالکؒ کے مسلک میں کھانے کی قسم کے علاوہ اشیاء میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے۔ باقی ائمہ کے نزدیک نا جائز ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں اور علت نہی غرر انفساخ العقد ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عام نہیں ہے، بلکہ بعض چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے امام اعظم و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اشیاء غیر منقولہ۔ اور ہبہ، صدقہ، قرضہ، وصیت، اور غلام و باندی کا نکاح۔

۶۔ فیکٹری سے مال خرید کر روانہ کر دینا خریدار اول کے ضمان میں داخل ہے جو قبضہ حکمی کی طرح ہے۔ اس پر خریدار اول کا کسی دوسرے شخص کے ہاتھ مال بیچ دینا اور اس پر نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

۷۔ شپنگ کی رائج الوقت صورت معاملہ میں خریدار اول اور بائع کے درمیان کا معاملہ بیع وشراء درست ہے۔ البتہ خریدار اول کا دوسرے خریدار کو مال بیچنا جب کہ مال سمندر میں ہو غیر مقدور التسلیم اور مقبوض ہونے کی بنا پر جائز نہیں ہے۔ اگر یہ معاملہ کر لیا گیا تو خریدار ثانی پر ثمن کی ادائیگی لازم نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مفتی انور علی اعظمی

۱۔ بیع قبل القبض:

شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض درست نہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک باطل ہے اور احناف کے نزدیک فاسد ہے، نتیجہ اور مآل ایک ہے، اسلئے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک فساد اور بطلان ایک ہی معنی میں مستعمل ہے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت:

صاحب بدائع نے اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے، ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تسلیم اور قبض کی تفسیر تخلیہ اور تخلی ہے اور تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان موانع دور کرنے اور مشتری کو مبیع میں تصرف کا پورا موقع فراہم کردے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک گھر، زمین اور درخت میں قبضہ تخلیہ سے ہوگا اور دراہم ودنانیر میں ہاتھ میں لینے سے ہوگا، اور کپڑا وغیرہ میں منتقل کرنے سے اور ایسے ہی قبضہ غلہ میں ہوگا جبکہ وہ اندازہ سے بیچا گیا ہو اور اگر ناپ تول کر بیچا گیا ہے تو قبضہ ناپنے اور تولنے سے ہوگا، اور غلام وجانور میں ان کی جگہ سے منتقل کردینے سے ہوگا، الغرض کتاب وسنت نے اصل قبضہ کی حقیقت متعین کردی ہے، اور وہ تخلیہ ہے، لیکن تخلیہ کی نوعیت عرف وعادت پر چھوڑ دی گئی ہے، چنانچہ جہاں جس چیز کے بارے میں جس طرح استیلاء لوگوں کے عرف میں قبضہ متصور ہوتا ہو، وہی شرعی قبضہ مانا جائے گا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)۔

قال في الشامي (۵۹/۴) و تمامه في البحر وحاصله أن التخلية قبض حكما ، لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت، مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، و في نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض ، أي بأن تكون في البلد في ما يظهر، و في نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى و يشار إليه قبض، و في نحو ثوب فكونه بحيث لومد يده تصل إليه قبض، و في نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض، و قال في موضع آخر لو اشترى دهنا و دفع قارورة يزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشتري فهو قبض، و كذا بغيبته في الأصح و كذا كل مكيل و موزون إذا دفع له الوعاء فكاله أو وزنه فيه بأمره (شامی ۵۸/۴)۔

ان ساری مثالوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ قبضہ کی نوعیت کا مدار عرف وعادت ہی پر ہے۔

وقال ابن قدامه: في "المغني" ولأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف (مغنی ۲۰۰/۴)۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت:

اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں احناف کے یہاں کوئی فرق نہیں، اسلئے کہ اصل قبضہ تمام اموال میں تخلیہ سے حاصل ہوتا ہے۔

قال في البدائع . ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال (۲۴۴/۵)۔

البتہ قبضہ کی تکمیل میں منقولات میں تفصیل الگ ہے اور غیر منقولہ اشیاء کی الگ۔

منقولات کی دو قسمیں ہیں: ایک مثلی، دوسرے غیر مثلی، منقولات میں تخلیہ سے ہی قبضہ تام ہوجاتا ہے، اسی طرح مثلیات میں اگر بیع مجازفۃ ہوتو تخلیہ سے قبضہ تام ہوجائے گا، اسلئے کہ بیع مجازفۃ میں مقدار کی جانکاری کا اعتبار و لحاظ نہیں ہوتا ہے، اور اگر ان کی بیع ناپ تول کے ذریعہ سے ہوتو بائع کی ناپ تول اور تخلیہ سے مشتری کا قبضہ تام ہوگا، کیونکہ یہ بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہوگئی، غیر منقولہ اشیاء میں بھی قبضہ کی بنیاد تخلیہ ہی ہے۔

اگر وہ زمین و جائداد قریب ہے تو نفس تخلیہ سے قبضہ مکمل ہوجائیگا، اور اگر دور ہے تو تخلیہ کے ساتھ اتنی مدت گذرنا بھی ضروری ہوگا جس مدت میں وہ مکان مبیع تک پہونچ سکے۔

في الخانية: إذا كان قريباً (العقار) يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التخلية مقام القبض أما إذا كان بعيداً لا يتصور القبض في الحال فتقام التخلية مقام القبض .... (شامی ۵۹/۴)۔

۴۔ بیع قبل القبض سے متعلق نہی کی احادیث معلول بعلت ہیں یا نہیں؟

بیع قبل القبض سے متعلق نہی کی احادیث معلول بہ علت ہیں۔

احناف کے نزدیک علت غرر انفساخ عقد ہے، ہدایہ (۵۸/۳) میں ہے: ومن اشترى شيئا مما ينقل و يحول لم يجز بيعه حتى يقبضه لأنه نهى عن بيع ما لم يقبض ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاک، والغرر منهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث محمول به عملا بدلائل الجواز (۵۹/۳)۔

امام مالکؒ کے نزدیک منفعت عمال کا ضیاع ہے۔

وقد قيل في علة النهي: إن في قبضه منفعة للعمال إذ ينتفعون بكيله و حمله و وزنه وغير ذلک بخلاف ما إذا بيع وهو عند صاحبه فإن ذلک يضيع تلک النفعة، وقيل إنه أمر

تعبدی. (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۲/۲۳۵)۔

مالکیہ کے نزدیک ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ بیع قبل القبض سے متعلق نہی امر تعبدی ہے۔ (علت معلوم نہیں)۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت کے عموم وخصوص کے بارے میں ائمہ کی آراء:

جمہور احناف کے نزدیک شئ منقول کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں، اور عقار کی بیع قبضہ سے پہلے امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۲/۲۳۴، ہدایہ ۳/۵۸)۔

مالکیہ کے نزدیک اس نہی کا تعلق مطعومات کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ ان کے یہاں غلہ اور پھل کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں ہے (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۲/۳۵)۔

شوافع کے نزدیک نہی عام ہے، قبضہ سے پہلے ان کے یہاں منقول اور غیر منقول سب کی بیع ناجائز ہے، البتہ تین صورتیں استثناء ہیں

(۱) أن يبيعه قبل قبضه لمن اشتراه بنفس الثمن الذی اشتراه بدون زيادة.

(۲) أن يتلف المبيع عند البائع فإن للمشتری أن يبيعه له بمثله بأن يعطى البائع للمشتری ثمنا مثل التالف.

(۳) أن يشتری شيئا يقبضه وكأن ثمنا دينا فی ذمته كان اشترى جملا بعشرة ولم يقبضه ولم يدفع ثمنه فإنه يصح فی هذه الحالة أن يبيعه لمن اشتراه منه بعشرة فی ذمة البائع الأول أو يشتری الجمل بعشرة و يدفعها للبائع ولم يقبض الجمل فإنه يصح أن يبيعه بعشرة فی ذمة البائع.

والبيع فی أحوال الثلاثة يكون إقالة بلفظ البيع، فليس بيعا حقيقة (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۳۴)۔

حنابلہ کے نزدیک:

جب مبیع مکیل، موزون، یا معدود، یا مذروع نہ ہوتو قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز ہے، اور اگر مبیع مذکورہ بالا انواع سے ہوتو قبضہ سے پہلے اس میں بیع کے ذریعہ تصرف درست نہیں (مغنی ۴/۲۱۷، حوالہ الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۲/۲۳۶)۔

اور مغنی میں ابن عبد اللہ سے منقول ہے کہ امام احمدؒ کے اصح قول میں نہی کا تعلق صرف طعام سے ہے (مغنی ۴/۲۱۸)۔

مالکیہ کی دلیل:

(۱) قولہ ﷺ "من ابتاع طعاما فلا بيعه حتى يستوفيه، فمفهومه إباحة بيع ماسواه قبل قبضه.

(۲) وقول ابن عمر رأيت الذين يشترون الطعام مجازفة يضربون على عهد رسول الله ﷺ أن يبيعوه حتى يؤوه إلى رحالهم.

دلیل حنابلہ: احادیث مذکورہ۔

ووجه قول الخرقي أن الطعام المنهي عنه عن بيعه قبل قبضه لا يكاد يخلو من كونه مكيلا أوموزونا أو معدودا متعلق الحكم بذلك (مغنی ۴/۲۱۸)۔

احناف وشوافع کی دلیل:

عن حکیم ابن حزام :لاتبع ما ليس عندك (ترمذی)

قال: سألت رسول الله ﷺ فقلت يأتيني الرجل فيسألني من البيع ما ليس عندي أبتاع له من السوق ثم أبيعه قال لا تبع ما ليس عندك (ترمذی ۱/۱۴۸)۔

ماروا ہ أبو داؤد: أن النبي ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم، و ماروی ابن ماجه: أن النبي ﷺ نهى عن شراء الصدقات حتى تقبض، وروى: أن النبي ﷺ لما بعث عتاب بن أسيد إلى مكة قال: إنهم عن بيع ما لم يقبضوه و عن ربح ما لم يضمنوه (مغنی ۴/۲۱۳)۔

احناف نے منقول اور غیر منقول کے درمیان جو تفریق کی ہے اس کی بنیاد احادیث مذکورہ میں نہی کی علت کو بتانا ہے، اور وہ علت " غرر انفساخ عقد على اعتبار الهلاك " ہے، یہ علت منقولات میں قبضہ سے پہلے موجود ہوا کرتی ہے، اور غیر منقولات میں ہلاکت نادر ہے، اسی لئے ایسی زمین جو دریا اور سمندر کے کنارے پر ہے ان کی بیع بھی قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہوگی، اسلئے کہ وہاں ہلاکت کا خطرہ موجود ہے (عینی ۳/۱۳۷)۔

امام احمدؒ کے نزدیک غیر منقول کی بیع بھی قبضہ سے پہلے ناجائز ہے، اس کی دلیل حکیم ابن حزام کی مذکورہ روایت ہے، اس میں کلمہ "ما" مذکور ہے اور وہ تعمیم پر دال ہے۔

امام محمدؒ نے بیع کو اجارہ پر قیاس کیا ہے، چونکہ عقار کا اجارہ قبل القبض درست نہیں، اسلئے بیع بھی درست نہیں ہوگی والجامع اشتمالهما على ربح مالم يضمن فإن المقصود من المبيع الربح، والربح مالم يضمن منهي عنه شرعاً۔ (عینی ۳/۱۳۷)۔

۶۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ مال فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار (۲) کو روانہ کر دیتا ہے اور معاملہ یہ طے پاتا

ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار (۲) کے پاس پہونچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہوجائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے نہ خریدار (۲) پر، بلکہ یہ اسی شخص خریدار (۱) کا نقصان قرار پاتا ہے، اس صورت معاملہ میں فیکٹری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ حسی نہ پائے جانے کے باوجود ضمان کو قبضۂ حسی کے قائم مقام مان کر اس خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جائے گا لیکن اس صورت میں خریدار (۱) کیلئے ضروری ہوگا کہ پہلے فیکٹری سے معاملہ طے کرے پھر اس کے بعد میں خریدار (۲) سے معاملہ کرے تاکہ "لاتبع ما لیس عندک" کا مصداق نہ بنے۔

مذکورہ صورت معاملہ کے درست ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خریدار (۱) کا مبیع پر اصل قبضہ ثابت ہے اور وہ تخلیہ ہے اور قبضہ تام بھی ہے۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت میں شپنگ :

(جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو بائع ضامن نہیں ہوگا، اس صورت حال میں مشتری اور بائع کے درمیان بیع وشراء درست ہے، لیکن مال کے سمندر میں رہتے ہوئے مشتری اول کا دوسرے کے ہاتھ بیچنا درست نہیں جبکہ وہ مال کے اپنے پاس پہونچنے تک کا ضمان قبول نہیں کرتا، اسلئے کہ وہ بیچ کر نفع تو لینا چاہتا ہے لیکن مال کے مشتری ثانی کے پاس پہونچنے تک نقصان کی ذمہ داری نہیں لینا چاہتا، لہذا اس صورت میں اس کا نفع غیر مضمون شی سے نفع ہے، اور غیر مضمون شی کا ربح منہی عنہ ہے، اور حدیث میں اس کی صراحتاً نہی موجود ہے: ذکر عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: لایحل سلف و بیع و لاشرطان فی بیع و لا ربح مالم یضمن ولاتبع ما لیس عندک (ترمذی ۱۴۸)۔

اور یہی فساد عقد کی متقاضی ہے، علامہ عینی ہدایہ کی شرح میں فرماتے ہیں: وربح مالم یضمن منهی عنه شرعاً والنهی یقتضی الفساد فیکون البیع فاسدا قبل القبض لأنه لم یدخل فی ضمانه (عینی ۱۳۷/۳)۔

لہذا جہاز پر مال کے رہتے ہوئے مشتری اول کا ضمان لئے بغیر کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنا درست نہیں ہوگا۔

☆☆☆☆☆

اسلام میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا اعتبار

مولانا خورشید احمد اعظمی

۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت فی الجملہ ناجائز ہے ان تفصیلات کے ساتھ جو آئندہ ائمہ کے اقوال سے نقل کی جائیں گی بسبب ان احادیث کے جو اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ سے منقول وثابت ہیں۔

اور بصورت عدم جواز اس کا شمار بیع فاسد میں ہوگا کیونکہ حقیقت بیع کا وجود پایا جارہا ہے، اور جو نقص ہے وہ وصف کی جہت سے ہے لہذا اس پر بطلان کا حکم نہیں لگایا جائے گا، شامی میں ہے:

وهو (أی البيع الفاسد) ماكان مشروعا بأصله لا بوصفه و مرادهم من مشروعية أصله كونه مالا متقوما، لا جوازه و صحته لأن فساده يمنع صحته أو أطلقوا المشروعية عليه نظراً إلى أنه لو خلا عن الوصف لكان مشروعا (شامی ۴/۹۹، نیز البحر الرائق ۶/۶۸)۔

۲۔ اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت:

قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان موانع کو دور کردے اور مشتری کو مبیع میں تصرف کا پورا موقع فراہم کردے، اسی چیز کو احناف نے تخلیہ سے تعبیر کیا ہے:

فالتسليم و القبض عندنا هو التخلية و التخلی وهو أن يخلی البائع بين المبيع و بين المشتری برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتری من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع و المشتری قابضا له و كذا تسليم الثمن من المشتری إلى البائع (البدائع ۵/۲۴۴)۔

درمختار میں ہے: ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع و لا حائل (درمختار ۴/۴۳)۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں ہوگا: قال كنا مع النبی ﷺ فی سفر فكنت على بكر صعب لعمر فكان يغلبنی فيتقدم أمام القوم فيزجره عمر و يرده ثم يتقدم فيزجره عمر و يرده فقال النبی ﷺ لعمر بعنيه قال هو لک يا رسول الله قال رسول الله ﷺ بعنيه فباعه من رسول الله ﷺ فقال النبی ﷺ هو لک يا عبد الله بن عمر تصنع به ما شئت.

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے تحت فرمایا: وقد احتج به للمالكية و الحنفية فى أن القبض فى جميع الأشياء بالتخلية و إليه مال البخارى (فتح الباری ۴/۳۴۴)۔

البتہ تخلیہ کی نوعیت مبیع کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے، اور اس کا مدار عرف وعادت کے اوپر ہوسکتا ہے، كما فى الشامى نقلا عن البحر :

وحاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلک يختلف بحسب حال المبيع (شامی ۴/۴۳)۔

ابن قدامہ نے مغنی ۴/۱۲۵ میں اس کے متعلق تفصیلات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: ولأن القبض مطلق فى الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف .

امام شافعیؒ کے نزدیک بھی قبضہ کا اعتبار تقریباً عرف کے اوپر ہی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے:

وفى صفة القبض عن الشافعیؒ تفصيل فما يتناول باليد كالدراهم و الدنانير و الثوب فقبضه بالتناول ، وما لا ينقل كالعقار و الثمر على الشجر فقبضه بالتخلية ،وما ينقل فى العادة كالأخشاب و الحبوب و الحيوان فقبضه بالنقل إلى مكان لا اختصاص للبائع به و فيه قول أنه يكفى فيه التخلية (فتح الباری ۴/۳۵۰)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص نوعیت متعین نہیں کی ہے، البتہ قبضہ کی جو صورتیں مذکور ہیں وہ فی الجملہ تخلیہ کو متضمن ہیں، اسلئے تقریباً تمام ہی اشیاء میں اس کی حقیقت تخلیہ ہے، نوعیت کا مدار عرف اور عادت پر ہے، جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی شرعاً اس کے حق میں قبضہ ہوگا بشرطیکہ وہ صورت تخلیہ کو متضمن ہو۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت:

جیسا کہ پچھلی بحث میں گذر چکا ہے کہ احناف کے نزدیک قبضہ کی حقیقت تخلیہ سے حاصل ہو جاتی ہے اور اس میں منقولہ وغیر منقولہ اشیاء کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے: ثم لا خلاف بين أصحابنا فى أن أصل القبض يحصل بالتخلية فى سائر الأموال (البدائع ۵/۲۴۴)۔

البتہ قبضہ کے تمام ہونے کے اعتبار سے منقولات وغیر منقولات میں تفصیل ہے، ایسی اشیاء منقولہ جو غیر مثلی ہیں یا مثلی ہوں اور انہیں مجازفۃً بیچا گیا ہو تو ان دونوں صورتوں میں محض تخلیہ سے ہی قبضہ تام ہو جائے گا، البتہ اگر اشیاء منقولہ مثلیہ کو کیل یا وزن کے ذریعہ بیچا گیا ہو تو اس میں قبضہ کی تکمیل کیل یا وزن کے بعد ہی ہوگی، ولهذا كانت التخلية تسليما و قبضا فيما لا مثل له و فيما له مثل إذا بيع مجازفة (البدائع ۵/۲۴۴)۔

اشیاء غیر منقولہ مثلاً عقار وغیرہ اگر قریب ہیں تو نفس تخلیہ سے ہی قبضہ تام ہو جائے گا، اور اگر دور ہے تو

صرف نفس تخلیہ سے قبضہ تام نہیں ہوگا۔

والصحیح ما ذکر فی ظاهر الروایة لأنه إذا کان قریبا یتصور فیه القبض الحقیقی فی الحال فتقام التخلیة مقام القبض أما إذا کان بعیدا لا یتصور القبض فی الحال فلا تقام التخلیة مقام القبض (شامی ۴۳/۴)۔

۴۔ احادیث النہی عن البیع قبل القبض اوران کی علت:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے ممانعت اور نہی مختلف احادیث میں وارد ہے، ان میں سے چند ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه، قال ابن عباس وأحسب کل شیء مثله (مسلم)۔

۲۔ عن ابن عمرؓ قال کنا فی زمان رسول الله ﷺ نبتاع الطعام فیبعث علینا من یأمرنا بانتقاله من المکان الذی ابتعناه فیه إلی مکان سواه قبل أن نبیعه (مسلم)۔

نیز حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابو ہریرہ اور حکیم بن حزامؓ سے بھی اس مضمون کی حدیثیں مروی ہیں۔

یہ ساری احادیث جن میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے نہی وارد ہے، امام مالکؒ سے مروی ایک قول کے مطابق یہ نہی تعبدی ہے اس کی علت نہیں معلوم (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۲/۲۳۵)۔

لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ احادیث معلول بالعلۃ ہیں، چنانچہ ابن حجرؒ نے اس کی تشریح کی ہے: وفی روایة سفیان عن ابن طاؤس عند مسلم قال طاؤس قلت لابن عباس لِمَ فقال: ألا تراهم یتبایعون بالذهب و الطعام مرجأ، أی فإذا اشتری طعاما بمأة دینار مثلاً و دفعها للبائع ولم یقبض منه الطعام ثم باع الطعام لآخر بمائة و عشرین دیناراً و قبضها و الطعام فی ید البائع فکأنه باع مأة دینار بمائة و عشرین دیناراً (فتح الباری ۴/۳۴۹)۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں بھی اس کی علت کا ذکر موجود ہے، انہوں نے حضرت مروانؓ سے کہا: أحللت بیع الربا فقال ما فعلت فقال أبو هریرة أحللت بیع الصکاک و قد نهی رسول الله ﷺ عن بیع الطعام حتی یستوفی. (صحیح مسلم ۱۰/۱۷۲)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ان احادیث میں نہی کی علت "ربح مالم یضمن" کا لازم آنا ہے، واحتج الشافعی بحدیث عبد الله بن عمر قال نهی رسول الله ﷺ عن ربح مالم یضمن أخرجه الترمذی (فتح الباری ۴/۳۵۰)۔

امام مالکؒ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ ان احادیث میں نہی عن البیع قبل القبض کی علت منفعت عمال کا ضیاع ہے، کیونکہ قبضہ کی صورت میں ناپنے، تولنے یا منتقل کرنے کی اجرت عمال کو ملے گی اگر قبضہ سے قبل بیع جائز

قرار دی جائے تو اس میں ان کا نقصان ہوگا، وقد قيل في علة النهي أن في قبضه منفعة للعمال إذ ينتفعون بكيله و حمله ووزنه و غير ذلك بخلاف ما إذا بيع وهو عند صاحبه فإن ذلك يضيع تلك المنفعة (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۲/۲۳۵)۔

احناف کے نزدیک ان احادیث کی علت غرر انفساخ عقد ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر میں اس طرح ہے:

ومن اشترى شيئا مما ينقل و يحول لم يجز له بيعه حتى يقبضه لأنه عليه السلام نهى عن بيع ما لم يقبض و لأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك .

اس کی شرح میں علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

ثم علل الحديث (لأن فيه غرر انفساخ العقد) الأول (على اعتبار هلاك المبيع) قبل القبض فيتبين حينئذ أنه باع ملك الغير بغير إذنه، و ذلك مفسد للعقد، و في الصحاح أنه ﷺ نهى عن بيع الغرر (فتح القدیر ۶/۱۳۵)۔

نیز البحر الرائق میں ہے:

والغرر المنهي غرر انفساخ العقد ، والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز (البحر الرائق ۶/۱۱۶)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے عموم وخصوص کے متعلق تفصیل اور ائمہ کرام کی آراء:

۱۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ نہی خاص ہے مکیلات وموزونات کے ساتھ اور وہ اشیاء جو مکیل یا موزون نہیں ہیں ان کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہے۔

يجوز مطلقا إلا المكيل والموزون وهو قول الأوزاعي وأحمد وإسحق (فتح الباری ۴/۳۴۴)۔

نیز الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں مذروعات ومعدودات بھی مکیلات وموزونات کے ساتھ مذکور ہیں (۲/۲۳۶)۔

دلیل: ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں طعام کا ذکر موجود ہے اور اس کی وضاحت بقول صاحب مغنی اسطرح ہے کہ وہ طعام جن کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے یا تو مکیل وموزون ہوں گے یا معدود ومذروع، اس لئے یہ نہی انہیں میں منحصر ہوگی اور ان کے علاوہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت درست ہوگی۔

إن الطعام المنهي عنه عن بيعه قبل قبضه لا يكاد يخلو من كونه مكيلاً أو موزوناً أو معدوداً فيتعلق الحكم بذلك (المغنی ۴/۲۱۸)۔

۲۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قبضہ سے پہلے بیع سے ممانعت عام ہے خواہ اشیاء منقولہ ہوں یا غیر منقولہ۔

لا یجوز بیع شئ قبل قبضه مطلقا وهو قول الشافعیؒ و محمد بن الحسنؒ (فتح الباری ۲۳۵/۴)وقال الشافعیؒ: لا یصح بیع المبیع قبل قبضه سواء کان طعاما أو عقارا أومنقولا أو نقدا أو غیره (الامام النووی فی شرح صحیح مسلم ۱۶۹/۱۰)۔

دلیل: امام شافعیؒ نے تمام ان احادیث سے استدلال کیا ہے جو نہی عن البیع قبل القبض سے متعلق ہیں، نیز عبداللہ بن عباسؓ کے قول و أحسب کل شئ مثل الطعام سے، اوران احادیث سے جو "بیع مالیس عندک" اور "ربح مالم یضمن" کے متعلق ہیں، وأما عمدة الشافعیؒ فی تعمیم ذلک فی کل مبیع فعموم قوله علیه السلام : لا یحل بیع ولا سلف ولا ربح مالم یضمن ولا بیع مالیس عندک وهذا من باب بیع مالم یضمن وهذا مبنی علی مذهبه من أن القبض شرط فی دخول المبیع فی ضمان المشتری (بدایۃ المجتہد ۱۸۳/۲)۔

امام شافعیؒ نے اس حکم سے تین صورتوں کا استثناء کیا ہے جو حقیقۃً بیع نہیں ہیں بلکہ ان کی صورت اقالہ کی ہے (تفصیل کیلئے دیکھئے: الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲۳۴/۲)۔

۳۔ امام مالکؒ کے نزدیک یہ نہی صرف مطعومات کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا ان کے نزدیک غیر مطعومات کو قبضہ سے پہلے بیچنا درست ہے۔

یجوز مطلقا إلا المأکول والمشروب وهو قول مالکؒ وأبی ثور و اختیار ابن المنذر (فتح الباری ۳۳۵/۴)۔

وقال فی البدایة : وأما بیع ما سوی الطعام قبل القبض فلا خلاف فی مذهب مالک فی إجازته (بدایۃ المجتہد ۱۸۲/۲)۔

دلیل: امام مالکؒ نے انہیں احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں نہی عن بیع الطعام قبل الاستیفاء والقبض وارد ہے، اور جن کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ وہ اشیاء جو طعام کی جنس سے نہ ہوں، حکم نہی ان سے متعلق نہ ہو، اوران کا قبل القبض بیچنا درست ہو۔

أما عمدة مالک فی منعه ماعدا المنصوص علیه فدلیل الخطاب فی الحدیث المتقدم (بدایۃ المجتہد ۱۸۳/۲)۔

۴۔ احناف کے نزدیک قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں تفصیل ہے، ان کے یہاں اشیاء منقولہ کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں، **بلکہ امام محمدؒ** کے نزدیک غیر منقول کی بیع بھی قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ وامام ابویوسفؒ کے نزدیک اشیاء غیر منقولہ کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہے، وأما أبو حنیفةؒ فالقبض عنده شرط فی کل مبیع ماعدا المبیعات التی لا تنقل ولاتحول من الدور والعقار (بدایۃ المجتہد ۱۸۲/۲۔۱۸۳)۔

وقال فی الکنز : صح بیع العقار قبل قبضه لا بیع المنقول (کنز مع شرح البحر ۱۱۶/۶)۔

دلیل: احناف کا مستدل بھی وہی احادیث ہیں جن میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے نہی وارد ہے یا جن میں " نهی عن بیع مالیس عندک "یا" نهی عن بیع الغرر " وارد ہے۔

قال فی البحر : (صح بیع العقار قبل قبضه) أی عند أبی حنیفة وأبی یوسف و قال محمد لا یجوز لإطلاق الحدیث وهو النهی عن بیع مالم یقبض و قیاسا علی المنقول و علی الإجارة ، و لهما أن رکن البیع صدر من أهله فی محله ولاغرر فیه لأن الهلاک فی العقار نادر بخلاف المنقول ، والغرر المنهی غرر انفساخ العقد والحدیث معلول بدلائل الجواز . .. إلی أن قال : (لا بیع المنقول) ای لا یصح لنهیه ﷺ عن البیع مالم یقبض ولأن فیه غرر انفساخ العقد علی اعتبار الهلاک (البحر الرائق ۱۱۶/۶)۔

یعنی احناف نے جو اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں فرق کیا ہے اس کی وجہ علت احادیث ہے، یعنی غرر انفساخ عقد کا اندیشہ، اور یہ علت منقولات میں موجود ہے جبکہ اشیاء غیر منقولہ میں اس علت کا وجود نادر ہے۔

اس لئے جہاں اشیاء غیر منقولہ میں بھی اس علت کا احتمال ہوگا ، جیسے ایسی زمینیں جو دریا یا تالاب کے کنارے اور کٹاؤ پر ہوں ان زمینوں کا قبضہ سے پہلے بیچنا درست نہیں ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھئے: البنایہ فی شرح الہدایۃ للعینی ۱۳۷/۳)۔

۶۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال بظاہر اپنے قبضہ میں نہیں لیتا ، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر (۲) کو روانہ کر دیتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہونچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آئے گی اور نہ خریدار نمبر (۲) پر بلکہ یہ خریدار نمبر (۱) کا نقصان قرار پائے گا۔

اس صورت میں اگر چہ خریدار نمبر (۱) کا حسی قبضہ اس مال پر نہیں پایا گیا لیکن چونکہ وہ مال کے نقصان کی ذمہ داری قبول کر رہا ہے، اسلئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے ایسی چیز سے فائدہ اٹھایا جس کا وہ ضامن نہیں ہوا، اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایسی چیز بیچ رہا ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے کیونکہ جب بائع کی طرف سے تخلیہ ہو گیا اور اس کے نقصان کا ضامن یہ ہو گیا تو یہ خریدار نمبر (۱) اس فیکٹری کے مال پر قابض مانا جائے گا اور اب اس کے بعد خریدار نمبر (۲) کو بیچنا درست ہوگا، کیونکہ اس بیع کا عاقد خود خریدار نمبر (۱) ہے نہ کہ فیکٹری کا مالک، بلکہ فیکٹری کا مالک اس کے امر سے اس مال کو خریدار نمبر (۲) کے پاس بھیج رہا ہے، گویا خود خریدار نمبر (۱) اس مال کا بھیجنے والا ہوا۔

وکذلک لو فعل البائع شیئا من ذلک بأمر المشتری لأن فعله بأمر المشتری بمنزلة فعل المشتری بنفسه (البدائع ۲۴۶/۵)۔

قال محمدؒ کل تصرف یجوز من غیر قبض اذا فعله المشتری قبل القبض لا یجوز

وكل ما لا يجوز إلا بالقبض كالهبة إذا فعله المشترى قبل القبض جاز ويصير المشترى قابضا (شامی ۴۲/۴)۔

اور چونکہ صرف تخلیہ سے ہی قبضہ کا وجود ہو جاتا ہے اور مبیع مشتری کی ضمان میں داخل ہو جاتی ہے اسلئے ضامن ہونے کے بعد اس شخص کا خریدار نمبر (۲) کو بیچنا درست ہوگا (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)۔

۷۔ ایسی صورت میں جبکہ جہاز پر مال چڑھانے کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے اور اگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو بائع اس کا ضامن نہیں ہوتا، اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کر دیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے۔

اس صورت میں یہ بیع درست نہیں ہے کیونکہ مشتری اول کا قبضہ نہیں پایا جار ہا ہے، مال ابھی راستہ میں ہے اور اس کی بیع ایک تیسرے شخص کے ہاتھ ہو رہی ہے اور مشتری اول مال کی ہلاکت کی صورت میں اس کا ضمان بھی نہیں قبول کرتا، اس لئے علت نہی عن البیع قبل القبض نیز احتمال غرر کی بنیاد پر یہ درست نہیں ہوگی۔

نیز اس صورت میں بیع میں ایک اور خرابی بھی موجود ہے جس کا ذکر مولانا تقی عثمانی صاحب نے تکملہ فتح الملہم شرح مسلم ۳۵۴/۱ میں کیا ہے کہ اس طرح سے معمولی قیمتوں کا سامان راستے میں مختلف بیوع اور کئی منافع کی وجہ سے عوام تک سیکڑوں روپے کی قیمت تک گراں ہو کر عوام تک پہونچتا ہے، لأن كل تاجر يشتريها قبل الوصول يبيعها بربح إلى غيره و تصير الأرباح كلها بأيدى تجرة معدودين و يصير الغلاء نصيب العامة۔

لہذا ان مذکورہ بالا خرابیوں کے پیش نظر بیع کی یہ صورت درست نہیں ہے۔

هذا ما عندى والله أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے احکام

مولانا نسیم احمد قاسمی

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت فاسد ہے یا باطل؟

قبضہ سے پہلے کسی چیز کے فروخت کرنے کی ممانعت کے بارے میں جناب نبی کریم ﷺ سے مختلف احادیث وروایات مروی ہیں، بعض احادیث میں مطلقاً قبضہ سے پہلے سامان کے فروخت کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، بعض احادیث میں کھانے کی چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، حضرت امام بخاریؒ نے اپنی الجامع الصحیح میں " باب بیع الطعام قبل أن یقبض وبیع ما لیس عندک " کے تحت صرف ان احادیث کا تذکرہ کیا ہے جن میں نبی کریم ﷺ سے قبضہ سے پہلے طعام کے بیع کی ممانعت ثابت ہے، حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے:

" أما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام أن یباع حتی یقبض "

راوی حدیث ابن عباس کہتے ہیں کہ " ولا أحسب کل شیٔ إلا مثله " (فتح الباری ۴/۴۳۹) یعنی میرا خیال ہے کہ ممانعت صرف بیع طعام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دوسری اشیاء میں بھی قبل القبض بیع درست نہیں ہوگی، دوسری روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: " من ابتاع طعاماً فلا یبعه حتی یستوفیه ".

اسماعیل کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

" من ابتاع طعاماً فلا یبعه حتی یقبضه " (حوالہ سابق)۔

یعنی کوئی شخص کھانے کی کوئی چیز خریدے تو اس پر قبضہ سے پہلے اس کی بیع درست نہیں ہوگی، مختلف سندوں سے امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر کی روایات ذکر کی ہیں، مسلم شریف میں ابو ہریرہ کی روایت میں ہے:

" إن رسول الله ﷺ قال من اشتری طعاماً فلا یبعه حتی یکتاله " (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۷)۔

اور ابوداؤد شریف میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

" إذا ابتعت بیعا فلا تبعه حتی تقبضه " (ابوداؤد ۳/۲۸۳)۔

جب تم کوئی چیز خریدو تو اس کو قبضہ سے پہلے مت فروخت کرو۔

حضرت عمر فاروق کا بھی فتوی ہے کہ قبضہ سے پہلے طعام کی بیع جائز نہیں ہے، انہوں نے حکیم بن حزام سے فرمایا: " **لا تبع طعاماً ابتعته حتی تستوفیه** " (الاستذکار ۱۹/۲۶۴)۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی فتوی یہی ہے کہ قبضہ سے پہلے طعام کی بیع درست نہیں ہے (حوالہ بالا ۱۹/۲۵۴)۔

ان احادیث و آثار کی وجہ سے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک تمام منقولات میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ممنوع ہے، البتہ ایسی زمین و عقار جس کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو قبضہ سے پہلے بھی اس کی بیع جائز ہے، حضرت امام شافعی اور محمد بن الحسن شیبانی حنفی کے نزدیک ہر چیز کی بیع قبضہ سے پہلے ناجائز ہے، چاہے منقولات کی بیع ہو یا عقار کی اور چاہے طعام کی ہو یا غیر طعام کی، حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کا حکم بیع الطعام کے ساتھ خاص ہے، حضرت امام مالک کے نزدیک طعام کی بیع کیل یا وزن کے ساتھ ہو تو اس صورت میں قبل القبض اس کی بیع ممنوع ہوگی (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۰-۳۵۱)۔

اب رہا یہ سوال کہ حنفیہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے طعام یا منقولات کی بیع ناجائز ہے تو اس کا شمار ان کے نزدیک بیع کی کس قسم میں ہوگا، فاسد میں یا باطل میں؟

کتب حنفیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض فقہاء نے اسے بیع فاسد میں شمار کیا ہے، جبکہ بعض فقہاء نے اس پر بیع باطل کا بھی اطلاق کیا ہے، چنانچہ صاحب جوہرۃ النیرہ کے حوالہ سے علامہ علاء الدین الحصکفی نے درمختار میں لکھا ہے: " **بخلاف بیعه قبله فإنه باطل** "

یعنی قبضہ سے پہلے بیع باطل ہے۔

مگر صاحب درمختار نے صاحب جوہرہ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا ہے، ان کا اپنا ذاتی رجحان یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت فاسد ہے، باطل نہیں ہے، چنانچہ مواہب کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: " **وفسد بیع المنقول قبل قبضه** " انتهى

یعنی قبضہ سے پہلے منقولی اشیاء کی بیع فاسد ہے۔

عدم جواز میں چونکہ فساد اور بطلان دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اسلئے کبھی فاسد پر باطل کا بھی اطلاق کردیا جاتا ہے، علامہ ابن عابدین شامی نے فساد کے قول کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

والظاهر الثانی لأن علة الفساد الغرر کما مر مع وجود رکنی البیع و کثیراً ما یطلق الباطل علی الفاسد' (ردالمحتار ۷/۳۷۰)' یعنی فساد کا قول زیادہ مناسب و مفتی بہ ہے، اسلئے کہ علت فساد غرر ہے، یہاں پر بیع کے دونوں رکن پائے جاتے ہیں، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فاسد پر باطل کا اطلاق کردیا جاتا ہے، علامہ سید احمد الطحطاوی حنفی نے حاشیہ درمختار میں فساد کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

وهو الظاهر لأن ركني البيع وهما العوضان ثابتان وإنما جاء الفساد من جهة أخرى وهو الغرر أي غرر انفساخ العقد بهلاكه والغرر حرام وكثيراً ما يطلق الباطل على الفاسد (حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار ۱۰۰/۳)

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو بیع فاسد قرار دیا ہے چنانچہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

قبل القبض فتبين حينئذ أنه باع ملك الغير بغير إذنه و ذلك مفسد للعقد وفي الصحاح أنه ﷺ نهى عن بيع الغرر (فتح القدیر ۱۳۶/۶)۔

یعنی قبضہ سے پہلے ملک غیر کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کیا جاتا ہے جو مفسد عقد ہے، اور صحاح میں نبی کریم ﷺ سے بیع غرر کی ممانعت ثابت ہے۔

قبضہ کی حقیقت:

علامہ ابن ہمام حنفی نے قبضہ کی حقیقت کے بارے میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''قبضہ اور مبیع کی حوالگی وسپردگی کا مفہوم یہ ہے کہ مشتری (خریدار) اور خریدے ہوئے سامان کے درمیان اسی طرح تخلیہ کردیا جائے کہ خریدار کیلئے بغیر کسی رکاوٹ اس پر قبضہ کرنا ممکن ہو، اور یہی مفہوم ثمن کی حوالگی کا ہے''۔

اور وبری سے منقول ہے کہ اگر کسی مکان میں خریدے گئے سامان تجارت کے ساتھ بائع کے سامان کے علاوہ کسی دوسرے کا سامان ہو تو وہ قبضہ کے حق میں مانع ہوگا، پس اگر اسے قبضہ کی اجازت دے دی جائے تو قبضہ صحیح ہوجائے گا اور سامان بائع کے پاس بحکم ودیعت ہوگا، کپڑے میں قبضہ کی صورت یہ ہے کہ خریدار اسے اپنے ہاتھ میں لے لے، یا اگر کپڑا زمین پر رکھا ہوا اور بائع مشتری سے یہ کہے کہ میں نے تمہارے اور کپڑے کے درمیان تخلیہ کردیا ہے، پس اس پر قبضہ کرلو، اور خریدار نے اس کے جواب میں کہا میں نے قبضہ کرلیا تو اسے شرعاً قبضہ قرار دیا جائے گا، اور اگر کسی مکان میں رکھے ہوئے گندم کو خریدا گیا اور بائع نے مشتری کو اس مکان کی کنجی دیتے ہوئے کہا کہ میں نے تمہارے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردیا تو اسے شرعاً قبضہ قرار دیا جائے گا (فتح القدیر ۴۹۶/۵)۔

علامہ علاء الدین حصکفی صاحب درمختار نے قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''پھر قبضہ اور سامان کی سپردگی ایسے تخلیہ سے عمل میں آئے گی جس میں مشتری کیلئے مبیع پر قبضہ کرنا کسی رکاوٹ کے بغیر ممکن ہو'' (درالمختار ۵۶۱/۴۔۵۶۲)۔

علامہ شامی کی صراحت کے مطابق تخلیہ بھی حکماً قبضہ ہے، بشرطیکہ تخلیہ کے بعد مبیع پر کسی مانع کے بغیر قبضہ و تصرف ممکن ہو (حوالہ بالا)۔

فقیہ طاہر بن عبدالرشید نے خلاصۃ الفتاوی کی کتاب البیوع میں ایک باب ہی اس عنوان سے قائم کیا ہے :'' فيما يكون قبضاً وفيما لا يكون '' اس باب کے تحت انہوں نے قبضہ کی حقیقت واصلیت پر روشنی ڈالتے

ہوئے لکھا ہے کہ:

'' تجرید میں مبیع پر قبضہ کے باب میں لکھا ہے کہ سامان پر قبضہ اور اس کی سپردگی کی صورت یہ ہے کہ بائع سامان اور مشتری کے درمیان اس طرح تخلیہ کردے کہ کسی رکاوٹ کے بغیر خریدار کیلئے اس پر قبضہ ممکن ہو، اور اسی طرح ثمن کی سپردگی ہوگی، اجناس میں ہے کہ سامان کی حوالگی کیلئے تین چیزیں معتبر ہیں: ۱۔ بائع خریدار سے کہے کہ میں نے سامان اور تمہارے مابین تخلیہ کردیا، ۲۔ مبیع خریدار کے پاس اس طرح ہو کہ اگر وہ اس میں کوئی تصرف کرنا چاہے تو کسی مانع کے بغیر کرسکے، ۳۔ مبیع حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں نے تمہارے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردیا ہے اس پر قبضہ کرلو..... (خلاصۃ الفتاوی ۸۹/۳)۔

فتاوی ہندیہ میں بیع جائز میں تخلیہ کو قبضہ تسلیم کرنے پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے: '' واجمعوا علی أن التخلیة فی البیع الجائز تکون قبضاً (فتاوی ہندیہ ۱۶/۳)۔

البتہ بیع فاسد کی صورت میں تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا یا نہیں، اس میں دو روایت ہے مگر اس میں بھی مفتی بہ قول یہی ہے کہ تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا۔ '' والصحیح أنها قبض '' (حوالہ سابق)۔

قبضہ کی حقیقت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

'' سامان کی حوالگی اور قبضہ کی صورت یہ ہے کہ مبیع اور مشتری کے درمیان اس طرح تخلیہ کردیا جائے کہ کسی رکاوٹ کے بغیر مشتری کیلئے اس سامان پر قبضہ ممکن ہو'' (حوالہ بالا)۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک چاہے منقولات کی بیع ہو یا عقار کی، ہر صورت میں تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا: '' وقال أبو حنیفة رحمه الله القبض فی الجمیع التخلیة '' (حلیۃ الاولیاء ۸۲/۴)۔

ان عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ اور سامان کی حوالگی کا مطلب یہ ہے کہ خریدار اور مبیع کے درمیان ایسا تخلیہ کردیا جائے کہ اگر وہ اپنے خریدے ہوئے سامان میں کوئی تصرف کرنا چاہے تو کرسکے، اب رہا یہ سوال کہ ہر چیز کا قبضہ ایک ہی نوعیت کا ہوگا یا اشیاء کی نوعیت کے لحاظ سے قبضہ کی حقیقت ونوعیت بدلتی رہے گی، تو اس سلسلہ میں یہ تفصیل ہے۔

اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کا فرق:

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے صراحت کی ہے کہ ہر چیز کا قبضہ اس کی نوعیت کے لحاظ سے ہوگا: '' وقبض کل شئی بحسبه '' (المغنی ۱۲۵/۴)۔

مکیلی یا موزونی اشیاء اگر کیل یا وزن کے ساتھ فروخت کی جائیں تو ان میں کیل یا وزن ہی کے ذریعہ قبضہ معتبر ہوگا، حضرت امام شافعی کی یہی رائے ہے، حضرت امام ابوحنیفہ ہر چیز کی بیع میں تخلیہ کو قبضہ کے حکم میں تسلیم کرتے ہیں (المغنی لابن قدامہ ۱۲۵/۴)۔

محدث ظفر عثمانی صاحب اعلاء السنن نے شرح الوجیز کے حوالہ سے قبضہ کی حقیقت وکیفیت اور ہر چیز کی

نوعیت کے لحاظ سے قبضہ کی نوعیت کا فرق ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

۱۔ اگر مبیع ان چیزوں کے قبیل سے ہو جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے جیسے اراضی (عقار) مکانات، تو ایسی چیزوں کا قبضہ ایسے تخلیہ کے ذریعہ عمل میں آئے گا جس کے نتیجہ میں خریدار کو مبیع پر قبضہ اور تصرف کا حق حاصل ہو جائے، مثلاً بائع کہے کہ میں نے تمہارے اور مکان کے درمیان تخلیہ کر دیا ہے تم جس قسم کا چاہو اس میں تصرف کرو، تو یہ تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا۔

۲۔ اور اگر مبیع منقولات کے قبیل سے ہو تو مذہب مشہور یہ ہے کہ اس میں تخلیہ کافی نہیں ہوگا بلکہ سامان کو منتقل کرنا ضروری ہوگا، امام احمد کا یہی قول ہے، حضرت امام مالک اور امام ابوحنیفہ عقار ہی کی طرح بیع منقولات میں بھی تخلیہ کو قبضہ تسلیم کرتے ہیں (اعلاء السنن ۱۴/۲۳۱)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے مختلف اشیاء کے قبضہ کی نوعیت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ہر چیز کا قبضہ اسی کی نوعیت کے لحاظ سے ہوگا، کیلی یا وزنی چیزیں کیل یا وزن کے ذریعہ فروخت کی جاتی ہیں تو ان کا قبضہ کیل یا وزن کے ذریعہ متحقق ہوگا، امام شافعی کی یہی رائے ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی بیع میں بھی تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا، ابوالخطاب نے امام احمد سے دوسری روایت یہ نقل کی ہے کہ ہر چیز کی بیع میں تخلیہ مع التمیز قبضہ کے حکم میں ہوگا'' (المغنی ۴/۱۲۵)۔

امام نووی صاحب المجموع شرح المہذب نے تحریر کیا ہے کہ:

قبضہ میں اصل عرف ہے (۹/۲۷۶) (لہذا جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے گا وہی شرعاً بھی اس کے حق میں قبضہ مانا جائے گا)۔

ہر چیز کی نوعیت کے لحاظ سے قبضہ کی نوعیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

۱۔ عقار مثلاً زمین، مکانات اور درختوں پر پھل کی بیع کی صورت میں تخلیہ کے ذریعہ قبضہ کا تحقق ہوگا۔

۲۔ جو چیزیں عرف و عادت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاتی ہیں، مثلاً درخت کی لکڑیاں، حبوب (اناج) مچھلیاں اور اس قسم کی دیگر چیزیں، تو ایسی چیزوں کی بیع کی صورت میں قبضہ اس وقت تسلیم کیا جائے گا جب اسے ایسی جگہ منتقل کر دیا جائے جہاں بائع کا عمل دخل نہ ہو، چاہے بائع کی ملکیت میں منتقل کر دیا جائے، یا عام راستہ یا مسجد یا کسی اور جگہ۔

۳۔ جو چیزیں ہاتھ میں لے کر قبضہ کی جاتی ہیں مثلاً درہم و دینار، کرنسی نوٹ، رومال، کپڑے، برتن، کتاب وغیرہ تو ان چیزوں میں اسی وقت قبضہ تسلیم کیا جائے گا جب بائع سے سامان مشتری اپنے ہاتھ میں لے لے (المجموع شرح المہذب ۹/۲۷۶)۔

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے لحاظ سے فرق ہوگا، اشیاء منقولہ میں نقل و تحویل کے ذریعہ قبضہ کا تحقق ہوگا، عقار اور غیر منقولہ اشیاء میں تخلیہ ہی قبضہ قرار پائے گا، اور جو چیزیں

ہاتھ میں لے کر مقبوض سمجھی جاتی ہیں، ان میں تناول بالید کے بعد ہی قبضہ کا تحقق ہوگا، اور کیلی ووزنی اشیاء میں کیل اور وزن کے ذریعہ قبضہ متحقق ہوگا، علامہ انور شاہ کشمیری نے قبضہ کی حقیقت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:" واعلم أن القبض يختلف في الأشياء حسب اختلافها في أنفسها " (انوار محمود ۲/۳۳۷)۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں :

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث محدثین وفقہاء کے نزدیک معلول بالعلۃ ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ مشہور حنفی عالم شیخ الاسلام برہان الدین المرغینانی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ہدایہ میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی احادیث کو معلول بالعلۃ قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز (فتح القدیر ۶/۴۷۴)۔

یعنی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی حدیث معلول بالعلۃ ہے کیونکہ بیع عقار دلائل کی وجہ سے جائز ہے۔

علامہ ابن الہمام نے "معلول بہ" کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:" والحديث الذي استدل (معلول به) أي بغرر الانفساخ ".

اور علت غرر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں نہی کی علت غرر انفساخ کی دلیل یہ ہے کہ وہ تصرف جس میں احتمال غرر نہ ہو وہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں نافذ ہوتا ہے، مثلاً غلام کو آزاد کرنا، والدليل عليه أن التصرف الذي لا يمتنع بالغرر نافذ في المبيع قبل القبض وهو العتق (حوالہ بالا)۔

اور صاحب البنایہ نے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی حدیث کو معلول بالعلۃ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"والحديث معلول به أي بغرر انفساخ العقد فيما قبل القبض بهلاک المعقود عليه فيكون مخصوصاً بالمنقول ألا ترى أنه يجوز الإعتاق قبل القبض والوصية " (البنایہ شرح الہدایہ ۶/۵۰۹)۔

یعنی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی حدیث علت غرر انفساخ عقد کی وجہ سے معلول بہ ہے کیونکہ قبل القبض معقود علیہ کے ہلاک ہونے کا احتمال رہتا ہے، لہذا یہ حدیث منقول کے ساتھ خاص ہوگی، یہی وجہ ہے کہ قبل القبض اعتاق اور وصیت جائز ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری نے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی حدیث کو معلول بالعلۃ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"والغرر المنهي غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملاً بدلائل الجواز " (البحر الرائق ۶/۱۲۶)۔

یعنی وہ غرر جس کی ممانعت کی گئی ہے وہ انفساخ عقد کا غرر ہے، دلائل جواز کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے اسلئے کہ اس کی بیع میں علت غرر نہیں ہے۔

اوجزالمسالک شرح مؤطاامام مالک میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

" لأن النهي معلول بغرر انفساخ العقد بخوف الهلاک " (۱۱/۲۰۰)۔

صاحب اعلاء السنن نے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث کو معلول بالعلۃ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے علت کی نہی کی وجہ سے نصوص کو منقول کے ساتھ خاص کیا ہے اور علت نہی اندیشہ ہلاکت سے انفساخ عقد کا غرر ہے (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۴)۔

علامہ تقی عثمانی نے بھی تکملہ فتح الملہم میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث کو معلول بالعلۃ قرار دیا ہے، چنانچہ لکھا ہے:

" والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به بدلائل الجواز (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۳)۔

مذکورہ بالا اقوال وعبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں اور علت نہی غرر انفساخ عقد ہے، یعنی چونکہ قبضہ سے پہلے سامان خریدار کے پاس نہیں آتا ہے تو اس کا احتمال اور اندیشہ رہتا ہے کہ کسی وجہ سے سامان (مبیع) بائع کے پاس ہلاک ہوجائے، اور مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے عقد کو فسخ کرنا پڑ جائے، اگر خریدار قبل القبض بیع کرتا ہے تو وہ ایسے سامان کا نفع حاصل کرتا ہے جو ابھی تک اس کے ضمان میں نہیں آیا ہے، اور حدیث میں "ربح مالم یضمن" سے ممانعت کی گئی ہے۔

منقولی اشیاء میں اندیشۂ ہلاکت کی وجہ سے فسخ بیع کا احتمال بلکہ ظن غالب رہتا ہے، اسلئے حضرت امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ممانعت کی احادیث بیع منقول کے ساتھ خاص ہیں، عقار (اراضی) میں اندیشۂ ہلاکت شاذ ونادر ہی رہتا ہے، اسلئے قبضہ سے پہلے بھی ان دونوں حضرات نے عقار کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، البتہ اگر بیع عقار میں بھی اندیشۂ ہلاکت کی وجہ سے غرر انفساخ عقد ہو تو عقار میں بھی علت نہی کی وجہ سے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ممنوع ہوگی، مثلاً کوئی زمین دریا کے کنارے واقع ہو اور پانی کے بہاؤ کے نتیجہ میں اس کے دریا میں ضم ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ایسی زمین میں بھی قبل القبض بیع جائز نہیں ہوگی، چنانچہ تکملہ فتح الملہم میں ہے:

" إن العلة في النهي عن بيع المبيع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح مالم يضمن وإنما يضمن الإنسان ما يخاف فيه الهلاک ، وأما العقار فلا يخشى فيه ذلک إلا نادراً حتى لو كان العقار على شط البحر أو كان المبيع علواً لا يجوز بيعه قبل القبض " (حوالہ سابق)۔

یعنی بیع قبل القبض کی علت یہ ہے کہ ایسی صورت میں انسان ایسی چیز کا نفع حاصل کرتا ہے جو اس کے ضمان میں نہیں ہے، اور انسان اسی چیز کا ضمان قبول کرتا ہے جس میں اندیشۂ ہلاکت ہو، زمین میں شاذ ونادر ہی اندیشۂ ہلاکت رہتا ہے، پس اگر کوئی زمین لب دریا ہو یا مبیع مکان کا اوپری حصہ ہو تو قبضہ سے پہلے اس کی بیع درست نہیں ہوگی، حضرت

امام ابوحنیفہ اوران کے ممتاز شاگرد امام ابو یوسف نے علت نہی کا اعتبار کرتے ہوئے بیع منقول میں علی الاطلاق قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کوممنوع قرار دیا،عقار کی بیع میں چونکہ علت نہی نہیں پائی جاتی ہے اسلئے اسے جائز قرار دیا،البتہ اگر عقار کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں بھی علت غرر موجود ہوتو وہ بھی ناجائز قرار پائے گی۔

غرر کی تعریف اور حقیقت:

جناب نبی کریم ﷺ سے بیع غرر کی ممانعت ثابت ہے'' غرر کا لغوی مفہوم، خطر، دھوکہ کسی چیز کو معرض ہلاکت میں ڈالنا ہے۔اصطلاح فقہاء میں غرر کی تعریف'' ما یکون مستور العاقبة (مبسوط۱۲/۱۹۴) سے کی گئی ہے،فقہاء احناف نے غرر کی یہ تعریف کی ہے:

''الغرر ما یکون مجھول العاقبة لا یدری أیکون أم لا (تعریفات/۱۴۱) بابرتی نے غرر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے '' الغرر ما طویٰ عنک علمه '' (العنایہ۵/۱۹۲) غرر وہ ہے جس کا علم تم سے پوشیدہ ہو،صاحبؒ فتح القدیر نے بھی غرر کی یہی تعریف کی ہے(۶/۱۳۶)۔

امام قرافی مالکی نے لکھا ہے:

''اصل غرر یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں یہ علم نہ ہو کہ وہ حاصل ہوگی یا نہیں؟ جیسے ہوا میں اڑنے والا پرندہ یا پانی میں مچھلی،اگر کوئی شخص فضا میں پرواز کرنے والے پرندہ یا پانی میں مچھلی کی بیع کرتا ہے تو یہ بیع غرر ہے کیونکہ پرندہ یا مچھلی کا قبضہ میں آنا موہوم ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے مجھول العاقبۃ سے غرر کی تعریف کی ہے،علامہ ابن القیم کے نزدیک غرر سے مراد وہ چیز ہے جس کی سپردگی اور حوالگی پر قدرت حاصل نہ ہو، چاہے وہ چیز موجود ہو یا معدوم، جیسے بھگوڑے یا سرکش اونٹ کی بیع۔

ان تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ بیع غرر سے مراد وہ بیع ہے جس میں دھوکہ ہو اور دھوکہ فریقین میں سے کسی کو لاحق ہو جس سے اس کے مال کے ضیاع کا اندیشہ ہو۔

بیع غرر کے ممنوع ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے، بیع غرر کی مختلف صورتیں ہیں،مثلاً جانور کے تھن میں دودھ کی بیع، جانور کی پشت پر بال اور اون کی بیع، جانور کے حمل کی بیع، پانی میں مچھلی اور فضا میں اڑنے والے پرندہ کی بیع میں غرر کثیر پایا جاتا ہے،اسلئے یہ بیع جائز نہیں ہے۔

البتہ غرر یسیر کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے،حنفیہ کے نزدیک ان چیزوں کی بیع درست ہے جن میں غرر یسیر ہوتا ہے، جیسے کیلا، اخروٹ، اور باقلاء کی بیع چھلکے کے ساتھ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی غرر یسیر کی صورت میں بیع جائز ہے،غرر متوسط کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے،بعض حضرات نے اسے غرر یسیر کے ساتھ اور بعض فقہاء نے اسے غرر کثیر کے ساتھ شامل کیا ہے(الفقہ الاسلامی وادلتہ۴/۴۴۰)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے بارے میں علماء کی آراء اوران کے دلائل:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت سے متعلق دوقسم کی احادیث ہیں، بعض احادیث میں مطلقاً قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے ممانعت کی گئی ہے، ان احادیث کا تقاضہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عام ہے چاہے بیع منقول ہو یا بیع عقار، ہر دوصورت میں مبیع پر قبضہ سے پہلے صرف طعام (کھانے کی اشیاء) کی بیع سے ممانعت کی گئی ہے، اب رہا یہ سوال کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی احادیث کوممانعت پرمحمول کرتے ہوئے ہر قسم کی بیع میں بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم لگایا جائے، یا مطلق احادیث کومقید احادیث پرمحمول کرتے ہوئے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کا حکم صرف بیع طعام کے ساتھ خاص رکھا جائے گا۔ فقہاء کی ایک جماعت نے مطلق احادیث کومقید پرمحمول کرتے ہوئے صرف بیع طعام کو قبضہ سے پہلے ممنوع قرار دیا، جبکہ بعض فقہاء نے دونوں قسم کی احادیث پرغور وفکر کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ یہ احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت کی علت غرر انفساخ عقد ہے یعنی اندیشۂ ہلاکت کی وجہ سے عقد کے فسخ ہوجانے کا احتمال رہتا ہے، لہذا جہاں بھی علت غرر پائی جائے گی وہاں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ممنوع ہوگی، اور جہاں یہ علت نہیں پائی جائے گی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت درست ہوگی۔

قبضہ سے پہلے بیع طعام کی ممانعت کے بارے میں اہل علم کا اجماع ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے ابن المنذر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"أجمع أهل العلم على أن من اشترى فليس له أن يبيعه حتى يستوفيه" (المغنی ۱۲۲/۴)۔

بیع طعام کے علاوہ دوسری چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے بارے میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے، علامہ نووی نے المجموع شرح المہذب میں ائمہ کے چار مذاہب نقل کئے ہیں:

۱۔ بیع طعام ہی کی طرح قبضہ سے پہلے کسی بھی چیز کی بیع جائز نہیں ہے، حضرت امام شافعی اور حنفیہ میں سے امام محمد بن حسن شیبانی کی یہی رائے ہے۔

۲۔ مکیلی اور موزونی اشیاء کے علاوہ قبضہ سے پہلے ہر چیز کی بیع جائز ہے، حضرت عثمان بن عفان، سعید بن المسیب، حسن، حکم، حماد، اوزاعی، احمد بن حنبل اور اسحاق کا یہی مسلک ہے۔

۳۔ مکانات اور اراضی کے علاوہ قبضہ سے پہلے کسی بھی چیز کی بیع جائز نہیں ہے، البتہ قبضہ سے پہلے مکانات اور اراضی کی بیع درست ہے، حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی یہی رائے ہے۔

۴۔ ماکول (کھانے کی چیزیں) اور مشروب (پینے کی چیزیں) کے علاوہ قبضہ سے پہلے ہر چیز کی بیع درست ہے، امام مالک اور ثور کا یہی مسلک ہے، ابن المنذر نے اس رائے کو "اصح المذاہب" قرار دیا ہے (المجموع ۲۷۰/۹)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے فقیہ البتی کی رائے یہ نقل کی ہے کہ ان کے نزدیک قبضہ سے پہلے ہر چیز کی بیع

درست ہے، مگر علامہ ابن عبد البر نے احادیث اور اجماع امت کی وجہ سے اس قول کو مردود قرار دیا ہے (المغنی ۴/۱۲۷)۔

وجوہ دلائل:

امام شافعی، محمد بن الحسن، ابن عقیل اور ان کے ہم خیال فقہاء نے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کے عموم پر مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

۱۔ امام ابوداؤد نے حضرت زید بن ثابت سے یہ حدیث نقل کی ہے:

إن رسول الله ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۲) یعنی جناب نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ جس جگہ سے سامان خریدا جائے اسی جگہ اسے فروخت کردیا جائے، الا یہ کہ تجار اس سامان کو اپنے گھروں میں منتقل کرلے، تو پھر ایسی صورت میں بیع جائز ہوگی۔

اس حدیث میں مطلقاً قبضہ سے پہلے سامان فروخت کرنے سے ممانعت کی گئی ہے، قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کو صرف بیع طعام کے ساتھ محدود نہیں رکھا گیا، امام شافعی اور ان کے ہم مسلک فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قبضہ سے پہلے ہر چیز کی بیع کو ممنوع قرار دیا ہے۔

۲۔ حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میں مختلف چیزیں خریدتا ہوں تو اس میں سے میرے لئے حلال وحرام کی وضاحت فرمائیں، آپ نے فرمایا: اے بھائی کے بیٹے! قبضہ سے پہلے کسی چیز کو مت فروخت کرو، اور جب تم کوئی چیز خریدو تو اسے قبضہ سے پہلے مت بیچو (حوالہ بالا)

اس حدیث میں بھی قبضہ سے پہلے مطلقاً بیع کی ممانعت کی گئی ہے۔

۳۔ عبداللہ بن عمرو سے منقول ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا يحل سلف و بيع ولا شرطان في بيع ولا ربح مالم يضمن ولا بيع ماليس عندك"۔

اس حدیث میں ربح مالم یضمن یعنی ایسی چیزوں پر نفع لینے سے منع کیا گیا ہے جو خریدار کے ضمان میں نہ آئی ہو، بیع مالم یقبض کے فاسد اور ممنوع ہونے کی علت یہی ہے کہ اس میں ربح مالم یضمن لازم آتا ہے، جس کی ممانعت کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک مبیع پر خریدار قبضہ نہ کرلے اس وقت تک مبیع اس کے ضمان میں نہیں آئے گی، اگر وہ اسے قبل القبض فروخت کردیتا ہے تو ربح مالم یضمن لازم آتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے، حضرت امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے بھی انہیں دلائل سے استدلال کیا ہے، البتہ ان حضرات نے بیع عقار کو علت نہی کے نہ ہونے کی وجہ سے نہی کے عموم سے خارج کیا ہے، کیونکہ بیع عقار کی صورت میں علت نہی غرر انفساخ عقد نہیں پائی جاتی ہے، قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی صورت میں اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ کسی وجہ سے مبیع بائع کے پاس ہلاک

اورعقد کو فسخ کرنے کی نوبت آجائے، اس صورت میں اگر خریدار اس چیز کو فروخت کر کے نفع حاصل کرتا ہے، تو وہ ایسی چیز سے نفع حاصل کرنے والا قرار پائے گا جو اس کے ضمان میں نہیں آئی ہے، ایسی صورت کو حدیث میں ربح مالم یضمن سے تعبیر کیا گیا ہے، غور کیا جائے تو یہ علت غرر صرف بیع منقول کی صورت میں پائی جائے گی، کیونکہ منقولات میں اندیشۂ ہلاکت کی وجہ سے غرر انفساخ عقد کا صرف احتمال ہی نہیں بلکہ ظن غالب رہتا ہے، عقار میں اندیشۂ ہلاکت شاذ و نادر ہی رہتا ہے، اسلئے غرر انفساخ عقد کا احتمال نہیں ہے، البتہ عقار میں بھی علت غرر کے پائے جانے کی صورت میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت درست نہیں ہوگی، چنانچہ علامہ ابن الہمام نے بیع عقار کے جواز کی دلیل پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

" والمانع المشیر للنهی وهو غرر الانفساخ بالهلاک منتف (فإن هلاک العقار نادر) والنادر لا عبرة به ولا یبنی الفقه باعتباره فلا یمنع الجواز "(فتح القدیر ۶/۱۳۸)۔

اگر کوئی زمین لب دریا ہو اور پانی کے بہاؤ کے ساتھ اس زمین کے دریا میں شامل ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں علت نہی کے پائے جانے کی وجہ سے قبضہ سے پہلے اس کی بیع درست نہیں ہوگی، قبضہ سے پہلے بیع عقار کا جواز حضرت عثمان اور طلحہؓ سے عملاً ثابت ہے (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۹)۔

حنابلہ نے اپنے مسلک پر حضرت ابن عباس کی حدیث "من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه" سے استدلال کیا ہے، اسی طرح حضرت ابن عمر کی اس حدیث سے بھی حنابلہ نے استدلال کیا ہے کہ: ابن عمر کہتے ہیں کہ میں بقیع میں دنانیر کے ذریعہ اونٹ فروخت کرتا تھا اور دنانیر کے عوض دراہم وصول کرتا، اسی طرح دراہم کے عوض اونٹ فروخت کرتا اور دراہم کی جگہ دنانیر وصول کرتا، میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: قیمت میں ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۱)۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن عمر نے قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف کیا اور آپؐ نے اسے جائز قرار دیا، ثمن عوضین میں سے ایک عوض ہے، جب ثمن میں قبل القبض تصرف جائز ہے، تو مبیع میں بھی قبل القبض تصرف جائز ہونا چاہئے، مگر چونکہ بیع طعام کی صورت میں قبضہ سے پہلے نہی وارد ہوئی ہے، اسلئے ہم بیع طعام کو قبل القبض جائز نہیں مانتے ہیں۔

مگر حنابلہ کا حضرت ابن عمر کی حدیث سے استدلال اس وجہ سے درست نہیں ہے کہ اس حدیث میں صرف استبدال ثمن کا تذکرہ ہے قبضہ سے پہلے، ثمن کی بیع کا تذکرہ نہیں ہے، اور استبدال ثمن کے جواز میں حنفیہ کا بھی اتفاق ہے، کیونکہ اس میں اندیشہ ہلاکت کی وجہ سے غرر انفساخ عقد نہیں پایا جاتا ہے۔

مالکیہ نے ابن عمر کی مندرجہ ذیل روایت سے استدلال کیا ہے:

" من ابتاع طعاماً فلا یبعه حتی یقبضه "، رواہ البخاری، ان ہی سے دوسری روایت منقول ہے:

" لقد رأیت الناس فی عهد رسول الله ﷺ یتبایعون جزافاً یعنی الطعام " فضربوا أن

يبيعوه في مكانهم حتى يؤووه إلى رحالهم ۔اسی طرح حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے:" أما الذی نهى عنه النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض، قال ابن عباس: وأحسب كل شئ مثله (حوالہ سابق)۔

مالکیہ کا کہنا ہے کہ ان احادیث میں قبضہ سے پہلے بیع طعام کی صراحت اس بات کی دلیل ہے کہ غیر طعام کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہوگی، مالکیہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے بیع طعام کی نہی کی علت یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت بسا اوقات ربا النسیئہ کا ذریعہ بن جائے گا اسلئے سدًا للذریعۃ اسے ممنوع قرار دیا گیا، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک علت نہی غرر ہے۔

۶۔قبضہ سے پہلے مال فروخت کرنا:

سوال سے واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی فیکٹری کے مالک سے مال خریدتا ہے اور اس پر قبضہ سے پہلے اور سامان کو اپنی تحویل میں لینے سے پہلے ہی اسی سامان کو کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے، جس وقت اس نے اپنے خریدے ہوئے مال کا معاملہ دوسرے شخص سے طے کیا، اس وقت سامان اس کے قبضہ میں نہیں آیا تھا، اور قبضہ میں نہیں آنے کی وجہ سے اس کے ضمان میں بھی نہیں آیا بلکہ بائع اول ہی کے قبضہ وضمان میں رہا، پھر جب اس نے مشتری ثانی سے معاملہ طے کرلیا تو بائع اول فیکٹری کے مالک سے یہ کہا کہ میں نے جو سامان خریدا ہے وہ سامان براہ راست میرے پاس بھیجنے کے بجائے مشتری ثانی کے پاس روانہ کردو، تو جب سامان بائع اول کی ملکیت اور قبضہ سے نکل کر مزدور کے حوالہ یا سامان اٹھانیوالی گاڑی پر رکھا گیا، تو یہ سامان بائع اول کے ضمان سے نکل کر مشتری اول کے ضمان میں داخل ہوگیا اور جب تک مشتری ثانی اس پر قبضہ نہ کرے اسی کی ضمان میں رہے گا، ایسی صورت میں چونکہ معاملہ طے کرتے وقت "مال" مشتری اول کے قبضہ میں نہیں تھا (اگرچہ بعد میں آگیا) اسلئے یہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی صورت ہے، جس میں ربح مالم یضمن لازم آتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے، لہذا میرے نزدیک یہ عقد معاملہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے، اگر مشتری اول کی اجازت اور رضامندی سے مشتری ثانی اس پر قبضہ کرلے تو اس کا مالک قرار پائے گا، اور اس پر تصرف کرنا اس کیلئے جائز ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

" وإذا قبض المشتری المبيع في البيع الفاسد بأمر البائع وفي العقد عوضان كل واحد منهما مال ملك المبيع (ہدایہ علی ہامش فتح القدیر ۹۲/۶)۔

البتہ اگر یہ شکل ہو کہ خریدار اول بائع اول مالک کی فیکٹری سے مال خریدلے، اور مالک فیکٹری اس کے درمیان اور مال کے درمیان تخلیہ کردے کہ وہ اپنے مال میں تصرف کرسکے، تو محض تخلیہ کی وجہ سے بھی اس کا قبضہ تسلیم کرلیا جائے گا، یا قبضہ حکمی کسی اور طرح ہوجائے اس کے بعد خریدار اول دوسرے کے ہاتھ مال فروخت کرے تو یہ صورت بلا شبہ جائز ہوگی۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت کی ایک مخصوص صورت:

سوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بین الاقوامی تجارت میں شپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے اور فروخت کیا ہوا مال اس کے قبضہ اور ضمان سے نکل جاتا ہے، اس صورت میں اگر درمیان میں مشتری تک پہونچنے سے پہلے مال ضائع ہو جائے تو بائع اس کا ضامن نہیں ہوتا ہے، گویا صورت مسئلہ یہ ہوئی کہ ایک شخص نے کسی کے ہاتھ اپنا سامان فروخت کیا، سامان کی فروختگی کے بعد اس نے مشتری کی ہدایت کے مطابق مال بردار جہاز کے حوالہ سامان کردیا، لہذا اب وہ سامان اس کے قبضہ وضمان سے نکل کر مشتری کے قبضہ وضمان میں داخل ہو جائے گا، میرے نزدیک جہاز کے عملہ کا قبضہ جن کی حیثیت مشتری کے اجیر کی ہے مشتری جو مستاجر ہے، کا قبضہ قرار پائے گا، اور اس طرح سے وہ سامان مشتری اول کے قبضہ وضمان میں آجائے گا، مملوک اور مقبوض ہونے کی وجہ سے اس سامان پر مشتری اول کو تصرف کا حق حاصل ہوگا، چاہے وہ اسے فروخت کردے یا کسی کو ہبہ کردے۔

پس جب مشتری اول نے جہاز پر سوار مال کو مقبوض ومملوک ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیا تو یہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت نہیں ہوگی بلکہ بیع مملوک ومقبوض ہونے کی وجہ سے جائز ودرست ہوگی، اور معاہدہ بیع کے مکمل ہو جانے کے بعد جب مشتری اول مشتری ثانی سے مال کی قیمت وصول کر کے اپنی ملک وقبضہ ختم کردے گا تو اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ جہاز کا عملہ مشتری ثانی کے اجیر ہو گئے اور اب ان کی اجرت کی ادائیگی مشتری ثانی کے ذمہ واجب ہوگی، اور جہاز کے عملہ کا اس مال پر قبضہ مشتری ثانی کا قبضہ تصور کیا جائے گا اور جب مشتری ثانی کا قبضہ اس پر تسلیم کرلیا گیا تو مال بھی اس کے ضمان میں آگیا، لہذا اگر مشتری ثانی کے مال وصول کرنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو مشتری ثانی کا مال ضائع ہوگا، نہ کہ مشتری اول کا، فتاوی ہندیہ میں اجیر کے قبضہ کو مستاجر کا قبضہ تسلیم کیا گیا ہے۔

"إلا أن يقول استأجر على من يحمله فقبض الأجير يكون قبض المشترى" (فتاوی ہندیہ ۱۹/۳)۔



قبضہ سے پہلے بیع وشراء کا حکم

مولانا محمد زید مظاہری ندوی

۱۔ احادیث صحیحہ (مصنف عبد الرزاق ۸/۳۹، مسلم شریف، ابوداؤد وغیرہ) کی وجہ سے تمام ائمہ اور اہل علم اس پر متفق ہیں کہ مشتری کیلئے قبضہ سے پہلے اس کی بیع ناجائز ہے، اور یہ ایک ایسا اجماعی مسئلہ ہے کہ صحابہ اور اہل علم میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں، البتہ عثمان بتی سے اس کا جواز منقول ہے لیکن تمام علماء نے ان کے قول کو مردود قرار دیا ہے۔

لا يجوز للمشتري بيع أي شئ كائنا ما كان حتى يقبضه وهو قول جابر ولا يعرف مخالف في الصحابة ولا خلاف فيه بين أهل العلم إلا ما حكى عثمان البتي من جواز البيع كل شئ قبل قبضه وهو قول مردود (موسوعۃ الفقہ الاسلامی ۱/۱۸۳)۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہ قول سنت اور اجماعی مسئلہ کی دلیل سے بالکل مردود ہے، ایسے قول کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا جائے گا۔

قال ابن عبد البر هذا قول مردود بالسنة والحجة المجمعة على الطعام وأظنه لم يبلغه هذا الحديث ومثل هذا لم يلتفت (المغنی ۴/۱۱۳، تکملۃ فتح الملہم شرح مسلم)۔

اب رہی یہ بات کہ قبل القبض بیع بیع فاسد ہے یا باطل؟ تو امام شافعیؒ کے نزدیک تو بیع فاسد و باطل میں کوئی فرق ہی نہیں ان کے نزدیک دونوں ایک ہیں، البتہ احناف کے نزدیک قبل القبض بیع بیع فاسد ہے نہ کہ باطل، کیونکہ فاسد و باطل کے مابین امتیازی فرق یہی ہے کہ بیع باطل اس کو کہتے ہیں جس میں عوضین بیع کے قابل یعنی مال نہ ہوں، اور اگر عوضین مال تو ہوں لیکن بیع کی عدم صحت کے دوسرے اسباب مثلاً شرط فاسد، کسی نص کی مخالفت، ربا وغیرہ لازم آئے تب بیع فاسد ہوتی ہے، ملا علی قاری اور دوسرے فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

والباطل والفاسد عند الشافعية واحد وتحرير مذهب الحنفية أن العوضين إن لم يكونا قابلين للبيع فهو باطل وإن كانا قابلين لكن اشتملا على مقتضى عدم الصحة كالربا ففاسد ويفيد بالقبض الملك الخبيث (مرقاۃ شرح مشکوۃ ۶/۷۶)۔

اور قبل القبض بیع میں مبیع میں بائع ثانی کی ملک تو محض عقد سے ثابت ہو جاتی ہے گو قبضہ نہیں ہوتا (إن ملك التصرف يستفاد بالقبض كما أن ملك العين يستفاد بالعقد) (مبسوط ۱۳/۹) اسلئے یہ بیع بیع

فاسد ہوگی اور اس میں بیع فاسد کے احکام جاری ہوں گے، چنانچہ عنایہ شرح ہدایہ میں قبل القبض بیع کے بیع فاسد ہونے کی صراحت موجود ہے۔ والنهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسدا قبل القبض (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۶/۱۳۷)۔

۳،۲۔ قبضہ کی حقیقت اور اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کا فرق:

قبضہ کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کوئی شئ کسی کے حرز وضمان میں آجائے یعنی اس کے زیر اثر وزیر تصرف ہوجائے کہ وہ اس میں جو چاہے تصرف کرے، کوئی نقصان وتاوان ہوگا تو وہ بھی اسی کا ہوگا، قبضہ کی اصل حقیقت یہی ہے، باقی تفصیلات وہ سب اسی حقیقت کی علامات ہیں۔

أما القبض فهو أن يأتي بالشئ في حرزه وضمانه كذا يظهر من كلام الحافظ في الفتح (تکملۃ فتح الملہم للشیخ تقی عثمانی ۱/۳۵۰، فتح الباری ۴/۳۳۹)۔

کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی البتہ فقہاء کرام نے اپنے اجتہاد سے اشیاء کے منقولہ وغیر منقولہ ہونے کے اعتبار سے قبضہ کی خاص صورتوں کی تعیین کی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہر شئ کا قبضہ اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے، چونکہ شریعت نے قبضہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی اسلئے اس کا مدار عرف پر ہے۔

قال ابن قدامة قبض كل شئ بحسابه... لأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف كالإحراز والتفرق (المغنی ۴/۱۲۵۔۱۲۶)۔

اشیاء غیر منقولہ میں تو صرف تخلیہ کافی ہے (یعنی زمین ومکان سے اپنا قبضہ وتصرف ہٹا کر اس کو خالی کردینا) کیونکہ عرف میں تخلیہ ہی سے زمین پر قبضہ سمجھا جاتا ہے اور اشیاء منقولہ میں حمل ونقل کے ذریعہ اور لینے دینے کی چیزوں میں ہاتھ میں لینے سے قبضہ سمجھا جائے گا۔

قبضہ کی یہ تعریف وتفصیل امام احمد وامام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق ابن قدامہ نے المغنی میں اور امام نوویؒ نے شرح مہذب میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل فرمائی ہے:

قال النووي قد ذكرنا أن مذهبنا أن القبض في العقار ونحوه بالتخلية وفي المنقول بالنقل وفي المتناول باليد المتناول وبه قال أحمد (شرح مہذب للنووی ۹/۲۸۳)۔

وقال الحافظ في الفتح وفي صفة القبض عن الشافعي تفصيل فما يتناول باليد كالدراهم والدنانير والثوب فقبضه بالتناول (فتح الباری ۴/۳۵۰)۔

۲۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالکؒ کے نزدیک اشیاء منقولہ وغیر منقولہ دونوں ہی میں تخلیہ کافی ہے، یعنی یہ کہ بائع اپنا قبضہ ہٹا کر مشتری کیلئے راستہ چھوڑ دے کہ اگر وہ قبضہ کرنا چاہے تو کرسکے۔

وقال مالك و أبو حنيفة القبض في جميع الأشياء بالتخلية قياسا على العقار (شرح

مہذب للنووی ۹/۲۸۳)۔

امام مالکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ اشیاء غیر منقولہ میں تو قبضہ کا مدار تخلیہ پر ہے اور اشیاء منقولہ میں قبضہ کا مدار عرف پر ہے یعنی عرف میں جس صورت میں قبضہ سمجھا جاتا ہو بس وہی کافی ہے (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۴/۴۱۹)۔

فقہاء احناف کے نزدیک قبضہ کا مفہوم وتوسع:

قبضہ کے مفہوم میں سب سے زائد توسع فقہاء احناف کے یہاں پایا جاتا ہے، چنانچہ مبسوط سرخسی، بدائع الصنائع، فتح القدیر، البحر الرائق وغیرہ میں تصریح ہے کہ اشیاء منقولہ ہوں یا غیر منقولہ سب میں قبضہ کی حقیقت تسلیم وتخلیہ ہے یعنی بائع مشتری کو مبیع کے حق میں اس طرح کر دے کہ مشتری اگر اس پر قبضہ کرنا چاہے تو درمیان میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ ہو جو حقیقت یا عرف وعادت کے اعتبار سے قبضہ کیلئے مانع ہو، یعنی بائع کی جانب سے تسلیم واختیار اور مشتری کی جانب سے قدرت، بس یہ حاصل ہے قبضہ کا، قبضہ کی اس حقیقت کے پائے جانے کے بعد بھی اگر مبیع بائع کے پاس موجود ہے تو وہ بطور امانت ہوگی۔

لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً و عادةً حقيقةً وقال: فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما والمشترى قابضاً (بدائع ۵/۱۴۸۔۲۴۱، فتح القدیر ۵/۴۹۶، البحر ۵/۳۰۸)۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ قبضہ کی اس حقیقت کے تحقق کیلئے بھی مشتری یا اس کے نائب کا قریب میں حاضر ہونا ضروری ہے حتی کہ اگر زمین جائداد بھی خریدی جائے اس میں فقہاء نے مشتری کی حاضری کو ضروری قرار دیا ہے۔

إذا باع ضيعة وخلى بينها وبين المشترى إن كان يقرب منها يصير قابضا وإن كان بعيد لا يصير قابضا... المعتبر فيها القرب الذى يتصور معه حقيقة القبض (ردالمحتار ۴/۴۳)۔

ابن ہمام اور ابن نجیم نے اجناس کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ قبضہ اور تسلیم کے معتبر اور صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں نے تمہارے اور مبیع کے درمیان راستہ چھوڑ دیا یعنی مبیع سے اپنا قبضہ ہٹا کر تمہارے حوالہ کیا، دوسری شرط یہ کہ مشتری اس وقت موجود ہو کہ قبضہ کرنے سے اس کو کوئی مانع نہ ہو، تیسری شرط یہ کہ وہ شئ علیحدہ ہو یعنی غیر کا حق اس سے متعلق نہ ہو۔

وفى الأجناس يعتبر فى صحة التسليم ثلاثة معان أن يقول خليت بينك وبين المبيع وأن يكون بحضرة المشترى على صفة يتأتى فيه الفعل من غير مانع وأن يكون مفرزا غير مشغول بحق غيره (البحر ۵/۳۰۸، فتح القدیر، مجمع الأنہر)۔

الغرض قبضہ کیلئے بائع کی جانب سے تخلیہ وتسلیم، اور مشتری کی موجودگی اور بیع پر بغیر کسی رکاوٹ کے قبضہ کی قدرت، بس یہی حاصل ہے قبضہ کا۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ قبضہ پر قدرت کی کیفیت مبیع کے حال کے اعتبار سے مختلف ہوگی، چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے مثلاً کسی گودام میں بھرے ہوئے غلہ کی بیع کی تو بائع کا گودام کی چابی مشتری کے حوالہ کردینا جس سے کہ وہ بلا تکلف دروازہ کھول سکے بس قبضہ کے لئے اتنی بات کافی ہے، کسی جانور مثلاً گائے وغیرہ پر قبضہ کیلئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ مشتری کو دکھلا دیا یا اشارہ کردیا کہ وہ گائے موجود ہے چراگاہ میں، کپڑوں وغیرہ میں قبضہ اس طرح ہوگا کہ اگر ہاتھ پھیلا کر لینا چاہے تو لے سکے۔

إن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض ... إلى قوله وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مد يده تصل إليه قبض (شامی ۴/۴۳)۔

قبضہ کی دو قسمیں:

۱۔ حقیقی، ۲۔ حکمی۔

فقہاء احناف نے قبضہ کی دو قسمیں فرمائی ہیں: قبضہ حقیقی، قبضہ حکمی۔

حقیقی قبضہ تو یہی ہے کہ کسی شی کو ہاتھ سے اپنے قبضہ میں لے لیا جائے (لأن حقيقة القبض التسلم باليد حاشیہ البحر ۵/۳۰۸) اس کو قبضہ حسی بھی کہتے ہیں، فقہاء کی تصریح کے مطابق قبضہ حسی کی طرح قبضہ معنوی و حکمی بھی ہوتا ہے بلکہ "تخلیہ" کی حقیقت بھی قبضہ حکمی ہی ہے۔ وحاصله أن التخلية قبض حكما (ردالمحتار ۴/۴۳)۔

قبضہ معنوی کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، فقہاء کے کلام میں تتبع کرنے، اصول و جزئیات پر نظر کرنے سے بنیادی طور پر دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں جن سے قبضہ حکمی کا تحقق ہوتا ہے:

۱۔ ایک تو یہ کہ مشتری مبیع میں ایسا کوئی اقدام یا ایسا کوئی تصرف کرے جس سے مبیع تلف یا عیب دار ہوجائے، یا اس کی ملک سے خارج ہوکر دوسرے کی ملک میں منتقل ہوجائے، یہ تصرف اور یہ اقدام قبضہ حکمی ہے جس سے کہ مبیع بائع کے ضمان سے خارج ہوکر مشتری کے ضمان میں داخل ہوجاتی ہے۔

وأما الثاني فالمشتري إذا أتلف المبيع أو أحدث عيبا قبل القبض يصير قابضا (البحر ۵/۳۰۷)۔

کیونکہ جب تخلیہ و تمکین کو قبضہ کہا گیا ہے (جس کا حاصل قدرت علی التصرف ہے) تو نفس تصرف جو قدرت علی التصرف سے بڑھ کر ہے بدرجہ اولی قبضہ کہنا چاہئے۔

لأنه صار قابضا بالتخلية فبالإتلاف أولى لأن التخلية تمكين من التصرف في المبيع والإتلاف تصرف فيه حقيقةً (بدائع ۵/۲۴۴)۔

البتہ ان تصرفات میں کچھ تفصیل ہے ہر تصرف کو قبضہ کیلئے کافی نہیں سمجھا گیا، اصولی طور پر تصرفات کی دو

قسمیں ہیں: ایک تو وہ تصرفات کہ قبضہ کے بغیر جن کی تکمیل نہیں ہوتی مثلاً ہبہ، عاریت، ودیعت وغیرہ، کہ جب تک قبضہ کامل نہ ہو یہ تصرفات ناقص رہتے ہیں، دوسرے وہ تصرفات کہ قبضہ کے بغیر بھی درست ہوجاتے ہیں مثلاً بیع وغیرہ، تو پہلی قسم کے تصرفات سے تو مشتری مبیع پر قابض سمجھا جائے گا اور دوسری قسم کے تصرفات میں مشتری مبیع پر قابض نہ سمجھا جائے گا، یعنی پہلی قسم کے تصرفات قبضہ حکمی میں داخل ہیں اور دوسری صورت کے نہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل بحر، عنایہ، فتح القدیر، خانیہ وغیرہ میں امام محمدؒ کے حوالہ سے منقول ہے (دیکھئے: فتح القدیر ۱۳۷/۶، عنایہ شرح ہدایہ ۱۳۶/۶، بحر ۳۰۷/۵، شامی ۴۲/۴)۔

اس تفصیل کے پیش نظر مشتری نے اگر مبیع پر قبضہ سے پہلے بیع کردی تو درست نہیں، البتہ اگر قبضہ سے پہلے ہبہ کردیا تو درست ہے، چنانچہ فتاویٰ بزازیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

لا يصح بيع المنقول قبل قبضه من البائع أو الأجنبي (بزازیہ ۳۹۶/۴)۔

۲۔ قبضہ حکمی ومعنوی کا دوسرا معیار یہ ہے کہ انعقاد بیع کے بعد خود مشتری یا اس کا نائب ووکیل ایسی کوئی بھی صورت اختیار کرے جس سے کہ عرف میں وہ بیع مشتری کیلئے نامزد، مخصوص ومتعین اور زیر اثر وتصرف سمجھی جائے بس اسی سے مشتری کو قابض سمجھا جائے گا، گو مبیع بائع کے پاس موجود ہو، مثال کے طور پر فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص نے سرکہ یا اس جیسی کوئی شی خریدی جو ابھی بائع کی دکان یا اس کے گھر میں موجود ہے اور اسی حال میں بائع نے مشتری کو مبیع پر قبضہ کرنے کا اختیار دیا، اور مشتری نے مبیع پر مہر یا ایسی کوئی علامت لگادی جس سے وہ مبیع متعین اور نامزد ہوگئی گویا مشتری نے اس کو اپنے زیر اثر وتصرف کرلیا، اس صورت کے متعلق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مشتری کو مبیع پر قابض سمجھا جائے گا اور مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہوگئی گو ابھی بائع کے پاس ہی موجود ہے۔

ولو باع خلاً ونحوه في دنّ وخلى بينه وبين المشتري في دار نفسه وختم المشتري على الدنّ فهو قبض (کذا فی فتح القدیر ۴۹۷/۵)۔

اسی طرح فقہاء نے اور بھی جزئیات تحریر فرمائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتری کا بائع سے ایسی کوئی بات کہنا یا ایسی کوئی صورت اختیار کرنا جس سے کہ عرف میں مبیع مشتری کے حرز وضمان میں سمجھی جاتی ہو اور اسی کے زیر اثر وتصرف ہوجاتی ہو قبضہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر کسی شخص نے غلہ خرید کر بائع سے یوں کہا کہ اس کو چکی میں پیس دو، یا غلہ خرید کر یوں کہا کہ اس کو اس بورے میں بھردو، اتنا کہنے سے مشتری کو مبیع پر قابض سمجھا جائے گا، اس کے بعد اب بائع جو تصرف کرے گا یعنی بورے میں غلہ بھرنا، آٹا پیسنا یہ سب مشتری کی نیابت اور وکالت میں ہوگا اور اب بائع کا قبضہ مشتری کا قبضہ سمجھا جائے گا، اب ایسی صورت میں اگر بائع مشتری کے حکم سے مبیع کسی دوسری جگہ بھیجے گا تو وہ مشتری کی نیابت ہی میں بھیجے گا، یہ وہ تفصیل ہے جو علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں تحریر فرمائی ہے:

ولو اشترى من إنسان كرّا بعينه ودفع غرائره وأمره بأن يكيل ففعل صار قابضا سواء

كـان الـمشتـرى حـاضـرا أو غائبا لأن المعقود عليه معين وقد ملكه المشترى بنفس العقد فصح أمـر الـمشتـرى لأنـه تـنـاول عـيـنـا هـو مـلـكـه فصح أمره وصار البائع وكيلا له وصارت يده يد المشترى وكذلك الطحن إذا طحن البائع بأمر المشترى صار قابضا (بدائع ۵/۲۴۷)۔

اس تفصیل کے پیش نظر اگر کوئی شخص مثلاً کسی فیکٹری یا کمپنی سے مال خریدتا ہے اور کمپنی سے فروخت شدہ مال کو دوسری جگہ اپنے مشتری کے پاس بھیجنے کو کہتا ہے، ایسی صورت میں مشتری کا اپنے مخصوص ومتعین مال کو دوسری جگہ بھیجنے کیلئے کہنا ہی قبضہ کے قائم مقام سمجھنا چاہئے جیسا کہ غلہ خرید کر آٹا پینے کا حکم دینے کو قبضہ کے قائم مقام کیا گیا۔

لیکن چونکہ یہ کہنا اور دوسری جگہ بھیجنے کا حکم دینا ہی قبضہ کے قائم مقام ہے لہذا اس حکم سے پہلے اگر دوسری جگہ اس مال کی بیع کر چکا ہے پھر بھیجنے کا حکم دیا تو یہ صورت بیع قبل القبض کی ہوگی اور ناجائز ہوگی، البتہ بھیجنے کا حکم پہلے دے کر پھر اپنے مشتری سے معاملہ کیا جائے تو یہ صورت بعد القبض بیع کی ہوگی اور درست ہوگی۔

ولو أودعه أو أعاره أجنبيا صار قابضا لأن الإعارة والإيداع صحيح (بدائع ۵/۲۴۶)۔

قبل القبض بیع کی ممانعت کی علت:

بیع قبل القبض کی ممانعت متعدد احادیث میں وارد ہوئی ہے، ائمہ مجتہدین نے ان احادیث کو معلول بالعلت قرار دیا ہے، اگر علت پائی جائے گی تو ممانعت کا حکم باقی رہے گا ورنہ نہیں۔

ائمہ مجتہدین کے کلام میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل القبض بیع کی ممانعت کی تین علتیں ہیں اور وہ علتیں ایسی ہیں جو خود بھی مستقلاً حدیث سے ثابت ہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) احتمال غرر، (۲) ربح مالم یضمن، (۳) احتمال ربا النسیہ۔

پہلی علت:

پہلی علت یعنی ''احتمال غرر'' اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ قبل القبض بیع کرنے میں اس بات کا خطرہ اور احتمال ہے کہ شاید قبضہ سے پہلے مبیع ہلاک ہوجائے اور فسخ عقد کی نوبت آجائے کیونکہ مشتری خود نہیں جانتا کہ قبضہ سے پہلے مبیع باقی رہے گی یا ہلاک ہوجائے گی؟ اور اسی حال میں بیع کر رہا ہے یہ صورت بلاشبہ غرر وخطر کی ہے، اور غرر حرام ہے، بکثرت احادیث وآثار صحابہ میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، الغرض چونکہ قبل القبض بیع میں غرر کا احتمال ہے جس کی ممانعت منصوص ہے اس علت کے پیش نظر قبل القبض بیع ممنوع ہے۔

لا يـجـوز بيع المنقول قبل القبض لأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاک قبل الـقبـض لأنـه إذا هلک المبيع قبل القبض ينفسـخ العقد فيتبين أنه باع ما لا يملک والغرر حرام لـمـا رويـنـا أى أنـه يـحتمل الهلاک فلا يدرى المشترى هل يبقى المبيع أو يهلک قبل القبض (تبیین الحقائق ۴/۸۰، فتح القدیر ۶/۱۳۶، الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۴/۴۷۴)۔

اس علت کا فقہاء احناف نے خاص طور پر ذکر فرمایا ہے، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اشیاء غیر

منقولہ جائداد وغیرہ کی قبل القبض بھی بیع جائز ہے کیونکہ ممانعت کی علت یعنی مبیع کی ہلاکت کا احتمال اور غرر کا خطرہ اس میں نہیں ہے، اور اگر اس میں بھی ہو تو پھر اس کا بھی یہی حکم ہے، امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ شوافع وحنابلہ نے بھی اس علت کو اختیار فرمایا ہے (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۴/۴۷۴۔۴۷۵)۔

دوسری علت:

قبل القبض بیع ممنوع ہونے کی دوسری علت ''ربح مالم یضمن'' ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ بیع سے مقصود ربح یعنی نفع حاصل کرنا ہے اور'' ربح مالم یضمن'' یعنی مشتری کا ایسی شی سے نفع حاصل کرنا جو ابھی اس کے ضمان میں نہ آئی ہو شرعاً منہی عنہ ہے، حضور ﷺ نے صراحۃً اس سے منع فرمایا ہے۔

أخبرنا عبد الرزاق قال أخبرنا معمر عن أيوب عن عمرو بن شعيب عن أبيه نهى رسول الله ﷺ عن سلف وعن بيع ما ليس عندك وعن ربح ما لم تضمن. (مصنف عبدالرزاق ۸/۳۹)۔

اور قبل القبض بیع ربح مالم یضمن کو مستلزم ہے، لہذا جب تک مبیع مشتری کے ضمان میں نہ آجائے اس وقت تک اس کی بیع درست نہ ہوگی، اور ضمان میں آنے کی شکل صرف قبضہ ہے نہ کہ شرط ضمان، اسی وجہ سے امام ترمذیؒ نے امام احمدؒ سے حدیث کے الفاظ مالم یضمن کی تفسیر مالم یقبض سے فرمائی ہے۔

قوله لم تضمن فسره أحمد بقوله ما لم تقبض ذكره الترمذي (حوالہ سابق)۔

ممانعت کی اس علت کو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے اختیار فرمایا ہے، اور اس علت ہی کی وجہ سے اپنے استاد وامام کے مسلک کے خلاف اشیاء غیر منقولہ کی بیع کو بھی قبضہ سے پہلے ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ اگرچہ اس میں ہلاکت کا خطرہ نہ ہونے کی وجہ غرر کا احتمال نہیں لیکن ''ربح مالم یضمن'' کی علت تو موجود ہے کہ ایک شی کے ضمان میں داخل ہوئے بغیر اس سے نفع اٹھا رہا ہے اور یہ منہی عنہ ہے۔

وقال صاحباه إن لم يكن فيه غرر الانفساخ ففي بيعه قبل القبض ربح ما لم يضمن وهو منهي عنه (إعلاء السنن ۱۴/۲۲۵، مبسوط ۳/۹، عنایہ علی الہامش ۶/۱۳۷)۔

تیسری علت:

قبل القبض بیع ممنوع ہونے کی تیسری علت ''احتمال ربا النسیئہ'' ہے، اس کو صرف مالکیہ نے اختیار کیا ہے اور بطور حکمت کے ابن قیمؒ نے بھی تہذیب السنن (۵/۱۳۷) میں ذکر فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ قبل القبض بیع ربا النسیئہ کا ذریعہ ہے اس لئے سدّ ذرائع کے طور پر اس کی ممانعت کی گئی، اور وہ اس طرح کہ مثلاً ایک شخص نے سو روپے کا غلہ خریدا اور غلہ پر قبضہ کئے بغیر اس مشتری نے دوسرے کے ہاتھ ایک سو بیس روپے میں فروخت کر دیا تو یہ ایسا ہوا کہ گویا اس نے سو روپے کے عوض سو روپے دیئے اور یہ بیس روپے سود کے ہو گئے کیونکہ مشتری نے مبیع میں کچھ بھی تصرف نہیں کیا، یہ تفصیل اسی مثال کے ساتھ علامہ شوکانی نے تحریر فرمائی ہے جس کو مولانا ظفر احمد نے نقل

فرمایا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: نیل الاوطار ۲۱/۵، اعلاء السنن ۲۲۵/۱۴)۔

چونکہ یہ صورت ربا نسیہ کے مشابہ ہے اسلئے سدّ ذرائع کے طور پر اس کی ممانعت کی گئی، اور چونکہ اس کی علت ربا نسیہ ہے اسی وجہ سے امام مالکؒ کے نزدیک اس کی ممانعت صرف مطعومات یعنی کھانے پینے کی چیزوں میں ہوگی وہ بھی اس وقت جبکہ کیل و وزن کے ساتھ اس کی بیع ہو، اور اگر اس کے بغیر ہو تو ارتفاع علت کی وجہ سے یہ ممانعت بھی نہ ہوگی بلکہ قبل القبض بھی اس کی بیع (جزافا) جائز ہوگی (دیکھئے: الفقہ الا سلامی ۴۷۴/۴)۔

ممانعت کی یہ علت حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے، علامہ شوکانی نے اس کی تحسین فرمائی ہے:

وسئل ابن عباس عن سبب هذا النهي فقال الدراهم بالدراهم والطعام ربا الخ (نیل الأوطار ۲۱/۵، إعلاء السنن ۲۲۵/۱۴)۔

اور بعض علماء کے فرمان کے مطابق قبل القبض بیع کی ممانعت معلول بالعلت نہیں بلکہ یہ امر تعبدی ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲۳۵/۲)۔

الغرض قبل القبض بیع کی ممانعت پر ائمہ اربعہ متفق ہیں گو علتوں میں فرق ہے، اور قبل القبض ممانعت کی بیع اتنی شدید ہے کہ مسلم شریف کی ایک روایت میں قبل القبض بیع کرنے پر ضرب و تادیب کا ذکر آیا ہے (مسلم شریف حدیث نمبر ۳۷۳۰، تکملۃ فتح الملہم ۳۵۷/۱)

بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم عام ہے یا مخصوص:

جن احادیث میں قبل القبض بیع کی ممانعت آئی ہے وہ مطلق ہیں اور عام ہیں جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ یہ حکم اشیاء منقولہ و غیر منقولہ سب کو عام ہوتا لیکن ائمہ مجتہدین نے حدیث کی علت کے پیش نظر اس حکم میں تخصیص فرمائی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) حضرت امام شافعی اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم منقولات، غیر منقولات، مکیلات و موزونات، مذروعات و عددیات سب کو عام ہے، کسی بھی مبیع کی بیع قبل القبض درست نہیں، ان حضرات کے نزدیک دلیل اس کی یہی ہے کہ حدیث "نهي عن بيع مالم يقبض" عام ہے، لہذا اس کا حکم بھی عام رہے گا، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ بیع کی صحت کے واسطے چونکہ مبیع پر قدرت علی التسلیم شرط ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ مبیع مقبوض ہو، غیر مقبوض پر قدرت علی التسلیم کا تحقق نہیں ہوتا (المہذب ۲۶۴/۱، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴۷۵/۴، إعلاء السنن ۲۲۴/۱۴)۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قبل القبض بیع کی ممانعت کا حکم اشیاء منقولہ کے ساتھ خاص ہے۔

إن أبا حنيفة خص النصوص بالمنقول بعلة النهي وهو غرر انفساخ العقد بالهلاک قبل القبض (إعلاء السنن ۲۲۴/۱۴)۔

اشیاء غیر منقولہ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ اس کی علت مبیع کی ہلاکت کا خطرہ اور اس کے نتیجہ میں فسخ عقد کا احتمال ہے جو غرر کی صورت ہے اور یہ علت اشیاء غیر منقولہ میں نہیں پائی جاتی، علت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے

معلول یعنی ممانعت کا حکم بھی نہ پایا جائے گا، اور بالفرض اگر اشیاء غیر منقولہ میں بھی یہ احتمال موجود ہو مثلاً یہ کہ زمین وغیرہ ایسے موقع پر ہوں جس میں کہ ضیاع وہلاکت کا خطرہ ہو، ایسی صورت میں ممانعت کا حکم اشیاء غیر منقولہ کو بھی شامل ہوگا، زیلعی نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

حتى لو تصور هلاكه قبل القبض لا يجوز بيعه وذلك بأن كان على شط النهر ونحوه (فتح القدیر ۶/۱۳۷، تبیین الحقائق ۴/۸۰)۔

(۳) امام احمد اور امام مالکؒ کے نزدیک قبل القبض بیع کی ممانعت کا حکم طعام یعنی کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ خاص ہے وہ بھی اس وقت جب کہ ان کی بیع کیل یا وزن کے ساتھ ہو، غیر مطعومات اور وہ مطعومات جن کی بیع بغیر کیل ووزن کے ہو اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یعنی ان کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے۔

امام احمد اور امام مالکؒ کا یہ مسلک ان کے مذہب کی اصل کتابوں میں اسی طرح منقول ہے اور دلیل اس کی یہ لکھی ہے کہ حدیث میں حضورؐ نے صرف طعام کی بیع کو قبل القبض منع فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ نکلا کہ اس کے ماسوا کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

قال ابن قدامة: وقال الأثرم سألت أبا عبد الله عن قوله نهى عن ربح ما لم يضمن قال هذا في الطعام وما أشبهه من مأكول أو مشروب فلا يبيعه حتى يقبضه، قال ابن عبد البر الأصح عن أحمد بن حنبل أن الذي يمنع من بيعه قبل قبضه وهو الطعام و ذلك لأن النبي ﷺ نهى عن بيع الطعام قبل قبضه فمفهومه إباحة بيع ما سواه قبل القبض (المغنی ۴/۱۲۲)۔

وفي المدونة قلت لم وسع مالك في أن أبيع ما اشتريت قبل أن أقبضه من جميع الأشياء كلها الطعام والشراب إذا كان جزافا وأبى أن يجيز لي أن أبيع ما اشتريت مما يؤكل ويشرب كيلا أو وزنا قليلا أو كثيرا حتى أقبضه؟ قال لأن النبي ﷺ نهى عن بيع الطعام قبل أن يستوفي وهو عندنا على الكيل والوزن وكل شئ ما خلا الطعام و الشراب فهو جائز أن تبيعه قبل أن يستوفيه إن كنت اشتريته كيلا أو وزنا أو جزافا فهو سواء لأن الحديث إنما جاء في الطعام وحده (المدونہ فی الفقہ المالکی ۴/۸۸)۔

فیکٹری اور کمپنی سے خریدا ہوا مال قبضہ سے پہلے دوسرے کو فروخت کرنا:

فیکٹری سے خریدا ہوا مال جس پر کہ ابھی مشتری نے قبضہ بھی نہیں کیا اور معاملہ اس شرط کے ساتھ ہوا کہ نقصان ہونے کی صورت میں بائع کا نہیں بلکہ مشتری کا نقصان ہوگا، ایسی صورت میں بغیر قبضہ کے مبیع فروخت کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

(۱) ظاہر بات ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک صورت مسئولہ میں جب قبضہ حسی یا معنوی نہیں پایا گیا تو بلا شبہ یہ صورت ناجائز ہونی چاہئے اور مشتری پر ضمان کی شرط عائد کرنے کے باوجود مبیع بائع کے ضمان سے خارج نہ ہوگی

کیونکہ مبیع کے بائع کے ضمان سے خارج ہونے کیلئے قبضہ شرط ہے اور قبضہ یہاں پایا نہیں گیا لہذا مبیع ابھی مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوئی، اور نفس ضمان کی شرط قبضہ کے تحقق کیلئے کافی نہیں کیونکہ ضمان کا انتقال خود قبضہ پر موقوف ہے اور قبضہ ضمان کا موقوف علیہ ہے، ایک ہی شئ موقوف اور وہی موقوف علیہ ہو یہ کیسے ممکن ہے، اور اقتضاءً قبضہ بھی نہیں کہا جاسکتا ورنہ پھر قبل القبض بیع ممنوع ہونے کی کوئی بھی صورت نہ ہوگی، اور اس مضمون کی احادیث بے معنیٰ ہوکر رہ جائیں گی، یہ گفتگو احناف کے مسلک کے مطابق ہے۔

(۲) حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بھی مبیع کے مشتری کے ضمان میں داخل ہونے کیلئے قبضہ شرط ہے اس کے بغیر ضمان منتقل نہ ہوگا، ابن رشد مالکی نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

وعند الشافعي أن القبض شرط في دخول المبيع في ضمان المشتري (بدایۃ المجتہد ۱۰۹/۲)۔

قال الشافعي كل مبيع من ضمان البائع حتى يقبضه المشتري (المغنی ۱۲۴/۴)۔

(۳) امام مالکؒ کے نزدیک مطعومات کیلیہ ووزنیہ میں انتقال ضمان کیلئے قبضہ شرط ہے اس کے علاوہ دیگر مبیعات میں نفس عقد ہی سے مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے۔

وعمدة المالكية أن الجزاف ليس فيه حق توفية فهو عندهم من ضمان المشتري بنفس العقد (بدایۃ المجتہد ۱۱۰/۲)۔

(۴) امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مکیلی وموزونی اور معدودی اشیاء کے علاوہ جملہ مبیعات میں قبضہ کے بغیر نفس عقد ہی سے مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے۔

ما عدا المكيل والموزون والمعدود فإنه يدخل في ضمان المشتري قبل قبضه (المغنی ۱۲۴/۴)۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک پر ایک مسئلہ کے ضمن میں تفریع کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ اگر مبیع متعین ہو تو نفس عقد ہی سے مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے۔

وفرع بعضهم على ذلك أن المبيع إذا كان معينا دخل في ضمان المشتري بمجرد العقد ولو لم يقبض بخلاف ما يكون في الذمة فإنه لا يكون من ضمان المشتري إلا بعد القبض (فتح الباری باب ۵۷: ۳۵۲/۴)۔

مذکورہ بالا مذاہب کی تفصیل کے پیش نظر کسی مسلک کی رو سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ محض یہ شرط لگا دینے سے کہ ''نقصان ہونے کی صورت میں بائع پر اس کا ضمان نہ ہوگا'' اتنا کہہ دینے سے مبیع بائع کے ضمان سے خارج نہ ہوگی۔

بالفرض اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ صورت مسئولہ میں مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہوگئی تب بھی ربح مالم

یضمن کے علاوہ ممانعت وعدم جواز کی دوسری علت ''قبل القبض'' کی موجود ہے، اور ضمان کی شرط لگا دینے سے قبضہ کا تحقق کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، البتہ جن ائمہ کے یہاں جن صورتوں میں بیع قبل القبض کی اجازت ہے ان صورتوں میں جواز ہوگا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

جواز اور گنجائش کی صورتیں:

(۱) فیکٹریوں اور کمپنیوں کے توسط سے تجارت کرنے میں جس میں کہ مشتری اول مبیع پر قبضہ سے پہلے ہی اس کو فروخت کر دیتا ہے اور اسی کے حکم سے کمپنی مشتری کو مشتری اول کے مشتری کو مال روانہ کر دیتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ صورت قبل القبض بیع کی ہے جو احناف وشوافع کے نزدیک تو ناجائز ہے، لیکن مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک بلاشبہ جائز ہے کیونکہ ان حضرات کے نزدیک صرف طعام یعنی کھانے پینے کی چیزیں جو کیل یا وزن سے فروخت کی جائیں ان کی بیع تو قبل القبض ناجائز ہے اس کے علاوہ جملہ اشیاء کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، کیونکہ نفس عقد ہی سے مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہوجاتی ہے، اسلئے موجودہ حالات میں کوئی حرج نہیں کہ ضرورت عامہ کے پیش نظر مسلک حنفی سے عدول کر کے مالکیہ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے جواز کا حکم لگایا جائے۔

اس سلسلہ میں محقق تھانویؒ کا فرمان بار بار غور سے پڑھنے کے قابل ہے، وہ فرماتے ہیں:

''میں نے چاہا تھا کہ تمام اہل معاملہ اپنے اپنے معاملات کو سوالات کی صورت میں جمع کر کے مجھ کو دیں خواہ وہ تجارت پیشہ ہوں یا زراعت پیشہ ہوں یا ملازمت پیشہ، میں کوشش کر کے ان کے متعلق روایتیں جمع کر دوں گا اور احکام بتلا دوں گا، اگر کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر جواز نہ نکلتا تو میں نے یہ طے کیا تھا کہ امام شافعی کے مذہب پر فتوی دوں گا، امام مالکؒ کے مذہب پر فتوی دوں گا، امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر فتوی دوں گا، اور ان سے بھی کوئی صورت نہ نکلے گی تو ان کی سہل تدابیر بتلاؤں گا کہ یوں کر لیا کرو جس صورت سے جواز نکل آتا، اور اگر کوئی بات سمجھ سے باہر ہوتی تو اس کا علاج نہیں معذوری ہے، لیکن اب اتنے بڑے کام کی ضعف کی وجہ سے ہمت نہیں (ملفوظات حکیم الامت ۴۱۲/۳)۔

الغرض زیر بحث مسئلہ میں طعام یعنی کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ میں مسئلہ آسان ہے کہ مالکیہ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے جواز کا فتوی دیا جائے اور چونکہ نفس عقد ہی سے مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی لہذا ضمان کی شرط لگائے بغیر بھی مشتری ہی پر ضمان ہوگا بلکہ اس کے خلاف شرط لگانے کی صورت میں بھی مشتری ہی پر ضمان ہونا چاہئے۔

(۲) البتہ طعام یعنی کھانے پینے کی چیزوں کی تجارت میں پھر بھی مسئلہ محل غور ہے، کیونکہ مطعومات کی بیع قبل القبض کسی کے نزدیک جائز نہیں، اور ضمان کی شرط عائد کر دینے سے قبضہ کسی کے نزدیک نہیں ہوتا، نیز دونوں علتیں مستقل ہیں، ضمان کی شرط کے باوجود قبل القبض بیع کی خرابی لازم آئے گی، اسلئے اس کے جواز کی آسان صورت یہی ہے کہ حنفی مسلک کے مطابق مشتری اگر حسی قبضہ پر قادر نہ ہو تو خود جا کر یا اپنے وکیل کو بھیج کر کم از کم قبضہ حکمی ومعنوی

کر لے جس سے کہ مبیع اس کے ضمان میں داخل ہو جائے، قبضہ معنوی کی صورتیں ماقبل میں گذر چکیں۔

(۳) جواز کی ایک شکل یہ ہے کہ کمپنی یا فیکٹری جس ذریعہ اور واسطہ سے مشتری کا مال دوسری جگہ بھیجتی ہے یہ مشتری اس ذریعہ اور واسطہ کو اپنا وکیل ہمیشہ کیلئے بنادے خواہ وہ ایک ہوں یا متعدد، مثلاً یہ کہہ دے کہ فلاں کمپنی سے میرا مال آیا کرے گا اس کو اپنے قبضہ میں لے کر حسب ہدایت پہنچا دیا کرنا، اس صورت میں وہ واسطہ مشتری کا وکیل سمجھا جائے گا اور مبیع بائع کے ضمان سے خارج ہو کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی۔

(۴) جواز کی ایک شکل یہ ہے کہ ابھی بیع کا معاملہ نہ کرے بلکہ وعدہ بیع کرے، جب مال مشتری ثانی کے پاس پہونچ جائے تب بیع کا معاملہ کرے اور اگر پہلے کر بھی چکا ہے تو مال پہنچنے کے بعد پھر سے بیع کرے تا کہ یہ معاملہ درست ہو جائے، اخیر کی دونوں صورتوں کا تذکرہ مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاویٰ میں کیا ہے (احسن الفتاوی ششم)۔



قبضہ سے پہلے فروختگی

مولانا جمیل احمد نذیری

۱۔ قبضہ سے پہلے بیع کا حکم:

قبضہ سے پہلے بیع کی دوصورتیں ہیں:

الف: ملکیت میں نہ ہونا، لہذا اگر کسی شخص ایسی چیز کو فروخت کرے جو اس کی ملکیت میں نہ ہو، تو یہ بیع باطل ہے۔

بیع مالیس فی ملکہ باطل (ردالمحتار ۴/۱۱۹) اس چیز کی بیع جو بائع کی ملکیت میں نہ ہو باطل ہے۔

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

أن یبیع منہ متاعاً لا یملکہ ثم یشتریہ من مالکہ و یدفعہ إلیہ وھذا باطل لأنہ باع ما لیس فی ملکہ وقت البیع وھذا معنی قولہ قال (لا تبع ما لیس عندک) أی شیئاً لیس فی ملکک حال العقد (مرقاۃ المفاتیح ۴/۸۱)۔

خریدار کو ایسا سامان فروخت کیا جس کا مالک نہیں، پھر اسے مالک سے خریدے اور خریدار کو دے، یہ بیع باطل ہے، اس لئے کہ اس نے ایسی چیز فروخت کی ہے جو بیع کے وقت اس کی ملکیت نہیں، یہی مطلب ہے حضورؐ کے اس فرمان کا کہ جو تمہارے پاس نہ ہو اسے مت فروخت کرو یعنی جو چیز عقد کے وقت تمہاری ملکیت میں نہ ہو اسے مت بیچو۔

ب: ملکیت میں ہو لیکن قبضہ میں نہ ہو، ایسی چیز کو فروخت کرنا بیع فاسد ہے۔

و فی معنی ما لیس عندہ فی الفساد بیع العبد الآبق و بیع المبیع قبل القبض و فی معناہ بیع مال غیرہ بغیر إذنہ لأنہ لا یدری ھل یجیز مالکہ أم لا (حوالہ سابق)۔

جو چیز بائع کے پاس نہیں اس کی بیع کے فاسد ہونے میں وہ صورت بھی داخل ہے جب بھاگا ہوا غلام فروخت کرے یا قبضہ سے پہلے مبیع فروخت کرے، اور اسی کے معنی میں وہ صورت بھی ہے جب غیر کے مال کو غیر کی اجازت کے بغیر فروخت کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا مالک اجازت دے گا یا نہیں۔

یہ آخری صورت امام شافعیؒ کے نزدیک بیع فاسد ہے، امام مالک، امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مالک کی اجازت پر موقوف ہے (حوالہ سابق)۔

ومن البیع الفاسد أن یتصرف المشتری ما اشتراہ قبل قبضہ (الفقہ علی المذاہب

الأربعۃ ۲/۲۳۳)۔

بیع فاسد میں سے یہ بھی ہے کہ مشتری مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف کرے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت ''تخلیہ'' ہے، درمختار میں ہے:

ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل و شرط في الأجناس شرطاً ثالثاً وهو أن يقول خليت بينك و بين المبيع فلو لم يقله أو كان بعيداً لم يصر قابضا (درمختار ۴/۴۷، ۴۸)۔

حوالگی ''تخلیہ'' یعنی مشتری اور مبیع کے اکٹھا ہونے کی حالت میں اس طرح آزاد چھوڑ دینے سے ہوتی ہے کہ مشتری مبیع پر بغیر مانع وبغیر حائل کے قبضہ پر قادر ہو جائے، اجناس میں ایک اور شرط بھی لگائی گئی ہے وہ یہ کہ کہے کہ میں نے تمہارے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کیا، پس اگر یہ نہ کہے، یا مبیع دور ہو تو قابض نہ ہوگا۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

ترجمہ: (اس طرح آزاد چھوڑ دینا کہ قبضہ پر قادر ہو جانے کا) نتیجہ یہ ہے کہ اگر گندم خریدے کسی گھر میں اور بائع مشتری کو اس گھر کی کنجی دے کر کہے میں نے تمہارے اور گندم کے درمیان تخلیہ کیا تو یہ قبضہ مانا جائے گا، اور اگر کچھ نہیں کہا تو قبضہ نہیں مانا جائے گا، اور اگر ایسے گھر کو جو وہاں موجود نہیں ہے پس بائع نے کہا میں نے وہ گھر تمہارے سپرد کیا، مشتری نے کہا میں نے اس پر قبضہ کر لیا تو قبضہ نہیں مانا جائے گا، اور اگر قریب ہو تو قبضہ مانا جائے گا، قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مشتری اس پر تالا لگانے پر قادر ہو اور اگر تالا لگانے پر قادر نہ ہو تو دور مانا جائے گا، جمع النوازل میں ہے کہ گھر کی بیع میں کنجی دیدینا قبضہ وحوالگی ہے جب وہ اسے بلا کلفت ومشقت کھول دینے کیلئے مستعد ہو، اور اگر گائے کو گھر کے صحن میں خریدا، بائع نے کہا جاؤ قبضہ کر لو، پس اگر وہ اس طرح دکھائی دے کہ اس کی طرف اشارہ کرنا ممکن ہو تو قبضہ مانا جائے گا، اور اگر کپڑا خریدا، بائع نے کہا کہ اس پر قبضہ کر لو، مشتری نے قبضہ نہیں کیا، یہاں تک کہ اس کپڑے کو کسی دوسرے نے لے لیا، تو جب بائع نے قبضہ کرنے کا حکم دیا تھا، اگر مشتری کیلئے بغیر کھڑے قبضہ کرنا ممکن تھا تو حوالگی صحیح ہوگئی (گویا دوسرے کے لے لینے سے نقصان مشتری کا ہوا، بائع کی ذمہ داری نہیں ہے) اور اگر بغیر کھڑے ہوئے قبضہ ممکن نہیں تھا تو حوالگی صحیح نہیں ہوگی (دوسرے کے لینے سے نقصان بائع کا ہوا) اور اگر کوئی چڑیا یا کوئی گھوڑا کسی گھر میں خریدا، بائع نے قبضہ کرنے کا حکم دیا، مشتری نے دروازہ کھولا، گھر میں گیا، تو اگر کسی مددگار کے بغیر پکڑ نا ممکن ہو تو قبضہ مانا جائے گا، یہ ساری بحث البحر الرائق میں ہے، خلاصہ یہ کہ ''تخلیہ'' اس وقت حکما قبضہ ہے جب بغیر کلفت وپریشانی کے اس پر ندرت ہو، لیکن یہ چیز مبیع کے حال کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے، مثلاً گھر میں گندم فروخت کیا ہو تو کنجی کا دیدینا اس وقت قبضہ ہوگا جب گھر کو بلا کلفت کھولنا ممکن ہو، اور گھر کی بیع میں قبضہ اس وقت مانا جائے گا جب تالا بند کرنا ممکن ہو، اس سے بظاہر یہ لگتا ہے کہ گھر اسی شہر میں ہو، چراگاہ میں گائے کی فروختگی میں قبضہ اس وقت مانا جائے گا جب وہ دکھائی دے اور اس کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہو، کپڑے میں ''تخلیہ'' کو قبضہ اس وقت قرار دیا

جائے گا کہ ہاتھ بڑھانے سے ہاتھ کپڑے تک پہونچ جائے، گھوڑے اور چڑیا میں ''تخلیہ'' قبضہ اس وقت ہے، جب اس گھر میں جاکر بلا معین ومددگار کے اس کو پکڑنا ممکن ہو (رد المحتار ۴/۴۷)۔

صاحب درمختار کے قول بلامانع ولا حائل کی شرح کرتے ہوئے علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

(قوله بلا مانع) بأن يكون مفرزا غير مشغول بحق غيره فلو كان المبيع شاغلاً كالحنطة في جوالق البائع لم يمنعه بحر و في الملتقط ولو باع دارا أو سلمها إلى المشترى وله فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليما حتى يسلمها فارغة وكذا لو باع أرضا و فيها زروع.......... (قوله ولا حائل) بأن يكون في حضرته الخ.

بلامانع کا مطلب یہ ہے کہ وہ خالص وعلیحدہ ہو، حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو، پس اگر مبیع شاغل ہو، مثلاً گندم بائع کے بوروں میں ہو تو قبضہ سے مانع نہ ہوگا (البحر الرائق)، اور ملتقط میں ہے کہ اگر کوئی گھر بیچا یا گھر مشتری کے حوالہ کیا اور اس میں بائع کا سامان ہے، کم ہو یا زیادہ، تو یہ حوالگی نہیں مانی جائے گی یہاں تک کہ خالی کر کے دے، ایسے ہی اگر زمین بیچے اور اس میں پیداوار ہو تو جب تک خالی کر کے نہیں دے گا قبضہ اور حوالگی نہ ہوگی......اور بغیر حائل کا مطلب یہ ہے کہ حوالگی اور تخلیہ مشتری کی موجودگی میں ہو۔

محض قبضہ وتسلیم کے اقرار سے شرعاً قبضہ نہیں مانا جائے گا، درمختار میں ہے:

فانهم يشترون قرية و يقرون بالتسليم والقبض وهو لا يصح به القبض على الصحيح.

لوگ گاؤں خریدتے ہیں، حوالگی اور قبضہ کا اقرار کرتے ہیں، لیکن صحیح مذہب کے مطابق اس سے قبضہ صحیح نہیں ہوتا۔

رد المحتار میں عبارت بالا کی شرح میں ہے:

ترجمہ: اگر گھر دور ہو تو اگر چہ بائع کہے کہ میں نے تخلیہ کیا، قبضہ نہ ہوگا، دور سے مراد یہ ہے کہ بلا کلفت اس پر قبضہ کرنے پر قادر نہ ہو، اور یہ مبیع کے بدلنے سے بدلتا ہے جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں، یا اس سے مراد حقیقۃً دور ہونا ہے اور جو اس کے مشابہ ہو اس کو اسی پر قیاس کیا جائے گا، محض اقرار سے قبضہ صحیح نہ ہوگا اور قبضہ کے ساتھ مقید اس لئے کیا ہے کیونکہ بیع فی ذاتہ صحیح ہے، لیکن مشتری پر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے قیمت کی ادائیگی واجب نہ ہوگی، صاحب درمختار کے قول علی الصحیح کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر الروایہ یہی ہے، اس کے مقابلے میں وہ ہے جو محیط میں ہے، اور جامع شمس الائمہ میں ہے کہ محض ''تخلیہ'' سے قبضہ صحیح ہو جاتا ہے اگر چہ عقار (جائداد غیر منقولہ) دور ہو اور بائع اور مشتری سے غائب ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے، محیط وغیرہ کی یہ بات ضعیف ہے جیسا کہ البحر الرائق اور فتاوی قاضی خاں میں ہے، اور صحیح وہی ہے جو ظاہر الروایۃ میں بیان کیا گیا ہے، کیونکہ جب جائداد غیر منقولہ قریب ہوگی تو فی الحال بھی اس پر قبضہ حقیقی متصور ہوگا، لہذا ''تخلیہ'' قبضہ کے قائم مقام ہو جائے گا، اور جب دور ہوگی تو فی الحال قبضہ متصور نہ ہوگا، لہذا ''تخلیہ'' قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا (رد المحتار ۴/۴۸)۔

عبارات بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ ''تخلیہ'' جسے قبضہ قرار دیا گیا ہے اس میں دو باتیں پائی جانی ضروری ہیں:

۱۔ مبیع حق بائع یا حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو، یعنی مبیع سے کسی کا حق متعلق نہ ہو۔

۲۔ تسلیم وحوالگی مشتری کی موجودگی میں ہو، یا اس کا وکیل موجود ہو۔

امام کاسانیؒ نے قبضہ، تسلیم وحوالہ اور تخلیہ کی حقیقت ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

ترجمہ: حوالگی اور قبضہ ہمارے نزدیک تخلیہ اور تخلی ہے، وہ یوں کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان رکاوٹیں دور کر کے قبضہ کی آزادی دیدے اس طریقہ سے کہ مشتری مبیع میں تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، لہذا بائع مبیع کو سپرد کرنے والا اور مشتری قبضہ کرنے والا قرار دیا جائے گا، اسی طرح مشتری کی طرف سے بائع کی جانب ثمن کی ادائیگی بھی ہونی چاہئے...... تسلیم (حوالگی) لغت میں نام ہے شئی کو سالم وخالص بنانے کا، کہا جاتا ہے کہ سلّم فلان بفلان یعنی فلاں نے فلاں کیلئے خالص کیا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ''ورجلا سلما لرجل'' (اور ایک آدمی خالص ایک آدمی کیلئے ہے) اس میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ پس مبیع کی مشتری کی طرف تسلیم (حوالگی وسپردگی) یہ ہے کہ مبیع مشتری کیلئے اس طرح سالم وخالص بنادی جائے کہ اس کے بارے میں اس سے کوئی دوسرا نزاع نہ کرے، یہ معنیٰ ''تخلیہ'' کے ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے، لہذا ''تخلیہ'' بائع کی طرف سے سپردگی ہوئی اور ''تخلی'' مشتری کی طرف سے قبضہ ہوا۔

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں:

ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال واختلفوا في أنها هل هي قبض تام فيها أم لا و جملة الكلام فيه أن المبيع لا يخلو إما أن يكون مما له مثل وإما أن يكون مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتفاوتة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)۔

ہمارے اصحاب (احناف) کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اصل قبضہ تمام اموال میں ''تخلیہ'' کے ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے، البتہ اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ یہ قبضہ تام ہے یا نہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ مبیع یا تو ان چیزوں میں سے ہوگی جن کیلئے مثل ہوتا ہے یا ان چیزوں میں سے ہوگی جن کے لئے مثل نہیں ہوتا مثلاً مذروعات اور معدودات متفاوتہ وغیرہ، پس ''تخلیہ'' ان سب میں بغیر کسی اختلاف کے قبضہ تام ہے۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً و عادةً حقيقة (بدائع الصنائع ۱۴۸/۵)۔

اسلئے کہ قبضہ کا مطلب ہے کہ کسی چیز پر قادر کر دینا، تنہائی میں ہونا، اور عرفاً وعادۃً جو موانع ہوں ان کو حقیقۃً اٹھا دینا۔

ان عبارات کی روشنی میں احقر کے خیال میں ''قبضہ'' کو متعین کرنے میں عرف کو دخل ہے، لیکن عرف صحیح

ہونا چاہئے، جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہے، ہر قسم کا عرف معتبر نہ ہوگا۔

قبضہ کی ایک ہی نوعیت ''تخلیہ'':

اشیاء منقولہ وغیر منقولہ دونوں میں قبضہ کی ایک ہی صورت ہے یعنی ''تخلیہ''۔ البتہ بقول صاحب درمختار اجناس میں مزید یہ بھی شرط مذکور ہے کہ:

وھو أن یقول خلیت بینک و بین المبیع (درمختار ۴/ ۴۸)۔

بائع کہے کہ میں نے تمہارے درمیان اور مبیع کے درمیان آزادی دیدی۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

(قولہ أن یقول خلیت الخ) الظاھر أن المراد بہ الإذن بالقبض لا خصوص لفظ التخلیة لما فی البحر ولو قال البائع للمشتری بعد البیع خذ لا یکون قبضا ولو قال خذہ یکون تخلیة إذا کان یصل إلی أخذہ الخ و فی الفروع المارة ما یدل علیہ أیضا (ردالمحتار ۴/ ۴۸)۔

بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے مراد قبضہ کی اجازت دینا ہے ''تخلیہ'' کا مخصوص لفظ مراد نہیں ہے، جیسا کہ البحرالرائق میں ہے کہ اگر بیع کے بعد بائع مشتری سے کہے'' لے لو'' تو قبضہ نہیں ہوا، اور اگر کہے ''اس کو لے لو'' تو یہ ''تخلیہ'' کہلائے گا جب کہ وہ اسے لینے کیلئے پہونچے، اور گذشتہ فروع بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔

بیع صحیح اور بیع فاسد دونوں میں تخلیہ کو قبضہ مانا گیا ہے۔

و أجمعوا علی أن التخلیة فی البیع الجائز یکون قبضا و فی البیع الفاسد روایتان والصحیح أنھا قبض کذا فی فتاوی قاضیخان (فتاوی ہندیہ ۳/ ۱۶)۔

فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ بیع صحیح میں ''تخلیہ'' قبضہ قرار دیا جائے گا، اور بیع فاسد کے بارے میں دو روایتیں ہیں، صحیح یہ ہے کہ بیع فاسد میں بھی ''تخلیہ'' قبضہ ہے، ایسے ہی فتاوی قاضیخاں میں ہے۔

احادیث مذکورہ معلول بالعلة ہیں:

ایک بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز کیوں ہے؟ جبکہ بیچنے والا ایسی چیز بیچ رہا ہے جو اس کی ملکیت میں ہے، ایجاب وقبول بھی موجود ہے، بیع وشراء کرنے والوں میں بیع وشراء کی اہلیت بھی ہے، مبیع محل بھی ہے، پھر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کیوں جائز نہیں؟

وجہ صاف ظاہر ہے، وہ یہ کہ اس میں غرر اور دھوکہ ہے، کیونکہ جب مبیع قبضہ میں نہیں ہے اور فروخت کردے تو مشتری کا حوالہ کرنا مشتبہ ہوگیا، ممکن ہے وہ حوالہ کر ہی نہ پائے، مبیع ہلاک وضائع ہوجائے وغیرہ وغیرہ، ایسی صورت میں بیع ہی فسخ ہوجائے گی۔

ہدایہ میں ہے:

ترجمہ: جس نے کوئی ایسی چیز خریدی جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے تو اس کی بیع اسی وقت

جائز ہوگی جب اس پر قبضہ کرلے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے جس پر قبضہ نہ کیا گیا ہو، اور اسلئے بھی یہ بیع جائز نہیں کیونکہ اس میں مبیع کے ہلاک ہوجانے پر بیع کے فسخ کا خطرہ ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عقار (جائداد غیرمنقولہ) کی بیع قبضہ سے پہلے بھی جائز ہے، امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں، حدیث کے مطلق ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے اور ''منقول'' کا اعتبار کرتے ہوئے جس طرح جائداد غیرمنقولہ کا اجارہ قبل القبض جائز نہیں، اسی طرح بیع بھی جائز نہیں، شیخینؒ کہتے ہیں کہ بیع کا رکن اہل سے صادر ہوا ہے اور محل میں صادر ہوا ہے، اس میں کسی قسم کا دھوکہ اور غرر نہیں، اسلئے کہ عقار میں ہلاک ہوجانا نادر ہے، اور جس غرر سے منع کیا گیا ہے وہ عقد کے فسخ ہوجانے کا غرر ہے (وہ یہاں موجود نہیں) اور دلائل جواز پر عمل کرتے ہوئے ماننا پڑے گا کہ یہ حدیث اسی ''غرر فسخ'' کے ساتھ معلول ہے، اور اجارہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ بھی اسی اختلاف پر ہے، اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ اس میں اختلاف نہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ معقود علیہ اجارہ میں منافع ہے اور اس کا ہلاک ہوجانا نادر نہیں ہے (ہدایہ ۵۸/۳)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی احادیث معلول ہیں اور علت بیع کے فسخ ہوجانے کا اندیشہ ہے، ظاہر ہے کہ یہ غرر ودھوکہ منقولات میں ہی ہوسکتا ہے کیونکہ ان کے ہلاک وضائع ہونے کا بکثرت وقوع ہے، اس کے برخلاف زمین، جائداد، اشیاء غیرمنقولہ، ان کا ہلاک وضائع ہوجانا نادر ہے، لہذا چونکہ اس میں علت موجود نہیں اسلئے وہ ممانعت سے مستثنیٰ ہوں گی، کیونکہ حکم علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے۔

امام کاسانیؒ فرماتے ہیں:

ترجمہ: شیخین (امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسفؒ) کی دلیل، قرآن مجید کی آیات بیع کا بلا تخصیص عموم ہے، اور ہمارے نزدیک کتاب اللہ کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص جائز نہیں، یا پھر ہم اسے جائداد منقولہ پر محمول کریں گے تاکہ دلائل کے درمیان موافقت رہے، تناقض نہ پیدا ہو، اور جائداد غیرمنقولہ کی قبل القبض بیع اس لئے بھی جائز ہے کیونکہ اصل یہ ہے کہ رکن بیع (ایجاب وقبول) اہلیت رکھنے والے سے صادر ہو اور ایسی جگہ میں صادر ہو جو بیع کا محل بن سکے، تو اس بیع کو صحیح ہونا چاہئے، عدم جواز غرر (دھوکہ) کے عارض کی وجہ سے ہے، اور یہ ''غرر'' معقود علیہ کے ہلاک ہوجانے کی صورت میں بیع کے فسخ ہوجانے کا ہے، کیونکہ جائداد غیرمنقولہ کی ہلاکت کا اندیشہ نہیں، لہذا ''غرر'' بھی ثابت نہ ہوگا ،لہذا بیع اصل کے حکم پر باقی رہے گی (بدائع الصنائع ۱۸۱/۵)۔

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ عقار کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اسی طرح جائز ہے جس طرح ''منقول'' کی بیع بعد القبض جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تصرف کی اجازت ملکیت کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ قبضہ کی وجہ سے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص اپنی ایسی ملکیت کو فروخت کرے جو مودع یا غاصب کے قبضہ میں ہو اور وہ مودع وغاصب اس شخص کی ملکیت کا اقرار بھی کرتے ہوں تو بیع جائز ہوگی (حالانکہ وہ اس شخص کے قبضہ میں نہیں

ہے) کیاتم نہیں دیکھتے کہ اگر تصرف کی اجازت دینے والی ملکیت میں ایسا غرر ہو جس سے بچنا ممکن ہو تو یہ تصرف کے جواز کے لئے مانع ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ''بیع غرر'' سے منع فرمایا ہے، لہذا جائداد منقولہ میں قبل القبض بیع کرنے میں یہ غرر ہے کیونکہ اس کے ہلاک ہوجانے سے بیع ٹوٹ جائے گی اور مشتری کی ملکیت باطل ہوجائے گی، اور جب قبضہ کرلے گا تو یہ غرر منتفی ہوجائے گا اور صرف ایک غرر باقی رہے گا، وہ یہ کہ وہ چیز کہیں کسی اور کی نہ نکلے، لیکن اس غرر سے بچنا ممکن نہیں (کیونکہ یہ تو بیع کی ہر صورت میں پایا جاسکتا ہے)، عقار کی قبل القبض بیع میں مشتری کی ملکیت میں یہی'' غرر استحقاق'' ہے، کیونکہ عقار کی ہلاکت متصور نہیں اور اس کی وجہ سے بیع کا فسخ ہوجانا بھی متصور نہیں، اور غرر کا منتفی ہوجانا اس کے سبب کے بالکلیہ عدم تصور کی وجہ سے ابلغ ہے اس غرر کے منتفی ہونے سے جس کے سبب کا تصور کیا گیا لیکن اس نے عمل نہیں کیا، بیع میں'' غرر استحقاق'' کا تصور ہوتا ہے، لیکن اس سے احتراز ممکن نہیں یعنی غرر فسخ عقد کا سبب ہی منتفی ہے، اس کے برعکس غرر استحقاق کا سبب متصور ہے مگر عمل نہیں کرتا، لہذا سبب کا ہی منتفی ہوجانا سبب کے پائے جانے کے بعد احتراز ممکن نہ ہونے کی وجہ سے عمل نہ کرنے کے مقابلے میں ابلغ ہے (مبسوط ۹/۱۳)۔

امام ابن ہمامؒ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: جو چیز منع اور نہی کا باعث ہے وہ غرر'' انفساخ'' ہے مبیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں، وہ یہاں منتفی ہے کیونکہ عقار کا ہلاک ہوجانا نادر ہے، اور جو نادر ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا، اور احکام فقہیہ اس پر مبنی نہیں ہوتے، لہذا مانع جواز نہ ہوگا، کیونکہ اس کا ہلاک ہوجانا متصور نہیں، الا یہ کہ وہ دریا وغیرہ بن جائے، یہاں تک کہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ اس جگہ کے متعلق ہے جس کے دریا ہوجانے یا اس پر ریت وغیرہ کے غالب آجانے کا اندیشہ نہ ہو، لیکن جو جگہ اس سے مامون نہ ہو وہاں قبل القبض بیع اسی طرح جائز نہ ہوگی جس طرح منقول میں، اسے محبوبی نے ذکر کیا ہے، اور اختیار میں ہے کہ اگر زمین دریا کے کنارے پر ہو یا مبیع انتہائی بلندی پر تو اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہے (فتح القدیر ۱۳۷/۶)۔

عبارات مذکورہ کا حاصل یہ ہے کہ اشیاء غیر منقولہ (عقار) میں بھی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اسی وقت جائز ہے جب اندیشۂ ضیاع وہلاکت نہ ہو، لیکن اگر اندیشۂ ہلاکت ہو تو اس کا حکم اشیاء منقولہ کا ہی ہے، یعنی اس میں قبل القبض بیع جائز نہ ہوگی۔

اب تک کے مباحث سے سوال (۵،۴،۳،۲،۱) کے جوابات واضح ہوچکے ہیں، باقی ماندہ دو سوالات کے جوابات نیچے درج کئے جاتے ہیں:

۶۔ یہ خرید وفروخت جائز ہے، اولاً دہلہ میں فیکٹری کی حیثیت بائع کی ہے، ثانیاً مشتری اول کے وکیل کی جسے سوال میں خریدار نمبر (۱) سے تعبیر کیا گیا ہے، دونوں میں کوئی منافات نہیں۔

اصول الشاشی کی یہ عبارت اس کی صریح نظیر ہے:

وإذا قال أعتق عبدك عني بألف درهم فقال أعتقت يقع العتق عن الآمر فيجب عليه

الألف ولو كان الآمر نوى به الكفارة يقع عما نوى و ذلك لأن قوله أعتقه عني بألف درهم يقتضي معنى قوله بعه بألف ثم كن وكيلي بالإعتاق فأعتقه عني فيثبت البيع بطريق الاقتضاء و يثبت القبول كذلك (اصول الشاشی ص ۳۲)۔

جب کہے'' آزاد کردواپنے غلام کومیری طرف سے ایک ہزار درہم میں'' پس دوسرا کہے'' میں نے آزاد کردیا'' تو یہ آزادی آمر کی طرف سے واقع ہوگی اور اس پر ایک ہزار درہم واجب ہوجائیں گے، اور اگر آمر نے اس کے ذریعہ کسی کفارہ کا ارادہ کیا تو یہ آزادی اسی کی طرف سے ہوئی جس کی نیت کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے شخص کا قول'' غلام کومیری طرف سے ایک ہزار درہم میں آزاد کردو'' اس بات کو چاہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوکہ تم مجھے اپنے غلام کو ایک ہزار میں فروخت کردو، پھر میرے وکیل بالاعتاق بن کر میری طرف سے اسے آزاد کردو، لہذا بیع بطریق الاقتضاء ثابت ہوگی اور ایسے ہی قبول بھی بطریق الاقتضاء ثابت ہوگا۔

۷۔ یہ صورت جائز نہیں ہے، بیع فاسد ہے، حدیث نبوی ولا ربح مالم یضمن کی تشریح کرتے ہوئے مشہور حنفی عالم ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں۔

ترجمہ: اس سے مراد وہ نفع ہے جو کسی چیز کو خریدنے کے بعد اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع کرنے سے حاصل ہو، اور وہ بائع کے ضمان سے مشتری کے ضمان کی طرف منتقل نہ ہوا ہو، اس لئے کہ اس کی بیع فاسد ہے.....اور کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کا نفع اسی وقت حلال ہوتا ہے جب خسارہ کی ذمہ داری بیچنے والے پر ہو، پس اگر خسارہ کی ذمہ داری اس پر نہ ہو مثلاً قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جب تلف ہوجائے، تو اس کا ضمان بائع پر ہے اور مشتری کو حق نہیں ہے کہ اس کا وہ نفع واپس لے جس سے بائع قبل القبض منتفع ہوچکا ہے، اس لئے کہ مبیع قبضہ کے ذریعہ مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوئی، پس اس کے لئے قبل القبض مبیع کا نفع بھی حلال نہ ہوگا۔

اس پہلے خریدار کی فروختگی اسی وقت جائز ہوسکتی ہے جب وہ مال اس کے ضمان میں ہو، اصالۃً یا نیابۃً و وکالۃً، یہاں اصالۃً ممکن نہیں، وکالۃً و نیابۃً ممکن ہے، جبکہ اس خریدار نے اسی طریقہ (شپنگ) سے مال منگوایا ہو، اس صورت میں مال بردار جہاز کا عملہ پہلے خریدار کا وکیل مانا جائیگا، اور نقصان کی صورت میں وہی پہلا خریدار ضامن بھی ہوگا۔

لیکن اگر پہلا خریدار ضامن نہ ہو اور اس نے مال کی وصولی سے پہلے کسی شخص کے ہاتھ فروخت کردیا تو بیع جائز نہ ہوگی۔

واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

مولانا مجیب الغفار اسعد

۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض ناجائز ہے، اور اس کا شمار بیوع فاسدہ میں ہے، جیسا کہ تصریحات ذیل سے واضح ہے، فتح القدیر میں ہے:

(لأن فيه غرر انفساخ العقد) الأول (على اعتبار هلاک المبيع) قبل القبض فيتبين حينئذ أنه باع ملک الغير بغير إذنه و ذلک مفسد للعقد (۲۶۵/۵)۔

''بیع قبل القبض'' اسلئے ناجائز ہے کہ اس کے اندر قبضہ سے پہلے مبیع کے ہلاک ہوجانے کی صورت میں عقد اول کے فسخ ہوجانے کا خطرہ اور کھٹکا ہے، اگر ایسا ہوا تب تو کھل کر یہ بات سامنے آجائے گی کہ بیع قبل القبض کرنے والے نے دوسرے کا مال بدون اس کی اجازت کے بیچ دیا، اور ظاہر ہے کہ یہ مفسد عقد ہے۔

عنایہ میں ہے:

فإن المقصود من البيع الربح، و ربح ما لم يضمن منهي عنه شرعاً والنهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسداً قبل القبض لأنه لم يدخل في ضمانه كما في الإجارة (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۲۶۵/۵)۔

بیع سے مقصود نفع کمانا ہوتا ہے، اور جو چیز آدمی کے ضمان میں نہ آئی ہو اس سے نفع کمانا شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ اس سے نہی وارد ہوئی ہے، اور کسی چیز سے نہی شرعی اس کے فساد کو مقتضی ہوا کرتی ہے، اس کے تحت بیع قبل القبض فاسد ہوگی، کیونکہ مبیع مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہے۔

۲۔ شرع اسلامی میں قبضہ کی حقیقت:

قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مختلف احادیث مختلف الفاظ وتعبیرات کے ساتھ مروی ہیں، لیکن چونکہ قبضہ کی مختلف اور گوناگوں صورتیں تھیں جیسا کہ فقہ وفتاوی کی کتابوں سے واضح ہے، اسلئے اس کی کوئی خاص صورت کتاب وسنت میں بطور تعیین وحصر کے نہیں فرمائی گئی۔

احادیث میں قبضہ کی جو صورتیں مذکور بھی ہیں، مثلاً نقل وتحویل، ''ایواء الی الرحال'' وغیرہ، وہ سب چونکہ غالب احوال پر محمول ہیں، قبضہ کیلئے لازمی اور ضروری شرطیں نہیں، کما قال الحافظ " إن الايواء إلى الرحال خرج مخرج الغالب" (فتح الباری ۲۹۳/۴) اسلئے ان ساری صورتوں کے انضباط اور انتظام کیلئے ایک ایسے

امر کلی کے بیان کی ضرورت تھی جس کے اندر قبضہ ودخل کی تمام صورتیں آجائیں، سو آنحضرت ﷺ نے اسے بیان فرمادیا جس کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آدمی شرعاً اسی چیز کو بیچنے اور فروخت کرنے کا مجاز ہے جو اسکے حرز وضمان میں داخل ہوچکی ہو، ورنہ اس کا بیچنا درست نہ ہوگا، اور اس بیع کا جو نفع ہوگا وہ ''ربح مالم یضمن'' کے تحت ناجائز ہوگا۔

عن عبد الله بن عمرو قال: نهى النبى ﷺ عن ربح مالم يضمن (أخرجہ الترمذی) فتح الباری ۲۹۲/۴)۔

عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی چیز سے نفع کمانے سے منع فرمایا ہے جو آدمی کے حرز وضمان میں نہ آئی ہو۔

اسی کے معنی میں حضرت حکیم بن حزامؓ کی وہ حدیث بھی ہے۔ جس کی اصحاب سنن نے تخریج کی ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قلت: يارسول الله يأتينى الرجل فيسألنى البيع ليس عندى، أبيعه منه ثم أبتاعه له من السوق فقال: لا تبع ما ليس عندك. (فتح الباری ۲۹۱/۴)۔

حکیم بن حزام کہتے ہیں ''میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے ایسی چیز فروخت کرنے کی فرمائش کرتا ہے جو ابھی میری ملک اور ضمان میں نہیں ہے، تو کیا میں اس وقت اس کے ہاتھ وہ شی بیچ دوں اور پھر بازار سے وہی چیز خرید کر اس کے حوالے کردوں؟ آپ نے فرمایا: جو چیز تمہارے پاس یعنی تمہاری ملک اور ضمان میں نہ ہو اسے فروخت نہ کیا کرو۔

ان احادیث کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے قبضہ کی شرعی حقیقت متعین فرمادی ہے، اسی بناء پر جسٹس مولانا محمد تقی مدظلہم العالی نے قبضہ کی تعریف ضمان ہی سے کی ہے، اور اس میں شک نہیں کہ بہت ہی خوب اور جامع تعریف کی ہے، لکھتے ہیں:

وأما القبض فهو أن يأتى الشئ فى حرزه و ضمانه كما يظهر من كلام الحافظ فى الفتح (تکملہ فتح الملہم ۳۵۰/۱)

یعنی قبضہ کی حقیقت جیسا کہ ''فتح الباری'' کے اندر حافظ کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے، یہ ہے کہ ''چیز آدمی کی ضمانت اور حفاظت میں آجائے''۔

اس سے صاف واضح ہے کہ قبضہ اور ضمان کا مفہوم ایک ہے، لہذا جو شی کسی آدمی کے ضمان میں ہو، یعنی جس کے نفع نقصان کا وہ ضامن ہو وہ اس پر شرعاً قابض مانا جائے گا اور اس کا اسے بیچنا از روئے شرع صحیح و درست ہوگا، گو نقل وحمل اور حسی قبضہ نہ ہو۔

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے:

حضرت علامہ فرماتے ہیں:

واضح ہو کہ شوافع کے یہاں نقل وتحویل کے بغیر قبضہ کا تحقق نہیں ہوتا اور ہمارے یہاں مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ سے قبضہ پالیا جاتا ہے، لیکن تخلیہ سے کیا مراد ہے؟ اور اسکی حقیقت کیا ہے؟ سو یہ ایسی چیز ہے جس کا انضباط ذرا مشکل ہے، ہاں جزئیات پر غائر نظر ڈالنے سے کسی قدر اس کے مفہوم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، میرے نزدیک تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع سے اپنی ملکیت کے علائق کو اٹھالے اور اسے قبضہ پر قابو دیدے، اور یہ بات کبھی قول کے ذریعہ، کبھی فعل کے ذریعے، اور کبھی قرائن کے ذریعہ پائی جاتی ہے، اور ناطفی کی اجناس میں جو یہ شرط لگائی ہے کہ بائع زبان سے کہدے کہ میں نے مبیع اور مشتری کے درمیان روک اٹھادی ہے، یا اسی کے ہم معنی کوئی بات کہے، سو میرے نزدیک یہ کچھ ضروری نہیں ہے، اور میرے علم میں ناطفی کے علاوہ کسی اور نے یہ شرط نہیں لگائی ہے، اب میں آپ کے سامنے چند جزئیات رکھتا ہوں تاکہ بات مزید واضح ہوجائے، مسئلہ: فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر صحرا کے اندر کسی نے گھوڑا بیچا اب اگر مشتری اس پوزیشن میں ہے کہ بدون کسی تعاون کے قبضہ کرسکتا ہے تو قبضہ مان لیا جائے گا۔

دیکھئے فقہاء نے یہاں صرف مشتری کے تمکن کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے قبضہ کے حکم میں مان لیا۔ (فیض الباری ۳/۲۰۶)۔

فقہاء کا قول ہے کہ اگر کسی نے گھر یا صندوق بیچا اور اس کی کنجیاں مشتری کے حوالے کردیا تو یہ قبضہ ہوگیا، حاصل کلام یہ کہ بیع، ہبہ، رہن میں ہمارے نزدیک قبضہ تخلیہ اور قبضہ پر قدرت سے ہوجاتا ہے اس کیلئے نقل وحمل اور حسی قبضہ کچھ ضروری نہیں۔ (فیض الباری ۳/۲۰۶)۔

تخلیہ کے بارے میں ایک ضروری وضاحت:

علامہ شامی لکھتے ہیں:

وحاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، و نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى و يشار إليه قبض، و في نحو ثوب فكونه بحيث لو مديده تصل إليه قبض، و في نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض۔ (ردالمحتار ۴/۵۹)۔

حاصل یہ ہے کہ بدون کلفت ومشقت کے قبضہ پر قدرت اور تمکن کے باوجود بھی تخلیہ کو حکما قبضہ قرار دیا جائے گا، لیکن تخلیہ کی نوعیت ہر جگہ یکساں نہیں ہوگی بلکہ مبیع کی حالت اور پوزیشن کے اعتبار سے اس کے اندر اختلاف ہوتا رہتا ہے، یعنی اس کی نوعیت بدلتی رہتی ہے، مثلاً ایک کوٹھری میں گیہوں ہے، بائع نے اسے بیچ دیا بعدہ اس کی کنجی مشتری کے حوالے کردی ایسی صورت میں اگر مشتری بآسانی تالا کھول سکتا ہے تو قبضہ مان لیا جائے گا، یا مثلاً گائے بیچی

گئی جو چراگاہ میں چر رہی ہے تو اگر وہ اتنی قریب ہے کہ نظر آئے اور اس کو اشارہ سے بتلایا جا سکے تو یہ قبضہ ہو گیا، اسی طرح اگر کپڑا بیچا گیا اور اتنے فاصلہ پر ہیکہ مشتری اگر ہاتھ بڑھائے تو پا جائے تو یہ بھی قبضہ ہو گیا، اگر گھوڑا یا پرندہ کی بیع ہوئی جو کوٹھری میں بند ہیں ایسی صورت میں دیکھنا یہ ہے کہ مشتری اسے اگر بدون کسی کی مدد حاصل کئے ہوئے پکڑ سکتا ہے تو اسے قبضہ مان لیا جائے گا۔

حاصل بحث:

الحاصل قبضہ یہ ہے کہ چیز آدمی کی حفاظت اور ضمان میں آجائے، قبضہ کی یہ تعریف اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں کو شامل ہے، فقہاء کے نزدیک قبضہ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) قبضہ حقیقۃً جس کو قبضہ حسی بھی کہتے ہیں (۲) قبضہ حکماً، قبضہ حکمی اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں کے اندر تخلیہ سے ہو جاتا ہے، اور تخلیہ میں ہاتھ کا قبضہ یعنی قبضہ حسی شرط نہیں بلکہ روک دور کر کے قابو دینا بھی قبضہ ہے، یعنی بائع مبیع اور مشتری کے درمیان اس طرح روک اٹھادے کہ مشتری اس کے قبضہ کرنے پر قادر ہو جائے اور کوئی مانع نہ رہے، چنانچہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ موانع کا درمیان سے اٹھادینا بیع جائز میں قبضہ ہو جاتا ہے مگر بیع فاسد میں دو روایتیں ہیں اور صحیح یہ ہے کہ اس میں بھی قبضہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ کے جواب میں عرض ہے کہ ہمارے نزدیک اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں میں تخلیہ کے ذریعہ قبضہ کا تحقق ہو جاتا ہے، البتہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے، ان کے یہاں جو چیز ہاتھ میں لی جا سکتی ہے، جیسے دراہم، دنانیر، کپڑے وغیرہ ان کا قبضہ ہاتھ میں لینے ہی سے ہوگا، اور غیر منقولہ کے اندر قبضہ تخلیہ سے ہوگا اور جو چیزیں عادۃً ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاتی ہیں، جیسے لکڑیاں، اناج، حیوانات، تو ان پر قبضہ اس وقت ہوگا جبکہ انہیں ایسی جگہ منتقل کر دیا جائے جس کا بائع سے کوئی علاقہ نہ ہو، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان اشیاء میں بھی تخلیہ سے قبضہ ہو جائے گا، کمافی (فتح الباری ۲۹۲/۴)۔

۴۔ کے جواب میں عرض ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت سے متعلق احادیث تعبدی نہیں، بلکہ معلول بالعلۃ ہیں اور نہی کی علتیں دو ہیں (۱) ربح مالم یضمن کا لزوم ہے جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

حديث عبد الله بن عمرو دل على أن العلة في النهي عن بيع المبيع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح مالم يضن نصه ما يأتي : أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل سلف و بيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ما ليس عندك (أخرجہ الترمذی فی باب کراہۃ بیع مالیس عندہ وقال ہذا حدیث حسن صحیح)۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ بیع قبل القبض سے ممانعت کی علت ''ربح مالم یضمن'' ہے، یعنی اس چیز سے نفع اٹھانا لازم آتا ہے جو ابھی ضمان (قبضہ) میں نہیں آئی اور ایسا نفع ناجائز ہے اور جو عقد امر ناجائز کو مستلزم ہو وہ بھی ناجائز ہوتا ہے۔

(۲) غرر انفساخ العقد، یہ علت صاحب ہدایہ نے بیان فرمائی ہے، مطلب یہ ہیکہ بیع قبل القبض اسلئے

ناجائز ہے کہ اس کے اندر قبضہ سے پہلے مبیع کے ہلاک ہوجانے کی صورت میں عقد اول کے فسخ ہوجانے کا خطرہ اور کھٹکا ہے۔

علامہ ابن الہمامؒ اس کے تحت لکھتے ہیں:

والحدیث معلول به أی بغرور الانفساخ، یعنی حدیث میں ممانعت غرر انفساخ کی وجہ سے ہے اور اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جو تصرفات غرر انفساخ سے متاثر نہیں ہوتے وہ مبیع کے اندر قبل القبض صحیح ہیں، جیسے غلام کو قبل القبض آزاد کرنے کا تصرف، اور مبیع کو قبل القبض نکاح میں مہر مقرر کردینے کا تصرف، یہ سب صحیح اور نافذ ہیں، غلام آزاد ہوگیا تو ہوگیا غلام کے ہلاک ہوجانے کی صورت میں یہ تصرف باطل نہیں ہوتا اسی طرح اگر مہر معین ہلاک ہوگیا تو شوہر پر اس کی قیمت لازم ہوگی لیکن اس کی وجہ سے نکاح ہی فسخ ہوجائے ایسا نہیں ہوسکتا۔ (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۳)۔

۵۔ کے جواب میں عرض ہے کہ احادیث نہی تعمیم و تخصیص کے اعتبار سے فقہاء کے اجتہادات مختلف ہیں، اس سلسلہ میں چند مشہور اقوال مع وجوہ ودلائل کے ذکر کئے جاتے ہیں۔

قول اول:

یہ کہ بیع قبل القبض ہر چیز کے اندر جائز ہے، یہ قول عثمان البتی کا ہے، یہ قول ناقابل التفات، شاذ، متروک اور مردود ہے۔

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: ''یہ قول، احادیث بالخصوص اناج کے اندر بیع قبل القبض کی ممانعت کے سلسلہ میں اجماعی حجت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے، شاید انہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث '' من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه '' کا علم نہ ہوا ہوگا، اسلئے انہوں نے یہ بات کہدی، لیکن کچھ بھی ہو یہ قول ناقابل التفات ہے (کذا فی المغنی لابن قدامہ ۴/۱۱۳)۔

قول ثانی:

اشیاء منقولہ، غیر منقولہ غلہ وغیرہ ہر چیز کی بیع قبل القبض بدون کسی استثناء اور تخصیص کے حرام ہے، یہ قول امام شافعیؒ، امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ظاہر بھی یہی ہے، اور ایک روایت میں بواسطہ ابن عقیل امام احمدؒ سے بھی یہی بات منقول ہے، کما فی المغنی۔

دلائل:

(۱) أخرج أبو داؤد (رقم ۳۳۵۶)۔

عن ابن عمر قال: " ابتعت زیتا فی السوق، فلما ستوجبته لقینی رجل فأعطانی به ربحا حسناً، فأردت أن أضرب علی یدیه فأخذ رجل من خلفی بزراعی، فالتفت فإذا زید بن ثابت، فقال: لا تبعه حیث ابتعته حتی تحوزه الی رحلک فإن رسول الله ﷺ نهی أن تباع

السلع حيث تبتاع، حتى يحوزها التجار إلى رحالهم".

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت موجود ہے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے بازار میں روغن زیتون خریدا، جب بیع لازم ہوگئی تو ایک صاحب وہیں پر ملے اور اس کا اچھا نفع دے کر مجھ سے خریدنے کیلئے تیار ہوگئے، میں نے ابھی ارادہ ہی کیا تھا کہ اس آدمی سے ہاتھ ملالوں اور بیع کی پکی بات کرلوں کہ اتنے میں پیچھے سے ایک شخص نے میرا ہاتھ پکڑلیا، میں نے جو مڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں، کہنے لگے کہ بھائی! ایسا نہ کرو، جس جگہ تم نے خریدا ہے وہیں بیچنا درست نہیں، جب تک کہ اسے گھر نہ پہنچالو، سامان جس جگہ خریدا جائے وہیں اسے بیچ دیا جائے رسول اللہ ﷺ نے تاجروں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے، تا آنکہ وہ اسے اپنی تحویل میں لے کر اپنے گھر اور ٹھکانے پر نہ پہنچالیں"۔

(٢) عن حكيم بن حزام قال: "قلت: يا رسول الله! إني أبتاع هذه البيوع فما يحل لي منها و ما يحرم علي؟ قال: يا ابن أخي، لا تبيعن شيئا حتى تقبضه" (ہذا اللفظ للبیہقی فی سننہ ٥/٣١٣) و قال: هذا إسناد حسن متصل" و أخرجه أيضا ابن حبان في صحيحه، (واحمد فی مسندہ ٣/٤٠٢)۔

حکیم بن حزامؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! میں خرید وفروخت کرتا رہتا ہوں، میرے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: اے بھتیجے قبضہ کرنے سے پہلے کسی چیز کو آگے فروخت مت کرنا۔

(٣) عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل سلف و بيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ماليس عندك، (أخرجه الترمذي في باب كراهية ما ليس عنده و قال: هذا حديث حسن صحيح)۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ قرضہ اور بیع کو جمع کرنا حلال نہیں اور نہ بیع میں دو شرطیں لگانا، اور نہ ایسی چیز کا نفع حاصل کرنا حلال ہے جو ابھی ضمان میں نہیں آئی، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مندرجہ بالا احادیث عام ہیں اور ہر قسم کی مبیع کو شامل ہیں، لہذا ان احادیث کے عموم پر نظر کرتے ہوئے قول ثانی کے اندر کسی طرح کا استثناء نہیں، بلکہ ہر ایک مبیع کی بیع قبل القبض حرام ہے۔

قول ثالث:

بیع کے صحیح ہونے کیلئے قبضہ کی شرط صرف طعام (غلہ) کی بیع کے ساتھ خاص ہے، طعام کے علاوہ دوسری اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے، یہ قول امام احمد بن حنبلؒ کا ہے" کما حققه ابن قدامة"۔

دلائل:

(۱) عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال : من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه، قال ابن عباس : وأحسب كل شيء مثله (اخرجہ البخاری فی البیوع باب ما یذکر فی بیع الطعام والحکرۃ)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے فرمایا کہ جو شخص غلہ بیچنے کا ارادہ کرے اسے چاہئے کہ قبضہ میں لانے سے پہلے فروخت نہ کرے''، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ حکم غلہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام چیزوں میں عام ہے۔

(۲) عن ابن عمر قال : " كنت أبيع الإبل بالبقيع بالدنانير وآخذ مكانها الورق وأبيع بالورق وآخذ مكانها الدنانير فأتيت النبي ﷺ فسألته عن ذلك، فقال : لا بأس به بالقيمة .

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں بقیع کے علاقہ میں اونٹ بیچا کرتا تھا، جب دنانیر کے بدلے بیچتا تو ان کی جگہ دراہم لے لیتا، اور کبھی دراہم کے عوض فروخت کرتا تو ان کی جگہ دنانیر لے لیتا، میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے ارشاد فرمایا: مالیت کا لحاظ کرتے ہوئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

أخرجه أصحاب السنن الأربعة وأحمد و ابن حبان والحاكم من طريق سماك بن حرب عن سعيد بن جبير عن ابن عمر ، ولم يرفعه إلا سماك بن حرب كما في التلخيص الحبير للحافظ (۳/۲۵،۲۶، باب القبض واحکامہ)۔

وجہ دلالت:

اس حدیث کی رو سے جب بیع کے ایک عوض (ثمن) کے اندر قبضہ سے پہلے تصرف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تو پھر دوسرے عوض (مبیع) کے اندر بھی قبضہ سے پہلے تصرف صحیح ہونا چاہئے، ہاں مبیع جب غلہ ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے، اسلئے کہ اس کو قبضہ سے پہلے بیچنا بصراحت منع ہے۔

نوٹ: قول ثانی کے اندر جو حدیثیں مذکور ہیں چونکہ وہ عام ہیں اور ہر قسم کی مبیع کو شامل ہیں، اس لئے وہ حدیثیں ان کے خلاف حجت ہیں۔

قول رابع:

بیع کی صحت کے لئے مبیع پر قبضہ کی شرط صرف کیلی اور وزنی چیزوں کے ساتھ خاص ہے، ان چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں کی بیع میں قبضہ شرط نہیں، یہ قول امام مالکؒ کا ہے۔

استدلال:

بحديث ابن عمر مرفوعاً " من اشترى طعاما بكيل أو وزن فلا يبعه حتى يقبضه (رواه احمد)

حضرت ابن عمرؓ کی مرفوعاً حدیث کے اندر ارشاد نبوی ہے کہ جو شخص غلہ خریدے کیل، یا وزن کے ذریعہ تو وہ اسے قبضہ سے پہلے نہیں بیچ سکتا۔

قول خامس:

زمین اور مکانات کے علاوہ باقی اشیاء میں آگے فروخت کرنے کیلئے بائع کا قبضہ ضروری ہے، یہ قول امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا ہے (کمافی فتح القدیر ۲۶۶/۵)۔

دلائل:

ان حضرات کی دلیلیں بعینہ وہی ہیں جو قول ثانی کے اندر مذکور ہو چکی ہیں بس فرق یہ ہے شیخین نے بر بناء درایت بیع قبل القبض سے ممانعت کی حدیثوں کا مصداق اشیاء منقولہ ہی کو قرار دیا ہے (۱) اعلاء السنن میں عقار کی بیع قبل القبض کے جواز پر حدیث بھی موجود ہے، لکھتے ہیں:

ومما يدل بقول أبي حنيفة مارواه ابن أبي مليكة أن عثمانؓ ابتاع من طلحة أرضا بالمدينة ناقلة بأرض له بالكوفة فقال عثمان بعتك ما لم أره فقال طلحة إنما النظر لي لأني ابتعت مغيبا وأنت قد رأيت ما ابتعت فتحاكما إلى جبير بن مطعم فقضى على عثمان أن البيع جائز وأن النظر لطلحة لأنه ابتاع مغيبا رواه البيهقي بإسناد حسن، ويقتضي جواز بيع العقار قبل القبض فإن عثمانؓ باع أرضا له بالكوفة ولم يرها وهو ظاهر في أنه باعها ولم يقبضها فإن القبض يستلزم الرؤية حتما (۱۷۵/۱۴)۔

اور امام شافعیؒ وغیرہم نے منقولہ وغیر منقولہ تمام مبیعات کو ان کا مصداق سمجھا ہے، شیخین کہتے ہیں کہ بیع کا دارومدار چونکہ مبیع ہی پر ہوتا ہے، اور مبیعات منقولہ میں ہلاکت کثیر الوقوع ہے، اسلئے غالب احوال کو دیکھتے ہوئے آگے فروخت کرنے کیلئے یہاں بائع کا قبضہ ضروری ہے، ورنہ ہو سکتا ہے کہ بصورت ہلاکت مبیع، عقد اول ہی فسخ ہو جائے اور پھر دوسرے کی ملک میں تصرف کرنا اور ایک ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا لازم آئے جو ابھی ضمان اور قبضہ ہی میں نہیں آئی ہے، اور یہ دونوں باتیں شرعاً ممنوع ہیں، اور جو چیز امر ممنوع کو مستلزم ہوا کرتی ہے وہ ممنوع ہوا کرتی ہے، اسلئے یہاں بیع قبل القبض کو ممنوع قرار دیا گیا، اور چونکہ اشیاء غیر منقولہ (گھر اور زمین) میں مبیع کی ہلاکت شاذ و نادر ہے، اور نادر بمنزلہ معدوم کے ہوا کرتا ہے، اسلئے عام احوال میں بر بناء عدم فساد مذکور، آگے فروخت کرنے کیلئے یہاں مبیع پر قبضہ کی شرط نہیں رکھی گئی، لیکن اگر یہاں بھی وہی فساد لازم آئے جس کا ذکر اوپر ہوا، مثلاً یہ کہ گھر، زمین دریا کے کنارے پر ہو اور سیلاب وغیرہ کی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ غالب ہو تو ایسی صورت میں یہاں بھی فقہ حنفی کے اندر بیع قبل القبض جائز نہیں (کمافی فتح القدیر ۲۶۶/۵)۔

نوٹ:

سوال (۵) سے متعلق مذکورہ بالا تفصیلات "تکملہ فتح الملہم مولانا تقی عثمانی ۳۵۰/۱، ۳۵۱، نیل الاوطار

للشوکانی" ۵/۲۵۶،اوجز المسالک للشیخ زکریاؒ ۵/۷۵" سے ماخوذ ہیں۔

الحاصل "بیع کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مبیع بائع، یا اس کے وکیل کے قبضہ میں ہو، پھر حنابلہ نے اس شرط کو طعام (غلہ) کی بیع کے ساتھ خاص کردیا ہے، لہذا ان کے نزدیک طعام کے علاوہ دوسری اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے، اور مالکیہ نے قبضہ میں ہونے کی شرط کو کیلی اوروزنی چیزوں کے ساتھ خاص کردیا ہے، لہذا ان کے نزدیک کیلی اوروزنی چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں کی بیع میں قبضہ شرط نہیں ہے۔

امام شافعی اور امام محمد بن حسنؒ کے نزدیک مبیع کا بائع کے قبضہ میں ہونا تمام مبیعات میں ضروری ہے، چاہے وہ طعام ہو، یا کیلی وزنی چیز ہو، یا زمین ہو، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زمین کے علاوہ باقی اشیاء میں آگے فروخت کرنے کیلئے بائع کا قبضہ ضروری ہے"۔ (فتح القدیر لابن الہمام ۵/۲۶۶، المغنی لابن قدامۃ ۴/۱۱۳)۔

۶۔ کے جواب میں عرض ہے کہ یہ صورت جائز ہے۔

یہاں جواز کی صورت یہ سمجھ میں آئی کہ خریدار اول نے فیکٹری سے مال خریدا اور بیع کے بعد فیکٹری سے کہا کہ فیکٹری میرا خرید کردہ مال فلاں، یعنی خریدار دوم کے پتہ پر بھیج دے یہ عمل فیکٹری خریدار اول کی طرف سے وکالۃً کرتی ہے، اسلئے یہاں قبضہ اور ضمان پالیا گیا اور بیع جائز و درست ہوگئی۔

ردالمحتار میں ہے:

" ومن القبض مالو أودعه المشترى عند أجنبى أو أعاره و أمر البائع بالتسليم إليه (رد المحتار ۴/۵۸)۔

۷۔ حواب میں عرض ہے کہ صورت مسئولہ میں بیع ناجائز ہے، یہاں مبیع خریدار اول کے ضمان میں آئی ہی نہیں، اس لئے کہ مبیع ضمان میں آتی ہے قبضہ حسی سے، یا تخلیہ (قبضہ حکمی) سے جو بائع، یا اس کے وکیل کی طرف سے پایا جائے، یا اس سے کہ خریدار نے بائع کو کسی کے پاس مال بھیجنے، یا سپرد کرنے کا وکیل بنادیا ہو، یہاں یہ سب صورتیں مفقود ہیں، شرع میں مجرد عقد سے مبیع ضمان میں نہیں آتی، لہذا "ربح مالم یضمن" کو مستلزم ہونے کی وجہ سے اس بیع کو ناجائز قرار دیا گیا، مبیع کے ضمان میں آنے کی وجوہ مذکورہ کے بغیر کسی کو اس کا ضامن قرار دینا شرعاً غیر معتبر ہے بلکہ سراسر ظلم ہے، جب اس عقد کی بنیاد اول ہی صحیح نہیں تو جہاں تک بھی اس کا سلسلہ پہونچے گا سب "بناء الفاسد علی الفاسد" کی بنیاد پر فاسد قرار دیا جائے گا، جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی نے بھی اس بیع کو، بیع قبل القبض ہی کی صورتوں میں شمار کیا ہے اور اس کے مفاسد پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۴)۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے بیع وشراء کے مسائل

مولانا ظفر عالم ندوی، لکھنؤ

۱۔ بیع کے سلسلہ میں جو اصولی احکام ہیں ان پر غور کرنے اور بعض فقہی نصوص کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا شمار بیع فاسد میں ہوگا، کیونکہ جب بیع کے ارکان موجود ہوں اور عوضین موجود ہوں تو بیع کا وجود ہو جاتا ہے، البتہ اس مبیع کو قبضہ سے قبل فروخت کردینے میں معاملہ علی الخطر ہو جاتا ہے کہ آیا اس کا حصول ہو یا نہ ہو، اس بنا پر اس میں فساد پیدا ہو جائے گا، پھر یہ کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلہ میں نصوص شرعیہ میں جو نہی وارد ہے، وہ فساد کو ثابت کرتی ہے، ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے اپنی مشہور تصنیف الفقہ الاسلامی و أدلتہ میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو بیع فاسد کی فہرست میں شمار کرایا ہے، اور لکھا ہے:

لا يجوز التصرف في المبيع المنقول قبل القبض لأن النبي ﷺ نهى عن بيع مالم يقبض والنهي يوجب فساد المنهي عنه (أبوداؤد، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۲۷)۔

ایسی مبیع جو منقول ہو قبضہ سے پہلے اس میں تصرف جائز نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسی چیز کی بیع سے روک دیا ہے جس پر قبضہ نہ ہوا ہو، اور نہی منہی عنہ کے فساد کو ثابت کرتا ہے۔

۲۔ قبضہ کی کوئی خاص حقیقت غالباً کتاب وسنت میں بیان نہیں کی گئی ہے، البتہ کتب فقہ کے مطالعہ سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے یہاں ایسا تخلیہ جو بلا مانع اور بلا حائل ہو قبضہ ہے، اس سلسلے میں ناچیز کا خیال ہے کہ قبضہ کا تعلق عرف ورواج ہی سے ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس طرح کا استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا۔ علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں ایک مسئلہ کے ضمن میں قبضہ کے مفہوم کو مختصر ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ موصوف کے نزدیک قبضہ میں اصل معیار عرف ہی ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

ولا يشترط بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً و عادةً حقيقة (بدائع الصنائع ۴/۱۴۸)۔

اور انگلیوں سے پکڑنے کی شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کا مطلب دراصل تمکین، تخلیہ اور موانع کو دور کرنا ہے اور یہ عرف وعادت اور حقیقت کے مطابق ہو۔

علامہ شامیؒ نے تسلیم اور قبضہ کی تفصیلات ذکر کرنے کے بعد جو حاصل بحث لکھا ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شریعت اسلامی میں قبضے کی کوئی خاص شکل اور حقیقت متعین نہیں ہے بلکہ عرف میں جس چیز پر جس درجے کے عمل دخل حاصل ہونے کو قبضہ سمجھا جاتا ہو شرعاً بھی وہی قبضہ تصور کیا جائے گا۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں:

حاصله: أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة ، لكن ذلک بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض ، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أي بأن تكون في البلد فما يظهر وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مد يدة تصل إليه قبض وفي نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض (ردالمحتار ۴/۵۶۰أ)۔

خلاصہ یہ کہ تخلیہ حکماً قبضہ ہے اگر بلا تکلف اس پر قدرت حاصل ہو، البتہ یہ مبیع کے حسب حال ہوگا، پس گیہوں جیسی چیز اگر کسی مکان واسٹور میں ہو تو کنجی کا دے دینا جبکہ بلا کسی دقت کے کھولنا ممکن ہو تو یہ قبضہ تصور کیا جائے گا، مکان جیسی چیزوں میں قبضہ یہ ہے کہ اس کے بند کردینے اور تالا لگا دینے پر قدرت حاصل ہو جائے، گائے جو چراگاہ میں ہو اگر اس کو دکھا دیا جائے یا اشارہ کر دیا گیا تو یہ قبضہ ہے، کپڑا اگر اس طرح پھیلا دیا گیا کہ اس تک پہونچ جائے تو یہ قبضہ ہے، گھوڑے یا پرندے اگر گھر میں ہوں، بلا کسی تعیین کے ان کی گرفت یا ان کو حاصل کرنا آسان اور ممکن ہو تو یہ قبضہ ہے۔

علامہ شامیؒ کے بیان سے جو خاص بات معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ مبیع کے حسب حال قبضہ کا تصور ہوگا۔

علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں حنابلہ کا جو مسلک بیان کیا ہے اس میں صاف وضاحت ہے کہ قبضہ کے سلسلے میں عرف و رواج ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

قبض كل شيء بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا فقبضه بكيله و وزنه أي أنه يجب الرجوع في قبض إلى العرف (المغنی ۴/۱۱۱)۔

ہر چیز کا قبضہ اس کے حسب حال ہوگا، اگر مکیلی ہے تو کیل کرے یا موزونی ہے تو وزن کرے اس پر قبضہ ہوگا، یعنی قبضہ کے سلسلہ میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اسی طرح مالکیہ اور شافعیہ کے یہاں قبضہ کے سلسلہ میں صراحت موجود ہے کہ لوگوں کے درمیان قبضہ کا جو عرف جاری ہو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔

وقبض المنقول كالأمتعة والأنعام والدواب بحسب العرف الجاري بين الناس (المجموع ۹/۳۰۱، المہذب ۱/۲۶۳)۔

اشیاء منقولہ مثلاً سامان، جانور، چوپائے کا قبضہ اس عرف کے مطابق ہوگا جو لوگوں میں جاری ہو۔

مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ شریعت اسلامی میں کتاب وسنت میں قبضہ کی کوئی خاص شکل متعین نہیں ہے، لہٰذا لوگوں کے عرف میں جس چیز پر جس درجہ کے تسلط اور عمل دخل کو قبضہ سمجھا جاتا ہے شرع میں بھی وہی قبضہ مانا جائے گا۔

۳۔ علامہ شامیؒ کی اوپر درج شدہ عبارت " ذلک بحسب حال المبيع " سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کی نوعیت سے قبضہ کی صورتوں میں فرق ہوگا۔ مالکیہ اور شوافع نے اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کے قبضہ میں فرق بیان کیا ہے:

قبض العقار كالأرض والبناء ونحوهما يكون بالتخلية بين المبيع وبين المشترى و تمكينه من التصرف فيه بتسليم المفاتيح إن وجدت و قبض المنقول كالأمتعة و الأنعام والدواب بحسب العرف الجارى بين الناس (الفقہ الاسلامی و[]دلتہ ۴/۳/۴۷۴)۔

زمین اور مکان جیسی چیزوں کا قبضہ دراصل مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ اوراس میں تصرف پر قدرت حاصل ہونا ہے، اگر کنجیاں ہوں تو مکان کی کنجیاں سپرد کردینا قبضہ ہے، اورمنقول جیسے سامان، جانوراور چوپائے کا قبضہ اس عرف کے مطابق ہوگا جولوگوں میں جاری ہو۔

اس سلسلے میں علامہ ظفر احمد عثمانی نے بہت ہی واضح طور پر لکھا ہے جس سے مسئلہ کی پوری نوعیت سامنے آجاتی ہے، علامہ موصوف شرح الوجیز للرافعی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

قال العبد الضعيف : وفي "شرح الوجيز" للرافعي ما نصه في بيان أن القبض بم يحصل؟ فينظر إن كان المبيع مما لا ينقل كالدور والأرض فقبضه بالتخلية بينه وبين المشترى و تمكنه من اليد والتصرف ، وإن كان المبيع من المنقولات فالمذهب المشهور وبه قال أحمد إنه لا يكفي فيه التخلية بل لابد من النقل والتحويل. وقال مالك وأبو حنيفة: إنه يكفي فيه التخلية كما في العقار، وعن رواية حرملة قول مثله، وفيه وجه آخر: أن التخلية كافية لنقل الضمان إلى المشترى غير كافية للتسلط على التصرف.

الحالة الثانية: أن يباع الشئ مع اعتبار تقدير فيه، كما إذا اشترى ثوبا أو أرضا مذارعة أو متاعا موازنة، أو صبرة حنطة مكايلة أو معدودا بالعدد فلا يكفي للقبض ما مر في الحالة الأولى، بل لابد مع ذلك من الذرع أو الوزن أو الكيل أو العدد (اعلاء السنن ۱۴/۲۳۱)۔

امام رافعیؒ نے شرح الوجیز میں جوصراحت کی ہے کہ قبضہ کس طرح ہوا کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غور کیا جائے گا اگرمبیع اشیاء منقولہ میں سے نہ ہو مثلاً گھر اور زمین ہوتو ان پر قبضہ مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ کرنے اور تصرف پرقدرت حاصل کردینے سے ہوتا ہے، اوراگرمبیع اشیاء منقولہ میں سے ہوتو مشہور قول اور مسلک یہ ہے کہ صرف تخلیہ کافی نہیں بلکہ نقل اور تحویل بھی ضروری ہے، یہی خیال امام احمدؒ کا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اشیاء منقولہ میں بھی تخلیہ کافی ہے جیسا کہ عقار میں ہے۔ اور حرملہ سے اسی طرح کا قول منقول ہے، اوراس میں ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ تخلیہ کافی ہے ضمان کے نقل ہونے کی وجہ سے مشتری کیطرف، اورنا کافی ہے تصرف پرقادر ہونے کے اعتبار سے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ اشیاء فروخت کی جائیں اس میزان کے اعتبار سے جوان میں معتبر ہیں، مثلاً کپڑے یا زمین کو پیائش کے اعتبار سے، گیہوں کے ڈھیر کو کیل کے اعتبار سے یا معدودی اشیاء کو عدد کے اعتبار سے، تو ان میں قبضہ کے لئے وہ چیز کافی نہیں جو پہلی صورت میں گذری، بلکہ یہاں پیائش کرنا، وزن یا کیل کرنا یا گننا ضروری ہے، جب ہی قبضہ کا تصور ہوگا۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق جو احادیث ہیں وہ معلول بالعلۃ ہیں، عام طور پر مجتہدین نے علت نہی غرر کو بتایا ہے۔ محقق علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

إن أبا حنيفة وأبا يوسف خصا النصوص المنقول بعلة النهي وهو غرر انفساخ العقد بالهلاک قبل القبض و محمد أجراها على عمومها والشافعي خصها بما لم يكن متميزا و هو اختلاف الاجتهاد (اعلاء السنن ۱۴/ ۲۲۴)۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے نصوص کو نہی کی علت کے ساتھ خاص کیا ہے اور یہ علت دراصل قبضہ سے قبل ہلاک ہونے کی وجہ سے عقد کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے، اور امام محمدؒ نے ان نصوص کو عموم پر چھوڑ دیا ہے، اور امام شافعیؒ نے ایسی چیزوں کے ساتھ خاص کیا ہے جو ممیز وممتاز نہ ہو، اور یہ اختلاف اجتہادی ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے احناف کے مسلک پر روشنی ڈالتے ہوئے آخر میں لکھا ہے:

والخلاصة أن العلة عند الحنفية في عدم جواز بيع الشئ قبل قبضه هي الغرر (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۴۷۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے عدم جواز میں حنفیہ کے نزدیک علت غرر ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی صورت میں تمام اشیاء کی بیع کو ممنوع قرار نہیں دیا، بلکہ جہاں علت نہی پائی جاتی ہے وہاں ممنوع ہے اور جہاں علت نہیں پائی جاتی ہے وہاں ممنوع نہیں۔ مثلاً احناف میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے عقار کی بیع کو قبل القبض جائز قرار دیا ہے، اور وجہ جواز یہی بیان فرمایا ہے کہ اس میں غرر نہیں ہے:

أما العقار كالأراضي والدور فيجوز بيعه قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف استحسانا... ولا غرر في العقار إذ لا يتوهم هلاک العقار ولا يخاف تغيره غالبا بعد وقوع البيع وقبل القبض أن تلف العقار غير محتمل فلا يتقرر الغرر (المبسوط ۱۳/ ۸، بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۴، فتح القدیر ۵/ ۲۶۴)۔

عقار مثلاً زمین اور مکان ان کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک استحساناً جائز ہے، اور عقار میں غرر نہیں ہے کیونکہ عقار کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہی نہیں اور نہ ہی بیع ہونیکے بعد تبدیلی اور تغیر کا اندیشہ ہے، قبضہ سے قبل تلف ہونے کا اندیشہ نہیں ہے، اسلئے غرر ثابت نہیں ہے۔

البتہ مالکیہ کے نزدیک علت نہی ربا النسیئہ ہے، ان کے نزدیک طعام کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت درست نہیں ہے، اور طعام کے علاوہ اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے۔

وقال المالكية لا يجوز بيع الطعام قبل القبض ربويا كان أو غير ربوي لحديث ابن عباسؓ وابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه (مجمع الزوائد ۴/ ۹۸، نیل الأوطار ۵/ ۱۵۸)۔

مالکیہ نے کہا کہ طعام کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے، خواہ وہ طعام اموال ربویہ میں سے ہو یا نہ ہو، اور یہ عدم جواز ابن عباسؓ وابن عمرؓ کی روایت کی وجہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے طعام خریدا وہ اس کو نہ فروخت کرے تا آنکہ اس پر قبضہ نہ کر لے۔

وأما سوى ذلک أو بيع الطعام جزافا فيجوز بيعه قبل قبضه لغلبة تغير الطعام بخلاف ما سواه والعلة في منع بيع الطعام قبل قبضه عند المالكية هي أنه قد يتخذ البيع ذريعة للتوصل إلى ربا النسية فهو شبيه بيع الطعام بالطعام نساء فيحرم سدا لذرائع (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۷۶)۔

اور اس کے علاوہ میں یا طعام کی بیع اٹکل سے ہو تو قبضہ سے قبل جائز ہے تغیر طعام کے غلبہ کی وجہ سے، بر خلاف اس کے علاوہ اشیاء میں۔ مالکیہ کے نزدیک علت نہی یہ ہے کہ یہ بیع ربا النسیئہ تک پہونچنے کا ذریعہ بن رہی ہے، اس لئے یہ بیع الطعام بالطعام نسیئہ کے ہم مشابہ ہے، جو سدا للذریعہ حرام ہے۔

احناف ہی کی طرح حنابلہ نے بھی علت نہی غرر کو مانا ہے، البتہ مکیلی، موزونی اور معدودی اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے:

قال الحنابلة: لا يجوز بيع الطعام قبل قبضه إذا كان مكيلا أو موزونا أو معدودا وأما عدا المكيل والموزون والمعدود فيصح قبل قبضه فالعلة عنده الغرر (حوالہ سابق ۴/۴۷۴)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ طعام کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ مکیلی یا موزونی یا عددی ہو، اگر مکیلی، موزونی اور عددی کے علاوہ ہو تو اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے، علت نہی ان کے نزدیک غرر ہے۔

خلاصہ یہ کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق جو روایات ہیں وہ معلول بالعلۃ ہیں۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کے عموم وتخصیص کے سلسلے میں ائمہ کی رائیں مختلف ہیں، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی ممانعت عام ہے، مہذب میں ہے:

قال الشافعيؒ: لا يجوز بيع مالم يستقر ملكه عليه مطلقا قبل قبضه عقارا كان أو منقولا لعموم النهي عن بيع مالم يقبض (المہذب ۱/۲۶۴)۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جس چیز میں ملکیت ثابت نہ ہو جائے اس کی بیع جائز نہیں ہے قبضہ سے قبل، خواہ عقار ہو یا منقول ہو، روایت میں نہی کے عموم کی وجہ سے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے اس ممانعت سے عقار کی بیع کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اسے جائز قرار دیا ہے، ان کے نزدیک ممانعت عام نہیں ہے (بدائع الصنائع ۵/۲۳۴)۔ اسی طرح امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ممنوع عام نہیں ہے، بلکہ بعض اشیاء کو تفصیل سے فرمایا ہے جس سے مسئلہ کی پوری نوعیت واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے، میں یہاں امام نوویؒ ہی کی بحث کو نقل کرنا زیادہ مفید سمجھتا ہوں، علامہ موصوف لکھتے ہیں:

ترجمہ: ہم نے بیان کیا ہے کہ ہمارا مسلک اس کے بطلان کا ہے، خواہ طعام ہو یا غیر طعام ہو، یہی بات ابن عباسؓ سے بھی ثابت ہے، اور امام محمدؒ بھی یہی کہتے ہیں، ابن المنذرؒ نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص نے طعام خریدا تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اسے بیچ دے تا آنکہ اس پر قبضہ نہ کرلے، اور غیر طعام کے سلسلہ میں فقہاء کے چار مذاہب ہیں: ایک یہ کہ کسی چیز کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے، خواہ مبیع جس قبیل سے ہو، جس طرح طعام میں جائز نہیں ہے، یہ قول امام شافعیؒ وامام محمدؒ کا ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ سوائے مکیلی وموزونی کے تمام اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے، یہ قول عثمان بن عفان، سعید بن مسیب اور دیگر حضرات کا ہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ سوائے گھر اور زمین کے دیگر تمام چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہے، یہ قول امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کا ہے۔ چوتھا مذہب یہ ہے کہ سوائے ماکولات ومشروبات کے تمام چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے، یہ قول امام مالکؒ وابوثورؒ کا ہے۔ ابن المنذرؒ کا خیال یہ ہے کہ یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے، اس حدیث کی بنا پر کہ حضور ﷺ نے طعام کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے منع فرمادیا ہے، امام مالکؒ اور ان کے موافقین نے ابن عمرؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه، اور ابن عباسؓ کی روایت کو بھی مستدل بنایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس چیز کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے منع فرمایا وہ طعام ہے۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ ان روایات میں جو طعام کی صراحت ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر طعام کا حکم اس کے بر عکس ہے۔ ہمارے اصحاب شوافع نے حکیم بن حزام کی روایت سے استدلال کیا ہے: ''لا تبع مالم تقبضه'' یہی زید بن ثابت کی روایت ہے کہ سامان وہاں نہ خریدا جائے جہاں فروخت ہوا ہے تا آنکہ تجار اپنے گھروں میں اسے جمع نہ کرلیں، امام ابوداؤد نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے نصوص کے اطلاق سے استدلال کیا ہے، اور اس سے کہ عقار کے تلف ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، برخلاف غیر عقار کے ... یہ پوری بحث امام نوویؒ کی کتاب شرح المہذب سے تلخیص کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ (شرح مہذب ۹/۲۷۱،۲۷۲)۔

۶۔ اس صورت میں ضمان کو قبضہ حسی کے قائم مقام قرار دیا جائے گا اور اس طرح کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ عرف میں بھی اسے قبضہ ہی تصور کیا جاتا ہے، اور یہ ایسا عرف ہے جو نص شارع سے متصادم بھی نہیں ہے، لہذا اس کے جواز میں کوئی تردد نہیں ہے۔

۷۔ جہاز پر لدا ہوا مال جو ابھی سمندر ہی میں ہو اور مشتری اول نے ابھی اسے وصول بھی نہ کیا ہو اس مال کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کردینا یا تیسرے شخص کا اس مال کو خریدنا شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ معاملہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممنوع صورت میں داخل ہے، اور فقہاء نے یہ صراحت کردی ہے کہ اشیاء منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا حکم

محمد ارشد فاروقی قاسمی

۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت نا جائز ہے۔اور کبھی باطل ہوتی ہے تو کبھی فاسد۔

بیع باطل:

اگر مبیع ملکیت میں نہ ہو اور بیع کی جائے تو بیع باطل ہوگی۔ بیع ما لیس فی ملکه باطل (ردالمحتار ۱۱۹/۳) قول رسول ہے:"لا تبع ما لیس عندک "(مرقاۃ المفاتیح ۸۱/۴)۔

بیع فاسد:

اگر مبیع ملکیت میں ہو، لیکن قبضہ میں نہ ہو تو بیع فاسد ہوگی۔ وفی معنی ما لیس عنده فی الفساد بیع العبد الآبق وبیع المبیع قبل القبض (حوالہ سابق)۔

۲۔ فقہاء کی عبارتوں کو بہ نظر غائر پڑھنے سے حاصل مطالعہ یہ ہے کہ "قبضہ" جو "عرف" میں تسلیم کیا جائے وہی معتبر ہے۔امام کاسائی کی ایک جامع عبارت بطور ذکر رقم ہے:

فالتسلیم والقبض عندنا هو التخلیة والتخلی وهو أن یخلی البائع بین المبیع والمشتری برفع الحائل بینهما علی وجه یتمکن المشتری من التصرف فیه فیجعل البائع مسلما للمبیع والمشتری قابضا له وکذا تسلیم الثمن من المشتری إلی البائع ....ایک دوسری عبارت ہے: لأن معنی القبض هو التمکین والتخلی وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً حقیقة (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵، ۲۴۸)۔

۳۔ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ وہی معتبر ہوگا جو "عرف" میں قبضہ تسلیم کیا جائے۔علامہ کاسانی کی عبارت بالا سے یہی واضح ہوتا ہے (ایضا)۔اشیاء غیر منقولہ قبضہ سے پہلے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز ہے۔ امام محمدؒ کے یہاں نا جائز ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں۔"علت نہی" غرر ودھوکہ ہے۔

والغرر المنهی عنه غرر انفساخ العقد والحدیث معلول به (ہدایہ ۵۸/۳)۔قبضہ سے قبل مبیع کا ضائع ہونا ممکن ہے، یہ ہے "غرر انفساخ"، یہی علت نہی ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت امام محمدؒ کے نزدیک عام ہے۔اور حضرات شیخین (امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف) کے یہاں اشیاء غیر منقولہ کا استثناء ہے:

ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفة وعند أبی یوسف، وقال محمد لا یجوز رجوعا إلی إطلاق الحدیث واعتبارا بالمنقول۔

امام محمد فرماتے ہیں اس سلسلہ میں احادیث مطلق ہیں اس لئے اطلاق کو باقی رکھتے ہوئے عمل ہوگا۔

ولهما أن ركن البيع صدر من أهله ولا غرر فيه لأن الهلاک في العقار نادر (حوالہ سابق)۔

شیخین فرماتے ہیں کہ بیع کا رکن، بیع کا اہل موجود ہے، اس لئے عقار میں بیع ہو جائے گی قبضہ سے پہلے، اور "غرر" ہی حدیث میں علت ہے۔ اور شیخین فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ سے ثابت شدہ بیع کو جز واحد سے خاص نہیں کیا جاتا۔ ولهما عموم البياعات من الكتاب العزيز ولا يجوز تخصيص بيع الكتاب بخبر واحد عندنا (بدائع الصنائع ۱۸۱/۳)۔

لیکن اگر اشیاء غیر منقولہ میں "غرر انفساخ" پایا جائے تو شیخین کے یہاں بھی قبضہ سے پہلے بیع ناجائز ہو گی، مثلاً عقار سمندر کے کنارے ہو، یا ریتیلی زمین ہو۔ قال بعض المشائخ أن جواب أبي حنيفة في موضع لا يخشى عليه أن يصير بحرا أو يغلب عليه الرمال (فتح القدیر ۱۳۷/۶)۔

۶۔ بیع کی صورت مسئولہ جائز ہوگی، البتہ بائع اول کی دوحیثیت تسلیم کی جائیگی۔ پہلی حیثیت بائع کی اور دوسری حیثیت خریدار نمبر ایک کے وکیل کی، اب خریدار نمبر ۲ کے بدست بیع بحیثیت وکیل کے بائع نمبر ا کرلے گا، اس لئے بیع جائز ہوگی۔ اور یہ بیع اقتضاءً جائز ہوگی، اصول فقہ کی کتابوں میں اس صورت کی نظیر موجود ہے:

وإذا قال أعتق عبدک عني بألف درهم فقال أعتقت، يقع العتق عن الأمر. لأن قوله أعتقه عني بألف درهم يقتضي معنى قوله بعه بألف ثم كن وكيلي بالإعتاق فأعتقه عني فيثبت البيع بطريق الاقتضاء ويثبت القبول كذلک (اصول الشاشی ۳۲، نورالانوار، حسامی وغیرہ)۔

۷۔ بیع کی یہ صورت ناجائز ہوگی اور یہ بیع فاسد ہوگی۔ حدیث ہے: "ولا ربح مالا يضمن" حدیث بالا کی تشریح بایں الفاظ کی گئی ہے: "يريد به الربح الحاصل من بيع ما اشتراه قبل أن يقبضه وينتقل من ضمان البائع إلى ضمانه فإن بيعه فاسد" (مرقاۃ المفاتیح)۔

صورت مسئولہ میں مشتری کے قبضہ سے پہلے بائع کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، اس لئے یہ صورت ناجائز ہوگی۔ اور اس طریقہ تجارت میں بے حد نقصانات ہیں، مثلاً ایک چیز جدہ بندرگاہ سے ایک کروڑ میں چلی اور پہونچنے سے پہلے دسیوں، بیسیوں ہاتھوں فروخت ہوتی رہی، ہندوستان آتے آتے وہ چیز دو کروڑ کی ہو جائے گی اور یہ سارا بار عوام پر پڑے گا، یہ دولت اور نفع چند سرمایہ داروں کو حاصل ہوگا اور لاکھوں عوام پر بوجھ پڑے گا۔

رسول اکرم ﷺ کے فرامین میں کس قدر حکم ہیں سبحان اللہ اس لئے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے۔

محترم مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم نے "تكمله فتح الملهم" شرح صحیح مسلم میں اس موضوع پر بہت تفصیل سے لکھا ہے (دیکھئے: تکملہ فتح الملہم)۔

والله أعلم وعلمه احكم

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے شرعی احکام

مفتی شبیر احمد، مراد آباد

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے احکام اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتے جب تک کہ قبضہ کی حقیقت واضح نہ ہو جائے، اسلئے سب سے پہلے قبضہ کی حقیقت واضح کرنا ضروری ہے۔

قبضہ کی حقیقت :

کسی شئی پر قبضہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہاتھ سے قبضہ کر کے لایا جائے یا بائع کے یہاں سے حقیقی طور پر منتقل کرلیا جائے، بلکہ مفہوم قبضہ کے دائرے میں داخل ہونے کیلئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ بائع شئی مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کر کے رکھ دے کہ خریدار جب چاہے اپنی چیز اپنی مرضی سے اٹھا کر لے جاسکے اور اختیار سے اٹھا کر لے جانے میں اس پر کوئی پابندی یا رکاوٹ پیش نہ آئے، لہذا اگر بائع نے شئی مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کر دیا ہے کہ خریدار جب چاہے لے جاسکتا ہے اور اس درمیان شئی مبیع بائع کی طرف سے تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے یا ضائع ہو جائے تو بائع پر کوئی تاوان ہوگا، بلکہ خریدار کی ملکیت میں سے اس کے گھر میں ہلاک ہو جانے کے حکم میں ہوگا ،اس مسئلہ کی وضاحت کیلئے ہم چند فقہی جزئیات نقل کرتے ہیں:

ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة حقيقة الخ (بدائع ۱۴۸/۵)۔

قبضہ حاصل ہونے کیلئے ہاتھ سے قبضہ کر کے لانا شرط نہیں ہے اسلئے کہ قبضہ کے معنی صرف قبضہ کرنے پر قادر ہونے اور بائع کا خریدار کے سامنے سامان کو چھوڑ دینے کے ہیں اور لوگوں کے عرف میں صحیح معنی میں قبضہ کرنے میں رکاوٹ دور ہو جانے کے ہیں۔

صاحب بدائع نے آگے چل کر مزید وضاحت فرمائی ہے۔

ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال الخ (بدائع ۲۴۴/۴)۔

حضرات فقہاء احناف کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اصل قبضہ تمام اموال میں بائع کی طرف سے محض اختیار دینے اور سامنے رکھ دینے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

اور صاحب بدائع نے ایک جزئیہ اس سے بھی واضح نقل فرمایا ہے:

تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي

البائع بين المبيع وبين المشترى من التصرف فيه فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشترى قابضا له (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)۔

خریدار کو مال مبیع سونپنے اور اس کے قبضہ کرنے کی تفصیلی وضاحت ہمارے علماء احناف کے نزدیک یہی ہے کہ خریدار کیلئے تخلیہ کر دیا جائے اور تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع کو خریدار کیلئے اس طرح پیش کر دے کہ درمیان سے رکاوٹ اس طرح دور ہو جائے کہ مشتری کو اس میں تصرف کرنے میں پوری طرح قدرت حاصل ہو جائے، تو کہا جائے گا کہ بائع نے مبیع کو سونپ دیا اور مشتری نے قبضہ کر لیا ہے۔

اشیاء منقولہ کی بیع قبضہ سے پہلے:

اشیاء منقولہ ایسی اشیاء کو کہا جاتا ہے جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن ہو اور ایسی اشیاء پر قبضہ کے ثبوت کیلئے اتنا کافی ہے کہ بائع کی طرف سے مشتری کو قبضہ پر آزادانہ قدرت حاصل ہو جائے، لہذا قبضہ پر آزادانہ اختیار حاصل ہونے کے بعد مشتری کیلئے ان اشیاء میں تصرف کرنا اور دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا سب بلا کراہت جائز اور درست ہے (بدائع الصنائع ۱۴۸/۵، ۲۴۴)۔

اشیاء منقولہ کے اقسام:

جو اشیاء منتقل کی جاسکتی ہیں وہ چار قسم کی ہیں:

(۱) کیلی اشیاء، جیسا کہ دودھ اور تیل وغیرہ جو کہ اکثر ممالک میں کیل کر کے فروخت کیا جاتا ہے اور قدیم زمانہ میں گیہوں، چاول، بھی کیل ہی کر کے فروخت کیا جاتا تھا، لہذا ایسی اشیاء کو کیل کر کے الگ کر دینے سے مشتری کا قبضہ ثابت ہو جائے گا۔

(۲) وزنی اشیاء، جیسے دھات، سونا، چاندی پیتل، تانبا، رانگ، المونیم، لوہا وغیرہ اور اسی طرح اس زمانہ میں چاول، گیہوں وغیرہ بھی وزن کر کے فروخت کیا جاتا ہے، لہذا ایسی اشیاء کو وزن کر کے الگ کر دینے سے قبضہ ثابت ہو جائے گا۔

(۳) زرعی اور پیمائشی اشیاء، جیسے کپڑے وغیرہ جو پیمائش سے فروخت کیا جاتا ہے، لہذا ایسی اشیاء کو پیمائش کر کے الگ کر دینے سے قبضہ ثابت ہو جائے گا۔

(۴) عددی اشیاء، جس کو شمار اور گنتی سے فروخت کیا جاتا ہے، جیسے انڈے، جانور، گاڑی وغیرہ تو ایسی اشیاء کو شمار کر کے الگ کر دینے سے قبضہ ثابت ہو جائے گا۔

اور ان چاروں قسم کی اشیاء کو الگ کر دینے کے بعد ثبوت قبضہ کیلئے آزادانہ قدرت حاصل ہونا بھی شرط ہے، علامہ کاسانیؒ نے "بدائع الصنائع" میں ان مسائل کو ان عبارتوں میں نقل فرمایا ہے:

وإن باع مكايلة أو موزونة في المكيل والموزون وخلى فلا خلاف في أن المبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل في ضمان المشترى (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵) فإن كان مما لا مثل له

من المذروعات والمعدودات المتقاربة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)۔

اور اگر کیلی چیز کو کیل کر کے اور وزنی چیز کو وزن کر کے الگ کر دیا ہے تو اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ شئ بائع کے ذمہ سے نکل کر خریدار کے ذمہ میں داخل ہو جاتی ہے، اگر اشیاء مثلی نہ ہوں بلکہ پیمائشی اور گنتی کی اشیاء ہوں تو ان میں الگ کر کے اختیار دینے سے بالاتفاق مکمل قبضہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اب مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عددی اور پیمائشی اشیاء جیسے، گاڑی، جہاز، لوہے، پیتل، کاغذ، غلہ، لکڑی، کپڑے کتاب جانور وغیرہ کا سودا مکمل ہو جانے کے بعد جب بائع مشتری کو قبضہ کا اختیار دیدیتا ہے تو بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے یا مشتری کے حکم سے مبیع کو اپنی اشیاء سے الگ کر دے گا تو بائع کے ضمان سے منتقل ہو کر مشتری کے قبضہ اور اس کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے، جیسا کہ کتب فقہ کی مذکورہ عبارات سے واضح ہو جاتا ہے، لہذا مشتری کو اپنے یہاں منتقل کرنے سے قبل ان اشیاء میں تصرف کرنے اور دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا پوری طرح حق حاصل ہو جائے گا۔

غیر منقول اشیاء کی بیع قبضہ سے پہلے:

غیر منقولی اشیاء ایسی اشیاء کو کہا جاتا ہے جن کو اپنی جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن نہ ہو، جیسا کہ زمین، مکان، دوکان، تجارتی پلاٹ وغیرہ، تو ایسی اشیاء اور جائیداد کی خرید وفروخت میں صرف سودا اور معاملہ طے ہو جانے سے قبضہ کا ثبوت ہو جاتا ہے، لہذا ایسی اشیاء میں معاملہ طے ہو جانے کے بعد خریدار کیلئے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا جائز ہوگا با قاعدہ وہاں جا کر اپنا سامان ڈالدینا یا چہار دیواری وغیرہ بنا دینا لازم نہیں ہے اور اشیاء غیر منقولہ کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کے جواز کو صاحب ہدایہ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف (ہدایہ ۵۸/۳)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک غیر منقول اشیاء کی فروختگی قبضہ سے پہلے جائز ہے:

أما بيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض والضياع والنخيل والدور ونحو ذلك من الأشياء الثابتة التي لا يخشىٰ هلاكها فبانه يصح الخ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲۳۴/۲)۔

بہر حال اشیاء غیر منقولہ کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا، مثلاً زمین، جائیداد، باغات، مکانات اور ان جیسی اشیاء جو قائم وثابت ہیں جن کی ہلاکت کا کوئی خطرہ نہیں، صحیح ہے:

قبضہ کا مدار عرف پر ہے نصوص پر نہیں:

اسلامی شریعت نے کسی چیز میں تصرف سے پہلے اس پر مالکانہ قبضہ کا حکم فرمایا ہے اور مالکانہ قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہے، اور ممانعت سے متعلق کتب حدیث میں مختلف قسم کی روایات موجود ہیں، اور ان میں سے حضرت حکیم بن حزام کی روایت زیادہ صریح اور واضح معلوم ہوتی ہے، مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت حکیم بن حزام کی

روایت کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن حكيم بن حزام أخبره قال: قلت يا رسول الله إني اشتريت بيوعا فما يحل لي منها وما يحرم علي قال، فاذا اشتريت شيًا فلا تبعه حتى تقبضه، الحديث (مسند امام احمد بن حنبل ۴۰۲/۳)۔

حضرت حکیم ابن حزام فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے سوال کیا کہ میں بہت سی اشیاء کو خریدتا ہوں ان میں سے کون سی میرے لئے حلال ہے اور کون سی میرے اوپر حرام ہے، تو حضورؐ نے فرمایا کہ جب تم کسی چیز کو خریدو تو اس وقت تک نہ بیچو جب تک اس پر قبضہ نہ کرلو۔

شریعت نے قبضہ سے پہلے شئ کو فروخت کرنے اور اس کو اپنے تصرف میں لانے سے، اس قسم کی روایات سے منع فرمایا ہے، مگر شریعت نے قبضہ کی حقیقت کو متعین کر کے محدود نہیں کیا ہے، بلکہ ہر علاقہ اور ہر زمانہ کے عرف و عادت پر سونپ دیا ہے، لہذا قبضہ کے بارے میں جہاں جیسا رواج ہے ویسا ہی قبضہ تسلیم کرلیا جائے گا (بدائع الصنائع ۱۴۸/۵)۔

بیع قبل القبض فاسد ہی میں داخل ہے:

قبضہ سے پہلے کسی شئ کا فروخت کرنا من جانب شریعت ممنوع اور ناجائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کو فروخت کرنے کیلئے سب سے پہلے شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ چیز مشتری کے حوالہ کرنے میں بائع کو کسی قسم کی رکاوٹ لازم نہ آتی ہو اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ جب مبیع بائع کے اختیار و ضمان میں داخل ہوتا کہ مبیع کو مقتضاء عقد کے مطابق اپنے اختیار سے مشتری کے حوالہ کر سکے اور قبضہ سے پہلے فروخت کرنے میں مشتری اپنے اختیار سے ملکیت کو منتقل کرنے پر قادر نہیں ہوتا ہے، اسلئے شریعت نے قبضہ سے پہلے کسی شئ کو فروخت کرنے سے ممانعت فرمائی ہے اور اس ممانعت کی وجہ سے عقد باطل تو نہیں ہوتا ہے لیکن فاسد ہوجاتا ہے، لہذا ناجائز عقود کے اقسام ثلاثہ (یعنی عقد باطل، عقد فاسد اور عقد مکروہ) میں سے قبضہ سے پہلے جو عقد ہوتا ہے وہ عقد فاسد کے دائرہ میں ہوتا ہے، باطل یا مکروہ کے دائرہ میں نہیں، اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

النهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسدا قبل القبض لأنه لم يدخل في ضمانه (عنایہ مع الفتح ۵۱۲/۶)۔

حدیث نہی عقد کے فساد کا تقاضہ کرتی ہے، لہذا قبضہ سے پہلے جو عقد ہوتا ہے وہ عقد فاسد کے دائرہ ہی میں ہوتا ہے، اسلئے کہ اس عقد سے مبیع مشتری کے ضمان میں منتقل نہیں ہوتی۔

احادیث نہی معلول بالعلۃ ہیں:

بیع قبل القبض کی ممانعت سے متعلق مختلف قسم کی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں اور ان میں حضرت حکیم ابن حزام کی روایت زیادہ صریح اور واضح معلوم ہوتی ہے (مسند احمد بن حنبل ۴۰۲/۳)۔

شریعت نے قبضہ سے پہلے شئ کو فروخت کرنے اور اس کو اپنے تصرف میں لانے سے اس قسم کی روایات سے منع فرمایا ہے، اور اس کی علت یہ ہے کہ اگر معاملہ طے ہو جانے کے بعد اس پر مالکانہ قبضہ نہیں کیا گیا تو قبضہ سے پہلے خدانخواستہ اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو عقد کے فسخ ہو جانے کا خطرہ ہے یا مبیع میں کمی بیشی ہو جانے کا خطرہ ہے، اس لئے شریعت نے مالکانہ قبضہ اور اپنے اختیار وضمان میں آنے سے پہلے تصرف سے منع فرمایا ہے۔

اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

لأن فيه غرر انفساخ العقد الأول على اعتبار هلاک المبيع قبل القبض (فتح القدیر ۵۱۲/۶)۔

اس لئے کہ قبضہ سے پہلے تصرف کرنے میں مبیع کے درمیان میں ہلاک ہو جانے کی وجہ سے عقد اول کے فسخ ہو جانے کا خطرہ ہے۔

خریدنے سے پہلے فروخت کرنا:

آج کل کے زمانہ میں اس طرح کا معاملہ کثرت کے ساتھ تاجروں کے درمیان رائج ہے کہ مشتری دوکاندار کے پاس مال خریدنے کیلئے جاتا ہے اور اس وقت اس کے پاس مال نہیں ہوتا ہے، بلکہ جہاں سے وہ مال منگایا کرتا ہے مشتری کو وہاں سے جا کر لینے کے لئے خود بل بنا کر دیتا ہے اور مشتری کمپنی کے پاس یہ بل لے کر جاتا ہے یا اس تاجر کے پاس جاتا ہے جس کے پاس مال بنا کر بھیجا ہے اور اس بل کو دیکھ کر بل بتانے والے پر اعتماد کرتے ہوئے مشتری کو اس بھاؤ سے زیادہ قیمت پر دیا جاتا ہے، اب درمیان میں جو منافع ہوتا ہے وہ دوکاندار اور تاجر کو مل جاتا ہے، تو ایسی صورت میں دو عقد ہو جاتے ہیں۔

(۱) مشتری اور دوکاندار کے درمیان جس میں بلا اجازت ملک غیر کو فروخت کرنا لازم آتا ہے۔

(۲) دوکاندار اور کمپنی کے درمیان، جس میں ملک غیر کو فروخت چکنے کے بعد خریدنا لازم آتا ہے، اور ان دونوں عقدوں میں غور طلب بات یہ ہے کہ دوکاندار اور مشتری کے درمیان جو عقد ہوا ہے اس میں دوکاندار کے مذکورہ مبیع کو خریدنے سے پہلے فروخت کرنا لازم آتا ہے اور کسی چیز کو خریدنے اور معاملہ طے کرنے سے پہلے فروخت کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے اور اسی طرح خریدنے کے بعد قبضہ کے اقسام میں سے اگر قبضہ معنوی بھی نہیں پایا جاتا ہے تب بھی فروخت کرنا جائز نہیں ہے، لہذا مذکورہ معاملہ شرعی طور پر جائز نہیں ہوگا اور دوکاندار کیلئے درمیان کا نفع حاصل کرنا بھی جائز نہ ہوگا اور عدم جواز کی بات حضرات فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتی ہے۔

يوكل المشترى البائع بأن يبيع سلعة من نفسه لا تصح هذه الوكالة ولا هذا البيع أو وكل زيد رجلا مثلا بشراء شئ بعينه ووكل صاحب العين ذلك الرجل أيضا بأن يبيعه من زيد لا يجوز لما أن الواحد يصير مملكا ومتملكا (عینی شرح ہدایہ ۱۱۲/۲)۔

اور مشتری نے بائع کو اس بات کا وکیل بنایا کہ بائع اس سامان کو مشتری کی طرف سے فروخت کرے

وکالت صحیح نہیں ہے اور نہ یہ بیع صحیح ہوگی یا زید نے ،مثلاً کسی شخص کو کسی متعین شیٔ کو خریدنے کا وکیل بنایا ہے اور سامان والے نے بھی اسی آدمی کو وکیل بنایا اس بات کا کہ وہ سامان زید کی طرف سے فروخت کردے تو یہ معاملہ جائز نہیں ہے جیسا کہ ایک ہی آدمی مالک بنانے والا اور مالک بننے والا دونوں بن جائے تو جائز نہیں ہوتا۔

بیع قبل القبض میں استثناء:

قبضہ سے پہلے تصرف کی جو ممانعت نصوص میں آئی ہے اس کا دائرہ صرف منقول اشیاء میں ہے، غیر منقول اشیاء ممانعت کے دائرہ سے خارج ہیں، لہذا جو چیز اپنی جگہ ثابت رہتی ہے اور ان میں انتقال کی صلاحیت نہیں ہے، ایسی اشیاء صرف ایجاب وقبول سے مشتری کی ملکیت میں منتقل ہوجاتی ہیں، لہذا اس میں تصرف کے جواز کیلئے قبضہ کے نام سے کسی دوسرے امر کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ غیر منقول اشیاء ممانعت کے نصوص سے مستثنیٰ ہیں(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۳۵)۔

قبضہ حسی کے بغیر فیکٹری کے توسط سے فروختگی:

آج کل کے زمانہ میں تاجروں کے درمیان قبضہ حسی کے بغیر معاملہ کرنے کا زیادہ رواج ہے، صرف قبضہ معنوی پر سارے معاملات کا مدار ہے، اور اس کی بے شمار شکلیں ہیں ان میں سے دو شکلیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

شکل (۱) ایک شخص نے کسی فیکٹری سے اپنا کنکشن کر رکھا ہے اور مال خریدنے کے لئے خود نہیں لے جاتا بلکہ ٹیلی فون یا فیکس یا خط وکتابت کے ذریعہ سے معاملہ طے کرتا ہے اور فیکٹری کو ساتھ ساتھ یہ بھی اطلاع دیتا ہے کہ میرا مال فلاں شخص کے پاس روانہ کردیا جائے، اس میں مال کی پیکنگ اور اس کے چڑھانے، اتارنے اور دوسری جگہ روانہ کرنے کے جتنے بھی اخراجات ہوتے ہیں ان سب کا ذمہ دار یہی خریدار (۱) ہوتا ہے اور مال پر اگرچہ خریدار (۱) کا قبضہ حسی نہیں ہوتا ہے، لیکن قبضہ معنوی پورے طریقہ سے حاصل ہوجاتا ہے اور مال کے نفع ونقصان سب کچھ پورے طریقہ سے خریدار (۱) کے ضمان میں داخل ہوجاتے ہیں، اب ایسی صورت میں محض قبضہ حسی کے نہ پائے جانے کی وجہ سے خریدار (۱) اور (۲) کے درمیان جو عقد ہوتا ہے اس کو ناجائز اور فاسد نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ قبضہ کا مقصد صرف ضمان میں داخل کرنا ہوتا ہے اور وہ قبضہ حسی کے ذریعہ حاصل ہوچکا ہے، اسلئے خریدار (۱) اور خریدار (۲) کے درمیان جو عقد ہوا ہے وہ بلا تردد جائز اور درست ہے، لہذا اگر راستہ میں مال ہلاک ہوجائے تو فیکٹری اس لئے اس کی ذمہ دار نہیں ہے کہ اس کے ضمان سے نکل کر مشتری اول کے ضمان میں داخل ہوچکا ہے اور مشتری ثانی اس لئے ذمہ دار نہیں ہے کہ مال ابھی اس کے ضمان واختیار میں داخل نہیں ہوا ہے، اور عرف ورواج میں طریقہ یہی ہے کہ خریدار (۲) اس وقت تک مال کا ضامن نہیں ہوتا ہے جب تک مال اس کے یہاں نہ پہنچ جائے، اور شرعی طور پر اس طرح کا معاملہ درست ہوتا ہے اور عرف میں خریدار (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے پہلے مال کا خریدار (۱) کی ضمانت میں رہنا اور خریدار (۲) کا ذمہ دار نہ ہونا بھی شرعی طور پر صحیح اور درست ہے، اس لئے کہ قبضہ ارتفاع موانع کا نام ہے، اور خریدار (۱) کے حق میں ارتفاع موانع ثابت ہوچکا تھا، اس لئے دوسرے کے ہاتھ اس کا فروخت کرنا جائز ہوا، مگر یہ جائز نہیں ہوسکتا کہ مال خریدار

(۲) کے یہاں پہنچنے سے پہلے وہ تیسرے کے ہاتھ فروخت کردے اس لئے کہ مال ابھی اس کے ضمان میں داخل نہیں ہوا (بدائع الصنائع ۱۴۸/۵، عنایہ مع الفتح ۵۱۲/۶)۔

شکل (۲) دوکاندار بل بنا کر مشتری کو نہیں دیتا، بلکہ کمپنی کے پاس اپنے آدمی کے ذریعہ بھیج دیتا ہے یا کمپنی سے فون یا فیکس کے ذریعہ سے بات چیت کر کے معاملہ طے کر لیتا ہے اور کمپنی سے کہتا ہے کہ میرا مال فلاں آدمی (یعنی مشتری) دوکاندار اور کمپنی کے درمیان معاملہ طے ہو چکا ہے، اب مشتری یا مشتری کا آدمی جا کر اس پر قبضہ کر لیتا ہے یا کمپنی پیکنگ کر کے مشتری کے یہاں بھیج دیتی ہے تو یہ معاملہ اسلئے جائز ہے کہ کمپنی کے یہاں سے دوکاندار یا دوکاندار کا آدمی جو بھی جا کر اس مال پر قبضہ کرنا چاہے تو کمپنی کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اور قبضہ پر رکاوٹ نہ ہونے کا نام ہی قبضہ معنوی ہے اور قبضہ معنوی معتبر ہوتا ہے، جیسا کہ قبضہ کی حقیقت کے بیان میں گذر چکا ہے، اسلئے یہ معاملہ جائز اور درست ہو جائے گا۔

جہاز سے مال اترنے سے پہلے دوسرے کو فروخت کرنا:

آج کل کے زمانہ میں بین الاقوامی تجارت میں جب ایکسپورٹر مال جہاز پر چڑھا دیتا ہے اور اس کی اطلاع مشتری کو پہونچتی ہے، مال ابھی سمندر میں ہو یا ہوائی جہاز پر ایمپورٹر کی دو حالتیں ہوتی ہیں (۱) وہ مال کو اس وقت تک دوسروں کے ہاتھ فروخت نہیں کرتا ہے، جب تک مال جہاز سے اتر کر اس کے قبضہ میں نہ آجائے تو ایسی صورت میں اس کے معاملات میں کسی قسم کی شرعی قباحت لازم نہیں آتی (۲) ایمپورٹر اس کا انتظار نہیں کرتا کہ مال جہاز سے اتر کر اس کے قبضہ میں آجائے بلکہ مال ابھی سمندر میں یا ہوائی جہاز پر ہی ہوتا ہے، یہ دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ دوسرا تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔

سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ مال جہاز پر چڑھ جانے کے بعد اصل بائع کے ضمان سے خارج ہو جاتا ہے اور مشتری کے ضمان میں منتقل ہو جاتا ہے، واقعۃً کلی طور پر صرف ایسا نہیں ہے جو سوالنامہ میں ہے بلکہ مال جہاز پر چڑھائے جانے کے بعد اس کی پوری طرح ذمہ داری بیمہ کمپنی پر ہوتی ہے، اب بیمہ کمپنی پر ذمہ داری کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔

شکل (۱) جہاز یا راستہ میں مال کا مشتری کے ضمان میں ہونا:

بائع اور مشتری کے درمیان معاملہ اس طرح طے ہوتا ہے کہ بائع اپنے ملک کی بندرگاہ سے جہاز پر چڑھا دینے کا ذمہ دار ہے اور جہاز پر چڑھا چکنے کے کاغذات جب اس کو حاصل ہو جائیں گے تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی، اور وہاں سے مشتری کے یہاں مال پہونچنے تک کیلئے مشتری بیمہ کراتا ہے، اور وہاں سے مشتری کے ہاں مال پہونچنے تک پوری ذمہ داری بیمہ کمپنی کے توسط سے مشتری کے اوپر ہوتی ہے، ایسے معاملہ کو تاجروں کی اصطلاح میں (C & F) کہا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں اگر راستہ میں مال ہلاک ہو جائے تو اس مال کے نقصان کی تلافی کیلئے مشتری دوڑ دھوپ کرے گا اور بیمہ کمپنی کے توسط سے جو کچھ بھی ہرجانہ وصول ہو سکتا ہے مشتری ہی وصول کرے گا، اور

بائع کو اپنے مال کی قیمت مل جائے گی، اور جو کچھ بھی نقصان ہوگا وہ مشتری کے ضمان میں ہوگا، لیکن اس میں یہ بات بھی ہے کہ اگر "ایل سی" (L-C) کے ذریعہ سے پہلے سے مال کی قیمت بائع کیلئے جمع نہیں ہوتی ہے اور مشتری وعدہ خلافی کرتا ہے اور رقم نہیں بھیجتا ہے تو اس پر کوئی کارروائی بھی نہیں ہوسکتی، یہ صرف اس کے اخلاق اور دیانتداری پر موقوف ہے، بہر حال ایسی صورت میں چونکہ مال مشتری کے ضمان کے دائرہ میں آجاتا ہے، اسلئے کہ اس کے یہاں مال پہونچنے سے پہلے اس کے حق میں قبضہ معنوی حاصل ہوجاتا ہے، لہذا وہ دوسرے کے ہاتھ فروخت بھی کرسکتا ہے، ایسی صورت میں یہ گنجائش نکلتی ہے کہ عقد اول اور عقد ثانی صحیح ہوجائیں گے اور اس کے بعد تیسرے اور چوتھے نمبر کے عقود سب کے سب فاسد ہوجائیں گے، محض بل کی تبدیلی کی وجہ سے نہ مال کا ضمان منتقل ہوسکتا ہے اور نہ ہی عقد صحیح ہوسکتا ہے، اسلئے کہ بائع اول نے از خود مشتری اول کیلئے روانہ کیا ہے، وہ ہر طرح سے مال کے اوپر قابض تھا، لہذا اس نے اپنے ضمان کو مکمل طریقے سے مشتری اول کو منتقل کردیا مگر مشتری اول مال کے اوپر ہر طریقے سے قابض نہیں ہوجاتا کہ جس کی وجہ سے وہ اپنے ضمان کو دوسرے تک منتقل کرسکے، اسلئے مشتری اول کا عقد تو منعقد ہوسکتا ہے لیکن ضمان منتقل نہیں ہوسکتا، اور ضمان کے منتقل نہ ہونے کی وجہ سے قبضہ بھی منتقل نہیں ہوسکتا، اور قبضہ سے پہلے فروخت کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے، اسلئے مشتری ثانی اور مشتری ثالث کا عقد ناجائز اور باطل ہوگا۔

شکل (۲) جہاز یا راستہ میں مال کا اصل بائع کے ضمان میں ہونا:

اوپر کے عنوان کے تحت شکل اول میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ صرف سوالنامہ کے پیش نظر لکھا گیا ہے، لیکن ہم نے براہ راست مرادآباد کے بڑے بڑے ایکسپورٹر جن کے کاروبار زیادہ تر یورپ وامریکہ اور عرب ممالک سے ہیں اور ان لوگوں کا رات دن کا مشغلہ ہی مال ایکسپورٹ کرنا ہے اور وہ از خود یورپ وامریکہ جاکر معاملہ طے کرکے آرڈر لایا کرتے ہیں، ان سے کاروبار اور معاملات سے متعلق پوری طرح معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے اور ان سے یہ پتہ چلا ہے کہ جہاز پر مال چڑھانے کے بعد E-C-G-C کے معاہدہ کے علاوہ کاروبار کی بقیہ تمام صورتوں میں مال کا ذمہ دار مشتری نہیں ہوتا ہے، اگر ہوتا ہے تو بہت ہی کم ہوتا ہے جو (C&F) کے تحت معاملہ کرتے ہیں بلکہ اکثر معاملات میں مشتری کے یہاں مال پہونچنے تک ذمہ دار بائع ہی ہوا کرتا ہے اور ایسے معاملات کو (C-I-F) کہتے ہیں جس میں بائع مال کا بیمہ کراکر ساری ذمہ داری بیمہ کمپنی پر ڈالتا ہے، لہذا مال کے ہلاکت کے نتیجہ میں جو کچھ بیمہ کمپنی تلافی کرتی ہے اس کا تعلق صرف بائع کے ساتھ ہوتا ہے مشتری کے ساتھ نہیں ہوتا ہے، اسلئے جہاز پر مال روانہ کرنے کے بعد مال مشتری کے ضمان میں منتقل نہیں ہوگا، بلکہ بائع کا وکیل جو کہ بیمہ کمپنی ہے وہی ضامن ہوتی ہے، ایسی صورت میں مشتری کے حق میں مال پر قبضہ معنوی بھی حاصل نہیں ہوسکتا اور جس مال پر قبضہ حسی یا قبضہ معنوی میں سے کوئی بھی ثابت نہ ہو اس کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا شرعی طور پر جائز نہیں ہوسکتا ہے اور ایسا عقد معرض انعقاد کو نہیں پہونچ سکتا، اسلئے کہ مال کی ہلاکت کی وجہ سے اس عقد کے فسخ کا خطرہ ہوتا ہے، اس کو صاحب فتح القدیر نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

لأن فيه غرر انفساخ العقد الأول على اعتبار هلاک المبيع قبل القبض فتبين حينئذٍ أنه باع ملک الغير بغير إذنه وذلک مفسد للعقد (فتح القدیر ۶/۵۱۲)۔

اس لئے کہ قبضہ سے پہلے فروخت کرنے میں عقد اول کے فسخ ہوجانے کا خطرہ ہے، قبضہ سے پہلے مبیع کے ہلاک ہوجانے کے اندیشے سے اس وقت یہ بات ثابت ہوسکتی ہے کہ اس میں غیر کی ملک کو بغیر اجازت فروخت کردیا ہے اور یہ مفسد عقد ہے۔

ٹرانسپورٹ پر رکھے رکھے عقد در عقد:

ملکی سطح پر ایک شہر سے دوسرے شہر جو مال منتقل کیا جاتا ہے اس کا حال کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مال ابھی بذریعہ ریل یا ٹرک وغیرہ راستہ میں ہے اور ادھر مشتری مال کا نمونہ اور نوعیت پیش کرکے دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے اور کبھی ٹرانسپورٹ پر رکھے رکھے دوسرا تیسرے اور تیسرا چوتھے کے ہاتھ فروخت کرتا جاتا ہے اور اس میں مال کا ضمان منتقل ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا، بلکہ صرف بل کی تبدیلی ہوتی جاتی ہے تو اس طرح محض تبدیل بل کی وجہ سے ملکیت منتقل نہیں ہوسکتی جب تک کہ ضمان منتقل نہ ہوجائے، اسلئے کہ راستہ میں جو مال پڑا ہوا ہے یا ریل یا ٹرک وغیرہ کے ذریعہ سے آرہا ہے وہ اگر ہلاک ہوجاتا ہے تو مشتری اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا، بلکہ ذمہ دار بائع ہی ہوتا ہے اور اس قسم کے عقود میں ماکولات اور غیر ماکولات سب کا حکم برابر ہے، جیسا کہ ''فتح الملہم'' کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

فنهى فيه رسول الله ﷺ عن الربح مالم يضمن والبيع قبل القبض يتضمنه لأن المبيع لا يأتي في ضمان المشتري حتى يقبضه فإن باعه قبل ذلک بالربح كان ذلک ربحاً بما لم يضمنه وهذه العلة تعم الطعام وغيره (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۳)۔

اس میں رسول اللہ ﷺ نے کسی ایسی چیز سے نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے جو ضمان کے دائرہ میں داخل نہ ہوتی ہو اور قبضہ سے بیچنا اس کو اپنے ضمان میں لے لینا ہے، حالانکہ مبیع مشتری کے ضمان میں قبضہ سے پہلے داخل نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اگر قبضہ سے پہلے بیچ کر نفع حاصل کرے گا تو اس چیز سے نفع حاصل کرنا لازم آتا ہے جو اس کے ضمان کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئی ہے اور ممانعت کی یہ علت ماکولات وغیر ماکولات سب کو شامل ہے۔

جواز کی متبادل شکل:

اگر بین الاقوامی سطح میں قبضہ سے پہلے دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے کا معمول لوگوں کے درمیان عام ہوجائے اور اس سے بچاؤ کی کوئی شکل نہ بن سکے اور تمام لوگ اس میں مبتلاء ہوجائیں تو ایسی صورت میں ''عدول عن المذہب'' کی گنجائش ہوجاتی ہے اور قبضہ سے پہلے حضرت امام مالک اور امام بخاریؒ کے نزدیک شئ مبیع کو فروخت کردینا جائز اور درست ہے، البتہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اشیاء خوردنی کے علاوہ دیگر منقول اشیاء کا ہونا لازم ہے اور امام بخاریؒ کے نزدیک یہ قید بھی نہیں ہے، بلکہ صرف ایجاب وقبول کے بعد مشتری کیلئے شئ مبیع کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردینا بلا تردد جائز ہے، حضرت امام مالکؒ کا مسلک ''کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' میں ان الفاظ

سے نقل فرمایا ہے:

المالكية قالوا: يصح للمشتري أن يتصرف في المبيع قبل قبضه بالبيع سواء كان المبيع أعياناً منقولة أو عينا ثابتة كالأرض والنخيل ونحوهما إلا الطعام (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

حضرات مالکیہ فرماتے ہیں کہ مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے چاہے، مبیع اموالِ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، اور غیر منقولہ، جیسا کہ زمین، باغات وغیرہ مگر ماکول اشیاء، مثلاً پھل وغیرہ ان کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

اور امام مالک کا مسلک ''اوجز المسالک'' اور ''تعلیق المجد'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

قال مالک يجوز جميع التصرفات في غير الطعام قبل القبض لورود التخصيص في الأحاديث بالطعام.

اور حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک محض ایجاب وقبول کی وجہ سے قبضہ کا ثبوت ہوجاتا ہے، مبیع پر قبضہ لازم نہیں ہے، نہ قبضہ معنوی لازم ہے، نہ قبضہ حسی۔

اور امام بخاریؒ کا مسلک حضرت شاہ صاحبؒ نے ''فیض الباری'' میں اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

أما عند البخاري فلا يشترط عنه (إلى قوله) وكان القبض يحصل عنده بمجرد الإيجاب والقبول ولا يحتاج بعد ذلك إلى أمر آخر يسمىٰ قبضا (فیض الباری ۲۰۶/۳)۔

بہرحال امام بخاریؒ کے نزدیک قبضہ کی شرط نہیں ہے، لہٰذا ان کے یہاں محض ایجاب وقبول کی وجہ سے قبضہ کا ثبوت ہوجاتا ہے، اس کے بعد کسی ایسے دوسرے امر کی ضرورت نہیں رہتی ہے جس کا نام قبضہ رکھا جائے۔

امام بخاریؒ نے حضرت جابرؓ کی حدیث جبیر کے تحت ترجمۃ الباب میں اپنی رائے ظاہر فرمائی ہے جو ''بخاری شریف ۱/۲۸۱'' پر موجود ہے، اور اس میں حضرت ابن عمرؓ کا وہ واقعہ بھی نقل فرمایا ہے جس میں حضرت عمرؓ کے خرید کردہ اونٹ کو حضور ﷺ کے ہاتھ فروخت کرنے کا ذکر ہے۔

لہٰذا مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کے نزدیک غیر ماکول اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، ابتلائے عام کی وجہ سے حنفی مسلک کے لوگ اس مسئلہ میں اپنے مسلک سے عدول کرکے حضرت امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کو غور کرنا چاہئے۔

ماکول اشیاء میں حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے:

حدیث پاک میں یہ جو صراحت آئی ہے کہ ماکول اشیاء کو دوبارہ کیل یا وزن کرنے سے پہلے کھانا یا اس میں تصرف کرنا ممنوع ہے، یہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ خریدار کو بائع کے ناپ تول پر اعتماد نہ ہو، لہٰذا اگر مشتری کو بائع

کے ناپ تول پر پوری طرح اعتماد ہو تو پھر دوبارہ کیل یا وزن کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور بائع نے جو کیل یا وزن کیا ہے وہ مشتری کے سامنے ہونا لازم نہیں بلکہ مشتری کی عدم موجودگی میں کیل یا وزن کر کے رکھدیا ہے اور مشتری کو اعتماد ہے تو کافی ہے۔

اس کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے:

فالذی یتبین أن المشتری إن اعتمد علی کیل البائع جاز له أکله بدون إعادة الکیل سواء کان بحضرته أو بغیبته (فیض الباری ۲۲۰/۳)۔

پس جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ مشتری اگر بائع کے کیل پر اعتماد کرتا ہے تو کیل کے اعادہ کے بغیر اس کو کھانا جائز ہے، چاہے بائع کا کیل مشتری کی موجودگی میں ہو یا اس کی غیبوبت میں ہو۔

ایک آدمی کا اپنے ملک میں رہ کر دوسرے ملک کے آدمی کا وکیل بن کر خرید وفروخت کرنا:

ایک شخص ہندوستان میں رہتا ہے دوسرا شخص، مثلاً امریکہ میں رہتا ہے، اب دونوں کے درمیان فون یا فیکس سے بات چیت ہوتی ہے، انڈیا میں رہنے والا شخص امریکہ میں رہنے والے شخص کو فون یا فیکس کے ذریعہ اس بات کا وکیل بناتا ہے کہ آج کی تاریخ میں سونا جس بھاؤ کا ہو خرید لے اور خرید کر اپنے ہی پاس رکھ لے تو امریکہ میں رہنے والے نے، مثلاً فی تولہ سوڈالر کے حساب سے خرید لیا ہے، پھر کچھ عرصہ کے بعد سونے کا بھاؤ بڑھ جاتا ہے، مثلاً فی تولہ سوا سوڈالر ہو جاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان گفتگو اور رابطہ رہتا ہے تو اب ہندوستان والے نے اجازت دیدی کہ میرے نام سے خریدا ہوا سونا سوا سوڈالر کے حساب سے فروخت کردیا جائے اور وکیل طے شدہ معاہدہ کے مطابق فروخت کردیتا ہے اور فی تولہ پچیس ڈالر کا منافع ہندوستان میں رہنے والے کو بیٹھے بیٹھے مل جاتا ہے تو کیا اس طرح کا معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ شرعی طور پر ایسا معاملہ جائز اور درست ہے، عدم جواز کی کوئی علت نہیں ہے، اسلئے کہ ایک آدمی وکیل بالبیع اور وکیل بالشراء دونوں ہوسکتا ہے، جیسا کہ حضرات فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

وإذا وکل رجلا غائبا وأخبره رجل بالوکالة یصیر وکیلا سواء کان المخبر عدلا أو فاسقا أخبره من تلقاء نفسه أو علی سبیل الرسالة صدقه الوکیل فی ذلک أو کذبه (عالمگیری ۵۶۱/۳)۔

اور جب کسی دور دراز رہنے والے غائب آدمی کو وکیل بنایا جائے اور اس کو وکالت کی خبر پہونچ جائے تو وہ وکیل ہو جائے گا چاہے خبر دینے والا عادل ہو یا فاسق، اس نے اپنی طرف سے خبر دی ہو یا بطور پیغام بات پہونچادی اور وکیل نے اس کی تصدیق کی ہو یا تکذیب، بہر حال وہ وکیل بن جائے گا۔

والأصل فیه أن الجهالة الیسیرة تتحمل فی الوکالة (ہدایہ ۱۶۵/۳)۔

معمولی جہالت مسئلہ وکالت میں متحمل کرلی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

مولانا ابوبکر قاسمی، دربھنگہ

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلہ میں فقہاء کے مذاہب:

اب یہاں پر بیع قبل القبض یا بیع مالم یقبض کی یہ صورت جس میں انسان ایک سامان کو خرید کر اس کا مالک تو ہو چکا ہے، لیکن ابھی مبیع پر سرے سے قبضہ نہیں کیا ہے اور قبضہ سے پہلے ہی وہ مبیع کو فروخت کر دینا چاہتا ہے، تو بیع مالم یقبض کی یہی صورت عام طور پر رائج ہے اور اسی کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک کسی بھی سامان یا مبیع کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے، خواہ وہ سامان اشیاء منقولہ کے قبیل سے ہو، یا وہ غیر منقولی چیز ہو، اور خواہ بائع نے ثمن پر قبضہ کر کے مبیع کو فروخت کرنے کی اجازت دیدی ہو یا نہ دی ہو، حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کا بھی مسلک حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک کے مطابق ہے۔

فمذهب الشافعية .... وهو .... قول محمد إنه لا يصح بيع المبيع قبل قبضه سواء كان منقولا أو عقاراً وإن أذن البائع وقبض الثمن (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲۳/۹) وقال زفر ومحمد والشافعي لا يجوز بيع شئ قبل القبض طعاماً كان أو غيره لإطلاق الأحاديث (التعلیق الممجد ۲۳۲) اختلف العلماء في ذلك فقال الشافعي لا يصح بيع المبيع قبل قبضه سواء كان طعاماً أو عقاراً منقولا أو نقدا أو غيره (حاشیۃ النووی علی مسلم ۵/۲)۔

حضرت امام احمد کی ایک روایت تو حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے مذہب کے مطابق ہے، اور دوسری روایت میں وارد ہے کہ اگر مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے تو قبضہ سے پہلے اس مبیع میں تصرف کرنا اور اسے فروخت کرنا جائز ہے۔

ولو دخل في ضمان المشتري جاز بيعه والتصرف فيه كما جاز ذلك بعد قبضه (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲۷/۹)۔

اور حضرت امام احمد کی تیسری روایت جو بظاہر حضرات حنابلہ کا مذہب ہے، اس روایت کے مطابق حضرت امام احمد کے نزدیک مکیلی وموزونی اور معدودی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، ہاں اس کے علاوہ میں بیع قبل القبض جائز ہے (دیکھئے: الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱۹۳/۲۔ الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲۸/۹)۔

اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک صرف کھانے کے قبیل کی چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ کیل ووزن سے بائع نے خریدا ہو، ورنہ اس کے علاوہ اشیاء میں اور ائکل کی بیع کی صورت میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے (حوالہ سابق ، حاشیہ دسوقی ۱۳۵/۳)۔

حضرت امام مالک نے بیع قبل القبض سے متعلق مقید روایات سے استدلال کیا ہے، جس میں حضور ﷺ نے کھانے کے قبیل کی چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مسنداً مروی ہے:

(قال طاؤس) سمعت ابن عباس يقول أما الذي نهى عنه النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض (حاشیہ ابوداؤد ۴۹۴/۲)۔

اس روایت کو بغور پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے صرف کھانے کی چیزوں کی ممانعت ہے دیگر چیزوں کی نہیں، لہذا جن روایات میں مطلقاً سامانوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، وہاں سامانوں سے مراد کھانے کے سامان ہیں، دوسرے سامان نہیں۔

امام مالک علیہ الرحمہ کی دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ کھانے کی چیزوں میں خشک ہونے، سوکھ جانے کے سبب جتنا تغیر وتفاوت ہو جاتا ہے، دیگر چیزوں میں نہیں ہوتا ہے، اس لئے اس عقلی دلیل کا بھی تقاضا ہے کہ صرف کھانے کے قبیل کی چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا جائے اور دیگر سامانوں میں چونکہ تغیر کم ہوتا ہے اس لئے قبضہ سے پہلے اس کی بیع سے منع نہ کیا جائے، قال في الموسوعة: **"ولغلبة تغير الطعام دونما سواه"** (بخاری ۲۸۶/۱)۔

اور حضرت امام شافعی اور امام محمد وامام زفر نے اپنے مسلک کی تائید میں ان عام حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن میں مطلقاً قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور ان روایات میں طعام کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے، چنانچہ حضرت حکیم بن حزام کی روایت ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ **"إذا ابتعت شيئا فلا تبعه حتى تقبضه** (طحاوی ۲۰۲/۲) جب تم کوئی چیز خریدو تو قبضہ سے پہلے فروخت نہ کرو۔ اسی طرح حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل وہ حدیثیں بھی ہیں، جن میں سامان کو منتقل کرنے سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت کی گئی ہے: **عن زيد بن ثابت قال إن رسول الله ﷺ نهانا ان نبيع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم** (رواہ الطحاوی ۲۰۱/۲، أبوداؤد ۴۹۴/۲)۔

اسی طرح حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل بعض صحابہ کرام کے فتاوی ہیں، جن میں بیع قبل القبض کی ممانعت کے حکم کو بغیر طعام کی تخصیص کے عام رکھا گیا ہے، مثلاً حضرت ابن عباسؓ کا فتوی ہے، **واحسب كل شيئ مثل الطعام** (أبوداؤد ۴۹۴/۲، ابن ماجہ ۱۶۱/۱) میں سمجھتا ہوں کہ ہر مبیع (کو قبضہ سے پہلے بیچنے) کا حکم کھانے کے مثل ہے، نیز امام طحاوی علیہ الرحمہ نے حضرت جابرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

عن جابر فی الرجل یبتاع المبیع فیبیعه قبل أن یقبضه قال اکره (معانی الآثار ۲/۲۰۲)۔

مذکورہ دونوں صحابی بیع قبل القبض کی ممانعت سے متعلق حدیث مقید بالطعام کے مشہور راویوں میں سے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ حضرات بیع قبل القبض کی ممانعت کے حکم کو عام قرار دیتے ہیں، لہذا ان صحابہ کرام کے فتاوی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم عام ہے، لأن الصحابة أعرف بمقاصد الرسول (نیل الأوطار ۵/۱۶۰ بحوالہ الموسوعہ ۹/۱۳۲)۔

رہی وہ روایتیں جن میں طعام کی قید مذکور ہے تو اس کا جواب حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ وہ قید احترازی نہیں ہے، بلکہ اتفاقی اور تمثیلی ہے، قال محمد و ابن عباس إن قید الطعام اتفاقی (العرف الشذی ۱/۲۴۳) چنانچہ علامہ طحاوی علیہ الرحمہ نے معانی الآثار میں مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس طرح قرآن پاک میں حرم کے شکار کو قتل کرنے کی صورت میں جزا کا حکم عمد کی قید کے ساتھ مذکور ہے، لیکن وہ حکم عام ہے اور غیر عمد والی صورت کو بھی شامل ہے، چنانچہ بعینہ وہی جزا قتل عمد کی صورت میں بھی واجب ہوتی ہے، اسی طرح یہاں بھی بیع قبل القبض کی ممانعت والی حدیث میں طعام کی قید کے سلسلہ میں بھی یہی سمجھنا چاہئے۔ (شرح معانی الآثار ۲/۲۰۲)۔

مذکورہ نقلی دلائل کے علاوہ بیع قبل القبض کی عام ممانعت کے سلسلہ میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی جانب سے کچھ اور عقلی و نقلی دلیلیں پیش کی گئی ہیں، مثلاً ان کا کہنا ہے کہ قبضہ سے پہلے سامان کو فروخت کرنے سے جو نفع حاصل ہوگا، وہ ربح مالم یضمن ہے، یعنی مال غیر مضمون کے ذریعہ نفع حاصل کرنا لازم آتا ہے، جو شرعاً حلال وطیب نہیں ہے، کیونکہ حدیث پاک میں ربح مالم یضمن سے منع کیا گیا ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده قال نهی رسول الله ﷺ ... عن ربح ما لم یضمن (رواہ النسائی ۲/۲۲۶)۔

اب ظاہر ہے کہ قبضہ سے پہلے سامان کو فروخت کرنے کی صورت میں جس طرح کھانے کی اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے ربح مالم یضمن لازم آتا ہے اسی طرح غیر طعام کو بھی قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے ربح مالم یضمن لازم آتا ہے، لہذا اس دلیل کا بھی تقاضا ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت عام ہو، دیکھئے: (معانی الآثار ۲/۲۰۲)۔

اسی طرح حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیع قبل القبض کی ممانعت کے سلسلہ میں ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنے میں شرعاً ربا (سود) کا شبہ پایا جاتا ہے، کیونکہ قبضہ سے پہلے جب مبیع میں تصرف کیا جائے گا اور اس کو فروخت کیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ مبیع تو غائب ہے، ہاں ثمن موجود ہے، لہذا اس صورت میں جو مبیع کو قبضہ سے پہلے فروخت کیا گیا تو درحقیقت کمی بیشی کے ساتھ ثمن کا ثمن سے تبادلہ کیا گیا، جو شرعاً درست نہیں ہے، اب ظاہر ہے کہ یہ شبۂ ربا تمام مبیع کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے میں پایا گیا، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے

کھانے کی اشیاء کے قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت والی مرفوع حدیث کو ذکر فرمایا تو حضرت طاوس نے حضرت ابن عباس سے بیع الطعام قبل القبض کی ممانعت کی وجہ پوچھی تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا: **ذاک دراھم بدراھم والطعام مرجأ** (رواہ البخاری ۱/۲۸۶) **ألا تراھم یتباعون بالذھب والطعام مرجأ** (مسلم شریف ۲/۵)۔

اب یہاں پہونچ کر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت والی بیشتر احادیث میں طعام کی قید کیوں مذکور ہوئی ہے اس سلسلہ میں بھی کچھ عرض کیا جائے، تو جیسا کہ ماقبل میں درج کیا گیا وہ قید تمثیلاً ہے، دوسرے طعام کی قید کے ذکر کرنے کی مصلحت پر امام طحاوی علیہ الرحمہ نے معانی الآثار میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ طعام کی بیع کے اندر شریعت نے کچھ توسع سے کام لیا ہے، چنانچہ اس کے اندر بیع سلم کو جائز رکھا ہے، دوسری چیزوں کے اندر نہیں، جبکہ بیع سلم معدوم وغیر موجود کی بیع ہے، لہذا جب شریعت نے صراحت کے ساتھ طعام کے اندر بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے کا اعلان کیا تو اس سے ثابت ہوا کہ بدرجہ اولی غیر طعام میں بیع قبل القبض ناجائز ہے، یہی وہ خاص مصلحت ہے جس کے سبب طعام کا ذکر ہوا، اب ظاہر ہے کہ اگر اس کے برعکس معاملہ ہوتا کہ طعام کو چھوڑ کر غیر طعام کو ذکر کر کے بیع قبل القبض کا اعلان کیا جاتا، تو پھر ایسی صورت میں طعام کے اندر بیع قبل القبض کی ممانعت ثابت نہ ہو پاتی، اور سامع کو یہ نہ معلوم ہو پاتا کہ طعام کے اندر بیع قبل القبض کا کیا حکم ہے۔ (دیکھئے: شرح معانی الآثار ۲/۲۰۲)۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف نے بیع قبل القبض کی ممانعت کے حکم کو طعام کے علاوہ دیگر منقولی اشیاء کی بیع کے عدم جواز تک جو عام رکھا ہے، تو اس سلسلہ میں ان حضرات کی دلیل بھی تقریباً وہی حدیثیں اور فتاوی صحابہ اور عقلی دلائل ہیں جن سے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے بیع قبل القبض کی ممانعت کے حکم کے عموم پر استدلال کیا ہے، البتہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے قبضہ سے پہلے غیر منقولی اشیاء کی بیع کے جواز کو جو حکم عام سے خاص کیا ہے، اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) قرآن پاک میں بغیر قبضہ کی قید کے مطلقاً بیع کو حلال قرار دیا گیا ہے، چنانچہ باری تعالی کا ارشاد ہے: **أحل الله البیع** (سورۃ البقرۃ ۲۷۵) اس آیت کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر قبضہ کے بھی خرید وفروخت کا معاملہ شرعاً جائز و درست ہو، لیکن دوسری طرف احادیث میں بیع قبل القبض کی مطلق ممانعت وارد ہے، جس کا تقاضا ہے کہ بغیر قبضہ کئے ہوئے کسی سامان کو بیچنا اور فروخت کرنا جائز نہ ہو، لہذا دونوں قسم کے دلائل کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا گیا کہ آیت کے عموم کی وجہ سے قبضہ سے پہلے غیر منقولی اشیاء کی بیع کو جائز قرار دیا جائے (جہاں قبضۂ حسی متعذر رہے) اور احادیث نبویہ کے پیش نظر قبضہ سے قبل منقولی اشیاء کی بیع کو ناجائز کہا جائے، اور اس تخصیص کا قرینہ وہ حدیثیں ہیں جن میں مبیع کو محل بیع سے منتقل کرنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ متفقہ طور سے تمام فقہاء نے قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف کرنے کی اجازت

دی ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں، تو اس کا جواب حضرات فقہاء نے یہ دیا ہے کہ اس کا وجوب ذمہ میں ہوتا ہے، لہذا ثمن کے ہلاک ہونے سے بائع کا کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے، نہ اس کا حق ساقط ہوتا ہے، اور نہ ہی بیع فاسد ہوتی ہے، اس لئے قبضہ سے پہلے بائع جو اس میں تصرف کر رہا ہے، وہ اپنی ملک میں تصرف کر رہا ہے، چنانچہ حدیث نبوی میں بھی قبضہ سے پہلے ثمن میں مطلقاً تصرف کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

عن ابن عمر ..... فقلت یارسول اللہ رویدک أسألک إنی أبیع الإبل بالنقیع فأبیع بالدنانیر وآخذ الدراهم وأبیع بالدراهم وآخذ الدنانیر وآخذ هذه من هذه وأعطی هذه من هذه فقال رسول اللہ ﷺ لابأس إن تأخذها بسعر یومها ما لم تفترقا وبینکما شئ (أبوداؤد ۲/۴۷۶)۔

لیکن ثمن کے برعکس مبیع میں قبضہ سے قبل جو تصرف کرنے سے منع کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مبیع کی دو قسم ہے: ایک وہ ہے جس میں ہلاکت کا امکان بہت زیادہ ہے، جس کے سبب بیع کے فاسد ہو جانے کا خطرہ ہے، جیسے منقولی اشیاء۔ مبیع کی دوسری قسم وہ ہے جس میں ہلاکت کا امکان بہت کم ہے، جیسے غیر منقولی اشیاء، زمین و جائداد وغیرہ۔ اب جس مبیع کے ہلاک ہونے کا امکان زیادہ ہے، اگر قبضہ سے پہلے اس کے فروخت کرنے کی اجازت دی جائے تو قوی امکان ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع ہلاک ہو جائے اور بیع فاسد ہو جائے، اور اس طرح اس صورت میں اگر چہ بائع اول کا نقصان ہوگا، لیکن بائع ثانی کا کچھ نقصان نہ ہوگا، مگر یہاں پر دو خرابی پیدا ہوگی: ایک تو یہ کہ بائع ثانی نے قبضہ سے پہلے جو مبیع میں تصرف کیا تو گویا اس نے غیر مملوک شئ میں تصرف کیا، دوسرے اس نے اپنے خریدار کے ساتھ بیع غرر کا معاملہ کیا، کیونکہ خریدار نے تو مبیع کو یہ سمجھ کر خریدا کہ بائع ثانی جو اسے فروخت کر رہا ہے وہ اس کی ملک ہے، جبکہ اس کی ملک نہیں ہے، لہذا مذکورہ دونوں خرابیوں کی وجہ سے قبضہ سے پہلے مبیع کو فروخت کرنے سے منع کیا گیا، لأن النبی ﷺ قال لیس علی رجل بیع فیما لایملک، وفی حدیث آخر لاتبع ما لیس عندک (رواہ النسائی ۲/۲۲۵)۔

اب ظاہر ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع کو فروخت کرنے کی صورت میں جو خرابیاں لازم آرہی ہیں وہ منقولی اشیاء کی بیع میں تو لازم آتی ہیں، کیونکہ ان میں ہلاکت کا امکان زیادہ ہے، لیکن غیر منقولی اشیاء کی بیع میں عام حالات میں یہ خرابیاں نہیں لازم آتی ہیں، لہذا قبضہ سے پہلے مذکورہ خرابیوں کے سبب منقولی اشیاء میں تو تصرف کرنے کو ناجائز قرار دیا گیا، لیکن قبضہ سے پہلے غیر منقولی اشیاء کی بیع کو قبل القبض ثمن میں تصرف کرنے کے جواز پر قیاس کر کے جائز رکھا گیا، البتہ اگر غیر منقولی اشیاء میں بھی ہلاکت کا امکان زیادہ ہو جیسے کوئی زمین دریا کے کنارے ہو اور اس کے کٹ جانے کا امکان ہو تو ایسی صورت میں غیر منقولی اشیاء میں بھی قبل القبض تصرف جائز نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں بھی وہی سب خرابیاں پائی جارہی ہیں جو قبضہ سے پہلے غیر منقولی اشیاء کے فروخت کرنے میں پائی جاتی ہیں۔

بیع قبل القبض کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کرام کے دلائل ونظریات کو ذکر کرنے کے بعد راقم سطور کی ناقص رائے یہ ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت کے نقلی و سمعی اور عقلی دلائل میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

ان کا تعلق یا تو کھانے کے قبیل کی اشیاء سے ہے (چنانچہ حضرت حکیم بن حزام جو بیع قبل القبض کی ممانعت والی مطلق حدیث کے راوی ہیں، ان کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ کھانے کے قبیل کی اشیاء کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتے تھے، اورانہوں نے حضور پاک ﷺ سے انہیں چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کے سلسلہ میں دریافت فرمایا تھا جس کا جواب دیتے ہوئے حضور ﷺ نے ان کو کھانے کی اشیاء کی صراحت یا بغیر صراحت کے قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا (معانی الآثار ۲/۲۰۱) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بیع قبل القبض کی ممانعت والی مطلق روایت میں بھی غالباً کھانے ہی کے قبیل کی اشیاء مراد ہیں، یا وہ منقولی اشیاء سے متعلق ہے، اور جو دلیلیں بظاہر عام نظر آتی ہیں اگر ان کو ان کے پس منظر میں دیکھا جائے تو وہ تخصیص کا احتمال رکھتی ہیں، بلکہ ہر امام نے دلائل عموم میں تخصیص کی ہے، جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا، چنانچہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ جو بیع قبل القبض کے مطلقاً عدم جواز کے قائل ہیں وہ بھی اٹکل والی بیع میں قبضہ سے پہلے مبیع کے اندر تصرف کرنے کے قائل ہیں، چنانچہ الفقہ علی المذاہب الأربعۃ میں شوافع کا مسلک یہی نقل کیا گیا ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۳/۱۹۱)۔

اسی طرح دیگر ائمہ نے بھی اندازے والی بیع کی صورت میں قبضہ سے پہلے مبیع میں تصرف کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اس کے علاوہ بھی بیع کی بعض صورتوں میں ائمہ اربعہ میں سے اکثر نے بیع قبل القبض سے ممانعت والی روایت میں تخصیص کی ہے، دوسری طرف اکثر احادیث میں صرف بیع الطعام قبل القبض کی ممانعت وارد ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع کرنے کے سلسلہ میں اصل شدت صرف کھانے کی اشیاء میں ہے، چنانچہ امام ترمذی علیہ الرحمہ نے بیع قبل القبض کی ممانعت کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: " **إنما التشديد عند أهل العلم في الطعام** (ترمذی ۱/۲۴۲)۔

لہذا اگر کھانے کے علاوہ کسی اور مبیع کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کا عرف ہوجائے اور اس کو ناجائز قرار دینے کی صورت میں لوگوں کو پریشانی ودقت ہو تو ایسی صورت میں حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے مسلک پر عمل کرنے اور فتوی دینے کی گنجائش ہے۔

علاوہ ازیں بعض علماء نے بیع قبل القبض کی ممانعت سے بچنے کیلئے اور بیع قبل القبض کی تصحیح کیلئے درج ذیل صورتیں لکھی ہیں، جن کو بوقت ضرورت اپنایا جاسکتا ہے:

(۱) جہاں مال خریدے وہیں کسی مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنادے، تو اس وکیل کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مال پہونچنے سے پہلے بیع نہ کرے، بلکہ وعدہ بیع کرے، اور جب مال پہونچے تب باضابطہ بیع کرے، اس صورت میں اگر جانبین میں سے کوئی انکار کردے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، بیع پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(۳) نیز اگر خریدار نے مال بھیجنے کیلئے کسی خاص کمپنی وغیرہ کی تعیین نہیں کی، البتہ مال پہونچانے کا کرایہ

خریدار ہی ادا کرتا ہے تو اس صورت میں خریدار کا قبضہ مانا جائے گا، اور کمپنی کی تحویل میں مال کے آجانے کے بعد خریدار کیلئے اس مال کو فروخت کرنا جائز ہے (احسن الفتاوی ۵۲۶/۶)۔

(۴) اور اگر سامان کو خریدنے سے پہلے خرید وفروخت کا معاملہ کیا جائے تو اسے محض وعدۂ بیع یا بیع سلم یا بیع استصناع کے دائرہ میں رکھ کر جائز قرار دیا جائے گا۔

مذکورہ گذارشات کے بعد فقہ اکیڈمی دہلی کے مرسلہ سوالوں کا جواب ملاحظہ ہو:

بیع قبل القبض فاسد ہے یا باطل؟

جیسا کہ اوپر مفصل عرض کیا گیا کہ بیع قبل القبض شرع اسلامی کے اعتبار سے ناجائز ہے، اور اس کے ناجائز ہونے پر جمہور فقہاء فی الجملہ متفق ہیں، اب رہی یہ بات کہ بیع قبل القبض کا شمار عند الفقہاء بیع فاسد میں ہے، یا بیع باطل میں یا بیع مکروہ میں، تو اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنے سے پہلے بیع فاسد ومکروہ اور بیع باطل کی حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، فقہاء کرام نے بیع فاسد ومکروہ اور بیع باطل کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ:

اگر خرید وفروخت کا معاملہ اصل اور وصف دونوں اعتبار سے صحیح نہ ہو تو بیع باطل ہے، اور اگر بیع کا معاملہ اصل کے اعتبار سے تو درست ہو لیکن وصف متصل کی وجہ سے اس میں کوئی خرابی ہو تو یہ بیع فاسد ہے، اور اگر بیع کا معاملہ اصل ووصف کے اعتبار سے تو درست ہو لیکن کسی امر مجاور کی وجہ سے اس میں کوئی قبح وخرابی پائی جائے تو یہ بیع مکروہ ہے، چنانچہ مشکوۃ کی شرح تنظیم الاشتات میں مرقوم ہے:

والبیع الباطل ما لا یکون صحیحاً باعتبار الأصل والوصف والبیع الفاسد هو ما لا یصح أی إن کان القبح لوصف متصل والبیع المکروہ إن کان القبح لأمر مجاور (تنظیم الاشتات ۱۱۵/۲)۔

حضرت علامہ عبدالحی فرنگی محلی علیہ الرحمہ نے ہدایہ کے حاشیہ میں باب البیع الفاسد کے تحت بیع فاسد ومکروہ اور بیع باطل کی حقیقت پر اس سے زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے (دیکھئے: حاشیہ ہدایہ ۳۳/۳)۔

بیع باطل وفاسد کی حقیقت سامنے آجانے کے بعد بیع قبل القبض کے سلسلہ میں غور کرنا چاہئے کہ اس سے بیع فاسد ہوتی ہے یا بیع باطل ہوتی ہے، تو اگرچہ اس سلسلہ میں فقہاء کرام کا کلام مختلف ہے، چنانچہ جوہرہ نیرہ باب المرابحہ میں لکھا ہے کہ:

قال الخجندی إذا اشتری منقولا لا یجوز بیعه قبل القبض لا من بائعه ولا من غیرہ فإن باعه فالبیع الثانی باطل والبیع الأول علی حاله جائز ولو باعه من البائع فقبله لا یصح البیع (الجوهرة النیرة).

اسی طرح صاحب درمختار نے بیع قبل القبض کے سلسلہ میں ایک قول یہ نقل کیا ہے: بخلاف بیعه قبله (

أى قبل القبض) فإنه باطل مطلقاً (الدر المختار مع رد المحتار ۱۸۲/۴) یعنی قبل القبض باطل ہے، لیکن مذکورہ قول کے بعد بیع قبل القبض کے متعلق دوسرا قول بیع فاسد ہونے کا لکھا ہے: وفی المواھب وفسد بیع المنقول قبل قبضه ، انتهى (الدر المختار ۱۸۲/۴)۔

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں بیع قبل القبض کو بیع فاسد ہی لکھا ہے: ومنها القبض فی بیع المشتری المنقول وفی الدین قبل قبضه فاسد کالمسلم فیه (فتاویٰ عالمگیری کتاب البیوع الباب الاول ۳/۳)۔

بیع باطل وفاسد کے مذکورہ بالا اصول کے پیش نظر بیع قبل القبض کو بیع فاسد ہی ہونا چاہئے، رہا بیع فاسد پر بیع باطل کا اطلاق تو یہ فقہاء کرام کے کلام میں بکثرت ہے، اسی طرح بیع باطل پر بھی فقہاء کرام کے اقوال میں بیع فاسد کا اطلاق ہوا ہے، چنانچہ شرح وقایہ میں لکھا ہے:

قد یذکر الفاسد ویراد به الباطل کما أن فی أول کتاب القدوری جعل البیع بالمیتة فاسداً وهو باطل (شرح وقایہ ۵۰/۳)۔

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

وبیع أم الولد والمدبر والمکاتب فاسد ومعناه باطل (ہدایہ ۳۴/۳)۔

قبضہ کی حقیقت تصریحات فقہاء کی روشنی میں:

اسلامی شریعت نے قبضہ سے پہلے کسی مبیع میں تصرف کرنے سے منع کیا ہے، لیکن قبضہ کی حقیقت کیا ہے؟ اور کیا کتاب وسنت نے قبضہ کی کسی خاص حقیقت کی کوئی تحدید وتعیین کی ہے؟ یا لوگوں کے عرف میں جس درجہ کے عمل دخل کو قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً قبضہ مانا جائے گا، تو اس سلسلہ میں فقہاء کرام اور شارحین حدیث کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اسلامی شریعت نے قبضہ کی کوئی خاص تحدید نہیں کی ہے، البتہ نصوص شرعیہ کی روشنی میں بطور خود حضرات فقہاء کرام نے قبضہ کی تحدید کی کوشش کی ہے، لیکن تصریحات فقہاء کو درج کرنے سے پہلے قبضہ کے لغوی مفہوم کو یہاں تحریر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ تصریحات فقہاء کو سمجھنے میں سہولت ہو، تو اس سلسلہ میں ارباب لغت نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ قبض باب ضرب کا مصدر ہے، اور قبضہ اسی کا اسم مرۃ ہے، قبض کے لغوی معنی ہیں، لینا، پکڑنا، جمع کرنا، اکٹھا کرنا، گرفتار کرنا، ضبط کرنا، قابو پانا، وصول پانا، رکنا، باز رہنا، ہٹنا، دور کرنا، سمیٹنا، وفات دینا، تنگی ڈالنا، کہا جاتا ہے: "صار المال فی قبضة" مال اس کی ملکیت میں ہوگیا (ملاحظہ ہو: القاموس الجدید ۵۲۱/۷، مصباح اللغات ۶۵۴/، المنجد ۶۳۷/۷، المعجم الوسیط ۱۱/۷) اور قواعد الفقہ میں قبض کی تشریح کرتے ہوئے اس کے مصنف نے لکھا ہے: القبض خلاف البسط یقال قبض علیه إذا ضم علیه أصابعه وقبض الشیٔ أخذه، وهذا الشیٔ فی قبضة فلان أی فی ملکه وتصرفه، والقبضة من الشیٔ ملأ الکف منه (قواعد الفقہ ۴۲۲/)۔

قبضہ کے لغوی معنی کو جان لینے کے بعد تصریحات فقہاء کی روشنی میں قبضہ کی حقیقت ملاحظہ ہو:

اس سلسلہ میں حضرات ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ) کا نظریہ ہے کہ ہر چیز میں قبضہ اسی شئ کی حیثیت کے اعتبار سے مانا جائے گا۔

مذهب المالكية والشافعية والحنابلة أن قبض كل شئ بحسبه (الموسوعة الفقهية ۱۳۲/۹، نص ابن قدامه في المغني ۲۲۰/۴)۔

اگر کوئی چیز وزن، کیل، عدد یا ذراع سے فروخت ہوئی تو اس میں قبضہ وزن، کیل، ذراع عدد (گن لینے) سے تسلیم کیا جائے گا۔

فإن كان مكيلا أو موزونا أو معدودا أو مذروعا فقبضه بالكيل أو الوزن أو العدد أو الذراع وذلك لحديث عثمان.... يا عثمان إذا ابتعت فاكتل وإذا بعت فكل (علقه البخاري ۲۸۰/۱، وصله أحمد ۶۲/۱، وحسنه الهيثمي ۹۸/۴، البيهقي ۳۱۵/۵، الموسوعة ۱۳۲/۹)۔

البتہ امام مالک کے نزدیک مثلی چیزوں میں قبضہ کا تحقق خریدار کو مبیع اس کے برتن میں رکھ کر حوالہ کر دینے سے مانا جائے گا، اور اگر منقولی سامان یا چوپائے کو خریدا تو اس میں قبضہ کا اعتبار لوگوں کے درمیان رائج عرف کے مطابق ہوگا۔

والمالكية شرطوا في قبض تسليمه للمشتري وتفريغه في أوعيته (الشرح الكبير للدرديرو حاشية الدسوقي عليه ۱۴۴/۳) وإن كان جزافا فقبضه نقله و ذلك لحديث ابن عمر قال كانوا يتبايعون الطعام جزافا بأعلى الصوت فنهاهم رسول الله ﷺ أن يبيعوه حتى ينقلوه وفي رواية حتى يحولوه، وإن كان منقولا من عروض و أنعام فقبضه بالعرف الجاري بين الناس كما يقوله المالكية كاحتياز الثوب و تسليم معقود الدابة (الموسوعة الفقهية ۱۳۲/۹، الشرح الكبير ۱۴۵/۵)۔

اور حضرات حنابلہ کے نزدیک اگر مبیع دراہم و دنانیر کے قبیل سے ہو، تو اس میں قبضہ کا تحقق ہاتھ میں لینے سے ہوگا، اور اگر کپڑا ہو تو اس کو منتقل کر لینے سے ہوگا، اور اگر جانور ہو تو اس کو اس کی جگہ سے چلا دینے سے قبضہ مانا جائے گا، اور اگر زمین ہو تو اس میں قبضہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری کیلئے زمین کا تخلیہ کر دے۔

وفصل الحنابلة في المنقول من العروض والأنعام فقالوا إن كان المبيع دراهم أو دنانير فقبضها باليد وإن كان ثيابا فقبضها نقلها وإن كان حيوانا فقبضه تمشيته من مكانه... وإن كان عقارا فقبضه بالتخلية بينه و بين المشتري بلا حائل دونه (الموسوعة الفقهية ۱۳۲/۹، ابن قدامہ [illegible] ۲۲۰/۴، کشف القناع ۲۴۷/۳)۔

اور حضرات شوافع کے نزدیک بھی مبیع کی مختلف قسموں کے اعتبار سے قبضہ کے سلسلہ [illegible] ہے، اگر مبیع ایسی ہے کہ وہ ہاتھ سے پکڑی جا سکتی ہے تو اس میں قبضہ ہاتھ میں لے لینے سے ہوگا [illegible] و دنانیر، اور کپڑا۔ اور اگر مبیع منقولی اشیاء کے قبیل سے ہے، تو قبضہ کا تحقق سامان کو منتقل کر لینے سے ہوگا [illegible]

منقولی اشیاء میں سے ہے تو قبضہ تخلیہ کر دینے سے ہو جائے گا، البتہ مکان میں قبضہ کا اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ بائع خریدار کو مکان کی کنجی حوالہ کر کے تصرف کرنے کی اجازت دیدے، اور اگر اس میں کسی اور کا سامان ہو تو اس کو نکال کر مکان کو خالی کر دے، (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۴۴/۹، فتح الباری ۳۱/۴)۔

اور ائمہ احناف کے نزدیک قبضہ کے سلسلہ میں اتنی تفصیل نہیں ہے، بلکہ ان حضرات نے قبضہ کیلئے تخلیہ کو معتبر مانا ہے، لیکن تخلیہ کی تعریف بقول علامہ انور شاہ کشمیری متعذر ہے، البتہ ظاہر روایت کے مطابق اس کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ خریدار کیلئے مبیع کو لے کر تصرف کرنے میں جو رکاوٹ پیش آسکتی ہے، بائع اس کو دور کردے (العرف الشذی ۲۴۳/۱)۔

اور حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک منقولی چیزوں میں قبضہ کا تحقق سامان کو منتقل کر لینے سے مانا جائے گا، لیکن بظاہر یہ حضرت امام ابو یوسف کی ایک روایت ہے ورنہ ان کا مذہب یہی ہے کہ تمام چیزوں میں قبضہ کا تحقق صرف تخلیہ سے ہو جاتا ہے۔

قال فی الموسوعة لأنها (أی التخلية) تسليم فمن ضرورته الحكم بالقبض فيترتب عليه ما يترتب على القبض الحقيقی وهذا هو الأصح و مقابل الأصح المروی عن أبی يوسف وهو أنه لا يثبت فی المنقول إلا بالنقل (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۳۴/۹) ولكن قال صاحب البدائع لا خلاف بين أصحابنا فی أصل القبض يحصل بالتخلية فی سائر الأموال (البدائع ۲۴۴/۵) مندرجہ بالا تفصیل سے قبضہ کی حقیقت کے سلسلہ میں فقہاء احناف کا جو نظریہ منقح ہو کر سامنے آتا ہے اس سلسلہ میں صاحب بدائع نے متعدد جگہ کلام کیا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھا ہے، ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكن والتخلی وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً وحقيقة (بدائع الصنائع ۱۴۸/۵) نیز ایک اور جگہ صاحب بدائع نے قبضہ کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلی وهو أن يخلی البائع بين المبيع وبين المشتری من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتری قابضا له (بدائع ۲۴۴/۵)۔

مذکورہ تفصیل سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ فقہائے احناف نے قبضہ کے تحقق کیلئے تخلیہ کو معتبر مانا ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہاء احناف کے نزدیک مبیع پر قبضہ بالید کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ حکماً قبضہ کو بھی ان حضرات نے معتبر تسلیم کیا ہے، چنانچہ علامہ شامی نے لکھا ہے: وقد يكون القبض حكميا، کبھی قبضہ حکمی ہوتا ہے، آگے چل کر علامہ شامی نے قبضہ حکمی کی متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں اور اسی ذیل میں لکھا ہے کہ ومنه (أی من القبض) مالو اشترى دهنا ودفع قارورة يزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشتری فهو قبض وكذا بغيته فی الأصح وكذا كل مكيل أوموزون إذا دفع له الوعاء فكاله أووزنه فيه بأمره ومنه مالو غصب شيئا ثم اشتراه صار قابضا بخلاف الوديعة والعارية إلا إذا وصل إليه بعد التخلية (ردالمحتار ۴۷/۴)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مبیع پر قبضہ اس کے تخلیہ سے حاصل ہو جاتا ہے، چنانچہ درمختار میں بھی لکھا ہے کہ مبیع کو حوالہ کرنا اس کے تخلیہ سے ہوتا ہے، لیکن اس طرح کہ بغیر کسی رکاوٹ کے اس پر قبضہ کرنا ممکن ہو، ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع و لا حائل (الدر المختار ۴/۴۷) اور علامہ شامی نے درمختار کی مذکورہ عبارت کی شرح کرتے ہوئے ردالمحتار میں قبضہ کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر گیہوں کسی نے خریدا اور وہ کسی مکان میں ہے، اور بائع نے خریدار کو مکان کی کنجی دیکر کہا کہ میں نے گیہوں کا آپ کیلئے تخلیہ کر دیا، تو اسے قبضہ مانا جائے گا، لیکن اگر کنجی دیکر کچھ نہیں کہا تو شرعاً یہ قبضہ نہیں ہے، اور اگر کسی نے نظروں سے اوجھل مکان کو فروخت کیا، اور کہا کہ میں نے وہ مکان تیرے حوالہ کر دیا تو یہ قبضہ نہیں ہے، ہاں اگر مکان اتنا قریب ہو کہ خریدار اس کو بند کر سکتا ہو تو شرعاً یہ مکان پر قبضہ مانا جائے گا ورنہ نہیں، اور جمع النوازل میں لکھا ہے کہ گھر کو فروخت کر کے کنجی حوالہ کر دینا شرعاً قبضہ ہے جبکہ خریدار کیلئے بلا تکلف اس مکان کو کھولنا آسان ہو، اسی طرح اگر کسی نے چراگاہ میں گائے کو خریدا اور بائع نے اس سے کہا کہ جاؤ قبضہ کر لو، تو اگر خریدار اس گائے کو دیکھ سکتا ہو اور اس کی طرف اشارہ کر سکتا ہو، تو یہ بھی قبضہ ہے ورنہ نہیں، اگر کسی نے کپڑا خریدا تو بائع نے اس سے کہا کہ قبضہ کر لو اب اگر بغیر کھڑے ہوئے بھی کپڑے کو لینا ممکن ہے تو یہ قبضہ ہے ورنہ نہیں، اور اگر کسی نے گھوڑے یا پرندے کو خریدا اور وہ دونوں کسی کمرہ میں ہوں، اور فروخت کنندہ نے خریدار سے کمرہ کا دروازہ کھول کر کہا کہ قبضہ کر لو، تو اگر خریدار کیلئے وہاں پہونچ کر بغیر کسی کی مدد کے پرندہ اور گھوڑے کو پکڑنا ممکن ہو تو یہ قبضہ ہے اور اس سلسلہ میں تفصیلی بحث بحر میں ہے، آخر میں بطور خلاصہ کے خود علامہ شامی نے لکھا ہے کہ وحاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أي بأن تكون في البلد فيما يظهر و في نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مد يده تصل إليه قبض و في نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه بلا معين قبض (ردالمحتار ۴/۴۷، ۴۸)۔

آگے چل کر علامہ شامی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر مبیع اتنی دور ہو کہ بغیر مشقت کے اس پر قابض ہونے کی قدرت نہ ہو تو ایسی صورت میں صرف قبضہ کر لینے کی اجازت دیدینے سے شرعاً قبضہ نہیں مانا جائے گا، اسی طرح مبیع کے دور ہونے کی صورت میں اس کے تخلیہ سے خریدار کا قبضہ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

لأنه إذا كان قريباً يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التخلية مقام القبض أما إذا كان بعيدا لا يتصور القبض في الحال فلا تقام التخلية مقام القبض (ردالمحتار ۴/۴۸)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ فقہاء احناف کے نزدیک تخلیہ کو قبضہ کے قائم مقام اسی وقت مانا گیا ہے جبکہ مبیع قریب ہو، اور اس پر حقیقی قبضہ بھی ممکن ہو، ورنہ جہاں مبیع کے دور ہونے کی وجہ سے حقیقی قبضہ متصور نہ ہو وہاں تخلیہ کو قبضہ کے قائم مقام نہیں مانا جائے گا، بلکہ وہاں حسی قبضہ معتبر ہوگا، البتہ جہاں حقیقی قبضہ ممکن ومقدور ہو وہاں قبضہ کے لئے

مبیع کا تخلیہ کر دینا کافی ہے، اور تخلیہ کا واضح مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع کو اپنے دیگر سامانوں سے اس طرح الگ اور جدا کر دے کہ خریدار جب چاہے، بلا روک ٹوک کے مبیع میں تصرف کر سکے، اور مبیع کے ساتھ خریدار کے علاوہ کسی اور کا کوئی حق وابستہ نہ ہو، اور ہر چیز میں قبضہ اسی شئی کے مناسب حال معتبر ہوگا۔

منقولی وغیر منقولی اشیاء میں قبضہ کی صورتیں:

غیر منقولی اشیاء میں قبضہ کے تحقق کیلئے تقریباً تمام فقہاء نے تخلیہ کو کافی قرار دیا ہے، جیسا کہ اوپر مفصل گذرا، البتہ دور حاضر میں زمین و جائداد کے قبیل کی غیر منقولی اشیاء میں عرف عام کے اندر رجسٹری کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ہے کہ بغیر اس کے لوگ قبضہ کا کوئی اعتبار نہیں کرتے، اس لئے دور حاضر کے بدلتے ہوئے حالات میں زمین و جائداد میں قبضہ کے تحقق و ثبوت کیلئے قضاءً زمین کی رجسٹری کو لازم قرار دینا چاہئے، اگرچہ دیانۃً بغیر رجسٹری کے صرف تخلیہ اور رفع موانع کی وجہ سے قبضہ کو تسلیم کیا جائے اور اسی کے مطابق فتوی دیا جائے۔

اور منقولی اشیاء میں قبضہ کے تحقق کیلئے اگرچہ فقہاء احناف نے مبیع کے قریب ہونے کی صورت میں تخلیہ کو کافی قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مشتری کیلئے مبیع کو قبضہ کرنے میں جو رکاوٹ پیش آسکتی ہے، بائع اس رکاوٹ کو دور کر دے، لیکن دیگر فقہاء نے اس کے ساتھ مکیلی و موزونی اور معدودی و مذروعی چیزوں میں کیل و وزن، پیمائش اور مبیع کو گن کر الگ کر دینے کو لازم قرار دیا ہے، بلکہ حضرت امام مالک نے مثلی چیزوں میں قبضہ کے تحقق کیلئے مبیع کو خریدار کے برتن میں رکھ دینے کو مشروط قرار دیا ہے، اور دیگر منقولی سامانوں اور جانوروں میں قبضہ کے لئے لوگوں کے درمیان رائج عرف کا اعتبار کیا ہے، اور حضرات شوافع و حنابلہ نے ہاتھ سے پکڑی جانے والی چیزوں میں قبضہ کے ثبوت کیلئے مبیع کو ہاتھ میں لینے اور دیگر منقولی چیزوں میں سامان بائع کے پاس سے منتقل کر لینے کو لازم کہا ہے، اسی طرح طعام کے قبیل کی چیزوں کو اگر خریدار نے اندازے سے خریدا ہو تو اس میں قبضہ کا اعتبار مبیع کو منتقل کر لینے سے ہوگا اور جانور وغیرہ میں اس کی جگہ سے چلا دینے سے، قال فی البدائع وقال الشافعیؒ القبض فی الدار والعقار والشجر بالتخلیة وأما فی الدراهم والدنانیر فتناولهما بالبراجم وفی الثیاب بالنقل وکذا فی الطعام إذا اشتراه مجازفة فإذا اشتراه مکایلة فبالکیل وفی العبد والبهیمة بالسیر من مکانه (بدائع ۲۴۴/۵)

اوپر فقہاء احناف کا جو یہ قول نقل کیا گیا کہ ان کے نزدیک صرف تخلیہ سے خریدار کا قبضہ مکمل ہو جاتا ہے، وہ فقہاء احناف کا ایک قول ہے، ورنہ دوسرے قول کے مطابق مکیلی و موزونی اشیاء میں قبضہ کی تمامیت کیلئے مبیع کا کیل و وزن ہو جانا ضروری ہے، قال فی البدائع: والدلیل علی أن الکیل والوزن فی المکیل والموزون الذی بیع مکایلة وموازنة من تمام القبض أن القدر فی المکیل والموزون معقود علیه ألا تری أنه لو کیل فازداد لاتطیب له الزیادة بل ترد أو یفرض لها ثمن ولو نقص یطرح بحصته شیء من الثمن ولا یعرف القدر فیهما إلا بالکیل والوزن (بدائع ۲۴۵/۵)۔

کیا بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلہ ہیں؟

عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ " فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة" حکیم کا کوئی کام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا ہے، لہذا اللہ رب العزت جو احکم الحاکمین ہے، کیا اس کے کسی حکم کا حکمت سے خالی ہونا ممکن ہے؟ ظاہر ہے کہ ہرگز ایسا ممکن نہیں ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالی نے سورہ مؤمنون میں تخلیق انسانی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

أفحسبتم أنما خلقناكم عبثاً وأنكم إلينا لا ترجعون (سورۃ المؤمنون/۱۱۵)۔

اے لوگو! کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تم لوگوں کو بیکار پیدا کردیا ہے؟ اور تم لوگ ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے؟

باری تعالی کے اس ارشاد سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اس ذات وحدہ لاشریک لہ نے انسانوں کو بیکار نہیں پیدا کیا ہے بلکہ ہر انسان کو اس نے ایک مقصد کے تحت پیدا کیا ہے، وہیں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ باری تعالی سبحانہ کا ہر کام حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے، البتہ اگر کسی امر خداوندی کی حکمت ہم کو معلوم ہوگئی تو اسے ہم امر معقول کہتے ہیں ورنہ اس حکم کو امر تعبدی کا عنوان دیا جاتا ہے، فما شرعه إن ظهرت حكمته لنا قلنا إنه معقول وإلا قلنا إنه تعبدي (رد المحتار کتاب الصلوۃ ۱/۳۳۰)۔

مذکورہ تفصیل کا تقاضا ہے کہ نصوص شرعیہ میں تعلیل کو اصل کہا جائے، کیونکہ جب اللہ رب العزت کا ہر کام حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ نصوص شرعیہ اور احکام فرعیہ کی بنیاد بھی علتوں پر ہو، ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے احکام کو بغیر کسی علت کے بیکار مشروع کیا ہے، جو سراسر باطل ہے، لہذا یہ بات واضح ہوگئی کہ فقہاء اصولیین نے جو یہ قاعدہ تحریر فرمایا ہے کہ:

إن الأحكام الشرعية العملية جميعها إنما شرعت لمصالح الناس ولعلل بنيت عليها وما شرع حكم منها عبثا بغير علة (أصول الفقہ للخلاف/۶۲)۔ نیز اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ مرقوم ہے:

إن الله سبحانه ما شرع حكما إلا لمصلحة وإن مصالح العباد هي الغاية المقصودة من تشريع الأحكام (اصول الفقہ للخلاف/۵۸)۔

مذکورہ تصریحات سے جب یہ بات واضح ہوگئی کہ احکام شرعیہ کی بنیاد علتوں پر ہوتی ہے تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن احادیث نبویہ اور اکابر صحابہ کے فتاوی میں بیع قبل القبض سے منع کیا گیا ہے تو ان میں ممانعت کی علت ضعف ملک ہے، چنانچہ الموسوعۃ الفقہیۃ میں لکھا ہے کہ:

لا يصح بيع المبيع قبل قبضه (إلى قوله) لضعف الملك قبل القبض لانفساخ العقد بتلفه وهذا المعنى الذي علل به الشافعي النهي عن البيع قبل القبض (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۱۲۴) ومثله في الفقه على المذاهب الأربعة: لا يصح للمشتري أن يتصرف في المبيع قبل قبضه (إلى

قولہ)لضعف الملک قبل القبض فلا یصح التصرف فی المبیع بالبیع (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۳/۱۹۱)۔

اور حضرات حنابلہ کے نزدیک بیع قبل القبض کے عدم جواز کی علت مبیع پر مشتری کی ملکیت کا تام نہ ہونا ہے، وعلل الحنابلة عدم الجواز علی هذه الروایة التی اختارها ابن عقیل من ألمتهم بأنه لم یتم الملک علیه فلم یجز بیعه کما لو کان عین متعین (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۱۲۴)۔

اور حضرات مالکیہ کے نزدیک بیع قبل القبض سے ممانعت کی علت کے سلسلہ میں الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں دو قول منقول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ مبیع پر قبضہ کر کے بیچنے کے ساتھ بہت سے لوگوں کا نفع وابستہ ہے، مثلاً جو لوگ سامان تولتے ہیں یا وزن کرتے ہیں، یا اس کو اٹھاتے ہیں، ان کو نفع ہوتا ہے، لیکن اگر مبیع پر قبضہ کئے بغیر ہی اس کو فروخت کر دیا جائے تو مذکورہ حضرات کا نقصان اور گھاٹا ہوتا ہے اور ان کا نفع ضائع ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ممانعت کا حکم تعبدی ہے، یعنی ممانعت کی علت و مصلحت ہم کو معلوم نہیں ہے، وقد قیل فی علة النهی إن فی قبضه منفعة للعمال إذ ینتفعون بکیله وحمله ووزنه وغیر ذلک بخلاف ما إذا بیع وهو عند صاحبه فإن ذلک یضیع تلک المنفعة وقیل إنه تعبدی (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۳/۱۹۲)۔

اور علمائے احناف کے نزدیک بیع قبل القبض کی علت غرر ہے، کیونکہ قبضہ سے پہلے اگر مبیع بائع ہی کے پاس ہلاک ہو جائے تو عقد بیع فسخ ہو جاتا ہے، پس اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مشتری نے جو قبضہ سے پہلے مبیع کو فروخت کیا ہے، تو گویا اس نے غیر مملوک شئی کو فروخت کر کے مشتری ثانی کو دھوکہ دیا ہے، جو شرعاً ممنوع و حرام ہے، چنانچہ ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد اور مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ و ابن عباسؓ سے مروی ہے: نهی رسول الله عن بیع الغرر (ابن ماجہ ۱/۱۵۸، ترمذی ۱/۲۳۳، أبوداؤد ۲/۴۷۹، مسلم ۲/۲)۔

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی نے بیع قبل القبض کی ممانعت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت کا مدار دو وجوں پر ہے:

(۱) قبضہ سے پہلے مبیع مقدور التسلیم نہیں ہوتی، لہذا یہ بات یقینی نہیں ہے کہ وہ مشتری کو ضرور قبضہ کرا دے گا، یہ غرر ہے جس کی بنا پر بیع جائز نہیں ہے۔

(۲) بیع قبل القبض کی ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی، اور ربح مالم یضمن جائز نہیں (اسلام اور جدید معیشت/۹۱)۔

اور علامہ طحاوی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی بیع قبل القبض کی علت ربح مالم یضمن ہے (معانی الآثار ۲/۲۰۲) لیکن زیادہ تر علمائے احناف نے بیع قبل القبض کی علت غرر (دھوکہ) کو قرار دیا ہے۔

(۵) بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم عام مخصوص منہ البعض ہے:

بیع قبل القبض کی ممانعت باتفاق ائمہ عام مخصوص منہ البعض ہے، کیونکہ جب بیع قبل القبض کی نہی سے

متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جہاں ممانعت کی علت پائی جائے گی وہیں ممانعت کا حکم ہوگا ورنہ نہیں، چنانچہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ جو قبضہ سے پہلے مبیع کی خرید وفروخت کی ممانعت کی عمومیت کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی بیع کے علاوہ بہت سے دیگر تصرفات قبضہ سے پہلے مبیع میں جائز ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک قبضہ سے پہلے وقف جائز ہے، بلکہ ان کے نزدیک اگر کسی نے بغیر کیل ووزن کے اٹکل سے غلہ کو مثلاً گیہوں وغیرہ کے ڈھیر کو بغیر کیل ووزن کے اندازے سے خریدا تو اس میں خریدار قبضہ سے پہلے تصرف کرسکتا ہے۔

اسی طرح الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں لکھا ہے کہ حضرات شوافع کے نزدیک قبضہ سے پہلے مبیع میں تصرف کے عدم جواز سے تین صورتیں مستثنیٰ ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ خریدار قبضہ سے پہلے مبیع کو پہلی ہی قیمت کے عوض بغیر کسی اضافہ کے بائع کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مبیع کا کچھ حصہ بائع کے پاس تلف ہوجائے تو خریدار تلف شدہ مبیع کو بائع ہی کے ہاتھ فروخت کردے، یعنی بائع خریدار کو تلف شدہ مبیع کے مثل ثمن دیدے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی چیز بائع سے ادھار خریدی اور ابھی خریدار نے بائع کو ثمن نہ دیا، اور نہ مبیع پر قبضہ کیا تو ایسی صورت میں بھی خریدار پہلی قیمت پر مبیع کو بائع سے فروخت کرسکتا ہے، والبیع في الأحوال الثلاثة يكون إقالة بلفظ البيع فليس بيعا حقيقة۔

(الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۱۹۲/۳)۔

نیز امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ترکہ میں، اسی طرح ثمن میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے۔

لا يمتنع بيعه ما ورثه قبل قبضه (مسلم شریف ۶/۲)۔

اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے صرف کھائی جانے والی چیزوں کو فروخت کرنا ناجائز ہے ورنہ جائز ہے، لیکن کھائی جانے والی اشیاء کے علاوہ دیگر چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، اسی طرح اگر کسی نے کھائی جانے والی چیزوں کو اٹکل سے بغیر تولے اور وزن کئے ہوئے خریدا تو اس کی بیع بھی قبضہ سے پہلے جائز ہے۔

دراصل امام مالک کے نزدیک قبضہ سے پہلے کسی چیز میں تصرف کا عدم جواز دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے: پہلی شرط یہ ہے کہ کھانے کی اشیاء کو کوئی عوض دے کرلیا گیا ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ کیل ووزن یا عدد سے لیا گیا ہے۔ لہذا اگر کسی کے پاس کھانے کی اشیاء ہبہ یا ترکہ میں آئی ہوں تو اس کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، اسی طرح اگر کسی چیز کو اٹکل سے خریدا ہو تو قبضہ سے پہلے اس چیز کو اٹکل سے یا تول کر فروخت کرنا شرعاً درست ہے، البتہ اگر کھانے کی اشیاء کو کسی چیز کے عوض کیل سے خریدا تو اس کو قبضہ سے پہلے بیچنا نہ اٹکل سے جائز ہے اور نہ کیل ووزن سے جائز ہے۔ (حاشیہ الدسوقی ۱۴۵/۳، ۱۵۲)۔

اور حضرات حنابلہ کے نزدیک غیر مکیلی وغیر موزونی، غیر معدودی اور غیر مذروعی چیز کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا، رہن رکھنا، ہبہ کرنا جائز ہے، اسی طرح جن چیزوں کو اٹکل سے خریدا ہو، ان چیزوں کو قبضہ سے پہلے

فروخت کرنا جائز ہے، البتہ جن چیزوں کو کیل ووزن سے یا ناپ کر یا گن کر خریدا ہو، ان چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، ہاں قبضہ سے پہلے وصیت کرنا یا مال غیر مقبوض کو بدل خلع اور مہر ٹھہرانا درست ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱۹۲/۲)۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک اگر مبیع غیر منقولی اشیاء کے قبیل سے ہے جیسے زمین، تو اس کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے، اسی طرح قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف بھی جائز ہے (دیکھئے المبسوط ۱۰/۱۳، بدائع ۲۳۴/۵)۔

اور حضرت امام محمد کے نزدیک قبضہ سے پہلے مبیع میں تصرف کا ضابطہ یہ ہے کہ جن تصرفات کی تمامیت کیلئے قبضہ شرط ہے، ان میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے، جیسے قبضہ، صدقہ، رہن، قرض، اعارہ وغیرہ، اور جو تصرفات قبضہ سے پہلے ہی تام ہوجاتے ہیں جیسے بیع، اجارہ، بدل صلح جو اعیان کے قبیل سے ہوں، ان میں قبل القبض تصرف جائز نہیں، وضع محمد بن الحسن من الحنفية (لمنع التصرف قبل القبض) هذا الضابط۔

(۱) إن كل تصرف لا يتم إلا بالقبض كالهبة والصدقة والرهن والقرض والإعارة ونحوها يجوز قبل القبض.

(۲) وكل تصرف يتم قبل القبض كالمبيع والإجارة وبدل الصلح عن الدين إذا كان عينا ونحوها لا يجوز قبل القبض (الموسوعۃ ۱۲۹/۹)۔

اور قاضی شوکانی کے نزدیک جو تصرفات عوض لے کر کئے جاتے ہیں وہ بیع کے مثل ہیں، لہذا قبضہ سے پہلے ایسے تصرفات کو انجام دینا جائز نہیں ہے، اور جو تصرفات بغیر عوض لئے کئے جاتے ہیں وہ ہبہ کے مانند ہیں، یعنی قبضہ سے پہلے ان کا کرنا جائز ہے، اور اس سلسلہ میں علامہ شوکانی کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ قبضہ سے پہلے وقف کرنا اور غلام کو آزاد کرنا شرعاً جائز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو تصرف بغیر عوض لئے کیا جاتا ہے، وہ قبضہ سے پہلے انجام دینا جائز ہے، کیونکہ وقف اور غلام کی آزادی کا تصرف بغیر عوض لئے ہوئے ہی کیا جاتا ہے، اور بیع قبل القبض کی ممانعت کی علت شبہ ربوا ہے، اور ربوا کالیین دین بھی معاوضات ہی کے اندر ہوتا ہے، لہذا جو معاملہ عوض لے کر کیا جائے اس میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہونا چاہئے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۳۱/۹)۔

مندرجہ تصریحات علماء وفقہاء سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم عام مخصوص منہ البعض ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ جن حضرات ائمہ نے بعض صورتوں میں بیع قبل القبض کے جواز کا فتوی دیا ہے ان کے دلائل کیا ہیں۔

(۶۔۷) بیع قبل القبض کی بعض مروجہ شکلیں:

اگر کوئی شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ اس مال کو فروخت کردیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خرید کر مال کو دوسرے خریدار کے پاس

روانہ کردیتا ہے یا فیکٹری ہی کو دوسرے خریدار کے پاس مال بھیج دینے کا حکم دے دیتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہونچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہوجائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آئے گی، اور نہ خریدار نمبر (۲) پر، بلکہ یہ پہلے ہی خریدار کا نقصان مانا جائے گا، تو اس صورت میں اگرچہ فیکٹری سے خریدنے والے شخص کا براہ راست حسی قبضہ تو نہیں ہوا لیکن چونکہ خود خریدار اول نے اپنے نوکر کے ذریعہ مال اٹھواکر خریدار ثانی کے یہاں بھجوایا ہے یا فیکٹری ہی کو اس نے مال بھیجنے کا وکیل بنایا ہے، اس لئے وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہونچنے سے پہلے اسی خریدار اول ہی کے ضمان میں رہے گا، اور اس خریدار اول کا مال پر حکمی قبضہ پایا گیا، اس لئے یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خریدار اول نے مال غیر مضمون سے نفع حاصل کیا ہے، یا اس نے قبضہ سے پہلے مال کو فروخت کیا ہے، بلکہ اس نے مال پر حکماً قبضہ کے بعد مال مضمون سے نفع حاصل کیا ہے، لہذا سوالنامہ کی اس درج شدہ صورت میں فیکٹری کے مالک کو بائع ماننے کے ساتھ خریدار اول کو وکیل بالقبض قرار دیا جائے گا، لأن أمور المسلمین محمولة علی الصحة والسداد ما أمکن (بدائع ۲۱۷/۵)۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی بائع (دوکاندار) سے مال خرید کر اس سے کہا کہ تم ہمارا مال جہاز کے ذریعہ روانہ کردو، چنانچہ بائع نے ایسا ہی کیا اور وہ مال جہاز پر چڑھا کر اپنے ذمہ سے فارغ ہوگیا، اور مال مشتری کے ضمان میں داخل ہوگیا، پھر مشتری نے اپنے پاس مال پہونچنے سے پہلے ہی جبکہ مال سمندر میں ہے، ایک تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کردیا، اور اس مال کو تیسرے شخص کے حکم سے اسی کے پاس بھیجد یا اور درمیان میں مال کے ضائع ہونے کی صورت میں یہ درمیانی شخص مال کا ضامن نہیں ہوتا، اور نہ بائع اول ہی مال کا ضامن ہوتا ہے، بلکہ تیسرا شخص ضامن ہوتا ہے، تو شرعاً یہ صورت بھی جائز ہے، لأن فعل المسلم یجب حمله علی أحسن الوجوه ما أمکن (إعلاء السنن ۳۳۸/۱۴) اور مال بردار کمپنی کو تیسرے شخص کے حق میں وکیل بالقبض مانا جائے گا، قال فی الهندیة رجل اشتری کرا من صبرة قال للبائع ..... فی جوالقی ودفع إلیه الجوالق ففعل کان المشتری قابضاً کذا فی فتاوی قاضی خان (عالمگیری ۱۹/۳) وفیه أیضاً إذا قال المشتری للبائع قل للعبد یعمل لی کذا فأمره البائع فعمل صار المشتری قابضاً، کذا فی المحیط (عالمگیری ۲۰/۳)۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلے میں ائمہ کی آراء

مولانا عبداللہ مظاہری، ہانسوٹ

بیع قبل القبض کے سلسلہ میں علماء کے اختلاف آراء تحریر کرتے ہوئے صاحب تکملہ فتح الملہم مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کل پانچ مذہب ہیں:

(۱) حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ تمام اشیاء خواہ منقولات کے قبیل کی ہوں یا غیر منقولات کی یا مشروبات ومطعومات کے قبیل کی ہوں، بہرصورت قبل القبض ان جمیع اشیاء کی بیع جائز ودرست ہے، علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ قول مردود ہے اس لئے کہ طعام کی بیع قبل القبض کے عدم جواز پر علماء کا اجماع ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۰)۔

نیز صاحب اعلاء نے بھی ابن المنذر کے حوالے سے طعام کی بیع قبل القبض پر اجماع نقل فرمایا ہے: قال ابن المنذر أجمع العلماء علی أن من اشتری طعاما فلیس له بیعه حتی یقبضه (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۷) چنانچہ عثمان کی بات قابل اجماع نہیں اور ابن المنذر کے دلائل ووجوہ کے بیان کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) حضرت امام شافعیؒ اور حنفیہ میں سے امام محمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تمام چیزوں کی بیع قبل القبض حرام وناجائز ہے خواہ از قبیل طعام ہو یا غیر طعام ہو، خواہ منقول ہو یا غیر منقول، صاحب عنایہ فرماتے ہیں کہ یہی مسلک حضرت امام زفر کا ہے اور امام احمد اور امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے (بنایہ ۴/۳۲۲) اور صاحب بدایۃ المجتہد نے یہی قول امام ثوری علیہ الرحمہ کا بیان فرمایا ہے، اور فرماتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ اور ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے (بدایۃ المجتہد ۱/۳۵۰)۔

(۳) امام احمد بن حنبل کی اظہر روایت یہ ہے کہ قبل القبض فروختگی کی مخالفت صرف اور صرف مطعومات کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ طعام کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں، البتہ اس کے علاوہ دیگر چیزوں کی فروختگی قبل القبض جائز ودرست ہے، البتہ صاحب بدایۃ المجتہد نے مطعومات کے ساتھ کیلی اور وزنی کی شرط قرار دی ہے یعنی ایسے طعام جو کیلی یا وزنی ہوں اس کی فروختگی قبل القبض جائز ودرست نہیں، اور یہی مسلک امام ابوثور کا بھی بیان فرمایا ہے (بدایۃ ۱/۱۰۸)۔

(۴) حضرت امام مالک خاص طور سے مطعومات میں سے کیلی یا وزنی کی بیع قبل القبض کو ناجائز گردانتے ہیں، یہ مسلک حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب زید مجدہ نے بیان فرمایا ہے، لیکن صاحب بدایہ (۱/۱۰۸) صاحب الفقہ علی المذاہب الاربعہ (۲/۲۳۵) صاحب اعلاء السنن (۱۴/۲۲۷) صاحب بنایہ (۷/۳۲۱) نے کیل ووزن کی شرط بیان نہیں فرمائی ہے بلکہ مطلق طور سے صرف اور صرف طعام کی بیع قبل القبض کے عدم جواز کا قول نقل فرمایا ہے، خواہ کیلی ووزنی ہو یا نہ ہو۔

(۵) حضرت امام ابوحنیفہ اور امام یوسف رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تمام منقولات خواہ طعام ہوں یا غیر طعام، کی بیع قبل القبض جائز نہیں، البتہ وہ عقار جس کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو اس کی فروختگی قبل القبض جائز ودرست ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۱، فتح القدیر ۶/۱۳۸، اعلاء السنن ۱۴/۲۲۷، بدایۃ المجتہد ۱/۱۰۸)۔

دلائل ووجوہ:

۲۔ حضرت امام شافعیؒ، امام محمدؒ اطلاق حدیث سے استدلال کرتے ہیں مثلاً: قوله عليه السلام لا يحل بيع وسلف ولا ربح مالم يضمن ولا بيع ما ليس عندك.

اسی طرح حکیم بن حزام کی روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں :قال قلت يا رسول الله إني اشترى بيوعا فما يحل لي منها وما يحرم ؟ فقال يا ابن أخي إذا اشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه

ان تمام احادیث کے اطلاق سے یہ لوگ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اس میں منقول اور غیر منقول کا کوئی تذکرہ نہیں ہے لہذا تمام چیزوں کی بیع قبل القبض جائز نہیں، بلکہ یہ لوگ غیر منقول اشیا کو منقول پر قیاس کر کے بھی جمیع چیزوں میں قبل القبض بیع کے عدم جواز کا قول فرماتے ہیں، وہ اس طور سے کہ جس طرح اشیائے منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے اسی طرح شئ غیر منقول کی بھی بیع جائز نہیں اور ان دونوں میں علت جامع مبیع کا غیر مقبوض ہونا ہے۔

۳۔۴۔ حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ کا استدلال ان ہی حدیثوں سے ہے جن میں صراحۃً طعام کا لفظ ذکر کیا گیا ہے اور قبل القبض اس کی فروختگی کی ممانعت آئی ہے مثلاً: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه، دوسری حدیث : نهى أن يبيع أحد طعاما اشتراه بكيل ووزن حتى يستوفيه، تیسری حدیث: من اشترى طعاما فلا يبعه حتى يقبضه وغیرہ طریق استدلال یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خاص طور سے طعام کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا ممنوع قرار دیا ہے، اب اگر یہ ممانعت طعام کے ساتھ مخصوص نہ ہو تو ایسی صورت میں خصوصیت کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہے گا، معلوم ہوا کہ صرف طعام کی ہی بیع قبل القبض ناجائز ہے۔

۵۔ امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کا استدلال بھی متعدد احادیث ہے۔

مثلاً حضرت ابن عمرؓ کی حدیث قال قال رسول الله ﷺ لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع ولا ربح مالا يضمن ولا بيع ما ليس عندك.

اسی طرح حضرت حکیم بن حزام کی حدیث قال النبي ﷺ لا تبيعن شيئا حتى تقبضه، اسی طرح زید بن ثابتؓ کی حدیث نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم، ان ہی جیسی حدیثوں سے حضرات شیخین نے استدلال فرماتے ہوئے طعام وغیرہ کی تخصیص کئے بغیر قبل القبض فروختگی کے عدم جواز کا قول فرمایا ہے، اس لئے کہ یہ تمام حدیثیں ہر قسم کے سامان کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں اس میں کسی خاص مبیع کا

تذکرہ نہیں ہے، تاہم اس عمومیت نہی سے غیر منقول یعنی عقار وغیرہ کی بیع قبل القبض کا استثنا فرمایا ہے اور مذکورہ حدیثوں کو صرف منقول اشیاء کے ساتھ خاص کر دیا ہے اس لئے کہ حدیث نہی تو معلول بعلۃ ہے.....اور یہ علت صرف منقول میں پائی جاتی ہے، غیر منقول میں نادر ہے جس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں، اس طور سے کہ قبل القبض ممانعت ان ہی چیزوں میں ہے جن کی ہلاکت کی صورت میں عقد اول کے فسخ ہو جانے کا خوف و دھوکہ ہو اور یہ دھوکہ شئے منقول ہی میں غالب ہے غیر منقول میں غالب نہیں بلکہ نادر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی زمین سمندر کے کنارہ پر ہو یا مبیع گھر کی دوسری منزل ہو تو قبل القبض فروخت کرنے کی اجازت نہیں اس لئے کہ یہاں بھی ہلاکت کا اندیشہ ہے، اب اگر قبل القبض بیع کے جواز کا قول کہا جائے تو اس صورت میں غیر کی ملکیت کا فروخت کرنا یا غرر لازم آئے گا، کیونکہ جب کوئی سامان آپ نے خرید کر ابھی قبضہ نہیں کیا اور وہ چیز ہلاک ہوگئی تو آپ کے اور بائع کے درمیان کا عقد فسخ ہوگیا اب اگر آپ ایسی چیز کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں تو گویا دوسرے کی چیز کو فروخت کر رہے ہیں اور ہلاکت کے علم نہ ہونے کی صورت میں اپنی چیز ہونے یا نہ ہونے کا غرر اور دھوکہ ہے جس سے حدیث میں ممانعت آئی ہے، لہذا قبل القبض منقولات کی بیع جائز نہیں اور رہی بات غیر منقولات کی تو اس میں ہلاکت نادر ہے جو شرعاً غیر معتبر ہے اب اگر قبل القبض فروخت کریں تو اپنی ملکیت یقینی طور پر فروخت کرنے والے ہوں گے چنانچہ شیخین نے اس کی بیع قبل القبض کے جواز کا قول فرمایا۔ (کفایہ فتح القدیر، فتح الملہم وغیرہ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں)۔

ممانعت کی حدیث معلول بعلۃ ہے:

وہ تمام احادیث جن میں قبل القبض خرید و فروخت کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ معلول بعلۃ ہیں چنانچہ صاحب اعلاء السنن فرماتے ہیں إن أبا حنيفة وأبا يوسف خصا النصوص بالمنقول بعلة النهي وهو غرر انفساخ العقد بالهلاک قبل القبض (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۴) یعنی حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے منقولات کے ساتھ عدم جواز کو اس لئے خاص کیا ہے کہ ممانعت کی حدیث معلول بعلۃ ہے اور علت صرف منقولات میں پائی جاتی ہے غیر منقولات میں نہیں پائی جاتی، صاحب ہدایہ اور صاحب تبیین نے بھی یہی بات فرمائی ہے کہ ممانعت کی حدیث معلول بعلۃ ہے اور علت یہ ہے کہ قبل القبض ہلاکت کی صورت میں عقد اول کے فسخ ہو جانے کا دھوکا اور غرر ہے اس طور سے کہ قبضہ کرنے سے پہلے مبیع ہلاک ہو جائے تو بائع اور مشتری کے درمیان عقد فسخ ہو جائے گا اور وہ چیز بائع کی ملکیت میں عود کر آجائے گی مشتری کی ملکیت ثابت نہیں ہو سکے گی اب اگر مشتری کو مبیع کی ہلاکت کا علم نہ ہو اور مبیع کو فروخت کر دے تو غیر کی چیز کو فروخت کرنے والا لازم آئے گا لیکن اگر قبضہ کر چکا ہے تو فروخت کرنے میں اپنی چیز کا فروخت کرنے والا ہوگا، تو جب قبضہ کرنے سے پہلے پتہ ہی نہیں کہ بیع تام ہوئی یا نہیں اب ایسی صورت میں فروخت کر دے تو یا اپنی چیز کو فروخت کرنے والا ہوگا یا ہلاکت کی وجہ سے عقد اول فسخ ہوگیا ہو غیر کی چیز کا فروخت کرنے والا ہوگا اور یہی غرر اور دھوکہ ہے جبکہ نبی کریم ﷺ نے غرر و دھوکے سے منع فرمایا ہے لیکن اگر متعین ہے کہ قبضہ سے پہلے

مبیع ہلاک نہیں ہوگی جیسے عقار زمین وغیرہ تو قبل القبض بیع جائز ہے اس لئے کہ یہاں اپنی ملکیت کا بیچنے والا ہے اس میں کسی قسم کا کوئی احتمال نہیں ہے اور حدیث کے معلول بعلۃ ہونے پر دلیل بھی موجود ہے، مثلاً ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف بیع وغیرہ بالکل جائز ہے اس لئے ثمن میں ہلاکت کا اندیشہ نہیں کیونکہ وہ مشتری کے ذمہ میں باقی رہے گا، (یعنی واجب رہے گا اور وہ ہلاک نہیں ہوسکتا ہے) اسی طرح بیوی کا مہر شوہر کے اوپر ہے اور بیوی نے ابھی تک قبضہ نہیں کیا ہے لیکن اس مہر میں کچھ تصرف کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے جائز ہے اس لئے کہ یہاں ہلاکت کا اندیشہ نہیں، اسی طرح میراث پر قبضہ کرنے سے پہلے اگر تصرف بیع کرنا چاہے تو جائز و درست ہے اس لئے کہ فسخ عقد کے ذریعہ ہلاکت وغرر کا اندیشہ نہیں، حاصل یہ ہے کہ حدیث معلول بعلۃ ہے اور وہ علت قبل القبض ہلاکت کی وجہ سے عقد اول کے فسخ کا غرر اور دھوکہ ہے نیز حدیث کے معلول ہونے پر حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث بھی دلیل ہے بلکہ اس میں قبل القبض مبیع کے عدم جواز کی علت بھی جناب نبی کریم ﷺ نے خود بیان فرمادی اور کہالا **ربح مالم یضمن** یعنی مبیع جب تک ضمان واحراز میں نہ آئے فائدہ حاصل کرنا حلال نہیں، اور وہ چیز جو غالباً ہلاک ہوجاتی ہے وہ بعینہ قبضہ کئے ہوئے ضمان واحراز میں نہیں کرسکتی اور وہ اشیائے منقولہ ہیں نہ کہ غیر منقولہ لہذا عدم جواز صرف منقولہ کے ساتھ خاص ہوگا عام نہیں ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قبل القبض بیع کے مسائل اور اس کے احکام:

اشیائے منقولہ پر قبضہ کئے بغیر فروخت کردینا ناجائز ہے اور حضرات احناف کے نزدیک اس کا شمار بیع فاسد میں ہوتا ہے جیسا کہ مسلک حنفی کی ترجمانی کرتے ہوئے صاحب الفقہ علی المذاہب الاربعہ بیان فرماتے ہیں **الحنفية قالوا فی البيع الفاسد بيع الأعيان المنقولة قبل قبضها** (الفقہ المذاہب الاربعہ) چنانچہ قبل القبض بیع وشراء کے احکام ذکر کئے جانے سے پہلے قبضہ کی حقیقت از روئے شرع بیان کرنا ضروری ہے تاکہ اس پر احکام کی تفریع ہوسکے۔

حقیقت قبضہ:

جاننا چاہئے کہ اختلاف اشیاء کے اعتبار سے حقیقت قبضہ میں بھی ائمہ کا اختلاف ہوگیا ہے، لہذا حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام محمد اور حضرت امام شافعی کا اتفاق اس بات پر ہے کہ اشیاء غیر منقولہ مثلاً دار و اراضی، اس پر قبضہ کی حقیقت صرف تخلیہ ہے یعنی بائع کا مبیع کو مشتری کے لئے اس طرح چھوڑ دینا کہ وہ آزادانہ اس پر تصرف کرسکے لیکن اشیاء منقولہ کے سلسلے میں باہم ائمہ میں اختلاف ہوگیا ہے حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ تمام منقولات کے لئے قبضہ کی حقیقت نقل وتحویل مع التخلیہ ہے یعنی تخلیہ کے ساتھ ساتھ جہاں سے خریدا ہے وہاں سے دوسری جگہ لے جانا قبضہ کہلاتا ہے (اعلاء السنن) لیکن حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ دراہم ودنانیر میں قبضہ کی حقیقت ہاتھ سے پکڑ لینا ہے اور کپڑے یا مطعومات کی مجازفۂ بیع میں حقیقت قبضہ نقل وتحویل ہے اور کسی چیز کو ناپ کر خریدنے کی صورت میں قبضہ بذریعہ ناپ ہوگا اور غلام اور جانوروں کو خریدنے میں اس کی جگہ سے لے آنا قبضہ کہلائے گا (بدائع الصنائع ۷/۲۴۴)

البتہ امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ اور آپ کے جمیع اصحاب کے نزدیک بلاتفریق منقول و غیر منقول میں حقیقت قبضہ تخلیہ اور مشتری کے لئے آزادانہ طور پر تصرف کرنے کی قدرت دیدینا ہے، چنانچہ صاحب بدائع فرماتے ہیں: **لا خلاف بین أصحابنا فی أصل القبض یحصل بالتخلیة فی سائر الأموال.**

دوسری جگہ حقیقت قبضہ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب بدائع نہایت اچھوتے انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ قبضہ کا یہ بالکل مطلب نہیں کہ ہاتھ میں لے لینے کی شرط ہو بلکہ عرف و عادت کے مطابق صرف مشتری کو تصرف کی قدرت دیدینے اور اس کے لئے موانع کو ختم کردینے کا نام قبضہ ہے **لا یشترط بالبراجم لأن معنی القبض هو التمکین والتخلی وارتفاع الموانع عرفا وعادة** اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تسلیم نام ہے کسی کے لئے کسی چیز کو خالص اور خاص کردینے کا کہا جاتا ہے **یسلم فلان لفلان أی خلص له**، تو مبیع کو مشتری کے سپرد کردینے کا مطلب یہ ہوگیا کہ مبیع کو مشتری کے لئے اس طرح خاص کردینا کہ غیر کو اس میں تنازع کا حق نہ ہو اور یہ چیز تخلیہ سے حاصل ہے لہذا قبضہ و تقسیم کی تعریف تخلیہ سے کرنا درست ہے۔ صاحب تکملہ فتح الملہم قبضہ کی تعریف میں فرماتے ہیں: **أما القبض فهو أن یأتی الشیٔ فی إحرازه وضمانه**، قبضہ صرف حفاظت و ذمہ داری میں آنے کا نام ہے، اس تعریف اور صاحب بدائع کی بیان کردہ تعریف میں بظاہر کوئی فرق نہیں اس لئے کہ جب بائع اشیائے مبیعہ کا تخلیہ کرکے مشتری کے لئے خالص کردے اور اس کو آزادانہ تصرف کرنے کی قدرت دیوے تو یقیناً وہ چیز مشتری کے ضمان و احراز میں آجائے گی اور بائع کے ضمان و احراز سے نکل جائے گی اور اس پر فقہ کا جزئیہ بھی موجود ہے خود صاحب بدائع فرماتے ہیں: **إن باع مکایلة أو موازنة فی المکیل والموزون وخلی فلا خلاف فی أن المبیع یخرج بحق ضمان البائع وبه حق فی ضمان المشتری.**

حاصل کلام یہ ہے کہ عرف و عادت کے مطابق جس طرح بھی اشیائے مبیعہ بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائیں اور اس طرح خاص ہو جائیں کہ غیر کا تنازع نہ ہو سکے از روئے شرع قبضہ کہلائے گا، البتہ خلاف اشیاء کے صرف پر غور کرتے ہوئے قبضہ کی دو قسمیں ہیں (۱) قبضۂ کامل (۲) قبضۂ ناقص۔

قبضہ کی دونوں قسموں میں مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے لیکن قبضۂ تام کی صورت میں تصرف بیع وغیرہ کی اجازت ہوتی ہے اور قبضۂ ناقص کی صورت میں تصرف بیع کی اجازت نہیں ہوتی ہے اب اختلاف اشیاء کی صورت میں کامل اور ناقص کے مابین فرق کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اشیاء غیر مثلی جیسے تمام مذروعات کے قبیل کی چیزیں مثلاً کپڑا وغیرہ یا معدودات متفاوتہ جیسے جانور وغیرہ یا اشیاء مثلی جو کیل و وزن سے فروخت نہ کی گئی ہوں بلکہ اندازے سے فروخت کی گئی ہوں، ان تمام چیزوں میں صرف تخلیہ اور مشتری کے ضمان میں داخل ہو جانے سے بالاتفاق قبضۂ تام کا حصول ہو جاتا ہے، اور مشتری کو دوبارہ شمار یا وزن و کیل کے بغیر رقم کے تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے جیسا کہ صاحب بدائع بڑی وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں، **فإن کان ممالا مثل له من المذروعات والمعدودات المتفاوتة فالتخلیة فیها قبض تام بلا خلاف**

حتی لو اشتری مذروعا أو معدودا مذارعة أو معاددة ووجدت التخلیة یخرج عن ضمان البائع ویجوز لہ بیع والانتفاع بہ قبل الذرع والعدد (بدائع ۲۴۴/۵) اور اشیائے مثلی یعنی مکیلی اور موزونی چیزیں جو وزن وکیل کے ذریعہ فروخت ہوتی ہوں تو کسی کے صرف تخلیہ سے بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان وحفاظت میں داخل تو ہو جائیں گی لیکن صرف حفاظت وضمان میں آنے سے قبضۂ تام حاصل نہ ہوگا بلکہ قبضۂ تام کے لئے مشتری کا دوبارہ کیل یا وزن کرنا ضروری ہوگا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو مکیلی اور موزونی چیزیں کیل اور وزن کے اعتبار سے خریدی گئی ہوں ان میں مقدار معقود علیہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مقدار سے زائد ہو جائیں تو ان کا لینا حلال نہیں بلکہ واپس کرنا یا اس کا ثمن دینا ضروری ہے اور اگر کم ہو جائیں تو ثمن کی اتنی مقدار کم کر دینا جائز ہے۔

اور مقدار کی معرفت کیل و وزن کے ذریعہ ہی مقصود ہے اب اگر کیل و وزن نہ کیا جائے تو مقدار سے کم یا زائد ہونے کے احتمال کی وجہ سے معقود علیہ کی مقدار پر کامل قبضہ متحقق نہیں ہوگا لیکن دوبارہ کیل و وزن کر لیا جائے تو کامل قبضہ متحقق ہو جائے گا اس لئے کامل قبضہ کے لئے مثلی اشیاء کو جو کیل و وزن کے ذریعہ فروخت کی جائیں دوبارہ کیل وزن کرنا ضروری قرار دیا کیونکہ جس طرح اشیائے منقولہ کی بیع بالکل قبضہ نہ ہونے کی صورت میں ناجائز ہے اسی طرح ناقص قبضہ کی صورت میں بھی ناجائز ہے اس لئے کہ حدیث نبوی ﷺ نھی عن بیع مالم یقبض میں مطلق قبضہ نہ ہونے کی صورت میں ممانعت آئی ہے اور مطلق قبضہ سے قبضہ کامل ہی مراد ہے (بدائع ۲۲۴/۵)۔

البتہ وہ چیزیں جو غیر مثلی ہوں، مثلاً مزروعات وغیرہ کے قبیل کی چیزیں تو یہاں مقدار معقود علیہ نہیں ہے بلکہ وصف کے قائم مقام ہے اور اوصاف معقود علیہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے، یہی وجہ ہے کہ اگر متعینہ مقدار سے زائد ہو جائے تو وہ مشتری کا ہوتا ہے اور اگر کم ہو جائے تو ثمن میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوتا، اس لئے وہاں صرف مشتری کے ضمان میں آنے سے قبضۂ تام کا حصول ہو جاتا ہے دوبارہ شمار یا پیمائش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی (بدائع الصنائع ۲۴۵/) یہ سارے مسائل ایسے ہیں جن میں ہمارے اصحاب احناف کا کوئی اختلاف نہیں تاہم اشیاء مثلی میں سے معدودات متقاربہ جو عدد کے اعتبار سے خریدی جائیں ان پر قبضہ تام کی کیفیت کے حصول میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین علیہما الرحمہ کا اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہ اس کو بھی اشیاء مکیلی وموزونی کے تحت داخل فرما کر قبضہ تام کے لئے دوبارہ عدد وشمار کی شرط متعلق فرماتے ہیں، اس کے برخلاف حضرات صاحبین علیہما الرحمہ ان کو اشیائے غیر مثلی کے تحت رکھ کر قبضۂ تام کے لئے صرف بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں آجانا کافی سمجھتے ہیں، دوبارہ ثمن شمار کرنے کی شرط متعین نہیں کرتے اور دلیل قیاس کے ذریعہ پیش فرماتے ہیں کہ معدودات متقاربہ کی قبیل کی چیزیں ربوی نہیں ہیں جس طرح از قبیل مزروعات اشیائے ربوی نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس میں جواز عقد کے لئے مساوات کی شرط نہیں رکھی جاتی جس طرح سے مزروعاتی چیزوں میں مساوات کی شرط نہیں رکھی جاتی، تو جو حکم از قبیل مزروعات اشیاء کا ہوگا وہی حکم معدودات متقاربہ کا بھی ہوگا، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معدودات کی چیزوں میں بھی قدر معقود علیہ ہے اور اس کی معرفت دوبارہ شمار کرنے سے ہی ہوگی اگر دوبارہ شمار نہ کیا جائے تو قبضہ کامل نہ ہوگا

بلکہ ناقص ہوگا، جس طرح مکیلات اور موزونات کی چیزوں میں قدر معقود علیہ ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عدد متعینہ سے زائد ہو جائے تو اس کو بلا ثمن دئے ہوئے مشتری اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا اور کم ہونے کی صورت میں اتنی مقدار ثمن سے کم کرنے کا حق رکھتا ہے، معلوم ہوا کہ قبضہ تام کے لئے دوبارہ شمار کرنا ضروری ہے (حوالہ سابق)۔

صاحب بدائع نے امام ابوحنیفہ کے قول و دلیل کو اخیر میں ذکر فرما کر اس کی راجحیت کی طرف اشارہ فرمایا جیسا کہ اصول سے معلوم ہوا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے حسب ذیل باتیں سامنے آئیں:

(۱) اشیائے غیر مثلی میں صرف تخلیہ سے قبضہ تام ہو جاتا ہے لہذا دوبارہ پیائش وشمار کئے بغیر مشتری رقم کا تصرف کرسکتا ہے اور یہی حکم اشیائے مثلی کا ہے جب بغیر کیل اندازہ سے بیچی جائے۔

(۲) اشیائے مثلی یعنی مکیلی وموزونی سے اگر وزن وکیل کر کے بیچی جائے اور اندازہ سے نہ بیچی جائے تو صرف تخلیہ سے مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی مگر قبضۂ تام حاصل نہ ہوگا اس لئے دوبارہ کیل ووزن کرنا ضروری ہوگا اس کے بعد ہی تصرف بیع وغیرہ کی اجازت ہوگی۔

(۳) معدودات متقاربہ جو شمار کر کے بیچی جائیں اندازے سے نہیں مثلاً انڈے وغیرہ تو ایسی چیزیں مختلف فیہ ہیں، امام ابوحنیفہ کے نزدیک قبضۂ تام کے لئے دوبارہ شمار کرنا ضروری ہوگا، تب ہی تصرف کی اجازت ہوگی، تاہم صاحبین کے نزدیک صرف تخلیہ سے قبضۂ تام ہو جائے گا اور تصرف بیع وغیرہ کرنے کی اجازت ہوگی، دوبارہ شمار کرنا ضروری نہیں۔

اب اسی اصول کو سامنے رکھ کر موجودہ زمانہ کی تمام تجارتوں کو دیکھنا ہوگا کہ آیا مروجہ تجارت میں بالکل قبضہ نہیں پایا جاتا یا پایا جاتا ہے، اور قبضہ تام ہے یا ناقص، تو بندہ نے اس سلسلے میں باضابطہ کمپنی والوں سے مل کر مروجہ تجارت کی حقیقت سمجھی اور انہوں نے مال فروخت کرنے کے دو طریقے بیان فرمائے (۱) فور ڈسٹینیشن (For - Destenation) (۲) ایکس فیکٹری (Ex- Factory) سوال میں ذکر کردہ صورت تجارت کا تعلق اسی ''ایکس فیکٹری'' سے ہے جس کے احکام بعد میں درج ہوں گے، پہلے فور ڈسٹینیشن (For - Destination) کی حقیقت اور احکام درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) فور ڈسٹینیشن (For- Destination):

کی صورت یہ ہے کہ جب دکاندار کمپنی کو فور ڈسٹینیشن کے ذریعہ اپنے خریدار کے پاس مال بھیجنے کو کہتا ہے تو کمپنی خریدار نمبر (۲) کو دکاندار کے توسط سے روانہ کر دیتی ہے لیکن یہ مال دکاندار نمبر (۲) کے پاس پہنچنے تک کمپنی ہی کے قبضہ اور ضمان میں رہتا ہے کسی وقت بھی دکاندار کے قبضہ میں نہیں جاتا، لہذا درمیان میں مال ہلاک ہو جائے یا سیز (Seize) کر دیا جائے بہر صورت کمپنی کی ملکیت میں ہلاک ہوگا دکاندار پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

اب اس طریقہ تجارت پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فور ڈسٹینیشن (For-Destination)

کے ذریعہ مال خریدار نمبر (۲) کے پاس بھجوانے میں دکان دار کا نہ تو حسی قبضہ ہو پاتا ہے اور نہ معنوی، بلکہ قبضہ اور ضمان میں آنے سے قبل ہی مال سے منفعت حاصل کرلیتا ہے جواز روئے شرع ناجائز وحرام ہے، جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے عن حكيم بن حزام قال كنت أشترى طعاما فأربح فيه قبل أن أقبضه فسألت النبى ﷺ فقال لا تبعه حتى تقبضه (طحاوی شریف ۲/۲۱۲) لہذا دکاندار کا فورڈ سٹیفیشن کے ذریعہ خریدار نمبر (۲) کے پاس مال بھجوا کر منفعت حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا، البتہ بیع کی اس قسم کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے کہ دکاندار یعنی خریدار نمبر (۲) کو صرف دلال اور راہبر مان لیا جائے اور مبیع کی فیکٹری میں متعین شدہ رقم سے زائد کو دلال کی اجرت مان لی جائے تو ایسی صورت میں اصل خریدار نمبر (۲) ہی ہوگا اور دکاندار صرف ایک وسیلہ ہوگا اور قبل القبض بیع کا تحقق نہیں ہوگا۔

(۲) ایکس فیکٹری (Ex-Factory):

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب دکاندار کمپنی یا فیکٹری سے ٹیلیفون کے ذریعہ خرید وفروخت کرتا ہے اور ایکس فیکٹری کے ذریعہ اپنے خریدار کے پاس مال بھیجنے کا حکم کرتا ہے تو کمپنی دکاندار کے توسط سے اس کے خریدار کے پاس مال بھیج دیتی ہے لیکن کمپنی اور فیکٹری کا اس خریدار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ سارا تعلق دکاندار سے ہوتا ہے، لہذا جب تک مال کمپنی کے پاس ہے کمپنی کا شمار ہوتا ہے اور جیسے ہی کمپنی نے ٹرانسپورٹر کے گڈاؤن (Godown) میں پہونچا دیا گویا دکاندار کے گڈاؤن میں پہونچا دیا، اب مال ہلاک ہوجائے یا سیز (Seize) کردیا جائے، سب دکاندار کی ضمانت وملکیت میں ہوگا اور اسی کا مال ہلاک ہوگا، اگر دکاندار ہلاکت کے بعد عدم تعلق کا اظہار کرکے عائد ہونے والے نقصان سے بری ہونا چاہے تو نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس نے مال ایکس فیکٹری (Ex- Factory) کے ذریعہ بھجوایا ہے جو تاجروں کے عرف میں اس بات کا ثبوت ہے کہ مال کمپنی کی ضمانت وحفاظت سے نکل کر دکاندار کی ضمانت وحفاظت میں جاچکا ہے ،لہذا نقصانات اسے ہی اٹھانا پڑیں گے، اب یہ صورت مروجہ جو سوال نامہ کا ایک جزو ہے، پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہلاکت مال کی صورت میں (عقد اول کے فسخ کا غرر) جو بیع قبل القبض کے ممنوع ہونے کی علت ہے مفقود ہے، نیز قبل القبض بیع کی علت کو حضرت ابن عمرؓ کی حدیث لا يحل ربح مالا يضمن (مبیع کا ضمان میں آنے سے قبل نفع حاصل کرلینا حلال نہیں ہے) یہ بھی موجود نہیں، اس لئے کہ معنوی طور پر عرف وعادت میں موجود ہے، کیونکہ مبیع دکاندار کی ضمانت میں آچکی ہے اگرچہ حسی طور پر موجود نہیں ہے، لیکن شریعت مطہرہ نے حسی قبضہ کو شرط قرار نہیں دیا بلکہ عرف وعادت میں جس کو قبضہ کہا جاتا ہے اس کا بھی اعتبار کیا ہے، جیسا کہ قبضہ کی تعریف میں علامہ کاسانی سے نقل کیا گیا ہے:

لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة اور یہاں عرفاً وعادتاً ایکس فیکٹری کے ذریعہ مال بھیجنا تاجروں کی اصطلاح میں قبضہ شمار ہوتا ہے تو گویا مال دکاندار کے قبضہ میں پہونچنے کے بعد پھر اس کے خریدار کے پاس جارہا ہے، لہذا دکاندار کے ضمان میں آکر اس کے خریدار کے پاس جانا ''ایجاب'' اور خریدار نمبر (۲) کو اس کو چھڑا لینا ''قبول'' اور اس تاویل کے ذریعہ بیع جائز ہے اور جس وقت خریدار نمبر (۲) نے دکاندار سے بات چیت کی تھی اس کو ایجاب تسلیم نہ کیا جائے اس لئے کہ اس وقت دکاندار کے پاس مبیع موجود نہیں تھی اور ایسی

صورت میں ایجاب وقبول یعنی (بیع درست نہیں) حاصل یہ ہے کہ اس طریقۂ تجارت کو اس طریقہ سے جائز کیا جائے گا۔

لیکن مذکورہ بالا تینوں اصولوں کو سامنے رکھنا ہوگا کہ ایکس فیکٹری (Ex-Factory) کے ذریعہ قبضہ کا حصول کن چیزوں میں قبضۂ تام ہو کر بیع کی اجازت دیتا اور کن چیزوں میں قبضہ ناقص ہونے کی وجہ سے بیع کے ناجائز ہونے کا باعث ہے۔

لہذا مذکورہ اصول نمبر (۱) کے مطابق اشیائے غیر مثلی یعنی معدودات متفاوتہ مزروعات میں صرف اور صرف مبیع ضمان میں آجانے سے قبضۂ تام حاصل ہو جاتا ہے اور ہر قسم کے تصرفات کی اجازت ہو جاتی ہے چنانچہ دکاندار کے لئے اشیائے غیر مثلی، انار، بہی، کپڑے جیسی مزروعی اور معدودات متفاوتہ کی بیع ایکس فیکٹری کے ذریعہ جائز و درست ہوگی کیونکہ اس طریقہ سے اشیاء دکاندار کے ضمان میں آجاتی ہیں اور ان چیزوں میں صرف ضمان میں آجانے سے قبضہ تام ہو جاتا ہے۔

لہذا بیع جائز ہوگی اور منفعت بھی درست ہوگی اور یہی حکم اشیائے مثلی میں سے ان چیزوں کا ہوگا جو بلا ناپ تول صرف اندازہ سے بیچی جائیں۔

البتہ اشیائے مثلی میں وہ چیزیں جو ناپ تول کے ذریعہ بیچی جائیں اس طریقہ تجارت سے جائز نہیں ہوں گی اور منفعت حاصل کرنا بھی درست نہیں ہوگا، ان چیزوں کا دکاندار کے صرف ضمان میں آجانا قبضہ تام اور تصرف کے لئے کافی نہیں، بلکہ ضمان میں آنے کے بعد مشتری کا دوبارہ کیل و وزن کر لینا قبضۂ تام اور تصرف بیع کے لئے ضروری ہے اور یہاں دکاندار کے ضمان و قبضہ میں اگرچہ ایکس فیکٹری کے ذریعہ مال آچکا ہے، مگر دوبارہ وزن یا کیل کئے بغیر خریدار نمبر (۲) کے پاس جا رہا ہے لہذا جائز نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

اور بات رہی عدد متقارب، اخروٹ، انڈے جیسی چیزوں کی جو عدد کے ذریعہ بیچی جائیں تو ایکس فیکٹری کے ذریعہ امام صاحبین کے نزدیک جائز ہوں گی، کیونکہ قبضۂ تام صرف ضمان میں آجانے سے ہو جاتا ہے اور وہ یہاں موجود ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں، اس لئے کہ دوبارہ شمار کرنا ضروری ہے اور اس صورت میں تجارت موجود نہیں۔

بندہ کا خیال ہے کہ لوگوں کو مشقت سے بچانے اور اس پر تعامل الناس ہونے کی وجہ سے اس صورت میں حضرات صاحبین کے قول پر فتوی دینا چاہئے۔

اسی وضاحتی تفصیل سے بین الاقوامی تجارت کا مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ شپنگ کے بعد اگر خریدار نمبر (۱) کے ضمان و قبضہ میں آنے والی ایسی چیزیں ہیں، جن پر قبضۂ تام صرف ضمان میں آجانے سے حاصل ہو جاتا ہے تو بیع جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

واللہ تعالی اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

بیع قبل القبض

مولانا عبد الله جولم

معنى القبض في اللغة:

القبض في اللغة بمعنى الأخذ ، قال الجوهري: قبضت الشئ قبضا أخذته ، وقال ابن منظور: والقبض التناول للشئ بيدك ملامسة.

وبمعنى الجمع : ومنه قبض الطائر جناحه ، جمعه ، وقال ابن منظور: والقبض تحويلك المتاع إلى حيزك، وبمعنى التملك قال الجوهري: يقال صار الشئ في قبضتك أي في ملكك ، وقال ابن الأعرابي: القبض قبولك المتاع وإن لم تحوله.

والقبض خلاف البسط ومنه قوله تعالى (والله يقبض ويبسط) (سورة البقرة ٢٤٥/) (الصحاح ، لسان العرب).

معنى القبض في الاصطلاح:

اتفق العلماء على أن القبض في الأشياء غير المنقولة يكون بالتخلية بينها وبين من ينتقل إليه الملك بحيث يتمكن من الانتفاع به (بدائع الصنائع ٢٤٤/٥، المجموع ٢٨٣/٩).

أمافي المنقولة ناختلفوافيه إلى قولين:

١ . ذهب الحنفية إلى أن القبض في كل شئ يكون بالتخلية ، ثم فرقوا بين القبض التام والقبض الناقص، قال الكاساني : لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال واختلفوا في أنها هل هي قبض تام فيها أم لا ؟ وجملة الكلام فيه أن المبيع لا يخلو إما أن يكون مما له مثل، وإما أن يكون مما لا مثل له ، فإن كان مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتفاوتة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف، وإن كان مما له مثل حتى لو اشترى مذروعات مذارعة أو معدودا معاددة ووجدت التخلية يخرج عن ضمان البائع ويجوز له بيعه والانتفاع به قبل الذرع والعد بلاخلاف، وإن كان مما له مثل فإن باعه مجازفة فكذلك لأنه لا يعتبر معرفة القدر في بيع المجازفة ، وإن باع مكايلة أو موازنة في المكيل والموزون وخلى فلا

خلاف في أن المبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل في ضمان المشتري ، حتى لو هلك بعد التخلية قبل الكيل والوزن يهلك على المشتري ، وكذا لا خلاف في أنه لا يجوز للمشتري بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن (بدائع الصنائع ٥/ ٢٤٤).

والخلاصة أن المشتري يملك جميع أنواع التصرف في القبض التام ، بخلاف القبض الناقص فإنه يصير ضامنا فيه ولكن لا يصح له التصرف فيه .

والقول بأن القبض في جميع الأشياء التخلية، نقله النووي عن الإمام مالك (المجموع ٩/ ٢٨٣) وهو رواية عن الإمام أحمد ، قال ابن قدامة: " وقد روى أبو الخطاب عن أحمد رواية أخرى أن القبض في كل شئ بالتخلية مع التمييز "(المغني ٤/ ١٢٥).

٢. وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن التخلية في المنقول لا تكون قبضا ، وإنما القبض في المنقول بالنقل، وفي المتناول باليد بالتناول، وفي المكيل والموزون بالكيل والوزن ، قال الإمام الشافعي :"ومن ابتاع طعاما كيلا فقبضه أن يكتاله، ومن ابتاع جزافا فقبضه أن ينقله من مواضعه إذا كان مثله ينقل " (الأم ٣/ ٧٠).

وقال النووي : " قال أصحابنا الرجوع في القبض إلى العرف ، وهو ثلاثة أقسام ، أحدها : العقار والثمر على الشجرة فقبضه بالتخلية ، والثاني : ما ينقل في العادة كالأخشاب والحبوب والحيتان ونحوها فقبضه بالنقل إلى مكان لا اختصاص للبائع به، والثالث : ما يتناول باليد كالدراهم والدنانير .... فقبضه بالتناول بلا خلاف (المجموع ٩/ ٢٧٥) وقال ابن قدامة : " وقبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا فقبضه بكيله ووزنه "(المغني ٤/ ١٢٥) وقال البهوتي : " ويحصل القبض فيما بيع بكيل أو وزن أو عد أو ذرع بذلك ، أي بالكيل أو الوزن أو العد أو الذرع .... ويحصل القبض في صبرة بنقلها ، ويحصل القبض فيما ينقل كالثياب والحيوان بنقله كالصبرة...... ويحصل فيما يتناول كالأثمان والجواهر بتناوله ، إذا العرف فيه ذلك (كشاف القناع ٣/ ٢٤٦).

الأدلة :

الذين قالوا: إن القبض في جميع الأشياء بالتخلية استدلوا بما يأتي :

١. عن ابن عمر قال كنا مع النبي ﷺ في سفر فكنت على بكر صعب لعمر فكان يغلبني فيتقدم أمام القوم ، فيزجره عمر ويرده ، ثم يتقدم فيزجره عمر ويرده فقال النبي ﷺ لعمر بعنيه ، قال هو لك يا رسول الله ، قال رسول الله ﷺ بعنيه ، فباعه من رسول الله ﷺ ، فقال النبي ﷺ هو لك يا عبد الله بن عمر تصنع به ما شئت (البخاري ٤/ ٣٣٤مع الفتح).

قال ابن حجر : وقد احتجت به المالكية والحنفية فى أن القبض فى جميع الأشياء بالتخلية ، وإليه مال البخارى كما يقدم له فى " باب شراء الدواب والحمير إذا اشترى دابة وهو عليها هل يكون ذلك قبضا ؟ "

وأجاب عنه ابن حجر بأنه " يحتمل أن يكون ابن عمر كان وكيلا فى القبض قبل الهبة ، وهو اختيار البغوى " قال : إذا أذن المشترى للموهوب له فى قبض المبيع كفى وتم البيع وحصلت الهبة بعده (فتح البارى ٣٣٥/٤) ويمكن أن يقال بأن ما ثبت فيه عن النبى ﷺ هو التصرف بالهبة وهذا لايدل على وجود القبض ، بل يدل على أن الهبة يصح قبل القبض.

٢ . " ان التسليم فى اللغةعبارة عن جعله سالما خالصا، يقال سلم فلان لفلان أى خلص له ، وقال الله تعالى: (ورجلا سلما لرجل) أى سالما خالصا لا يشركه فيه أحد ، فتسليم المبيع إلى المشترى هو جعل المبيع سالما للمشترى أى خالصا له بحيث لا ينازعه فيه غيره ، وهذا يحصل بالتخلية، وكانت التخلية تسليما من البائع ، والتخلى قبضا من المشترى ، وكذا هذا فى تسليم الثمن إلى البائع ، لأن التسليم واجب ، ومن عليه الواجب لا بد أن يكون له سبيل الخروج عن عهدة ما وجب عليه ، والذى فى وسعه هو التخلية ورفع الموانع ، فأما الإقباض فليس فى وسعه، لأن القبض بالبراجم فعل اختيارى للقابض ، فلو تعلق وجوب التسليم به لتعذر عليه الوفاء بالواجب ، وهذا لايجوز "(بدائع الصنائع ٢٤٤/٥).

ويمكن أن يقال: إن التسليم والقبض أمران مختلفان ، فتسليم المبيع يكون من البائع ، وقبضه يكون من المشترى ، فالبائع يعتبر مسلما بالتخلية ، فلا يكون ضامنا بهلاك المبيع بعد التخلية ، وإن لم يقبضه المشترى فعلا، لأن البائع قدادى ما وجب عليه وهو التسليم بالتخلية .

٣ . القياس على العقار ، قالوا كما أن القبض يحصل بالتخلية فى العقار كذلك يحصل فى غيره (أخرجه أبو داؤد،أنظر المغنى ١٢٥/٤) واجيب بأن فى العقار لا يمكن القبض بالحمل والنقل ، فاعتبر التخلية قبضا له ، بخلاف غيره من المنقول .

دليل القول الثانى :

أما الذين فرقوا فى القبض بين المنقول وبين غيره فاستدلوا بما يأتى :

١ . عن زيد بن ثابت أن النبى ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (أبو داؤد كتاب البيوع ٣/٦٥ ٧، فتح البارى ٣٥٠/٤).

استدل به الشيرازى ، وقال النووى: " رواه أبو داؤد بإسناد صحيح إلا أنه من رواية محمد ابن إسحاق بن يسار عن أبى الزناد ، وابن إسحاق مختلف فى الاحتجاج به وهو مدلس،

وقد قال عن أبى الزناد ، والمدلس إذا قال عن لا يحتج به ، لكن لم يضعف أبو داؤد هذا الحديث وقد سبق أن ما لم يضعفه فهو حجة عنده، فلعله إعتضد عنده أو ثبت عنده بسماع ابن إسحاق له من أبى الزناد " (٢٧١/٩).

٢. عن عثمان أن النبى ﷺ قال: إذا بعت فكل وإذا ابتعت فاكتل (البخارى ٣٤٤/٤، فتح البارى ٣٤٥/٤).

٣. عن جابر قال نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام حتى يجرى فيه الصاعان،صاع البائع وصاع المشترى (ابن ماجة كتاب التجارات ٧٥٠/٢ بسند ضعيف).

استدل بهما ابن قدامة ثم قال هذا فيما بيع كيلا وإن بيع جزافا فقبضه نقله لأن ابن عمر قال: كانوا يضربون على عهد رسول الله ﷺ إذا اشتروا طعاما جزافا أن يبيعوه فى مكانه حتى يحولوه (البخارى رقم الحديث ٢١٣٧ كتاب البيوع).

٤. العرف ، قال الشيرازى : لأن القبض ورد به الشرع وأطلقه ، فحمل على العرف ، والعرف فيما ينقل النقل وفيما لا ينقل التخلية ، (المهذب ٢٧٥/٩ بيع المجموع) ونوقش بأن الأحاديث المذكورة تدل على منع البيع قبل النقل، لا أن حقيقة القبض هو النقل ، أما العرف فيتغير بالزمان والمكان فلا يكون عرف بلد وزمن حجة لبلد و زمن آخر.

البيع قبل القبض:

اختلف العلماء فى البيع قبل القبض إلى خمسة أقوال :

١. لا يجوز بيع أى شئ قبل قبضه ، وإليه ذهب ابن عباس والشافعى ومحمد بن الحسن.

٢. يجوز بيع كل شئ قبل قبضه إلا المكيل والموزون ، وإليه ذهب عثمان بن عفان وسعيد بن المسيب والحسن والحكم وحماد والأوزواعى وأحمد وإسحق.

٣. لا يجوز بيع مبيع قبل قبضه إلا الدور والأرض ، وبه قال أبو حنيفة وأبو يوسف.

٤. يجوز بيع كل مبيع قبل قبضه إلا المأكول والمشروب ، وإليه ذهب مالك وأبو ثور وأحمد فى رواية ، قال: ابن المنذر وهو أصح المذاهب.

٥. يجوز بيع كل شئ قبل قبضه ، وهو مروى عن عثمان البتى (بدائع الصنائع ١٨١/٥ ، المغنى ١٢١/٤ ، المجموع ٢٧٠/٩، نيل الأوطار ١٧٨/٥ ، الكافى ٦٦١/٧).

الأدلة :

استدل أصحاب القول الأول بما يأتى :

١. عن حكيم بن حزام قال: قلت يا رسول الله إني أشترى بيوعا فما يحل لي منها وما يحرم علي، قال ماذا اشتريت شيئا فلا تبعه حتى تقبضه (مسند الإمام أحمد ٣/٤٠٢، نيل الأوطار ٥/١٧٨، المجموع ٩/٢٨١).

٢. عن زيد بن ثابت أن النبي ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (أبو داؤد في البيوع ٣/٧٦٥، الدار قطني ٣/١٣).

وجه الاستدلال أن لفظ " شئ" و " السلع" عام فيحمل على العموم، أما ذكر الطعام في بعض الأحاديث فلا يخصص به، لأنه من قبيل التنبيه من الأعلى إلى الأدنى، فإنه إذا نهى عن بيع الطعام قبل القبض مع كثرة الحاجة إليه فغيره أولى (المجموع ٩/٢٧١).

وهذا الذي فهمه ابن عباس، فإنه روى عن طاؤس أنه قال سمعت ابن عباس أنه يقول، أما الذي نهى عن النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض، قال ابن عباس: ولا أحسب كل شئ إلا مثله (البخاري، البيوع ٤/٣٤٩).

دليل القول الثاني :

١. عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من اشترى طعاما بكيل أو وزن فلا يبيعه حتى يقبضه (أخرجه أحمد في مسنده ١/١١١).

٢. وعنه أن رسول الله ﷺ نهى أن يبيع أحد طعاما إشتراه بكيل حتى يستوفيه (أبو داؤد كتاب البيوع رقم الحديث ٣٤٩٥، النسائي ٧/٢٨٦).

٣. وعن عثمان أن النبي ﷺ قال: له إذا بعت فكل وإذا إبتعت فاكتل (الدار قطني في البيوع ٣/٨، أحمد ١/٦٢، البخاري ٤/٣٤٣مع الفتح).

دليل القول الثالث :

دليل منع المنقول هي الأحاديث السابقة، أما دليل استثناء الدور فاستدلوا بعموم الكتاب وهو قوله تعالى: (وأحل الله البيع) (البقرة/٢٧٥).

" ولأن الأصل في ركن البيع إذا صدر من الأهل في المحل هو الصحة، والامتناع لعارض الغرر، وهو غرر إنفساخ العقد بهلاك المعقود عليه، ولا يتوهم هلاك العقار فلا يتقرر الغرر فبقى بيعه على حكم الأصل " (بدائع الصنائع ٥/١٨١).

دليل القول الرابع :

عن ابن عمر أن النبي ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه (البخاري ٤/٣٤٤، مسلم ١/٤٢٥) وعنه قال لقد رأيت الناس في عهد رسول الله ﷺ يتبايعون جزافا

يعني الطعام يضربون أن يبيعوه في مكانهم حتى يؤوه إلى رحالهم (البخاري ٣٥٠/٤، مسلم ٤٢٨/١) وعن جابر قال قال رسول الله ﷺ إذا ابتعت طعاما فلا يبعه حتى تستوفيه (مسلم ٤٢٨/١).

قالوافالتنصيص في هذه الأحاديث على الطعام يدل على أن غيره بخلافه، واستدلوا أيضا بالقياس على الإعتاق والإجارة قبل القبض، وأجاب النووي عن الأحاديث بجوابين:

الأول: أن هذا استدلال بداخل الخطاب والتنبيه مقدم عليه، فإنه إذا نهى عن بيع الطعام مع كثرة الحاجة إليه فغيره أولى.

والثاني: أن النطق الخاص مقدم عليه وهو حديث حكيم، وحديث زيد، وأجاب عن القياس على الميراث والوصية بأن الملك فيهما مستقر بخلاف المبيع، وأما القياس على الإعتاق فلا يصح، لأن للإعتاق قوة وسراية لا يوجد في غيره، ولأن العتق إتلاف للمالية والإتلاف قبض، وأما الإجارة فلا يصح قبل القبض على الصحيح، لأنها بيع (المجموع ٢٦١/٩، ٢٦٥).

دليل القول الخامس:

عموم قوله تعالى (وأحل الله البيع (البقرة ٢٧٥).

ويجاب بأن الحديث قد خصصه، فلا يصح الاستدلال به.

علة منع بيع الإنسان ما اشتراه قبل قبضه:

اختلف العلماء في أن الأحاديث المتعلقة، بالنهي قبل القبض معللة أم غير معللة إلى قولين، فمنهم من يرى أن الأحاديث غير معللة، وإليه ذهب الحنفية، قال كاساني: "قال بعض مشايخنا أنها، أي حرمة التصرف قبل الكيل أو الوزن، تثبت شرعا غير معقول المعنى" (بدائع الصنائع ٢٤٤/٥).

ومنهم من يرى أنها معللة، وهؤلاء اختلفوا في بيان العلة إلى عدة أقوال، فمنهم من يرى أن علة غرر انفساخ العقد بهلاك المعقود عليه، وإليه ذهب أكثر الحنفية والشافعية والحنابلة (بدائع الصنائع ١٨٠/٥ المهذب مع المجموع ٢٦٤/٩، المغني ١٢٨/٤) ومنهم من يرى أن علته انعدام القبض التام ومنهم من يرى أن علته كونه من قبيل "ربح مالم يضمن"، وإليه ذهب الشافعي (الأم ٧٠/٣) ومنهم من يرى أن علته عجز المشتري عن تسليمه، لأن البائع قد يسلمه وقد لا يسلمه.

لا سيما إذا رأى المشتري قد ربح، فيسعى في رد البيع إما بجحد أوباحتيال في

الفسخ ، وبه قال ابن تيمية (الاختيارات الفقهية / ١٢٦).

ومنهم من يرى أن علته الربا ، وإليه ذهب ابن عباس رضي الله عنه فعن طاوس عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ نهى أن يبيع الرجل طعاما حتى يستوفيه ، قلت لابن عباس : كيف ذاك؟ قال : أراهم بدراهم والطعام مرجأ (صحيح البخارى كتاب البيوع ٤/٣٤٧مع الفتح).

الترجيح :

بالنظر إلى الأدلة والعلل التى بينها العلماء يبدو لى أن القول الأول وهو منع بيع أى شىء اشتراه قبل قبضه هو الراجح ، والمنع خاص بالبيع ، أما ماسواه من التصرف مثل العتق والهبة فهو جائز كما يدل عليه هبة النبى ﷺ لابن عمر البكر الصعب قبل القبض .



قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مفتی اسماعیل بھڑکودروی

عام طور پر جو چیزیں خرید وفروخت کے معاملہ میں مبیع بنتی ہیں وہ دو قسم کی ہوتی ہیں: پہلی قسم اشیاء منقولہ ہیں، یعنی ایسی چیزیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہیں اور کی جاتی ہیں، جیسے جانور، غلہ، کپڑا اور گھریلو استعمال کی چیزیں وغیرہ۔ دوسری قسم کی اشیاء غیر منقولہ یعنی وہ چیزیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کی جاتیں بلکہ استعمال کرنے والا ان چیزوں کو کسی دوسری جگہ منتقل کئے بغیر ان کو استعمال کرتا ہے، اور انکا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا مشکل بھی ہوتا ہے، جیسے کھیت، دوکان، مکان وغیرہ۔

جو شخص کسی غیر منقول چیز کو خریدتا ہے تو خریدار کے لیے اس چیز پر قبضہ کرنے سے قبل اس کا بیچنا امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام مالک اور امام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام شافعیؒ وامام محمدؒ کے نزدیک خریدار کے مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کا بیچنا ناجائز ہے۔

اور جو شخص کسی منقول چیز کو خریدتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خریدار کے لئے اس مبیع منقول کو قبل القبض بیچنا ناجائز اور عقد فاسد ہے، چاہے وہ مبیع منقول از قبیل طعام وغیر طعام ہو، یا مکیل وموزون ومعدود ہو، یا اسکے علاوہ، اور یہی مسلک امام محمدؒ وامام شافعیؒ کا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر مبیع منقول از قبیل طعام ہو تو اسکی قبل القبض بیع ناجائز ہے، اور اگر مبیع منقول از قبیل غیر طعام ہو تو اسکی بیع خریدار کے لئے قبل القبض بھی جائز ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مبیع منقول اگر مکیل یا موزون طعام ہو تو خریدار کے لئے قبل القبض اسکی بیع ناجائز ہے اور اگر مبیع منقول کیلی یا وزنی طعام نہ ہو تو قبل القبض اسکی بیع جائز ہے، اگر مبیع منقول غیر طعام ہو تو بھی قبل القبض جائز ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے اقوال حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی شرح مسلم کی عبارت ذیل سے ماخوذ ہیں:

و في المسئلة أقوال تالية :

الأول : قال عثمان البتي : يجوز بيع كل شئ قبل قبضه، و قال ابن عبد البر : هذا قول مردود بالسنة و الحجة المجمعة على الطعام، وأظنه لم يبلغه هذا الحديث، و مثل هذا لا يلتفت إليه ، كذا في المغني لابن قدامة (۱۱۳/۴).

الثاني : قال الشافعيؒ و محمدؒ بن الحسن من الحنفية : يحرم بيع كل شئ قبل قبضه، طعاما كان أو غيره ، منقولا كان أو غير منقول و هو ظاهر قول ابن عباس رضي الله عنهما و هو رواية ابن عقيل عن أحمد كما في المغني .

الثالث : قال أحمد بن حنبل في أظهر روايته : إنما يختص النهي بالطعام، فلا يجوز بيعه قبل

قبضه و يجوز فيما سواه كما حققه ابن قدامة .

الرابع : قال مالک رحمه الله : إنما يمتنعالبيع قبل القبض فی المكيل و الموزون، من الطعام خاصة وقال سحنون وابن حبيب من المالكية: إنه ممتنع فی كل مكيل أو موزون أو معدود ثم هل يختص بالطعام أو بالربويات ؟ فيه قولان حكاهما الأبی .

الخامس: قال أبو حنيفةؒ و أبو يوسفؒ يمتنع البيع قبل القبض فی سائر المنقولات و يجوز فی العقار الذی لايخشی هلاكه ' كما فی فتح القدير '۵/ ۲٦٦. (تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۳۵۰)۔

بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور وہ علت معقود علیہ کے ہلاک ہونے کے احتمال کی وجہ سے عقد اول کے فسخ کا غرر ہے، جیسا کہ ''الفقہ الاسلامی'' میں یہ علت مذکور ہے جس میں حنفیہ کا مسلک ذکر کیا گیا ہے اور اس علت کو صاحب ہدایہ نے بھی مندرجہ ذیل عبارت میں ذکر کیا ہے:

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبی حنيفةؒ و أبی يوسفؒ وقال محمدؒ لا يجوز رجوعا إلی إطلاق الحديث واعتبارا بالمنقول و صار كالإجارة ولهما أن ركن البيع صدر من أهله فی محله ولا غرر فيه لأن الهلاک فی العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنهی عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز (ہدایہ اخیرین ۴/ ۷۴)۔

یہاں پر قبل القبض بیع کی نہی کی حکمتوں کا ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے، لہذا ان حکمتوں کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) مبیع کے قبل القبض بیچنے کی صورت میں اگر عقد ثانی مشتری کے حق میں زیادہ نفع بخش ثابت ہو تو بائع اول عقد اول کو فسخ کرنے کی طمع نہ کرنے لگے اور مبیع کو سپرد کرنے میں ٹال مٹول نہ کرے۔

(۲) اگر اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے تو عام بازار میں بہت سی اشیاء کی قیمتیں حد سے بڑھ جائیں گی۔ لہذا جو چیزیں ایک ملک سے دوسرے ملک میں بین الاقوامی تجارت کی صورت میں برآمد درآمد ہوتی ہیں وہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہونچنے سے پہلے اس پر مختلف اور متعدد تاجروں کے سودے واقع ہوتے ہیں اور ہر تاجر دوسرے تاجر کو اپنا نفع چڑھا کر بیچتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداءً چند روپیوں میں بکی ہوئی چیز عام بازار میں سیکڑوں کی بن کر پہونچتی ہے، اگر حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق ایسی چیزوں کے بیچنے میں بائع کا قبضہ شرط قرار دیا جائے گا تو عام بازار میں اشیاء کی قیمتیں سستی اور معتدل رہیں گی (دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۵۴)۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ نے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو بیع صرف کے مشابہ قرار دیکر اسکے نفع کو ربوا کے مشابہ قرار دیا ہے۔

عن ابن طاؤس عن أبيه عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ نهی أن يبيع الرجل طعاما حتی يستوفيه قلت لابن عباس كيف ذاک قال ذاک دراهم بدراهم والطعام مرجأ (بخاری

شریف ۱/۲۸۶)۔

مبیع پر قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع مبیع سے اپنے مالکانہ تعلقات ختم کردے اور مشتری کو اس میں ہر طرح کے تصرف کرنے کی قدرت دیدے، ہر قسم کی مبیع کے مذکورہ حالت میں ہونے کو قبضہ کہتے ہیں، قبضہ مبیع کی مختلف جزئیات جو فقہاء کرامؒ نے کتب فقہ میں ذکر فرمائی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیہ مبیع کی کوئی ایک شکل اور نوعیت متعین نہیں ہے اور اس کا مدار عرف وعادت پر ہے۔

وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشترى قابضا له وكذا تسليم الثمن من المشترى إلى البائع وقال الشافعيؒ القبض في الدار والعقار والشجر بالتخلية، وأما في الدراهم والدنانير فتناولهما بالبراجم وفي الثياب بالنقل وكذا في الطعام إذا اشتراه مجازفة فإذا اشتراه مكايلة فبالكيل وفي العبد و البهيمة بالسير من مكانه (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

۶۔ خریدار اول کے لئے مبیع منقول کو دوسرے کے ہاتھ بیع کے جواز کے لئے بائع کی جانب سے خریدار اول کے سامنے یا اسکے نائب کے سامنے مبیع کا ایسا تخلیہ کہ وہ اس میں اصالۃً یا نیابۃً ہر قسم کے تصرف پر قادر ہو یہ ضروری ہے، لہذا صورت مسئولہ میں خریدار اول کا مال فیکٹری سے لے کر خریدار ثانی تک پہونچانے والا اگر خریدار اول کا اجیر ووکیل ہے، تو خریدار اول کی جانب سے مال مذکور کی فروختگی کو بعد القبض ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا جائیگا، اور اگر خریدار ثانی تک مال پہونچانے والا شخص فیکٹری کا ملازم واجیر ہے تو اس صورت میں خریدار اول کے محض ضمان قبول کر لینے کو اس کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، اور یہ عقد ثانی قبل القبض ہونے کی وجہ سے ناجائز شمار ہوگا اور خریدار اول کے قبضہ سے پہلے مبیع کے نقصان کی ذمہ داری خریدار اول پر ڈالنے کی شرط طے کرنا بھی جائز نہ ہوگا، بلکہ فیکٹری کے خریدار تک مال پہونچنے سے پہلے ہونے والے نقصان کا ذمہ دار فیکٹری کے مال کا بائع شمار ہوگا، جیسا کہ مشتری کے قبضہ سے پہلے مبیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں بائع کے ذمہ ضمان عائد ہونے کے جزئیات سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے (فتاوی ہندیہ جلد ۳)۔

۷۔ اگر خریدار اول نے اصل بائع کو مال بردار کمپنی کے ذریعہ خرید کردہ مال بھیجنے کے لئے کہا اور مال برداری کا کرایہ خریدار اول کے ذمہ طے ہوا تو خریدار اول کا مال مذکور کو خریدار ثانی کے ہاتھ فروخت کرنا تو جائز ہے، مگر مال کے ضائع ہونیکی صورت میں خریدار ثانی کو ضامن بنانا شرعاً جائز نہیں ہے، اور خریدار ثانی تک مال پہونچنے سے پہلے مال کے ضائع ہونے کی صورت میں خریدار اول ہی ضامن رہے گا، کیونکہ مال اس کے وکیل کے ضمان میں ضائع ہوا ہے، ابھی اس مال پر خریدار ثانی کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے ضمان میں داخل نہیں ہوا، لہذا اس کو ضامن بنانا جائز نہیں ہے (عالمگیری ۳/۱۹، احسن الفتاوی ۶/۵۲۶)۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

عن زيد بن ثابت أن النبي ﷺ نهى أن تباع السلع حيث يبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (أبو داؤد، الدار قطني).

عن ابن عباس أن النبي ﷺ قال من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه قال ابن عباس ولا أحسب كل شئ إلا مثله (رواه الجماعة إلا الترمذي، نيل الأوطار جلد ۵)۔

حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ سامان جس جگہ خریدا جائے اسی جگہ بیچ لیا جائے، تاوقتیکہ خریدار اس کو اپنی قیام گاہ تک نہ لائے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کھانے کی چیز یا غلہ خریدے تو جب تک اس پر قبضہ نہ کرلے اس کو فروخت نہ کرے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں قبضہ کا حکم طعام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر چیز کیلئے یہی حکم ہے۔

نہی بیع کی علت:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ اس میں ربا لازم آتا ہے، اس لئے کہ مبیع پر قبضہ ہونے سے پہلے جب اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیا جائے تو یہ درپردہ بیع الاثمان بالاثمان تفاضلا ہے، یعنی جب مبیع قبضہ میں نہیں آئی ہے اور وہ فروخت کردی گئی ہے تو گویا بائع ثانی نے مبیع کے بجائے اپنے ثمن کو مشتری ثانی کے ہاتھ زیادہ ثمن کے بدلے فروخت کردیا، امام شوکانی لکھتے ہیں: أخرج البخاري عن طاؤس قال قلت لابن عباس كيف ذاك قال دراهم بدراهم والطعام مرجأ، استفهمه عن سبب النهي فأجابه فإنه إذا باعه المشتري قبل القبض وتأخر المبيع في يد البائع فكأنه باع دراهم بدراهم ويبين ذلك ما أخرجه مسلم عن ابن عباس أنه قال لما سأله طاؤس ألا تراهم يبتاعون بالذهب والطعام مرجأ، وذلك لأنه إذا اشترى طعامابمائة دينار ودفعها للبائع ولم يقبض منه الطعام ثم باع الطعام إلى آخر بمائة وعشرين مثلا فكأنه اشترى بذهبه ذهباً أكثر منه (نیل الاوطار ۵/۱۶۰)۔

امام سرخسی نے حنفیہ کی جو ترجمانی کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مبیع پر جب تک قبضہ نہ کرلیا جائے نہ اس کی بیع کی جائے نہ اس میں شرکت کا عقد کیا جائے، نہ عقد تولیہ کیا جائے، نیز امام سرخسی اس جانب مائل نظر آتے ہیں کہ

حنفیہ منقول اور غیر منقول کسی بھی شئ کی بیع قبل القبض کے قائل نہیں ہیں، جس طرح منقول کی بیع کیلئے اس پر قبضہ ضروری ہے اسی طرح غیر منقول کیلئے بھی قبضہ ضروری ہے۔

ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ منقول پر قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس جگہ سے منتقل کر کے اپنی جگہ اور اپنی حفاظت میں لے لیا جائے، اور غیر منقول پر قبضہ یہ ہے کہ بائع اول اس کا تخلیہ کردے، ومن اشتریٰ شیئا فلا یجوز له أن یبیعه قبل أن یقبضه ولا یولیه أحداً ولا یشرک فیه (المبسوط ۱۲/۸)۔

ابن رشد کہتے ہیں کہ اشتراط قبضہ اور عدم اشتراطِ قبضہ میں سات مسلک سامنے آتے ہیں: الأول فی الطعام الربوی فقط، والثانی فی الطعام باطلاق، الثالث فی الطعام المکیل والموزون، الرابع فی کل شئ ینقل، الخامس فی کل شئ، السادس فی المکیل والموزون، السابع فی المکیل والموزون والمعدود. پہلا مسلک یہ ہے کہ ان مطعومات وماکولات کی بیع میں قبضہ شرط ہے جن کے باہم تبادلہ میں ربا کا تحقق ممکن ہے، دوسرا مسلک یہ ہے کہ ہر مطعوم وماکول کی بیع کیلئے قبضہ شرط ہے خواہ ربوی ہو خواہ غیر ربوی، تیسرا مسلک یہ ہے کہ طعام مکیل اور طعام موزون کیلئے قبضہ ضروری ہے، چوتھا مسلک یہ ہے کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ شرط ہے، پانچواں مسلک یہ ہے کہ ہر شئ میں قبضہ ضروری ہے، چھٹا مسلک یہ ہے کہ مکیلات وموزونات میں قبضہ ضروری ہے، ساتواں مسلک یہ ہے کہ مکیلات وموزونات اور معدودات میں قبضہ ضروری ہے۔ ابن رشد نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک مبیع مشتری کے ضمان میں اسی وقت آتی ہے جب پہلے اس پر قبضہ ہوجائے (بدایۃ المجتہد ۱۴۵/۲)۔

بعض اسلاف کا مسلک:

سوالنامے میں اٹھائے گئے سوالات یعنی فیکٹریوں سے نکلے ہوئے مال کی بیع اور سامان سے لدے ہوئے بحری جہاز کی اثناء طریق میں فروختگی، امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق درست نہیں معلوم ہوتی، اسلئے کہ وہ بیع غیر مقبوض بھی ہے اور بیع غیر مضمون بھی، اور یہ کہنا کہ فیکٹری کا مال یا جہاز کا سامان مشتری کے ضمان میں ہوتا ہے خواہ وہ قبضہ نہ کرے، شریعت میں معتبر نہیں، اس لئے کہ شریعت میں ضمان قبضہ کے بعد ہوتا ہے خواہ لوگوں کا معمول اس کے خلاف ہو اور خواہ لوگ کوئی نئی اصطلاح قائم کرلیں، امام مالک اور امام احمد کے یہاں مطعومات مکیلہ وموزونہ کے علاوہ کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہے، بیع غیر مقبوض اور بیع غیر مضمون کے سلسلہ میں احادیث اور ان کی شروح نیز ائمہ اعلام کے مسالک اور ان کے استدلالات کا مطالعہ کرنے کے بعد تاثر عموماً عدم جواز ہی کا پیدا ہوتا ہے، لیکن موجودہ حالات میں اگر اس سے کاروبار کی راہیں مسدود ہورہی ہیں اور امت مسلمہ حرج میں پڑ رہی ہے تو امام مالک اور امام احمد کے مسلک پر عمل کرنے میں غور کیا جاسکتا ہے، ان کے نزدیک قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت اشیاء خوردنی کے ساتھ مخصوص ہے، اور ابن قدامہ کے مطابق اشیاء خوردنی بھی اگر کیل اور وزن کے عنوان سے نہیں فروخت کی گئی ہیں تو ان کی بیع بھی قبضہ سے پہلے جائز ہے، چنانچہ بائع نے اگر غلہ کا پورا ڈھیر یا پوری گاڑی ناپ اور تول متعین کئے بغیر فروخت کردی اور مشتری نے خرید لی تو وہ پورا ڈھیر اور پوری گاڑی قبضہ کے بغیر مشتری کے ضمان میں

آ گئی، ابن قدامہ نے امام احمد کے حوالہ سے دو جزیئے نقل کئے ہیں: **رجل اشتری طعاماً فطلب من یحمله فرجع وقد احترق الطعام فهو من مال المشتری**، ایک شخص نے غلہ خریدا، اور حمال کو ڈھونڈ نے نکلا اور جب واپس ہوا تو غلہ جل کر خاک ہو چکا تھا تو یہ احتراق مشتری کے ضمان میں ہوا۔ **من اشتری ما فی السفینة صبرة ولم یسم کیلاً فلا بأس أن یشرک فیها ویبیع ما شاء**، جس نے پوری کشتی کا اناج خرید لیا اور ناپ اور تول کا کوئی ذکر نہیں آیا تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ بغیر قبضہ کئے دوسرے کو فروخت کردے (مغنی ابن قدامہ ۱۲۱/۴)۔

امام احمد کی ترجمانی کرتے ہوئے ابن قدامہ نے کہا ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت ان اشیاء خوردنی کے ساتھ خاص ہے جو کیلا یا وزناً فروخت کی گئی ہوں، کیونکہ اس ممانعت کا پس منظر یہ ہے کہ لوگ اندازہ اور تخمینہ لگا کر انکل سے غلہ اور اناج کی بیع کردیتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے اس سے منع فرمایا اور حکم فرمایا کہ اس کو ناپ تول لیا کرو اور بغیر ناپے تولے دوسرے سے اس کی بیع نہ کرو، لہذا دیگر اشیاء کی بیع بغیر قبضہ کے ہوسکتی ہے، بلکہ اشیاء خوردنی بھی اگر کیل ووزن کے عنوان سے نہیں خریدی گئی ہیں تو قبل القبض ان کی بیع بھی درست ہے، ابن قدامہ کی تحقیق کے مطابق یہی مسلک حضرت عثمان بن عفانؓ، حسن بصری، سعید بن مسیب اور حماد بن ابی سلیمان کا بھی ہے۔

قبضہ کے معنی:

وقبض کل شئ بحسبه فإن کان مکیلاً وموزوناً فقبضه بکیله ووزنه وبهذا قال الشافعی وقال أبو حنیفة التخلیة فی ذلک قبض وروی عن أحمد أن القبض فی کل شئ بالتخلیة مع التمییز لأنه خلیّ بینه وبین المبیع من غیر حائل فکان قبضاً له کالعقار (المغنی ۱۲۵/۴) ۔ ہر چیز کا قبضہ اس کے حسب حال ہوتا ہے، مکیل وموزون کا قبضہ امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ اس کا کیل اور وزن کرلیا جائے، اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک تخلیہ اور تمییز ہے یعنی مبیع کو الگ ممتاز کر کے رکھ لینا اور بائع کے تصرف سے اس کو علیحدہ کرلینا۔

اگر قبضہ کے ان معانی پر نظر مرکوز کی جائے تو فیکٹری سے حاصل کئے ہوئے مال اور بحری جہاز کے مال پر اس طرح کا قبضہ متحقق ہوجاتا ہے، الغرض اس ملک میں جہاں اقتدار اور وسائل معاش پر غیر مسلموں کا قبضہ ہے، اگر دو برحق اماموں کے مسلک پر غور وخوض کر کے مسلمانوں کیلئے کوئی راہ نکال لی جائے تو امید ہے کہ منشاء شرع کے خلاف نہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عمومی یا خصوصی؟

ائمہ کرام کے اقوال وآراء اور ادلہ

مولانا اشتیاق احمد اعظمی

بیع قبل القبض کی ممانعت مختلف احادیث میں وارد ہے، کہیں یہ نہی بالکل عام ہے، اور کہیں خاص، جس کے باعث فقہاء امت کے درمیان بیع قبل القبض کے بارے میں اقوال وآراء کا اختلاف ایک فطری امر ہے، ذیل میں ہم فقہاء کرام کے آراء واقوال بیان کرتے ہیں، پھر ہر ایک کے دلائل پیش کریں گے۔

پہلا قول احناف کا ہے:

احناف نے بیع قبل القبض کے تعلق سے اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کے درمیان فرق کیا ہے۔

جمہور حنفیہ کے نزدیک مشتری کیلئے اشیاء منقولہ پر قبضہ سے پہلے اس کی بیع کرنا درست ہے، رہا غیر منقولہ اشیاء کا معاملہ، جیسے عقار، دار اور شجر وغیرہ تو اس میں قبضہ سے پہلے بھی مشتری کیلئے بیع جائز ہوگی، ائمہ احناف میں سے حضرات شیخین (امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ) کا یہ مسلک ہے، لیکن احناف ہی میں سے امام محمد وزفر، نیز امام شافعیؒ غیر منقولہ اشیاء کے اندر بھی بیع قبل القبض کے عدم جواز ہی کے قائل ہیں (بدائع الصنائع ۱۸۱/۶۔۱۸۰، مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر ۸۰/۲)۔

دوسرا قول مالکیہ اور ابن حزم ظاہری کا ہے:

ان حضرات کے یہاں ہر قسم کی چیزوں کی بیع، خواہ وہ منقول ہو یا غیر منقول، جائز ہے، اس عموم سے ان کے یہاں صرف طعام مستثنیٰ ہے، لیکن مالکیہ کے نزدیک طعام سے مراد صرف گندم ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے ضمن میں دیگر مطعومات، مثلاً فاکہہ وغیرہ بھی آتے ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک گندم اور فاکہہ کی بھی بیع قبل القبض جائز نہ ہوگی، مگر علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک، طعام سے مراد صرف گندم ہے، اس لئے گندم کی بیع ان کے نزدیک قبضہ سے پہلے بالکل درست نہ ہوگی (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲۳۵/۲، المحلی لابن حزم ۵۱۸/۸)۔

تیسرا قول شافعیہ کا ہے:

شوافع کے نزدیک بیع قبل القبض کی نہی بالکل عام ہے، ان کے یہاں اشیاء منقولہ وغیر منقولہ دونوں ہی کی بیع درست نہیں ہے، یہی امام احمدؒ کی بھی ایک روایت ہے، اور ابن عقیل نے اسی کو اختیار کیا ہے، مغنی میں ہے: وعن أحمد روایة أخری: لا یجوز بیع شيء قبل قبضه، اختارها ابن عقیل (المغنی ۱۲۱/۴)۔

چوتھا قول حنابلہ کا ہے :

ان حضرات کے نزدیک قبضہ سے پہلے مبیع کے اندر تصرف جائز ہے، بشرطیکہ مبیع کیلی، وزنی، یا عددی نہ ہو، لیکن اگر مبیع انواع مذکورہ میں سے کسی بھی نوع کی ہوگی تو اس میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہوگا (المغنی ۴/۱۲۱، الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۲/۲۳۶)۔

پانچواں قول عثمان البتی کا ہے:

ان کے نزدیک ہر طرح کی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے، أنه قال : لا بأس ببيع كل شئ قبل قبضه (المغنی لابن قدامہ ۴/۱۲۷)۔

احناف اور شوافع کے ادلّہ:

احناف اشیاء منقولہ، اور شوافع اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کے اندر قبضہ سے پہلے تصرف کے عدم جواز کے قائل ہیں، اس لئے اس سلسلہ میں ان دونوں جماعتوں کے ادلہ ایک ہی ہیں، اور ذیل کی وہ روایتیں ہیں جس میں عمومی طور سے قبضہ سے پہلے کسی بھی شئ کی بیع سے روکا گیا ہے:

۱۔ ما رواه أبو داؤد عن زيد بن ثابت أن النبي ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (سنن أبي داؤد مع البذل ۴/۲۸۵، ونیل الأوطار ۵/۱۵۷)۔

۲۔ عن حكيم بن حزام قال : سألت رسول الله ﷺ فقلت : يأتيني الرجل فيسألني أن أبيع ما ليس عندي أبتاع له من السوق ثم أبيعه ، قال : لا تبع ما ليس عندك (ترمذی ۱/۱۴۸)۔

۳۔ عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله عنهما قال : قال رسول الله ﷺ : لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح ما لم يضمن، ولا بيع ما ليس عندك (رواہ الخمسۃ نقلاً عن سبل السلام ۳/۸۰۹)۔

احناف نے اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کے درمیان جو فرق کیا ہے، اس کی بنیادی وجہ مذکورہ بالا احادیث کے اندر موجود علت نہی ہے، اور وہ علت" غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاک " ہے، اور یہ علت منقولہ اشیاء کے اندر قبضہ سے پہلے موجود ہوا کرتی ہے، اس لئے منقولہ اشیاء کے اندر بیع قبل القبض کو احناف نے ناجائز کہا، اور غیر منقولہ اشیاء کے اندر ہلاکت چونکہ نادر الوقوع ہے، اس لئے عدم تحقق علت کے باعث حنفیہ نے ان کی بیع قبضہ سے پہلے بھی جائز قرار دی، لیکن مکان وجائداد وغیرہ اگر ایسی ہوں جن کے اندر ہلاکت کا اندیشہ موجود ہو، مثلاً زمین جو دریا کے دہانے پر واقع ہو تو فقہاء احناف نے اس طرح کی چیزوں کو قبضہ سے پہلے بیچنے سے منع کیا ہے، چنانچہ عینی میں ہے:

فاما في موضع لا يؤمن ذلک فلا يجوز (عینی شرح ہدایہ ۳/۱۳۷)۔

احناف کی دوسری دلیل وہ قاعدہ اور اصول ہے، جسے علامہ عینی نے ''ایضاح'' کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے:

" **كل عرض ملك بعقد ينفسخ العقد فيه بهلاكه قبل القبض ولم يجز التصرف فيه كالمبيع و الأجرة إذا كانت عيناً و ما لاينفسخ العقد بهلاكه فالتصرف فيه جائز قبل القبض كالمهر وبدل الخلع** . (عینی ۳/۱۳۷)۔

اس قاعدہ کا ماحصل یہ ہے کہ ہر عرض جس کا کسی عقد سے مالک بنا جاتا ہو اور اس عرض کی ہلاکت کے باعث اس میں منعقدہ عقد فسخ ہو جاتا ہو تو ایسے عرض میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہوگا، جیسے مبیع اور اجرت جب کہ معین شئ ہو اور جہاں اس عرض کی ہلاکت کے باوجود عقد منفسخ نہ ہوتا ہو تو اس میں قبضہ سے پہلے بھی تصرف جائز ہوا کرے گا۔

اس ضابطہ کی رو سے اشیاء منقولہ وغیر منقولہ، دونوں ہی کے اندر قبضہ سے پہلے تصرف ناجائز ہونا چاہئے، لیکن غیر منقولہ اشیاء کے اندر ہلاکت کے نادر ہونے کے باعث اس میں قبضہ سے پہلے بھی جمہور احناف نے تصرف کو جائز قرار دیا۔

احناف میں سے حضرت امام محمد وزفرؒ نے غیر منقولہ کی بیع کو بھی قبضہ سے پہلے ناجائز قرار دیا ہے، ان حضرات کی دلیل مذکورہ بالا وہ روایتیں ہیں جن کے اندر کلمہ ''ما'' وارد ہوا ہے (**لا تبع ما ليس عندك** " اور " **ولا بيع ما ليس عندك** ") اور کلمہ ''ما'' عموم پر دلالت کرتا ہے، اس لئے اس میں منقول وغیر منقول) کوئی تخصیص نہ ہوگی۔

دوسری دلیل یہ کہ امام محمدؒ وغیرہ نے بیع کو اجارہ پر قیاس کیا ہے، چونکہ عقار وغیرہ کا اجارہ قبل القبض درست نہیں، اس لئے عقار کی بیع بھی قبل القبض درست نہ ہوگی، عینی میں مذکور ہے: " **وصار كالإجارة فإنها في العقار لا يجوز قبل القبض** " (عینی شرح ہدایہ ۳/۱۳۷)۔

مالکیہ اور ابن حزم کے دلائل:

ان حضرات کے ادلہ وہ روایتیں ہیں جن میں طعام کا لفظ وارد ہوا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں:

۱. عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: إذا ابتعت طعاماً فلا تبعه حتى تستوفيه (رواہ احمد ومسلم بحوالہ نیل الأوطار ۵/۱۵۷)

۲. عن أبي هريرة قال: نهى رسول الله ﷺ أن يشتري الطعام ثم يباع حتى يستوفى (رواہ احمد ومسلم بحوالہ نیل الاوطار ۵/۱۵۷)۔

۳. عن ابن عباس أن النبي ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه (نیل الأوطار ۵/۱۵۸)۔

ان جیسی حدیثوں میں چونکہ خاص طور سے طعام کی قبل القبض بیع سے روکا گیا ہے، اس لئے طعام کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہ ہوگی، لیکن اس کے ماسوا ہر چیز کی بیع، قبضہ سے پہلے جائز ہوگی، **فإن تخصيصه الطعام بالنهي**

عن بيعه قبل قبضه يدل على إباحة ذلك في ما سواه.

ہاں مالکیہ نے طعام سے مراد صرف گندم نہیں لیا ہے، بلکہ دیگر مطعومات، جیسے فاکہہ وغیرہ کو بھی طعام کے ضمن میں لے لیا ہے، لیکن علامہ ابن حزم ظاہری نے کہا کہ لفظ طعام بغیر اضافت کے کلام عرب میں جب استعمال ہوتا ہے تو اس سے صرف ''قمح'' گندم مراد ہوا کرتا ہے، اور اس سلسلہ میں عربوں کے کلام سے استشہاد پیش فرمایا ہے، چونکہ احادیث مذکورہ بالا میں لفظ طعام بدون اضافت استعمال ہوا ہے، اس لئے عربوں کے استعمال کے بموجب اس سے مراد گندم (قمح) ہی ہوگا۔ (المحلی لابن حزم ۵۲۱/۸)۔

حنابلہ کی دلیل:

حنابلہ کی دلیل بھی وہ ساری احادیث ہیں جن میں قبضہ سے پہلے طعام کی بیع سے روکا گیا ہے، چونکہ مطعومات کیلی، وزنی یا عددی ہونے سے خارج نہیں ہوا کرتے، اس لئے نہی کا تعلق ان تمام انواع مبیع سے ہوگا جو کیل، وزن، یا عدد کے ضمن میں آتی ہوں، علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اسے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

" **إن الطعام المنهي عنه عن بيعه قبل قبضه لا يكاد يخلو من كونه مكيلا أو موزوناً أو معدوداً فتعلق الحكم بذلك** " (المغنی ۱۲۳/۴)۔

عثمان البتی کی دلیل:

عثمان البتی نے ہر طرح کی اشیاء میں قبضہ سے پہلے جو بیع کے جواز کا قول پیش کیا ہے، بظاہر ان کی کوئی دلیل سمجھ میں نہیں آتی، سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ ان کو مذکورہ بالا احادیث نہیں پہنچ سکی ہوگی، جس کی بنا پر انہوں نے جواز کا عمومی قول پیش کر دیا، جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر نے ان کے بارے میں اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے:

قال ابن عبد البر: وهذا (اى قول عثمان البتى) مردود بالسنة والحجة المجمعة على الطعام وأظنه لم يبلغه هذا الحديث، ومثله هذا لا يلتفت إليه (المغنی ۱۲۷/۴)۔

شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض جائز ہے یا ناجائز؟ اور ناجائز ہے تو اس کا شمار بیع باطل میں ہے، یا بیع فاسد میں، یا بیع مکروہ میں۔

اسلامی شریعت کی رو سے بیع قبل القبض فی الجملہ ناجائز ہے ''**لقوله عليه السلام: لا تبع ما ليس عندک**'' دوسرے اس وجہ سے بھی کہ مبیع کے ہلاک ہونے کے اعتبار سے، عقد ہی کے فسخ ہو جانے کا غرر موجود ہے، اور حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے بیع غرر سے بھی منع فرمایا ہے، اس لئے بھی بیع قبل القبض فی الجملہ درست نہ ہوگی (مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر ۷۹/۲)۔

رہا یہ امر کہ بیع قبل القبض فاسد ہے یا باطل، تو احناف کے یہاں یہ بیع فاسد ہے، اور شوافع کے نزدیک باطل، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں ہے: **الحنفية قالوا: من البيع الفاسد بيع الأعيان المنقولة قبل القبض** (۲۲۴/۲)۔

مذکورہ بالا حوالہ کے اندر یہ بھی مذکور ہے: والشافعية قالوا : لا يصح للمشترى أن يتصرف فى المبيع قبل قبضه..... فإذا اشترى شيئا منقولاً كان أو غيره ولم يستلمه ثم باعه وقع البيع باطلاً (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۲۴)۔

لیکن باعتبار مآل کے دونوں قولوں میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ شوافع کے نزدیک فساد اور بطلان ایک ہی امر ہے: والفساد والباطل بمعنى واحد فى عقود البيع فكل فاسد باطل وبالعكس (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۲/۲۲۴)۔

بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں یا نہیں؟

بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، لیکن فقہاء کرام کے درمیان علت کے استخراج میں اختلاف ہے۔

(۱) حنفیہ کے نزدیک علت نہی: "غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاک" ہے (ہدایہ ۳/۵۹)۔

(۲) مالکیہ کے اس سلسلہ میں ہمیں دو قول ملتے ہیں:

۱۔ یہ کہ یہ احادیث معلول بالعلۃ ہیں۔

۲۔ یہ کہ یہ احادیث معلول بالعلۃ نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک امر تعبدی ہے۔

بہر کیف نہی کی علت ان احادیث کے اندر مالکیہ کے یہاں عمال کی منفعت کا ضیاع اور بربادی ہے، جیسا کہ اسے علامہ جزیری نے "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وقد قيل فى علة النهى : إن فى قبضه منفعة للعمال إذ ينتفعون بكيله وحمله ووزنه وغير ذلک بخلاف ما إذا بيع وهو عند صاحبه فإن ذلک يضيع تلک المنفعة وقيل : إنه أمر تعبدى . (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۲/۲۳۵)۔

قبضہ کی حقیقت:

احناف کے یہاں قبضہ کی اصل اور حقیقت تمام اموال میں تخلیہ ہے، علامہ کاسانی "بدائع الصنائع" میں تحریر فرماتے ہیں: ثم لا خلاف بين أصحابنا أن أصل القبض يحصل بالتخلية فى سائر الأموال (بدائع ۵/۲۴۴)۔

تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان تمام موانع اور رکاوٹوں کو اس طور پر ختم کردے کہ مشتری مبیع کے اندر ہر طرح کے تصرف پر پوری طرح قادر ہوجائے، علامہ کاسانیؒ نے تسلیم اور قبضہ کے مفہوم کی وضاحت ان لفظوں میں فرمائی ہے:

أما تفسير التسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلى وهو أن يخلى البائع بين المبيع

و بین المشتری برفع الحائل بینھا علی وجه یتمکن المشتری من التصرف فیه فیجعل البائع مسلماً للمبیع والمشتری قابضاً له (بدائع ۲۴۴/۵)۔

صاحب بدائع کی اس عبارت سے یہ واضح ہوگیا کہ احناف کے نزدیک اصل حوالگی مبیع، بائع کی طرف سے تخلیہ اور مشتری کی طرف سے تخلی ہے، ہاں تخلیہ کی نوعیت میں اختلاف ہوسکتا ہے، جبکہ مبیع کے انواع میں اختلاف ہو، اور تخلیہ کی نوعیت، اس تبدیلی کا دارومدار عرف وعادت پر محمول ہوگا، چنانچہ جس جس مقام پر جس طرح کے استیلاء کو وہاں کے عرف میں قبضہ سمجھا جاتا ہوگا، اسی کو اس معاملہ میں شرعاً قبضہ مانا جائے گا۔

علامہ شامیؒ بحر کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: **حاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع** (شامی ۵۹/۲)۔

اور بدائع میں ہے: **لأن معنى القبض هو التمكين والتخلى وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً حقيقةً** (بدائع ۱۴۸/۵)۔

تخلیہ سے متعلق شرطیں:

صاحب درمختار نے تخلیہ کیلئے تین شرطیں ذکر فرمائی ہیں جن کی طرف اشارہ ''بدائع'' کی مذکورہ بالا عبارت (۲۴۴/۵) میں بھی ہوچکا ہے، وہ شرطیں درمختار کے الفاظ میں یوں ہیں:

ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل وشرط فى الأجناس شرطاً ثالثا وهو أن يقول: خليت بينك وبين المبيع، فلو لم يقله أو كان بعيداً لم يصر قابضاً (درمختار مع الشامی ۵۹/۲۔۵۸)۔

درمختار کی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ مبیع کی تسلیم وسپردگی تخلیہ کی صورت میں اس وقت مکمل مانی جائے گی جبکہ مشتری مبیع پر بلا کسی مانع اور حائل کے تصرف پر قادر ہوجائے، ''اجناس'' کے اندر ایک تیسری شرط یہ بھی لگائی ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ: **خليت بينك وبين المبيع**۔

چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس کے ذیل میں جو مثال پیش کی ہے وہ یہ کہ اگر مشتری نے کسی مکان کے اندر موجود گیہوں خریدا اور بائع نے اس مکان کی کنجی مشتری کے حوالہ کردی اور کہا کہ: "**خليت بينك وبينها**" تو اس صورت میں قبضہ نہیں ہوگا۔

تخلیہ کے اندر ''بلا مانع ولا حائل'' کی شرط کا مفہوم یہ ہے کہ مبیع بالکل علیحدہ، الگ تھلگ اس انداز سے ہو کہ اس سے غیر کا حق متعلق نہ ہو (**بأن يكون مفرزا غير مشغول بحق غيره** (شامی ۵۹/۲)۔

چنانچہ اگر کسی نے گھر بیچا اور اسے مشتری کے حوالہ بھی کردیا، لیکن اس مکان کے اندر تھوڑا یا زیادہ، بائع کا سامان موجود ہے، تو اس صورت میں مبیع کی حوالگی اور تسلیم اس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ بائع اس مکان کو مکمل خالی نہ کردے۔

الغرض شریعت نے قبضہ کی اصل اور حقیقت، تخلیہ کی شکل میں متعین کردی ہے، لیکن اس کی نوعیت میں مکان اور مبیع کے اختلاف کے باعث اختلاف ہوسکتا ہے، اور اس کا تعلق عرف اور عادت سے ہوگا، اس کی مختلف صورتوں کا ذکر علامہ شامی نے ان لفظوں میں فرمایا ہے:

ففی نحو حنطة فی بیت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمکنه الفتح بلا کلفة قبض، وفی نحو دار فالقدرة علی إغلاقها قبض، ونحو بقر فی مرعی فکونه بحیث یری ویشار إلیه قبض وفی نحو ثوب فکونه بحیث لو مد یده تصل إلیه قبض... إلی غیر ذلک (شامی ۵۹/۲)۔

اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت ایک ہوگی یا مختلف؟

احناف کے یہاں تمام اموال میں تسلیم وقبضہ کی حقیقت ایک ہی ہے، یعنی تخلیہ وتخلی، لیکن تخلیہ کی نوعیت اشیاء منقولہ کے اندر بھی مختلف چیزوں میں مختلف ہوسکتی ہے، اور غیر منقولہ میں بھی حالات کے اعتبار سے مختلف ہوگی، جیسا کہ شامی کے حوالہ سے پہلے لکھا جاچکا ہے کہ مبیع کے اختلاف سے تخلیہ کی صورتیں اور نوعیتیں مختلف ہوا کرتی ہیں "**لکن ذلک یختلف بحسب حال المبیع**"، مثلاً کسی مکان کے اندر موجود گیہوں خریدا تو بائع کا مشتری کو اس مکان کی کنجی اس طور پر حوالہ کردینا کہ وہ اس کو بلا کسی تردد کے کھول سکے، مشتری کے حق میں قبضہ مانا جائے گا، **ففی نحو حنطة فی بیت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمکنه الفتح بلا کلفة قبض** (شامی ۵۹/۲)۔

اور اگر کسی نے گھر خریدا اور بائع اس کی کنجی مشتری کو دیدے کہ وہ اس گھر کو بند کرسکے تو اس صورت میں مشتری کا کنجی پالینا ہی قبضہ ہوگا، بشرطیکہ وہ گھر اس شہر میں ہو، **وفی نحو دار فالقدرة علی إغلاقها قبض ای بأن تکون فی البلد فیما یظهر** (شامی ۵۹/۲)۔

مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوگیا کہ بائع کی طرف سے حوالگی کی ایسی صورت سامنے آجائے، جس کے بعد مشتری مبیع پر قابض ومتصرف ہوسکے تو اس کی طرف سے تسلیم کی یہ صورت تخلیہ ہوگی اور مشتری کے حق تخلی یعنی قبضہ ہوگا، خواہ مبیع منقول ہو یا غیر منقول، جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہوا۔

البتہ غیر منقول مبیع کا جائے وقوع اگر بعید ہو تو قبضہ محض تخلیہ سے نہ ہوگا، شامی میں ہے: **أما إذا کان بعیداً لا یتصور القبض فی الحال فلا تقام التخلیة مقام القبض** (۵۹/۲)۔

شوافع اور حنابلہ کے یہاں منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت:

شوافع اور حنابلہ کے یہاں بھی غیر منقولہ اشیاء کے اندر قبضہ تخلیہ ہی ہوتا ہے، چنانچہ بدائع میں مذکور ہے:

وقال الشافعیؒ: القبض فی الدار والعقار والشجرة بالتخلیة (۲۴۴/۵)۔

اور مغنی میں علامہ ابن قدامہ حنبلی رقم طراز ہیں: **وان کان مما لا ینقل ویحول فقبضه التخلیة بینه وبین مشتریه لا حائل دونه** (المغنی ۱۲۶/۴)۔

اور منقولہ اشیاء میں قبضہ ان حضرات کے یہاں مختلف شکل سے ہوا کرتا ہے، چنانچہ مغنی میں مذکور ہے:

وقبض كل شئ بحسبه (۱۲۵/۴) اس لئے اگر بیع درہم ودینار کی ہوتو قبضہ کی صورت ''اخذ بالید'' یا ''تناول بالبراجم'' یعنی ہاتھ میں لینے سے ہوگی، اور اگر مبیع کپڑا ہو، یا طعام ہو اور اسے مجازفۃً بیچا جائے تو قبضہ اس کے منتقل کرنے سے ہوگا، اور اگر حیوان ہوتو اسے اس کے مقام سے چلا کر قبضہ ہوگا، مغنی میں ہے: وإن كان المبيع دراهم أو دنانير فقبضتها باليد وإن كان ثياباً فقبضتها نقلها وإن كان حيواناً فقبضته تمشيته من مكانه (المغنی ۱۲۶/۴)۔

اور اگر مبیع کیلی یا وزنی ہو اور بیع بھی کیلاً یا وزناً کی گئی ہوتو قبضہ کیل ووزن سے ہوگا، جیسا کہ مغنی میں ہے: فان كان مكيلا أو موزوناً بيع كيلاً ووزنا فقبضه بكيله ووزنه وبهذا قال الشافعيؒ (المغنی ۱۲۵/۴)۔

۶۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار (۲) کو روانہ کر دیتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے، اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے، نہ خریدار (۲) پر، بلکہ یہ اس شخص یعنی خریدار (۱) کا نقصان قرار پاتا ہے۔۔۔۔اس صورت معاملہ میں فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر اگرچہ حسی قبضہ نہیں ہوا، لیکن اس کے ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام مان کر اس کی بیع وشراء کو درست اور جائز قرار دیا جانا چاہئے، بشرطیکہ خریدار (۱) نے فیکٹری سے معاملہ اولاً طے کیا ہو، اور فیکٹری سے مال کی روانگی کے بعد خریدار (۲) سے معاملہ طے ہوا ہو، اس صورت میں خریدار (۱) کے حق میں تخلیہ مال کی روانگی کے بعد ثابت ہو جائے گا، جو قبضہ کی اساس وبنیاد ہے، تخلیہ کے حصول کے بعد خریدار (۱) کا مبیع کے اندر تصرف صحیح ہوگا، اس لئے اس کی بیع خریدار (۲) کے حق میں درست ہوگی، خصوصاً جبکہ وہ ضمان بھی قبول کر رہا ہے۔

رہا مذکورہ بالا صورت معاملہ میں تخلیہ سے قبضہ کا ثبوت، تو بدائع میں مذکور ہے کہ:

فتسليم المبيع إلى المشترى هو جعل المبيع سالماً للمشترى اى خالصاً له بحيث لا ينازعه فيه غيره وهذا يحصل بالتخلية فكانت التخلية تسليما من البائع والتخلى قبضاً من المشترى (بدائع ۲۴۴/۵)۔

مذکورہ بالا صورت معاملہ میں فیکٹری سے مال کی روانگی بائع کی طرف سے تسلیم مبیع یعنی تخلیہ پایا گیا، اور مبیع کی یہ سپردگی مشتری کے حق میں تخلی یعنی قبضہ متصور ہوگی۔

اور بدائع میں یہ بھی مذکور ہے: حتى لو اشترى مذروعاً مذارعة أو معدودا معاددة ووجدت التخلية تخرج عن ضمان البائع ويجوز له بيعه والانتفاع به قبل الزرع والعد بلاخلاف وإن كان مما له مثل فإن باعه مجازفة فكذلك (بدائع ۲۴۶/۵)۔

مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں فیکٹری سے خریدا ہوا مال، خواہ مثلی ہو یا غیر مثلی، دونوں صورتوں میں تخلیہ کی بنیاد پر، مشتری کے قبضہ میں ہو جائے گا، مذکورہ بالا صورت معاملہ میں فیکٹری کی طرف سے مال کی روانگی تخلیہ مانی جائے

گی، اور مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی، اور یہاں تو مشتری خود بخود ہی ضمان قبول کر رہا ہے، اس لئے مشتری کا اس مبیع کو ناپنے اور شمار کرنے سے پہلے اس سے انتفاع اور اس کی بیع درست ہوگی۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ بائع کا مبیع کے اندر مشتری کے امر سے کوئی بھی تصرف مشتری ہی کا تصرف مانا جاتا ہے، اس لئے اس صورت معاملہ میں بائع کا مشتری کے امر سے فیکٹری سے مال کو روانہ کرنا خود اس کے قبضہ کے مترادف ہوگا، بدائع میں ہے: **وكذلك لو فعل البائع شيئا من ذلك بأمر المشتري لأن فعله بأمر المشتري بمنزلة فعل المشتري بنفسه** (بدائع ۲۴۶/۵)۔

مذکورہ بالا پوری بحث سے یہ امر واضح ہو گیا کہ مشتری اول کا مشتری ثانی کو مذکورہ بالا صورت معاملہ میں مال کو فروخت کرنا درست ہوگا۔

۷۔ وہ صورت معاملہ جس میں بین الاقوامی تجارت میں شپنگ کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مال مشتری تک پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جاتا ہے تو بائع اس کا ضمان نہیں لیتا۔

تو اس صورت معاملہ میں چونکہ بائع کی طرف سے تسلیم مبیع پایا گیا اور وہ یہاں پر مال کی شپنگ ہے، اس لئے اس صورت میں بائع کا فارغ الذمہ ہونا ہی قرین قیاس ہے، اور یہ بیع بھی درست ہوگی، کیونکہ بائع کی طرف سے مبیع کی تسلیم بصورت شپنگ موجود ہے۔

اب اگر یہ مشتری اس مال کو اپنے ضمان میں لے لیتا اور پھر کسی کے ہاتھ اسے فروخت کرتا تو یہ بیع بھی درست مانی جاتی، لیکن یہاں صورت معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ مشتری اول جو اب بیع کر رہا ہے، وہ مال کو سمندر میں رہتے ہوئے، بغیر ضمان لئے ہوئے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے، تو بیع کی یہ صورت جائز نہ ہوگی، کیونکہ یہ "ربح مالم یضمن" کی شکل بن رہی ہے جو کہ منہی عنہ ہے اور منہی عنہ فساد عقد کی مقتضی ہے، سبل السلام میں یہ روایت ہے:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ما ليس عندك (سبل السلام ۸۰۹/۳)۔

علامہ صنعانی "ولا ربح مالم یضمن" کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں: **قيل معناه: ما لم يقبض لأن السلعة قبل قبضها ليست في ضمان المشتري إذا تلفت، تلفت من مال البائع.**

اور یہاں صورتحال اس کے برعکس ہے، وہ یہ کہ مشتری اول سمندر میں موجود مال کو مشتری ثانی تک پہنچنے کا ضمان قبول کئے بغیر بیع کر رہا ہے، اس لئے یہ بیع ناجائز ہوگی۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا عبدالجلیل قاسمی

۱۔ بیع قبل القبض عام طور پر جائز نہیں ہے، کچھ مستثنیات اور فقہاء کے اختلافات ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے ،فقہاء احناف نے بیع باطل وفاسد ومکروہ کی جو تعریف کی ہے، اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض بیع فاسد ہے، الموسوعۃ الفقہیہ میں ابن عابدین، زیلعی کی تبیین الحقائق، بدائع اور فتح القدیر وغیرہ کے حوالہ سے بیع باطل وفاسد ومکروہ کی تعریف، اوران کے احکام تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

والبيع الباطل عند الحنيفة هو : مالم يشرع لا باصله ولا بوصفه (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۵۲)۔

والبيع الفاسد في الاصطلاح : ما يكون مشروعاً أصلاً لا وصفاً والمراد بالأصل: الصيغة ، والعاقدان، والمعقود عليه، وبالوصف : ما عدا ذلك (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۹۸)۔

والباطل هو ما لا يكون صحيحا أصلاً ووصفا، والفاسد هو ما لا يصح وصفا، وكل ما أورث خللاً في ركن البيع فهو مبطل وما أورثه في غيره كالتسليم والتسلم الواجبين به، والانتفاع المقصود منه، وعدم الإطلاق عن شرط لا يقتضيه وغير ذلك فهو مفسد (عنایہ علی فتح القدیر ۶/۴۰۲)۔

یہی وجہ ہے کہ ''موسوعہ'' میں شامی کے حوالے سے بیع قبل القبض کو بیع فاسد میں شمار کیا ہے۔

وعدم الصحة هنا ، يعني الفاسد لا البطلان وإن كان نفي الصحة يحتملهما لكن الظاهر عند الحنيفة هو الفساد لأن علة الفساد هي الغرر مع وجود ركني البيع وكثيرا ما يطلق الباطل على الفاسد (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۲۵)۔

علامہ ابن ہمام نے باطل وفاسد کی بیع اوراس کے احکام کی جو تفصیلات ذکر کی ہیں ان سے محسوس ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض ان کے نزدیک بیع فاسد ہے، لکھتے ہیں:

(لأن فيه غرر انفساخ العقد) الأول (على اعتبار الهلاك المبيع) قبل القبض فيتبين حينئذ أنه باع ملك العين بغير إذنه وذلك مفسد للعقد (فتح القدیر ۶/۵۱۲) والفساد بمعنى البطلان إلا في السلم أو مع الملك لكن قبل قبضه (فتح القدیر ۶/۴۰۲)۔

فقہاء احناف کی کتابوں میں جہاں بھی بیع قبل القبض کی بحث کی گئی ہے تقریباً تمام ہی حضرات نے اس کو بیع فاسد ہی میں شمار کیا ہے۔

۲۔ قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں ہے، بلکہ عرف وعادت پر موقوف ہے، جس چیز کے بارے میں جس درجہ کا استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے گا، وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا۔

علامہ حصکفی نے ثمن ومبیع کی سپردگی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سپردگی یہ ہے کہ تخلیہ اس طرح ہو کہ بغیر کسی رکاوٹ ودشواری کے قبضہ ممکن ہو۔

ثم التسليم يكون بالتخلية على وجهٍ يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل (درمختار علی رد المحتار ۴/۵۶۰)۔

علامہ شامی نے اس عبارت پر "بحر" کے حوالہ سے تفصیلات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

وحاصله: أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع (ردالمحتار ۴/۵۶۱)۔

صاحب "بذل المجہود" حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری تحریر فرماتے ہیں: قال الخطابي القبوض تختلف في الأشياء حسب اختلافها في أنفسها، فمنها ما يكون بأن يوضع في يد صاحبه، ومنها ما يكون بالتخلية بينه وبين المشتري، ومنها ما يكون بالنقل من موضعه، ومنها ما يكون بأن يكتال (بذل المجہود ۴/۲۸۴)۔

مذهب المالكية والشافعية والحنابلة أن قبض كل شئ بحسبه: فإن كان مكيلا أو موزوناً أو معدوداً أو مذروعا فقبضه بالكيل أو الوزن أو العدد أو الذرع.

والمالكية شرطوا في قبض المثل تسليمه للمشتري وتفريغه في أوعيته.

وإن كان جزافا فقبضه نقله .... وإن كان منقولا من عروض وأنعام فقبضه بالعرف الجاري بين الناس كما يقول المالكية: كاحتياز الثوب وتسليم مقود الدابة .... وإن كان عقاراً فقبضه بالتخلية بينه وبين المشتري بلا حائل دونه تمكينه من التصرف فيه بتسليمه المفتاح وإن وجد .... ولم يفصل الحنفية ..... بل اعتبروا التخلية وهي رفع الموانع والتمكين من القبض قبضا حكما على ظاهر الرواية .... نص الحنفية على مذهبهم هذا في الرهن في التخلية بينه وبين المرتهن وقالوا: إن التخلية فيه قبض كما هي في البيع فإنها فيه أيضاً قبض و قالوا: لأنها تسليم فمن ضرورته الحكم بالقبض فيترتب عليه ما يترتب على القبض الحقيقي وهذا هو الأصح (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۱۳۲-۱۳۴)۔

خلاصۃ الفتاویٰ، فتح القدیر، البحر الرائق میں بھی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔

۳۔ اوپر کی تفصیلات سے واضح ہے کہ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق ہوگا۔

۴۔ نہی قبل القبض کے سلسلہ میں جو احادیث مروی ہیں وہ معلول بالعلۃ ہیں۔

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:

والحدیث معلول به عملا بدلائل الجواز (ہدایہ ۵۸/۳)۔

نبی کریم ﷺ نے قبضہ سے پہلے بیع کرنے سے منع فرمایا ہے، اور خود آپ نے ثمن میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنے کی اجازت دی ہے۔

عن ابن عمر قال كنت أبيع الإبل بالبقيع فأبيع بالدنانير و آخذ الدراهم وأبيع بالدراهم و آخذ الدنانير فأتيت النبی ﷺ وهو يريد أن يدخل حجرته فأخذت بثوبه فسألته فقال: إذا أخذت واحدا منهما بالآخر فلا يفارقک وبينک وبينه بيع (فتح القدیر ۱۹/۶)۔

اس سے واضح ہے کہ جب آپ نے ''بیع قبل قبض المبیع'' سے منع فرمایا اور ''بیع قبل قبض الثمن'' کی اجازت دی، تو منع کرنے کی کوئی خاص وجہ ضرور ہے جو بیع ''قبل قبض المبیع'' میں پائی جارہی ہے، اسلئے آپ منع فرما رہے ہیں، اور بیع ''قبل قبض الثمن'' میں نہیں پائی جارہی ہے، اسلئے اس میں آپ اجازت دے رہے ہیں، اور وہ وجہ غرر ہے، یعنی ''غرر انفساخ العقد الاول'' ہے، **فی الصحاح أنه ﷺ نهى عن بيع الغرر** (فتح القدیر ۵۱۲/۶) یعنی اگر مبیع قبضہ سے قبل ہلاک ہوجائے تو بیع منسوخ ہوجائیگی، مشتری کو معلوم نہیں ہے کہ جس مال کو اس نے خریدا ہے وہ قبضہ میں آئے گا یا نہیں، بلکہ ہلاک ہونے کی صورت میں بیع ہی منسوخ ہوجائے گی، اسلئے اس کو اجازت نہیں دی جارہی ہے کہ وہ قبضہ میں آنے سے پہلے اس کو فروخت کرے، لیکن ثمن کے ہلاک ہونے کا اثر بیع پر نہیں پڑتا ہے، اسلئے کہ اگر ثمن متعین بھی ہے تو اس کے ہلاک ہونے کی صورت میں بیع منسوخ نہیں ہوگی، بلکہ مشتری پر لازم ہوگا کہ اس متعینہ ثمن کی قیمت بائع کو ادا کرے۔

یہیں سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ ہر وہ عقد جس میں قبضہ سے پہلے بدل کے ہلاک ہونے سے عقد پر کوئی اثر نہیں پڑتا وہاں اس بدل میں قبضہ سے پہلے بھی تصرف کی اجازت ہے۔

مثلاً عورت کیلئے مہر، زوج کیلئے بدل خلع، عتق علی مال، دم عمد میں صلح کا بدل، یہ سب وہ عقود ہیں کہ بدل کے ہلاک ہونے سے عقد منسوخ نہیں ہوتا، بلکہ اگر بدل متعین ہو تو ہلاک ہونے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرائی جاتی ہے، اسلئے ان سب میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے۔

فصار الأصل أن كل عقد ينفسخ بهلاک العوض قبل القبض لم يجز التصرف فی ذلک العوض قبل قبضه كالمبيع فی البيع والأجرة إذا كانت عينا فی الإجارة وبدل الصلح عن الدين إذا كان عينا لا يجوز بيع شئ من ذلک.... و ما لا ينفسخ بهلاک العوض فالتصرف فيه

قبل القبض جائز كالمهر إذا كان دينا وبدل الخلع والعتق على مال وبدل الصلح عن دم العمد كل ذلک إذا كان عينا يجوز بيعه وهبته وإجارته قبل قبضه وسائر التصرفات في قول أبي يوسف ولو أوصیٰ به قبل القبض ثم مات قبل القبض صحت الوصية بالإجماع لأن الوصية أخت الميراث ولو مات قبل القبض ورث عنه فكذا إذا أوصیٰ به (فتح القدیر ۶/۵۱۲)۔

ان كل عوض ملک بعقد ينفسخ بهلاكه قبل القبض لم يجز التصرف فيه قبل قبضه وما لا ينفسخ بهلاكه جاز التصرف فيه قبل قبضه فمثال الأول المبيع والأجرة وبدل الصلح عن الدين إذا كان الثمن والأجر والبدل عينا...... ومثال الآخر المهر إذا كان عينا .... وكذا بدل الخلع والعتق على مال وبدل الصلح عن دم العمد (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۱۲۸۔۱۲۹)۔

یہاں پر حضرت امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا عقار کے سلسلہ میں بیع قبل القبض کی اجازت دینا بھی سمجھ میں آتا ہے، کہ جس طرح ثمن میں قبضہ کے پہلے تصرف کرنا جائز ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہاں ''غرر'' نہیں ہے، اور مہر وغیرہ میں بھی غرر کے نہ ہونے کی وجہ سے ہی تصرف قبل القبض کی اجازت ہے، اسی طرح عقار میں بھی چونکہ ''غرر'' کا اندیشہ نہیں ہے، اسلئے کہ اس کا ضائع ہونا نادر ہے، اور ''النادر لا عبرة به'' قبل القبض کی اجازت دی گئی ہے۔

البتہ خود ان حضرات نے بھی کہا ہے کہ اراضی لب دریا ہو، یا ایسی جگہ ہو کہ ریت کے بھر جانے کا اندیشہ ہو تو وہاں چونکہ زمین کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے، وہاں ''غرر انفساخ'' موجود ہے تو وہاں بھی بیع قبل القبض کی اجازت نہیں دی جائے گی، حتى قال بعض المشائخ إن جواب أبي حنيفة في موضع لا يخشى عليه أن يصير بحرا أو يغلب عليه الرمال، فأما في موضع لا يؤمن عليه ذلک فلا يجوز كما في المنقول ذكره المحبوبي، وفي الاختيار: حتى لو كان على شط البحر أو كان المبيع علواً لا يجوز بيعه قبل القبض (فتح القدیر ۶/۵۱۳)۔

۵۔ بیع قبل القبض کی تفصیلات میں حضرات ائمہ کرام میں اختلافات ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے خطابی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اہل علم کا اجماع اس پر ہے کہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے اس کے علاوہ دوسری اشیاء میں اختلافات ہیں۔ امام اعظم اور امام ابو یوسفؒ مکانات اور اراضی کی بیع قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں، باقی تمام طعام'' غیر طعام میں ناجائز قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی اور امام محمدؒ طعام وغیر طعام، مکانات اور اراضی تمام ہی چیزوں میں بیع قبل القبض کو ناجائز کہتے ہیں۔ امام مالکؒ ماکول ومشروب کے علاوہ تمام اشیاء میں بیع قبل القبض کو جائز مانتے ہیں۔ اوزاعی، احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ مکیل وموزون کے علاوہ تمام چیزوں میں بیع قبل القبض کو جائز کہتے ہیں۔ یہی ابن المسیب، حسن بصری، حکم اور حماد سے مروی ہے (بذل المجہود ۴/۲۸۴)۔ ''الموسوعہ الفقہیہ'' میں پوری تفصیل مذکور ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے اس کوطعام کے ساتھ مخصوص کیا ہے جبکہ وہ معاوضہ لے کر حاصل کیا گیا ہو، اور کیل یا وزن کے ساتھ حاصل کیا گیا ہو، اگر بلا معاوضہ حاصل ہوا ہے، یا تخمینہ سے خریدا گیا ہے تو اس میں بھی بیع قبل القبض کی اجازت دیتے ہیں، دوسری تمام چیزوں میں وہ بیع قبل القبض کی اجازت دیتے ہیں۔

ومذهب المالكية أن المحرم المفسد للبيع هو بيع الطعام دون غيره من جميع الأشياء قبل قبضه، سواء كان الطعام ربويا كالقمح أم غير ربوى كالتفاح عندهم ، أما غير الطعام فيجوز بيعه قبل قبضه وذلک لحديث ابن عباس المتقدم من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه ولغلبة تغير الطعام دون ماسواه ، لكنهم شرطوا لفساد هذا النوع من البيع شرطين:

(الف) أن يكون الطعام مأخوذا بطريق المعاوضة اى فى مقابلة شئ باجارة أو شراء أو صلح أو إرش جناية.... فهذا الذى لا يجوز بيعه قبل قبضه إما لو صار إليه الطعام بهبة أو ميراث مما ليس أخذه بعوض فيجوز بيعه قبل قبضه .

(ب) وأن تكون المعاوضة بالكيل أو الوزن أو العدد فيشتريه بكيل و يبيعه قبل قبضه ..... أما لو اشتراه جزافا ثم باعه قبل قبضه فيكون جائزا (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲۶/۹)۔

موسوعہ میں امام احمدؒ سے مختلف روایتیں منقول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اسلئے کہ حضور اکرم ﷺ نے جس چیز میں بیع قبل القبض سے منع کیا ہے وہ طعام ہے، اس کا مطلب ہوا کہ طعام کے علاوہ دوسری چیزوں میں بیع قبل القبض جائز ہوگی۔

الأصح أن الذى يمنع من بيعه قبل قبضه هو الطعام، وذلک لأن النبى ﷺ " نهى عن بيع الطعام قبل قبضه" فمفهومه إباحة ما سواه قبل قبضه (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲۷/۹)۔

اس کے ساتھ ہی ان روایات کا بھی تذکرہ ہے جن میں طعام میں بیع قبل القبض سے مختلف الفاظ میں منع کیا گیا ہے، ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ مکیل وموزون، معدود اور مذروع میں مشتری کا تصرف قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے، جیسا کہ حضرت سہارنپوری نے نقل کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ حدیث میں طعام قبل القبض سے منع کیا گیا ہے، اور اس زمانہ میں غالبًا طعام کا لفظ مکیل وموزون میں ہی استعمال کیا جاتا تھا، معدود و مذروع کو اس پر قیاس کیا گیا ہے۔

ان الحديث المذكور نهى عن بيع الطعام قبل قبضه و كان الطعام يومئذ مستعملا غالباً فما يكال ويوزن وقيس عليها المعدود والمذروع لاحتياجهما إلى حق التوفية (حوالہ سابق ۱۲۸/۹)۔

ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ کسی چیز کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے، جبکہ امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مذہب ہے:

وفى رواية ثالثة عن الإمام أحمد : أنه لا يجوز بيع شئ قبل قبضه وهى التى وافق فيها

الإمام الشافعي وغيره (حوالہ سابق)۔

امام محمد اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ کسی چیز کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے، طعام ہو غیر طعام ہو، منقول ہو یا غیر منقول اراضی وغیرہ ہو، ان کا مستدل وہ روایات ہیں جن میں مطلقاً قبضہ سے پہلے بیع سے منع کیا گیا ہے۔

وذلک لحديث حكيم بن حزامؓ قال : قلت: يا رسول الله إني أشترى بيوعاً فما يحل لى منها و ما يحرم علي ؟ قال : إذا اشتريت بيعاً فلا تبعه حتى تقبضه (حوالہ سابق ۹/۱۲۴)۔

نیز طعام میں بیع قبل القبض کی نہی کے راوی حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے: "**ولا أحسب كل شئ إلا مثله**" (مشکوۃ ۲۴۷/۱) ابوداؤد کے الفاظ ہیں: **وقال ابن عباس وأحسب أن كل شئ مثل الطعام** (ابوداؤد ۱۰۴/۲)۔

حضرت امام اعظم وابو یوسفؒ نے طعام کے ساتھ تمام منقول اشیاء میں بیع قبل القبض کو ناجائز کہا ہے، اراضی ومکانات وغیرہ غیر منقولہ اشیاء میں وہ بیع قبل القبض کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جواب (۴) میں اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاچکی ہے۔

۶۔ فیکٹری کا مال بیچنے کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص فیکٹری کا ایجنٹ ہوتا ہے، وہ سفر کرتا ہے، خریداروں سے بات کرتا ہے، ان سے آرڈر لیتا ہے، اور پھر فیکٹری سے آرڈر کے مطابق خریداروں کو مال روانہ کردیا جاتا ہے، اور اس شخص کو فیکٹری کی طرف سے کمیشن ملتا ہے، اس صورت میں وہ فیکٹری کا وکیل ہوتا ہے، یہ بیع قبل القبض نہیں ہے، اسلئے جائز ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص فیکٹری کے ساتھ معاملہ طے کرلیتا ہے، ہر ماہ میں مجھے اتنا مال ملنا چاہئے، اور وہ سفر کرکے خریدار تیار کرتا ہے، اور مال کی قیمت اس کو معلوم ہے، اسی میں اپنا منافع رکھکر خریدار سے بات کرلیتا ہے، اور فیکٹری سے مال اس کو روانہ کردیتا ہے، اس صورت میں تو بیع قبل القبض ہی نہیں بلکہ "بیع مالیس عندہ" ہے، یعنی ابھی تو اس نے فیکٹری سے خریداری نہیں کی اور مال کا مالک نہیں بنا اور فروخت کردیا، یہ بیع قبل الملک ہے، اور سراسر ناجائز ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس نے مال فیکٹری سے خریدلیا، پھر اس میں دو صورتیں ہیں:

اول یہ ہے کہ فیکٹری کے اموال میں سے خرید کردہ مال جدا کرکے ایک جگہ محفوظ کرادیا، پھر اس نے کسی خریدار سے بات کی، اور فیکٹری سے اس کو براہ راست مال روانہ کردیا، میرے خیال سے فیکٹری سے خرید کردہ مال کو جدا کرکے رکھوادینا قبضہ مانا جائے گا، اسلئے اس بیع کو صحیح قرار دیا جائے گا، یہ "بیع بعد القبض" ہے نہ کہ قبل القبض۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے فیکٹری سے مال خریدلیا، اور ابھی اس نے قبضہ نہیں کیا، اور کسی دوسرے خریدار کے ہاتھ فروخت کرکے فیکٹری سے مال براہ راست دوسرے خریدار کو بھیجدیا، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو یہ

صورت بیع قبل القبض کی ہے اور نا جائز ہے۔

یہ کہنا کہ جب مال فیکٹری سے روانہ ہوتا ہے تو خریدار اول کے ضمان میں آجاتا ہے اور یہ ''ربح مالم یضمن'' نہیں ہے، صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ ''ربح مالم یضمن'' کا معنی بیع قبل القبض ہے، ومعنی " ربح مالم یضمن ، ربح ما بيع قبل القبض مثل: أن يشترى متاعاً و يبيعه إلى آخر قبل قبضه من البائع فهذا البيع باطل وربحه لا يجوز لأن البيع فى ضمان البائع الأول وليس فى ضمان المشترى منه لعدم القبض (الموسوعة الفقهية ۱۲۴/۹)۔

جس وقت اس نے فروخت کیا مال اس کے قبضہ میں نہیں تھا، بعد میں اس کے قبضہ میں آیا، اسلئے یہ جائز نہیں ہوگا، البتہ چونکہ اس طرح سے بیع وشراء کرنے کا عام رواج ہو چکا ہے، اسلئے امام مالکؒ کے قول کے مطابق اگر طعام نہ ہو تو اس طرح بیع وشراء کی اجازت دی جاسکتی ہے، عموم بلوی کی وجہ سے دوسرے ائمہ کے مسلک کو اختیار کرنے کی اجازت فقہاء دیتے ہیں، اور یہ مسئلہ فقہ وفتاوی کی کتابوں میں معروف ہے۔

ماضی قریب کے مشہور فقیہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: یہ معاملہ حنفیہ کے نزدیک نا جائز ہے........ چونکہ اس میں ابتلاء عام ہے، لہذا امام شافعیؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے (امداد الفتاوی ۲۱/۳)۔

اس طرح چونکہ اس میں ابتلاء عام ہے، اسلئے میرے خیال میں امام مالکؒ کے قول پر عمل کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔

۷۔ جب مشتری نے مال کی خریداری کے بعد بائع کو کہدیا کہ میرا مال فلاں جہاز پر لاد دیا جائے اور بائع نے اس کے حکم کے مطابق مال جہاز پر بھیج دیا، تو اب وہ مال مشتری کے ضمان میں آگیا اور جہاز پر لاد دینا مشتری کا قبضہ مانا جائے گا، اور جب اس کے قبضہ اور ضمان میں آ گیا تو اس کے لئے اس میں ہر طرح کا تصرف کرنا بھی جائز قرار پائے گا، اسلئے اگر اس نے اس مال کو فروخت کر دیا تو یہ فروختگی جائز قرار پائے گی۔

اسی طرح اجیر کا قبضہ مستاجر کا قبضہ قرار دیا جائے گا، اور صاحب جہاز اجیر ہے، اس کا قبضہ مالک کا قبضہ قرار پائے گا، تو جس طرح مالک جہاز کا قبضہ مشتری اول کا قبضہ مانا جائے گا، اسی طرح مالک جہاز کا قبضہ مشتری ثانی کا قبضہ بھی مانا جائے گا، اور مشتری ثانی کیلئے بھی جائز ہوگا کہ وہ کسی تیسرے کے ہاتھ فروخت کردے........ میری رائے ہے کہ اس صورت کو جائز ہونا چاہئے۔

ہذا ما عندی واللہ عندہ علم الصواب۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا شرعی حکم

محمد عزیر اختر القاسمی

ا۔ بیع قبل القبض شریعت کی روشنی میں:

حدیث اور فقہ وفتاوی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بیع قبل القبض نا جائز ہے، کیونکہ حدیث میں عتاب بن اسید کا واقعہ لکھا ہے کہ جب انہیں مکہ کا امیر بنا کر بھیجا جا رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جاؤ بیت اللہ والوں کی طرف اور انہیں چار چیزوں سے روکو، ان میں سے پہلی چیز قبل القبض ہے (فتح القدیر ۱۳۶/۶)۔

اور مشکوۃ شریف میں یہ حدیث ہے: "قال رسول الله ﷺ من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه، اور اس کے آگے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول مذکور ہے کہ "أما الذي نهى عنه النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض قال ابن عباس: ولا أحسب كل شئ إلا مثله (مشکوۃ ۲۴۷/۱)۔

اور اس کے علاوہ مختلف محدثین نے اپنی اپنی تالیفات میں بہت سی دوسری احادیث نقل کی ہیں جن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض درست نہیں ہے۔

علامہ برہان الدین نے بھی ایسی عبارت درج فرمائی ہے جن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض ناجائز ہے (ہدایہ مع الفتح ۱۳۵/۶، البحر الرائق ۱۱۶/۶)۔ چنانچہ اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اشیاء جسے منتقل کرنا ممکن ہو قبضہ سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

ہدایہ کے مذکورہ بالا اقتباس سے جہاں یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ منقولہ اشیاء کی خرید وفروخت قبضہ سے قبل نا جائز ہے وہیں یہ بھی سمجھ میں آرہا ہے کہ غیر منقولہ اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے، جیسے زمین۔

حضرت امام محمدؒ کی رائے اس کے متعلق بھی یہی ہے کہ قبضہ سے قبل اس کا فروخت کرنا جائز نہیں، ان کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں مطلقا غیر مقبوضہ اشیاء کی بیع سے منع کیا گیا ہے، لہذا حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے تمام اشیاء غیر مقبوضہ کی بیع کو شامل ہوگی، خواہ وہ شئ از قبیل منقولات ہو، یا غیر منقولات، سب کی بیع قبضہ سے قبل نا جائز ہوگی۔

لیکن حضرات شیخینؒ کی رائے کہ ہے کہ حدیث تمام اشیا کو عام نہیں ہے بلکہ صرف منقولہ اشیاء کا حکم حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، اور وہ اشیاء جو غیر منقولہ ہیں اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہوگی، ان کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ حدیث مذکور معلل بعلت ہے، یعنی شبہ "غرر" لہذا جہاں کہیں یہ علت ہوگی، بیع قبل القبض نا جائز اور جہاں علت معدوم

وہاں بیع قبل القبض جائز ہوگی، (البحر الرائق ۱۱۶/۶) علامہ شامیؒ نے بھی یہ تفصیل ذکر فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے جو فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

ہر وہ شئ جو نقل نہ کی جاسکتی ہو اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہوگی لیکن جو منتقل کی جاسکتی ہو اس کی بیع قبضہ سے قبل درست نہیں ہے، عبارت اس طرح ہے:

صح بيع عقار لا يخشى هلاكه قبل قبضه من بائعه لعدم الغرر لندرة هلاک العقار حتى لو كان علوا او على شط نهر ونحوه كان كمنقول فلا يصح اتفاقا ككتابة وإجارة وبيع منقول قبل قبضه (درمختار ۲۲۴/۴)۔

مذکورہ عبارت سے یہ بھی سمجھ میں آرہا ہے کہ بیع قبل القبض کے جائز وناجائز ہونے کا مدار منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء ہونے پر نہیں ہے بلکہ بنیادی بات یہ ہے کہ ہر وہ مبیع جس پر مشتری ثانی یا ثالث کی ملکیت اور قبضہ متحقق ہونے سے قبل اس مبیع کا ہلاک ہونا نادر ہو، خواہ یہ ندرت کسی وجہ سے بھی ہو اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہوگی، خواہ وہ منقولہ ہی کیوں نہ ہو، اور ہر وہ شئ جس پر مشتری ثانی کی ملکیت وقبضہ سے قبل ہلاک ہونا اکثر ہو تو اس کی بیع قبضہ سے قبل درست نہیں ہے۔

بیع قبل القبض باطل ہے یا فاسد:

وہ اشیاء کہ جن کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے تو اگر کہیں اس قسم کی بیع کا تحقق ہو تو اسے باطل کہا جائے گا، یا فاسد، یا مکروہ؟

فقہاء محققین نے بیع منہی عنہ کی عموماً تین قسم ذکر فرمائی ہے: باطل، فاسد اور مکروہ۔

فاسد وہ بیع ہے جو اپنے اصل کے اعتبار سے صحیح اور وصف کے اعتبار سے غیر مشروع ہو، اور باطل وہ بیع ہے جو اصل ووصف دونوں اعتبار سے غیر مشروع ہو، اور مکروہ بیع وہ ہے جو اصل ووصف دونوں اعتبار سے مشروع ہو، لیکن کسی شئ مجاور کی وجہ سے اس قسم کی بیع سے روک دیا ہو، جیسے بیع بوقت اذان جمعہ کہ ایسی بیع اپنے اصل ووصف کے اعتبار سے مشروع ہے لیکن ''سعی الی الجمعہ'' جو واجب ہے، کا چونکہ ترک لازم آتا ہے اس لئے ایسی بیع مکروہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اگر ''سعی الی الجمعہ'' کا ترک لازم نہ آوے اور بیع بھی ہو رہی ہو تو باتفاق فقہاء اس میں کوئی حرج وکراہت نہیں ہے، جیسے بائع اور مشتری کسی کشتی میں سوار ہو کر جامع مسجد کی طرف جارہے ہوں اور درمیان راہ بیع بھی ہو رہی ہو تو یہ جائز ہوگی (نور الانوار/۶۲)۔

بیع باطل اور فاسد میں فرق وامتیاز اس طرح آسان ہوگا کہ عوضین میں سے کوئی ایک یا دونوں موجودہ شریعت یا سابقہ شریعت میں مال نہ ہو تو بیع باطل ہوگی، جیسے مردار اور خون کی بیع، لیکن اگر عوضین میں سے کوئی ایک سابقہ شریعت میں مال تو تھا لیکن موجودہ شریعت میں مال نہیں ہے اور اسے کسی ایسی شئ کے ذریعہ فروخت کیا جارہا ہے جو اموال کے قبیل سے ہے اثمان کے قبیل سے نہ ہو تو ایسی بیع فاسد ہوگی، اور اگر اس کا عکس ہو، یا اثمان کے ذریعہ

خرید اجارہا ہوتو یہ بیع باطل ہوگی (ردالمحتار ۴/۱۳۸)۔

بیع باطل و فاسد کی حقیقت اور فرق واضح ہوجانے کے بعد یہ فیصلہ آسان ہوگیا، چنانچہ بیع قبل القبض میں عاقدین اہل ہوں، اور عوضین میں سے ہرایک موجودہ شریعت میں مال ہے تو ایسی بیع فاسد ہوگی، اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ اس کے خلاف ہو تو ایسی بیع باطل ہوگی، چنانچہ متقدمین بزرگوں نے بھی اسی تفصیل کے مطابق بیع قبل القبض کو فاسد وباطل قرار دیا ہے، شرح عنایہ حاشیہ فتح القدیر میں عبارت اس طرح درج ہے:

" والنهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسداً قبل القبض (فتح القدیر ۶/۱۳۷) اور درمختار کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ بیع قبل القبض باطل ہے، عبارت اس طرح ہے: بخلاف بيعه قبله فإنه باطل مطلقاً" (درمختار ۴/۲۲۵)، اور الجوہرۃ النیرۃ کی عبارت سے بھی یہی سمجھ میں آرہا ہے، عبارت ملاحظہ ہو: لا يجوز بيعه قبل القبض لا من بائعه ولا من غيره فإن باعه فالبيع الثاني باطل والبيع الأول على حاله جائز (۱/۲۱۰)۔

مذکورہ دونوں عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بیع قبل القبض باطل ہے، لیکن اصل وہی ہے جو بحوالہ "فتح القدیر" اوپر ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ حدیث میں صحت بیع کی جو نفی ہے وہ گرچہ باطل اور فاسد دونوں قسم کو شامل ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ ایسی بیع فاسد ہے، باطل تو اس صورت میں ہوتی جب عوضین میں سے کوئی ایک مال ہی نہ ہوتا، اور یہاں مفروضہ مسئلہ میں عوضین میں سے ہرایک مال کا ہونا فرض کیا گیا ہے اور عاقدین اہلیت بھی رکھتے ہوں، صرف منع شبہ "غرر" کی وجہ سے کیا گیا ہے، اور متقدمین نے جو باطل قرار دیا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ بیع فاسد ہوگی، باطل نہیں، اور علامہ شامیؒ نے یہی محاکمہ بھی فرمایا ہے کہ باطل سے فاسد ہی مراد ہے باطل نہیں، عبارت اس طرح ہے: الواقع في المتن يحتملهما أي يحتمل البطلان والفساد والظاهر الثاني لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركني البيع وكثيرا ما يطلق على الفاسد (ردالمحتار ۴/۲۲۶)۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت:

قبضہ باعتبار لغت: از " ضرب يضرب" قبض قبضاً الشئ وعلى الشئ، کسی شئ کو پکڑنا، قبضہ میں لینا اور سمیٹنا وغیرہ، اور اسلامی شریعت میں قبضہ کا حاصل یہ ہے، مالک اموال اپنی ملکیت سے اس طرح دست بردار ہوجائے اور علاحدہ ہوجائے کہ وہ شئ کسی شئ کے ساتھ نہ مشغول ہو اور نہ وہ شئ مالک اول کے کسی چیز کے ساتھ متصل ہو اور غیر کا اس پر استیلاء ہوجائے، نیز مالک اول ان باتوں کو اپنی زبان سے ظاہر بھی کر رہا ہو کہ میں نے مال تمہارے حوالہ کیا، جیسا کہ "درمختار" کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، عبارت اس طرح ہے: ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع وحائل وشرط في الأجناس شرطاً ثالثا وهو أن يقول: خليت بينك وبين المبيع (درمختار ۴/۵۸)۔

علامہ ابن نجیم مصری نے قبضہ کی حقیقت جو ذکر فرمائی ہے اس کا بھی حاصل یہی ہے، ان کی ذکر کردہ عبارت

اس طرح ہے: وأما ما يصير به قابضا حقيقة ففي التجريد تسليم المبيع أن يخلي بينه وبين المبيع علی وجه يتمكن من قبضه بغير حائل (بحرالرائق ۳۰۸/۵)۔

مذکورہ اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبضہ کی حقیقت متحقق ہونے کیلئے تین چیزوں کا وجود ضروری ہے، ایک یہ ہے کہ مالک مال غیر سے یوں کہے کہ میں نے مال تیرے حوالہ کیا، دوسری یہ کہ یہ قول اس غیر کی موجودگی میں اس طرح ہو کہ اس شخص کیلئے مال پر استیلاء کلی ممکن ہو اور کوئی چیز اس کے استیلاء سے مانع نہ ہو اور تیسری چیز یہ ہے کہ وہ اس طرح علاحدہ ہو کہ وہ شئ نہ کسی حق کے ساتھ مشغول ہو اور نہ کسی شئ کے ساتھ متصل ہو، اور شخص غیر یہ کہے کہ" میں نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا" یا اس کی طرف سے کوئی ایسا فعل ہونا ضروری ہے جس سے قبضہ پر دلالت ہوتی ہو۔

لہذا اگر بائع یہ نہ کہے کہ میں نے یہ مال تیرے حوالہ کیا، یا غیر کیلئے فی الحال اس مال پر کسی وجہ سے استیلاء ممکن نہ ہو، یا وہ مال کسی کے حق کے ساتھ مشغول ہو، یا کسی شئ کے ساتھ متصل ہو تو ان تمام صورتوں میں قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، جیسا کہ "البحرالرائق" کی عبارت سے سمجھ میں آرہا ہے، عبارت اس طرح شروع ہوئی ہے: إن دفعه ولم يقل شيئاً الخ (۳۰۸/۵)۔

قبضہ کی کوئی متعین صورت نہیں ہے:

شریعت کے اعتبار سے قبضہ کے تحقق کیلئے کوئی خاص شکل متعین نہیں ہے کہ اس کے علاوہ صورت میں قبضہ کا تحقق ہی نہ ہو، بلکہ عرف وعادت کے لحاظ سے قبضہ کی جو شکل بھی معروف ومتعارف ہو اور متصور ہو سکتی ہو وہی شکل باعتبار شرع معتبر ہوگی، یہی وجہ ہے کہ بیع تعاطی کا رواج قائم ہے اور شریعت اس کو جائز قرار دیتی ہے، اگر باعتبار شرع قبضہ کی کوئی خاص شکل متعین ہوتی تو قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ اس طرح کی خرید وفروخت ناجائز ہوتی اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال خبیث ملک ہوتا، لیکن فقہ وفتاوی کی تمام کتابوں میں تقریباً اس کے جواز کا تذکرہ ملتا ہے، اور اسے خلاف قیاس بھی نہیں کہا گیا ہے (البحرالرائق ۲۷۰/۵)۔

نیز اسی وجہ سے کہ قبضہ کی کوئی شکل باعتبار شرع متعین نہیں بلکہ اسے عرف وعادت پر مبنی قرار دیا گیا ہے، مختلف اشیاء میں مختلف طرق سے قبضہ کا تحقق ہوتا ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم نے "البحرالرائق" میں قدرے اس کی تفصیل ذکر فرمائی ہے، مثلاً وہ پھل جو درخت پر ہوتے ہوئے فروخت کئے گئے ہیں تو گرچہ یہ پھل بائع کے درخت کے ساتھ متصل ہے لیکن جب حوالہ کرنا اور مشتری کا دیکھنا پایا گیا تو قبضہ ہو جائے گا، اس کے برخلاف اگر کسی نے کوئی مکان فروخت کیا اور اس کا کچھ مال واسباب اس میں ہے اور اسی حال میں بائع نے مکان کا تالا مشتری کے حوالہ کردیا تو یہاں قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، یا گندم، یا اور کوئی غلہ مشتری کے حوالہ اس طرح کیا کہ وہ بائع کی تھیلی میں ہے تو قبضہ کا تحقق نہ ہوگا (ردالمحتار ۵۸/۴، وبحرالرائق ۳۰۸/۵۔۳۰۹)۔

اور کسی جگہ قبضہ کا تحقق اس طرح ہوگا کہ مشتری کے حوالہ اس طرح ہوگا کہ مشتری مبیع کو اپنی جگہ، یا اپنے مکان کی طرف منتقل کرلے، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا، ابن عمرؓ کی روایت میں ہے: " فنهاهم رسول الله ﷺ

عن بیعہ فی مکانہ حتی ینقلوہ'' تو اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبضہ کے تحقق کیلئے ''نقل الشیٔ من مکان إلی مکان'' کافی ہے، اور دوسری حدیث جو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے، اس میں ''حتی تقبض'' کا لفظ ہے، جس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مطلقاً قبضہ ضروری ہے، چاہے جس صورت سے ہو اور چاہے ''نقل الشیٔ من مکان الی مکان'' کا وجود ہو یا نہ ہو (مشکوۃ شریف ۱/۲۴۷)۔

نیز شریعت نے بھی اس کو عرف و عادت ہی پر چھوڑ دیا ہے اس کی کوئی خاص شکل متعین نہیں کی ہے، چنانچہ مسئلہ لکھا ہے کہ کسی شخص نے ایک زمین خریدی اور وہ زمین مشتری کی نگاہ سے اوجھل ہے پھر بھی قبضہ کا تحقق ہو جائے گا، اس کے برخلاف کسی نے کوئی مکان خریدا اور وہ مکان مشتری کی نگاہ سے دور ہے تو بیع صحیح ہوگی لیکن قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، علامہ ابن نجیم نے بصراحت یہ مسئلہ لکھا ہے، البحر الرائق میں عبارت اس طرح ہے: ''وفی جامع شمس الأئمة یصح القبض وإن کان العقار غائباً عنهما عند أبی حنیفة'' اور دوسری جگہ عبارت اس طرح ہے: ولو باع داراً غائبة فقال سلمتها إلیک فقال قبضتها لم یکن قبضاً الخ (البحر الرائق ۵/۳۰۸)۔

۳۔ منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کے قبضہ میں فرق ہے:

قبضہ کی حقیقت جو ابھی ذکر کی گئی اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کے قبضہ میں قدرے اشتراک ہے، کیونکہ جہاں کہیں قبضہ کے تصور وتحقق کا ذکر ہے وہاں ایسی عبارت ملتی ہے: تسلیم المبیع أن یخلی بینه وبین المبیع علی وجه یتمکن من قبضه بغیر حائل (البحر الرائق)۔

مذکورہ عبارت میں مبیع عام ہے، خواہ منقول ہو، یا غیر منقول، البتہ حدیث میں جو عبارت ملتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ منقولہ اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں، اور اس کی غایت یہ ذکر کی گئی ہے کہ مشتری اس کو ایسی جگہ منتقل کرلے جہاں بائع کا کوئی تعلق نہ ہو، روایت اس طرح ہے: عن ابن عمرؓ قال: کانوا یتبایعون الطعام فی أعلی السوق فیبیعونه فی مکانه فنهاهم رسول الله ﷺ عن بیعه فی مکانه حتی ینقلوه (مشکوۃ ۱/۲۴۷)۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ منقولہ اشیاء میں قبضہ کا تحقق اس طرح ہوگا کہ مشتری مبیع کو محل خریداری سے اپنی جگہ اور اپنے مکان کی طرف منتقل کرلے، لیکن غیر منقولہ اشیاء میں یہ ممکن ہی نہیں ہے، اسی وجہ سے صاحب ''بحر'' نے یہ نقل کیا ہے کہ منقولہ اشیاء میں تحقق قبضہ کیلئے ضروری ہوگا کہ مشتری کی طرف سے مبیع کو منتقل کرنا پایا جائے، عبارت اس طرح ہے: ''وفی المنقول بالنقل والنقل إلی مکان لا یختص بالبائع''۔

مزید وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تسلیم المبیع کی صحت کیلئے تین چیزوں کی ضرورت ہے، عبارت اس طرح ہے: ''وفی الأجناس یعتبر فی صحة التسلیم ثلاثة معان، أن یقول: خلیت بینک وبین المبیع، وأن یکون یحضره المشتری علی صفة یتأتی فیه الفعل من غیر مانع، وأن یکون مفرزا غیر مشغول بحق (البحر الرائق ۵/۳۰۸۔۳۰۹)۔

اور غیر منقولہ اشیاء میں تحقق قبضہ کیلئے تینوں باتوں کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اول کی دو باتیں یعنی تخلیہ کا قول و فعل اور مشتری کا حاضر ہونا کافی ہے، عبارت اس طرح ہے: وفی النهاية معز يا إلى الغاية أن القبض في العقار بالتخلية ، اور حضور مشتری کا اضافہ اس لئے کیا گیا کہ اگر نہ مشتری ہو اور نہ اس کا کوئی وکیل اور نہ کوئی نائب ہو تو مبیع پر قبضہ جو مشتری کا فعل ہے، کا تحقق نہیں ہوسکتا ہے، گویا تحقق قبضہ کیلئے مشتری کا اس پر قبضہ کرنا ممکن ہونا بھی ضروری ہے، چنانچہ اگر کسی جگہ ایسا ممکن نہ ہو، بایں طور کہ مشتری موجود ہو لیکن مبیع کے مشتری سے دور ہونے کی بناء پر مشتری کیلئے اس پر قبضہ کرنا ممکن نہیں ہے تو قبضہ کا تحقق نہ ہو سکے گا، علامہ ابن نجیمؒ وغیرہ بزرگان امت نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک قطعہ اراضی فروخت کیا اور اس کی طرف سے تخلیہ کا بھی تحقق ہوا مگر یہ قطعہ اراضی مشتری کے قریب نہیں ہے بلکہ دور ہے تو قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، عبارت اس طرح ہے:

"ذكر في النوادر إذا باع ضيعة وخلى بينها وبين المشتري إن كان يقرب منها يصير قابضا، وإن كان يبعد لا يصير قابضا (البحر الرائق ۳۰۸/۵، درمختار ۵۹/۴)۔

قریب و بعید کا یہ معیار قائم کیا گیا ہے کہ اگر اس مبیع پر مشتری کیلئے وہاں پر رہتے ہوئے قبضہ کرنا بلا تکلف ممکن ہو تو وہ قریب ہے، اور اگر بلا تکلف ممکن نہ ہو تو وہ بعید ہے، مثلاً کسی شخص نے ایک مکان خریدا اور بائع نے اس مکان کی تالی مشتری کے حوالہ کر دیا تو مشتری کیلئے اگر اس مکان کو کھولنا اور اس کو بند کرنا بلا تکلف ممکن ہو تو قبضہ کا تحقق ہوگا اور اگر بلا تکلف کھولنا بند کرنا ممکن نہ ہو تو قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، گرچہ امام اعظمؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اس میں قدرے اختلاف ہے، امام صاحب کی رائے یہ ہے کہ زمین پر قبضہ کے تحقق کیلئے مشتری کا زمین کے قریب ہونا ضروری نہیں، دور ہو تو بھی قبضہ کا تحقق ہو جائے گا، البتہ بائع کی طرف سے تخلیہ ہونا چاہئے، لیکن حضرت امام صاحب کا یہ قول مرجوح ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے ذکر فرمایا ہے۔

"وفي المحيط وجامع شمس الأئمة أنه بالتخلية يصح القبض، وإن كان العقار بعيدا غائبا عنهما عند أبي حنيفة خلافا لهما وهو ضعيف (ردالمحتار ۵۹/۴)۔

اور صاحب "بحر" نے بھی یہ وضاحت کی ہے کہ امام صاحب کا یہ قول ضعیف ہے، عبارت اس طرح ہے:
فقد علمت ضعف ما في المحيط وجامع شمس الأئمة الخ (البحر الرائق ۳۰۹/۵)۔

"الموسوعۃ الفقہیۃ" کے مطالعہ سے بھی سمجھ میں آتا ہے کہ منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کے قبضہ میں بڑا فرق ہے، چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے کہ ہر شئ پر قبضہ اسی کی حیثیت سے ہوتا ہے، عبارت یوں ہے: "إن قبض كل شئ بحسبه" آگے مزید تفصیل یوں ذکر کی گئی ہے کہ اگر مبیع کیلی ہو تو قبضہ بذریعہ کیل ہوگا، اور وزنی ہے تو قبضہ بذریعہ وزن ہوگا، اور اگر عددی یا ذراعی ہے تو قبضہ شمار کرکے، یا ناپ کر کے متحقق ہوگا، اور اگر اس کے علاوہ دوسری کوئی منقولہ شئ ہو تو اس پر قبضہ کا تحقق عرف جاری کے ذریعہ ہوگا، لہذا جس چیز پر قبضہ کا جو تصور اور جو طریقہ معروف و متعارف ہوگا اسی طریقہ کے مطابق قبضہ کا تحقق ہوگا، ساری چیزوں پر قبضہ کی ایک ہی شکل لازم و ضروری نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے بڑا فرق ہے۔

۴۔ حدیث نہی معلول ہے:

خرید وفروخت کی صحت کیلئے جہاں اور بہت سی شرطیں ہیں وہیں ایک شرط یہ ہے کہ اس میں کسی طرح کا دھوکہ اور مشتری کے قبضہ میں آنے سے قبل ہلاکت مبیع کا کوئی خطرہ نہ ہو، اگر اس طرح کا کہیں کسی طرح کا خطرہ پیدا ہوجائے تو خرید وفروخت ناجائز ہوجائے گی، چنانچہ علامہ ابن ہمام نے ''فتح القدیر'' میں ایک حدیث نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خرید وفروخت میں دھوکہ بازی سے منع فرمایا ہے، الفاظ اس طرح ہیں: أنـــه ﷺ نهى عن بيع الغرر (فتح القدیر ۶، مشکوۃ ۱/۲۴۷)۔

اس سے صاف طور پر یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر وہ بیع جس میں ''غرر'' کا امکان ہو وہ بیع ناجائز ہوگی، کیونکہ خرید وفروخت کے متعلق بطور خاص وجود دھوکہ ہی نہیں بلکہ امکانی دھوکہ کا سد باب بھی مقصود ہے، اسی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں رائج بیعوں میں سے جس بیع کے اندر امکانی دھوکہ کا تصور ہوا اس سے منع کردیا گیا، اور دھوکہ بازی کرنے والے شخص کے بارے میں ارشاد فرمایا: '' من غش فليس منا ،اور'' نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمخابرة والمعاومة'' وغیرہ احادیث سے صاف طور پر یہی ثابت ہوتا ہے کہ دھوکہ کا امکان جس بیع میں ہوگا وہ بیع ناجائز ہوگی، اور جو شخص دھوکہ بازی کرے گا وہ امت کا فرد ہی نہ ہوگا۔

اسی طرح بیع قبل القبض کے متعلق جو روایتیں مختلف سندوں اور متنوں کے ساتھ پائی جاتی ہیں وہ ممنوع صرف اسی بنا پر نہیں ہے کہ فروخت کی جانے والی شئی بائع کے قبضہ میں نہیں ہے، اور جہاں کہیں بھی بیع قبل القبض کا تصور ہوا سے ناجائز قرار دیدیا جائے، بلکہ بیع قبل القبض کی ممانعت اس جگہ ہوگی جہاں دھوکہ کا امکان ہو، گویا کہ ہر وہ حدیث جس میں بیع قبل القبض سے نہی آئی ہے وہ مطلقا نہیں بلکہ معلول ہے کسی علت کے ساتھ، اور اس کی علت حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ''غرر'' یعنی امکانی دھوکہ ہے، گویا ممانعت فرما کر امکانی دھوکہ کا بھی سد باب کردیا گیا۔

اور علت نہی ''غرر'' یعنی امکانی دھوکہ ہی ہے اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے، اس لئے کہ بعد استقراء وتتبع یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر وہ معاملہ جہاں امکانی دھوکہ کا تصور ہوا تو اس سے ممانعت کردی گئی اور جہاں کہیں جس معاملہ میں امکانی دھوکہ کا تصور نہیں اس معاملہ کو درست قرار دیا گیا، جیسے کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور مہر میں غلام مقرر کیا گیا، تو عورت کیلئے اس پر قبضہ شرعی کے متحقق ہونے سے قبل ہی جائز ہے کہ وہ اس میں ہر طرح کا تصرف کرسکے، چاہے اسے آزاد کردے، چاہے تو اسے بیچ دے وغیرہ، اور اس کے علاوہ اور بہت سی املاک ایسی ہیں کہ ان پر قبضہ سے قبل کلی تصرف جائز ہوتا ہے، تو اسی وجہ سے کہ وہاں امکانی دھوکہ کا تصور نہیں ہے، علامہ ابن نجیم نے عبارت اس طرح ذکر فرمائی ہیں:

''أراد بالمنقول المبيع المنقول ، فجاز غيره كالمهر وبدل الخلع''.

اوراس کے بعد ایک ضابطہ ذکر فرمایا کہ ہر وہ عوض جو کسی ایسے عقد کے ذریعہ ملکیت میں آیا ہو کہ عوض کے ہلاک ہونے کی وجہ سے عقد ہی ختم ہو جائے تو ایسے عوض میں قبضہ صحیح ہوگا، عبارت اس طرح ہے: " والأصل كما في الإيضاح أن كل عوض ملك بعقد تنفسخ بهلاكه قبل قبضه فالتصرف فيه غير جائز وما لا فجائز (البحرالرائق ۶/۱۱۷)۔

تو حاصل یہ نکلا کہ بیع قبل القبض کی نہی جس حدیث میں آئی ہے وہ مطلقاً نہیں ہے بلکہ معلول بالعلت ہے اوراس کی علت "غرر انفساخ للبیع" ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم نے عبارت اس طرح ذکر فرمائی ہے: " بخلاف المنقول والغرر المنهي غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز" (البحر الرائق ۶/۱۱۶)۔

اور صاحب ہدایہ نے بھی بعینہ یہی عبارت ذکر فرمائی ہے (۳/۵۸) علامہ ابن ہمام صاحب "فتح القدیر" نے بیع قبل القبض سے متعلق نہی کیلئے بہت سی حدیثیں مختلف سندوں سے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ بیع قبل القبض کی ممانعت پر حدیث مطلقاً حجت ہے، جیسا کہ امام محمدؒ کا مسلک ہے، لہذا حضرات شیخین کے مذہب کے اعتبار سے دلیل تخصیص کی جستجو کی ضرورت محسوس کی گئی تا کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ وارد ہونے والی یہ نہی قطعہ اراضی کے علاوہ کیلئے ہے، توانہوں نے صاحب ہدایہ کے قول کے متعلق فرمایا کہ وہی علت ہے جو صاحب ہدایہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ "قبضہ سے قبل مبیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں عقد اول کے فسخ ہو جانے کا خطرہ بیع قبل القبض کے ممانعت کی علت ہے" لہذا اگر عقد اول فسخ ہو جائے تو بائع ثانی غیر کی ملکیت کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کرنے والا ہو جائے گا جو جائز نہیں ہے، مختصر یہ کہ علامہ برہان صاحب، ہدایہ، علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر، علامہ ابن نجیم مصری صاحب البحرالرائق اور علامہ شامی صاحب، ردالمحتار وغیرہ اکابرامت کی متفقہ رائے ہے کہ حدیث نہی معلول بالعلۃ ہے اور علت " غرر انفساخ العقد الأول على اعتبار هلاک المبيع" ہے (فتح القدیر ۶/۱۳۶)۔

۵۔ بیع قبل القبض عام ہے یا خاص:

بیع قبل القبض کے متعلق ائمہ کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حکم ممنوع تمام چیزوں کو عام ہے، یا یہ حکم کسی خاص چیز کے بارے میں ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ تمام اشیاء کو شامل ہے، کسی بھی شئی کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، خواہ وہ از قبیل مطعومات ہو، یا ملبوسات اور خواہ وہ از قبیل منقولات ہو، یا غیر منقول اور تقریباً ائمہ احناف میں سے حضرت امام محمدؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم تمام اشیاء کو عام نہیں ہے، بلکہ ہر وہ شئی جو از قبیل مطعومات ہے، اس کو قبضہ سے قبل خرید و فروخت کرنا جائز نہیں، گویا ان کے نزدیک یہ حکم ممنوع اشیاء خوردنی کے ساتھ خاص ہے، اور جو اشیاء خوردنی نہیں ہے جو ملبوسات میں سے ہو، یا اور کوئی چیز اس کی خرید و فروخت قبضہ سے قبل جائز ہوگی۔

حضرات شیخین امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے یہاں قدرے تفصیل ہے، ان حضرات کی رائے یہ

ہے کہ یہ حکم ممنوع ان تمام اشیاء کو شامل ہوگا جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن ہو، اور ہر وہ شی جس کا حمل ونقل ممکن نہیں وہ اس حکم ممنوع میں داخل نہیں، یعنی غیر منقولہ اشیاء کی خرید وفروخت قبضہ سے قبل بلا کراہت جائز ہوگی، گویا حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ نے حدیث کے عموم پر عمل کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حکم تمام اشیاء کو عام ہوگا، اور وہ حدیثیں جن میں خاص چیزوں کا ذکر ہے اس کو اس حدیث میں ضم کردیا جس میں عموم پر دلالت ہورہی ہے، اس طرح دنوں حدیثوں پر عمل ہوگیا، کیونکہ جہاں کہیں دو حکم ایک طرح کے دو جگہ وارد ہوں اور ان میں سے ایک عموم پر دلالت کرتا ہو اور دوسرا خصوص پر تو دونوں حکموں میں تطبیق دینے کیلئے اسی طرح کیا جاتا ہے کہ خصوص پر دلالت کرنے والے حکم کو عموم پر دلالت کرنے والے حکم کے ساتھ ضم کردیتے ہیں، اور ایسا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی بہت ہوتا ہے جیسے فائتہ نمازوں کی قضا کے متعلق دو طرح کی روایت ملتی ہے، ایک روایت میں صرف اقامت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم ملتا ہے اور دوسری روایت میں اذان واقامت دونوں کا تذکرہ ہے تو ائمہ احناف نے اذان واقامت دونوں پر عمل فرمایا اور یہ کہا کہ وہ حدیث جس میں صرف اقامت کا تذکرہ ہے اسے اس حدیث کے ساتھ ضم کردیا جائے گا جس میں اذان واقامت دونوں کا تذکرہ ہے، اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہوجائے گا، گرچہ امام شافعیؒ اس خاص مسئلہ میں اس مذکورہ رائے سے متفق نہیں ہیں۔

مالکیہ نے ان حدیثوں کو اصل قرار دیا ہے جن میں صرف غذائی اشیاء پر قبضہ سے فروخت کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے اور وہ حدیثیں جن میں غذائی اشیاء کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ حکم ممانعت مطلق ہے اس میں مختلف تاویلیں کی ہیں، مثلاً یہ کہ وہ حدیثیں جن میں کسی چیز کا تذکرہ نہیں بلکہ حکم مطلق ہے اس سے مراد اشیاء خوردنی ہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان سب باتوں سے الگ ہوکر ائمہ احناف میں سے حضرات شیخین نے غور وفکر کرنے سے یہ نتیجہ برآمد کیا کہ مسئلہ کی اصل روح اور شریعت کا مقصد ومنشاء کیا ہے اس پر نگاہ رکھی تو ان حضرات نے فرمایا کہ جہاں بس اس طرح کی خرید وفروخت میں امکانی دھوکہ کا بھی تصور ہو وہ بیع قبل القبض ناجائز اور جہاں یہ تصور نہ ہو وہاں بیع قبل القبض کے جائز ہونے کا حکم دیا جائے گا گویا ان کے نزدیک امکانی دھوکہ کا سد باب مقصود ہے (حلال وحرام)۔

اختلاف ائمہ کی وجہ:

ائمہ کرام کے درمیان اختلاف اس لئے پیدا ہوگیا کہ بیع قبل القبض کی ممانعت کی جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہیں، چنانچہ امام بخاریؒ نے ابن عمرؓ سے جو روایت نقل فرمائی ہیں وہ اس طرح ہے: ''أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه''، اور ابن حبان اور مسند احمد میں حکیم ابن حزام سے جو روایت منقول ہے وہ اس طرح ہے ''قال قلت يا رسول الله انى رجل أبتاع هذه البيوع وأبيعها فما يحل لى منها وما يحرم قال لا تبيعن شيا حتى تقبضه'' تو حضرات شوافع نے ابن حبان والی روایت کے عموم پر نگاہ ڈالی اور جملہ اشیاء، خواہ منقولہ ہو، یا غیر منقولہ سب کی بیع کی ممانعت کا حکم دیدیا، اور مالکیہ حضرات نے

شیخین کی روایت کو اصل قرار دیا اور غذائی چیزوں کی بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم دیا (فتح القدیر ۱۳۶/۶)۔

احناف کے نزدیک یہ بات پیش نظر رہی کہ مقصود نہی "غرر" یعنی امکانی دھوکہ کا سد باب ہو، تو حکم دیا کہ جب تک کوئی شئ قبضہ میں نہ آجائے احتمال موجود ہے کہ شاید قبضہ ہی میں وہ شئ نہ آپائے، ایسی شکل میں وہ شخص اپنے عہد کو پورا نہ کر پائے گا، منقولہ اشیاء میں اس طرح کا احتمال اس وقت تک موجود ہے جب تک کہ وہ شئ قبضہ میں نہ آجائے، لیکن اشیاء غیر منقولہ میں اس طرح کا کوئی احتمال نہیں ہے کہ وہ شئ قبضہ میں آنے سے قبل ہلاک ہوجائے، یا گم ہوجائے، یا چرالی جائے، اسلئے صرف منقولہ اشیاء ہی کے فروخت کرنے کیلئے اولاً قبضہ کو ضروری قرار دیا، اور اس کے علاوہ اشیاء کیلئے یہ حکم نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی جگہ قطعہ اراضی میں اس طرح کا احتمال موجود ہو تو اس قطعہ اراضی کی بیع بھی قبضہ سے قبل ناجائز ہوگی، چنانچہ صاحب "فتح القدیر" نے بحوالہ "محبوبی" یہ جزئیہ نقل کیا، عبارت اس طرح ہے: قال بعض المشائخ أن جواب أبی حنیفة فی موضع لا یخشی علیه أن یصیر بحرا أو یغلب علیه الرمال، فأما فی موضع لا یؤمن علیه ذلک فلا یجوز کما فی المنقول ذکره المحبوبی (فتح القدیر ۶/ ۱۳۸)۔

اور اس بات کی دلیل کہ بیع قبل القبض کے متعلق وارد ہونے والی نہی میں اصل و بنیادی چیز یہ ہے کہ امکانی دھوکہ کا سد باب ہوجائے، یہ ہے کہ جہاں کہیں کسی عقد میں مبیع کے ضیاع کے باوجود عقد اول کے فسخ ہونے اور امکانی دھوکہ کا تصور نہیں وہاں منقولہ اور غیر منقولہ تمام اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے، مثلاً ثمن میں قبضہ سے قبل تصرف کرنا اور اس کی بیع کرنا بالیقین جائز ہے، اسی طرح مہر کے اندر متعین کی ہوئی شئ پر قبضہ کرنے سے قبل ہر طرح کا تصرف کرنا جائز ہے، علامہ ابن نجیم نے اس طرح عبارت ذکر فرمائی ہے:" وأراد بالمنقول بالمبیع المنقول فجاز بیع غیره کالمهر وبدل الخلع الخ (البحر الرائق ۶/ ۱۱۷)۔ اور علامہ ابن ہمام نے بھی اسی قسم کی بات لکھی ہے، گرچہ ایک سوال کے جواب میں عبارت یوں ہے: أنه خص منها أشیاء منها جواز التصرف فی الثمن قبل قبضه وکذا المهر یجوز لها بیعه الخ (فتح القدیر ۶/ ۱۳۸) اور علامہ شامیؒ نے یہ ضابطہ ہی ذکر فرمایا ہے، عبارت اس طرح ہے:" والأصل فیه أن کل عوض ملک بعقد ینفسخ بهلاکه قبل قبضه فالتصرف فیه غیر جائز وما لا فجائز عینی" (درمختار ۴/ ۲۲۵)۔

اسی طرح ہر وہ تصرفات جو عقد اول کے فسخ ہوجانے کے باوجود نافذ ہوتے ہیں وہ قبضہ سے قبل منقولہ اشیاء کے اندر بھی جائز ہوں گے، جیسے خریدے ہوئے غلام کو قبضہ سے قبل آزاد کرنا وغیرہ۔

اس لئے یقین کے ساتھ یہ کہا جائے گا کہ حدیث نہی جو وارد ہے اس کے نہ الفاظ مقصود ہیں اور نہ اس کا عموم، بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ اصل مقصد کیا ہے تو اصل مقصد یہ ہے کہ خریدار کو کسی طرح کا کوئی دھوکہ نہ ہونا چاہئے، لہذا کہیں دھوکہ کا امکان ہو اس جگہ بیع کو ناجائز اور جہاں دھوکہ کا امکان نہ ہو اس جگہ دوسرے تصرفات کی طرح بیع کو بھی

جائز قرار دیا جائے گا۔

۶۔ فیکٹری وغیرہ سے خریدا ہوا مال بیچنے کیلئے قبضہ حسی کی ضرورت نہیں ہے، موجودہ دور میں تجارت کی ایسی شکلیں وجود پذیر ہو رہی ہیں جس کا زمانہ قدیم میں تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا، اسی وجہ سے اس قسم کے معاملات کے احکام بھی فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں بصراحت مذکور نہیں ہیں، لیکن متقدمین نے ایسے اصول وضوابط ثبت فرمادئے ہیں جن کی روشنی میں پیش آمدہ جدید مسائل کا حل تلاش کرنا آسان ہوگیا ہے، چنانچہ کاروبار کی نئی شکلوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص کارخانہ سے کوئی خام، یا پختہ وتیار مال خریدتا ہے اور مال بردار گاڑیوں پر سوار کرادیتا ہے اور قبل اس کے کہ یہ خریدار اس خریدے ہوئے مال پر حساً قبضہ کرلے دوسرے کسی شخص کے معرفت فروخت کردیتا ہے اور مال فیکٹری سے براہ راست خریدار نمبر۲ کے یہاں بھیجوادیتا ہے اور درمیان راہ میں اس مال کے ہلاک ہونے کی ذمہ داری خریدار نمبر (۱) اپنے اوپر رکھتا ہے اور عام طور پر اس قسم کا کاروبار بہت ہی قابل اعتماد اور بھروسہ مند ہوتا ہے حتی کہ بعض پیشہ ور لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہنچنے کا وقت بھی مقرر ہوتا ہے اور عموماً اسی مقررہ وقت پر مال پہونچ جاتا ہے، لیکن اس سے انکار نہیں کہ خال خال مال بردار گاڑی کسی حادثہ کا بھی شکار ہوجاتی ہے، لیکن عدم حادثہ کے مقابلہ میں ایسا بہت کم ہوتا ہے جو بہرحال کسی درجہ میں غیر معتبر بھی ہوسکتے ہیں، تو اس قسم کا معاملہ شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے؟

شریعت نے خرید وفروخت کی صحت کیلئے بہت تفصیلی شرائط کا تذکرہ کیا ہے، چنانچہ فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں موجود تفصیل وشرائط اس کی شاہد عدل ہے، منجملہ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مبیع کیلئے ضروری ہے کہ وہ شئی اس بائع کی ملکیت میں ہو جو اپنے لئے بیع کررہا ہو، یہی وجہ ہے کہ وہ شئی اگر بائع کی ملکیت میں نہ ہو تو اس کا فروخت کرنا درست نہ ہوگا، دوسری شرط وہ ہے جو حدیث کی کتابوں میں بصراحت موجود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب بھی کوئی عقد بیع کا تصور ہو تو ضروری ہے کہ اس جگہ ''غرر'' یعنی دھوکہ بازی کا امکانی تصور بھی نہ ہو، شیخین نے اسی معنی میں یہ حدیث نقل فرمائی ہیں: '' نهى رسول الله ﷺ عن بيع الغرر '' اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس مبیع پر فی الحال بائع کا قبضہ بھی ہو، اس پر حدیث کے یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں: ''لاتبعه حتى تقبضه '' (مشکوۃ شریف ۱۲۰، فتح القدیر ۶/۱۳۶) اور اس کے علاوہ اور دوسری بہت سی شرطوں کا فقہاء نے تذکرہ کیا ہے (ردالمحتار ۴/۷۔۶)۔

اس سلسلہ میں خاص بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ خرید وفروخت کرتے وقت مبیع پر بائع کا قبضہ ہونا ضروری ہے، تو یہ شرط تمام اشیاء کیلئے ضروری ہے، یا خاص چیزوں کیلئے، تو حضرات فقہاء کرام کا اس میں قدرے اختلاف ہے جو اوپر تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ امام مالکؒ کے نزدیک صرف اشیاء خوردنی میں یہ شرط ہے، دیگر اشیاء میں نہیں، گرچہ شوافع کے نزدیک تمام اشیاء میں قبضہ ضروری قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے لیکن احناف کے نزدیک بھی خاص ہے، لیکن غذائی اشیاء کے ساتھ نہیں بلکہ منقولہ اشیاء کے ساتھ اس شرط کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں وارد ہونے والی ممانعت کی جو حدیث ہے اس کی علت نکالی گئی ہے۔

مذکورہ بالا صورت مسئلہ کو دیکھنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی بیع ناجائز ہوگی، کیونکہ حدیث میں وارد ہونے والی نہی کے صراحۃً خلاف ہے، نیز بظاہر شرط صحت بیع کے بھی خلاف ہے، کیونکہ منجملہ شرائط کے ایک شرط یہ ہے کہ وہ منقولہ شئ جس کو فروخت کیا جارہا ہے ضروری ہے کہ وہ بائع کے قبضہ میں ہو اور یہاں اس کے قبضہ میں حسا نہیں ہے۔

مگر بایں ہمہ میری سمجھ میں آرہا ہے کہ اس صورت بیع کو جائز قرار دیا جائے جس کی چند وجہیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) فقہاء احناف نے بیع قبل القبض کی نہی کو اس کے ظاہر پر نہیں رکھا ہے، بلکہ فرمایا کہ اس قسم کی حدیث معلول ہے چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری نے ''البحر الرائق'' میں، علامہ ابن ہمام حنفی نے ''فتح القدیر'' میں، مولانا جلال الدین کرمانی نے ''کفایہ'' میں اور علامہ برہان الدین مرغینانی نے ''ہدایہ'' میں اور ان کے علاوہ دیگر فقہاء کرام نے متفقہ طور پر یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے، اور اس کی علت مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے بیع اول کے ختم ہوجانے کا ''غرر'' ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مبیع کا بائع ثانی کی ملکیت میں آنے کا کسی طرح یقین ہو، یا نہیں، اگر کسی طرح بائع ثانی کی ملکیت میں آنے کا یقین ہوجائے تو بیع ثانی درست ہوگی، ورنہ بیع ثانی صحیح نہ ہوگی۔

اور کسی شئ مبیع کے ملکیت میں آنے کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں، ان میں سے ایک شکل یہ ہے کہ خریدار اول اس مبیع کو اپنی جائے استقرار کی طرف منتقل کرلے، جیسا کہ حدیث میں ہے " نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم " ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری اول کا اس پر حسی قبضہ ہوجائے، جیسا کہ حدیث کے ظاہر لفظ سے معلوم ہوتا ہے: "لاتبيعن شيئا حتى تقبضه " اسی طرح ایک صورت یہ ہے کہ چراگاہ میں خریدا ہوا جانور اس طرح ہو کہ اس کو خریدار اچھی طرح دیکھ رہا ہو اور اس کی طرف اشارہ حسیہ ممکن ہو اور بائع نے قبضہ کی اجازت دیدی ہو تو اس صورت میں بھی وہ جانور مشتری اول کی ملکیت میں آجائے گا، اسی طرح ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک پرندہ اس حال میں خریدا کہ وہ ایک مکان میں بند تھا اور بائع نے اس پر قبضہ کی اجازت دیدی تو وہ پرندہ مشتری کے مکان کھولتے ہی کیوں نہ اڑ جائے وہ پرندہ مشتری کی ملک میں شمار ہوگا، ''البحر الرائق'' میں اس طرح عبارت درج ہے: " ولو اشترى طيراً في بيت والباب مغلق فأمره البائع بالقبض فلم يقبض حتى هبت الريح ففتحت الباب فطار لا يصح التسليم وإن فتحه فطار صح التسليم (بحر ۵/ ۳۰۹)۔

تو اسی طرح یہ کیوں نہ ہوگا کہ خریدار کارخانہ سے مال خرید لے اور خریدار نمبر (۲) کو مال بردار گاڑی کے ذریعہ وہ مال روانہ کردے، تو میری سمجھ میں ایسا آرہا ہے کہ اس صورت میں بھی خریدار نمبر (۱) کی ملکیت ثابت ہوجائے گی، کیونکہ فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں تذکرہ جزئیات کے ذیل میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے گھر میں بند گندم خریدا اور بائع نے اس مکان کی چابھی مشتری کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ وہ گندم میں نے آپ کے حوالہ کیا تو بائع کا یہ فعل ہی مشتری کے قبضہ وملکیت کیلئے کافی ہے، عبارت اس طرح ہے: " لو اشترى حنطة في دار ودفع البائع

المفتاح إليه وقال: خليت بينک وبينها فهو قبض " میری سمجھ میں یہ آ رہا ہے کہ کچھ ایسی ہی صورت مذکورہ بالا شکل یعنی فیکٹری سے مال خرید کرنے کی شکل میں ہوتی ہے کہ بائع اول مال کو مال بردار گاڑی پر لادنے کے بعد اپنے ذمہ سے بری ہو جاتا ہے، اور صراحۃً، یا عرفاً بائع اول مشتری اول سے یہ کہتا ہے کہ مال بردار گاڑی پر لادا ہوا مال آپ کا ہے اور آپ ہی اس کے ذمہ دار و مالک ہیں ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، لہذا افروختگی گندم کی مذکورہ بالا صورت پر قیاس کرتے ہوئے اس خاص صورت میں بائع ثانی کے اس طرح ثابت شدہ قبضہ کو تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی مانع نہ ہونا چاہئے۔

اور اس طرح جب بائع ثانی کا قبضہ فیکٹری سے لئے مال پر ثابت ہو گیا تو یہ خاص صورت بیع قبل القبض کی صورت نہ رہی بلکہ بیع بعد القبض کی صورت ہو گئی جو باتفاق فقہاء کرام جائز ہے۔

(۲) دوسرے اس وجہ سے کہ تحقق قبضہ کیلئے شریعت نے کوئی خاص شکل متعین نہیں کی ہے کہ اس خاص طریقہ سے قبضہ ہو تو قبضہ شرعی کا تحقق ہوگا ورنہ قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، بلکہ قبضہ کا تحقق عرف پر مبنی ہے، عرف میں جو قبضہ کی شکل ہو سکتی ہے وہ سب صورتوں میں قبضہ شرعی شمار کیا جائے گا، جیسا کہ مالکیہ کی رائے "الموسوعۃ الفقہیہ" میں نقل کی گئی ہے، عبارت اس طرح ہے: "إن كان منقولا من عروض وأنعام فقبضته بالعرف الجاري بين الناس " تو کیا مضائقہ ہے کہ خریدے ہوئے سامان کو مال بردار گاڑی پر سوار کروا دینا ہی باعتبار عرف کے قبضہ شمار کیا جائے، اور عرف کے اثبات کیلئے یہ کافی ہے کہ اس طرح کا قبضہ اگر کلی نہ ہو تو کم از کم اکثری اور کثیر الاستعمال ہی ہو، تو میری سمجھ میں یہ آ رہا ہے کہ اس طرح کا معاملہ گرچہ کلی اور عمومی ہونے کی حیثیت حاصل نہ کر سکا ہو لیکن بین الاقوامی تجارت میں ایسا ضرور ہوتا ہے اور بہت ہوتا ہے، کیونکہ ایس، ٹی، ڈی طریقہ فون نے اس پھیلی ہوئی دنیا کو سمیٹ کر یکجا کر دیا ہے اور موجودہ دور میں کارخانہ وغیرہ سے مال کی خریداری اکثر و بیشتر اسی طرح ہو رہی ہے کہ ٹیلیفون سے خرید و فروخت ہو گئی اور قیمت کی ادائیگی ڈرافٹ کے ذریعہ اور مبیع کو وصولی مال بردار گاڑی کے ذریعہ ہو رہی ہے، اسی طرح یہ خریدار نمبر (۱) یہ چاہتا ہے کہ مال یہاں آ کر رک نہ جائے اسلئے یہ کسی دوسرے شخص سے بات چیت کرتا ہے کہ میرا فلاں قسم کا مال ٹرک وغیرہ سے آ رہا ہے اور پھر مال کی پوری تفصیل بیان کر کے دوسرے شخص کی خواہش جب معلوم ہو جاتی ہے تو اسی کے ہاتھ یہ خریدار نمبر (۱) مال فروخت کر دیتا ہے، پھر مال کو خریدار نمبر (۱) اپنے یہاں منگوانے کے بجائے فوراً کارخانہ دار سے بات چیت کرتا ہے کہ وہ مال جو میں نے آپ سے خریدا ہے وہ فلاں جگہ بھیجوا دیں، چنانچہ وہ مال خریدار نمبر (۲) کے پاس وقت موعود پر پہونچ جاتا ہے۔

اور اس زمانہ میں اس طرح کا معاملہ اکثر و بیشتر ہو رہا ہے اور جماعت تجار کے عرف میں اس قسم کی تجارت نے اپنا ایک مقام بنا لیا ہے، نفوس تجار اس سے مانوس اور طبائع سلیمہ کے نزدیک مقبول ہو گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے معاملہ نے عرف و عادت کا مقام حاصل کر لیا ہے، لہذا صورت مذکورہ میں گرچہ مشتری اول کا حسا قبضہ نہ ہوا لیکن عرفاً اس کا قبضہ ہو گیا، اور جب عرفاً مشتری اول کا قبضہ ثابت ہو گیا تو یہ خاص صورت بیع قبل القبض کی فہرست

سے خارج ہوگئی۔

اسی طرح ''الموسوعۃ الفقہیہ'' میں ایک عبارت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز کا قبضہ یکساں نہیں ہوتا ، بلکہ ہر شئ پر قبضہ اسی کی حیثیت سے ہوتا ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ عددی اشیاء پر قبضہ شئ کو شمار کرنے مکیلی وموزونی اشیاء پر قبضہ اس کے کیل اور وزن کرنے اور ذراعی اشیاء پر قبضہ گز کے ذریعہ ناپنے سے ہوتا ہے، لیکن کہیں یہ نظر نہ آیا کہ خریدی ہوئی شئ کو فروخت کرنے کیلئے اس پر حسا قبضہ ضروری ہے، لہذا مال بردار گاڑی پر لادی جانے والی شئ پر قبضہ کی یہ صورت ہوگی کہ اس کو مال بردار گاڑی پر لاد دیا جائے ، تو ایسی صورت میں قبضہ کے تحقق کو ماننے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا ہے۔

اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ یہ صورت بیع قبل القبض کی ہے جس سے شریعت میں منع کیا گیا ہے تو عرض یہ ہے کہ فقہاء متقدمین نے لکھا ہے کہ بیع قبل القبض کے ممانعت والی حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے، بلکہ ایک علت کے ذریعہ خاص کر لی گئی ہے اور وہ علت '' غرر انفساخ البیع الأول '' ہے تو جہاں یہ علت پائی جائے گی وہاں بیع قبل القبض ممنوع اور جہاں یہ علت معدوم ہو وہاں بیع قبل القبض جائز ہوگی ، اس کی مثال میں سابقہ زمانہ میں منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کو پیش کیا جاتا ہے، لیکن موجودہ دور میں ابلاغ وارسال کے ایسے تیز رفتار ذرائع وجود میں آچکے ہیں کہ جس کے ذریعہ اشیاء کی منتقلی صد فیصد نہیں تو کم از کم اسی فیصد ایسی ضرور ہوگئی ہے کہ جہاں ہلاکت مبیع کا خطرہ بھی نہیں گذرتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ علت نہی کے معدوم ، یا نادر ہونے کے باوجود عدم جواز بیع کا حکم دیا جائے ، اگر یہی بات ہے تو پھر متقدمین فقہاء کرام نے علت کے معدوم ہونے کی صورت میں قطعہ اراضی کی بیع قبل القبض کی اجازت کیوں دی ہے؟ فقہاء کرام کا اراضی کی بیع قبل القبض کو جائز قرار دینا صرف علت کے معدوم ہونے کی وجہ سے ہے تو اسی طرح اس صورت میں علت معدوم ، یا نادر ہے تو عدم جواز بیع کا حکم نہیں بلکہ جواز بیع کا حکم دیا جائے گا۔

مختلف ممالک ، مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں میں کبھی ایسی چیزیں رائج ہوجاتی ہیں جن میں عقل صحیح اور طبع سلیم پسند کرتی ہے اور وہ روح شریعت کے مخالف نہیں ہوتیں ، جیسے عربوں میں مہمان نوازی کا رواج وغیرہ ، دوسری اچھی باتیں تو ایسی باتوں کو عرف ومعروف کہا جاتا ہے اور اگر وہ روح شریعت کے مخالف ہوں تو اسے منکر کہا جاتا ہے۔

تمام اقوام عالم کو اس بات کا کلی اعتراف ہے اور کسی کو انکار کی کوئی گنجائش نہیں اس بات سے کہ موجودہ دور ترقی میں جہاں تمام شعبہائے زندگی میں خاصی ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے اسی طرح تجارتی لائن میں بھی خاصی ترقی ہو رہی ہے اور نت نئے طریقے ہمیشہ سامنے آ رہے ہیں ، اور ادھر مواصلاتی نظام برقی نے اور بھی نئی نئی شکل تجارت کو جنم دیا ہے اور دے رہی ہے، اسی ترقی یافتہ صورت حال میں سے ایک طریقہ یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا ، تو دیکھنا یہ ہے کہ اس قسم کا رواج تجارت روح شریعت کے خلاف ہے، یا نہیں ، اگر روح شریعت کے خلاف نہیں تو جائز اور روح شریعت کے خلاف ہے تو ناجائز قرار دیا جائے۔

بیع قبل القبض کی ممانعت میں روح شریعت امکانی دھوکہ کا سد باب ہے، لہذا جہاں کہیں امکانی دھوکہ ہو بیع قبل القبض ناجائز اور جہاں امکانی دھوکہ نہیں وہاں بیع جائز ہوگی۔

تو عرض یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں اکثر وبیشتر ایسا ہوتا ہے کہ امکانی دھوکہ کا تصور نہیں ہوتا بلکہ معاملات ٹھیک اور صحیح طریقہ سے وعدہ کے مطابق جائے وعدہ پر پہونچ کر، یا پہونچا کر ہورہے ہیں، ساتھ ہی اس قسم کے معاملات میں دھوکہ بازی نادر اور سہولتیں زیادہ حاصل ہورہی ہیں، جس کی وجہ سے اس قسم کے معاملہ بیع نے مقبول عام ہونے کا درجہ حاصل کرلیا ہے، اس لئے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس قسم کے معاملات جائز ہوں گے۔

۷۔ ''تجارت بذریعہ شپنگ'' اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی مال کسی فیکٹری سے خریدا اور بائع نے مشتری کے حکم کے مطابق مال کو بذریعہ جہاز مشتری کے پاس بھیجنے کا اہتمام کیا، ساتھ ہی بائع نے یہ طے کیا کہ مال کو جہاز پر سوار کرادینے کے بعد میں اس کی ذمہ داری سے بری ہوں، اگر یہ مال ہلاک ہوجائے تو آپ جانیں، ہم پر اس کا کوئی ضمان نہ ہوگا، اور مشتری نے اسے تسلیم کرلیا، پھر اس مشتری نے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کردیا جب کہ مال درمیان سفر ہے، اور یہ طے کیا کہ مال یہاں پہونچنے کے بعد یا راہ ہی سے مشتری ثانی کے یہاں بھیجوادیتا ہے، اور اس نے بھی یہی طے کیا کہ جب بات طے ہوگئی اور مال آپ کے یہاں جانے کی حالت میں ہوگیا تو اب میں اس کی جملہ ذمہ داریوں سے بری ہوں۔

مذکورہ صورت مسئلہ سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

مال کو جہاز وغیرہ پر سوار کرنے کے بعد اپنی ذمہ داری سے بری ہونا طے کرتا ہے، مال جہاز وغیرہ پر سوار ہوتے ہی مشتری کی ذمہ داری میں آجاتا ہے، پھر وہ مشتری مال کو دیکھے بغیر کسی تیسرے شخص کے معرفت فروحت کردیتا ہے، دراں حالیکہ وہ مال درمیان سفر ہے، اور صاحب مال یہ طے کرتا ہے کہ مال دوران سفر ہونے کے باوجود آپ کا ہوگیا اور میں اس کی ذمہ داری سے بری ہوں، اگر کسی طرح کا نقصان ہوا تو وہ آپ کا ہوگا میں اس کا ضامن نہیں ہوں۔

پہلی بات یہ کہ بیع جائز ہے اس لئے کہ کسی مال کو خریدنے کیلئے دیکھنا ضروری نہیں اور بغیر دیکھے ہوئے مال کو فروخت کرنے کیلئے بھی دیکھنا ضروری نہیں، ''فتاویٰ ہندیہ'' میں عبارت اس طرح: '' شراء ما لم یره جائز ''اور دوسری عبارت اس طرح ہے: '' ولو با ع شیئا لم تره بأن ورث شیئا لم تره حتی باعه جاز البیع (ہندیۃ ۳/۵۷۔۵۸)۔

وہ جہاز یا مال بردار گاڑی مشتری اول کا ذاتی ہے، یا اس نے اجارہ پر لے کر مال لانے کیلئے بھیجا ہے، یا مشتری نے بائع کو حکم دیا کہ اجرت پر کسی گاڑی کو لے کر مال بھیجدیں اور بائع مال اس طرح کی گاڑی پر لاددیتا ہے، تو ان تمام صورتوں میں مشتری اول کا قبضہ ہوجائے گا اور جب مال مشتری اول کے قبضہ میں آگیا تو اس کیلئے اس میں ہر طرح کا تصرف کرنا بھی جائز ہوجائے گا، لہذا وہ مشتری اول اس کو فروخت کرنے کا بھی مستحق ہوگا۔

یہاں یہ شبہ نہ ہوگا کہ مشتری نے ایسی شئ سے نفع اٹھایا ہے جو اس کے ضمان میں نہیں آتا ہے، کیونکہ معاملہ

ہی اس طرح طے ہوا تھا کہ مال کے آپ خود ضامن ہوں گے، گویا یہ مال مشتری اول کی ضمانت میں بھی آچکا ہے، اس طرح '' ربح مالم یضمن '' کی بھی صورت نہ ہوئی۔

اول کی دو صورتوں میں جبکہ مال بردار گاڑی مشتری کی ہے، یا اس نے کرایہ پر لے کر بھیجا ہے، مشتری کا قبضہ تو ہو ہی جائے گا تیسری صورت میں جبکہ بائع اول نے خود بھیجنے کا اہتمام کیا ہے اس صورت میں بھی مشتری اول کا قبضہ ہو جائے گا، کیونکہ اجیر کا قبضہ مشتری کا قبضہ تصور کیا جاتا ہے، چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں یہ جزئیہ لکھا ہے، کہ اگر کسی نے کوئی مال خریدا اور بائع کو یہ حکم دیا کہ مال کرایہ پر گاڑی لے کر ہمارے یہاں بھیج دیں تو یہ قبضہ مشتری کا ہوگا، اور ہلاک ہونے کی صورت میں بائع اس کا ضامن نہیں ہوگا، عبارت اس طرح ہے، إلا أن يقول: استأجر على من يحمله فقبض الأجير يكون قبض المشترى إن صدقه (ہندیہ ۱۹/۳)۔

ہاں اگر مشتری نے مطلقاً بھجوانے کو کہا اور اجیر کا کوئی تذکرہ نہ کیا تو اس صورت میں اجیر کا قبضہ مشتری کا قبضہ نہ ہوگا (ہندیہ ۹۱/۳) لہذا وہ صورت کہ جس میں اجیر کا قبضہ مشتری کا قبضہ تصور کیا جاتا ہے، اگر مشتری اول کسی دوسرے شخص کے معرفت فروخت کر دیتا ہے تو گرچہ یہ مال دوران سفر ہے بیع جائز ہوگی، اسلئے یہ شئی مشتری اول کے قبضہ میں آگئی ہے جو اس جگہ ضروری تھا، البتہ اس نے نہ دیکھا تو اس سے کوئی فرق پیدا نہ ہوگا، کیوں کہ بے دیکھی ہوئی شئی فروخت کرنا جائز ہے (ہندیہ ۵۸/۳)۔

لیکن وہ صورت کہ جس میں وہ شئی مشتری اول کے قبضہ میں نہ آئی ہے تو اس کا بیچنا درست نہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب۔



قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مفتی عبدالرحیم قاسمی، بھوپال

۱۔ شرع میں قبل القبض بیع فاسد ہے۔ يحتمل البطلان والفساد والظاهر الثاني لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركني البيع (شامی ۱۶۳/۴)۔

۲۔ شریعت نے قبضہ کی حقیقت کو کسی خاص کیفیت کے ساتھ متعین نہیں کیا ہے، بائع کی جانب سے سپردگی تسلیط اور تخلیہ اور مشتری کا تسلط واستیلاء، قدرت وغلبہ جس طرح بھی ہو فقہاء نے اپنے اپنے زمانہ کے عرف وعادت کے مطابق اس کی مختلف صورتوں پر قبضہ کے احکام مرتب کئے ہیں، دار مبیعہ کے تالے کی چابی سپرد کرنے کو گھر کی سپردگی کے مترادف قرار دیا ہے "دفع المفتاح في بيع الدار تسليم إذا تهيأ له بلا كلفة" تخلیہ کو بھی بعض شرائط کے ساتھ قبضہ کے قائم مقام مانا ہے، البائع إذا خلى بين المبيع و بين المشتري بحيث يتمكن المشتري من قبضه يصير المشتري قابضا للمبيع حتى لو هلك قبل أن يقبضه حقيقة يهلك عليه (خانية على هامش الهندية ۲۵۶/۲)۔

۳۔ منقولات میں ظاہری تسلط کی زیادہ اہمیت ہے فقہاء نے مکیلات میں کیل کو، موزونات میں وزن کو، معدودات میں عدد کو، قبضہ کا تتمہ بتلایا ہے، نیز عقد کے وقت مرعی میں موجود جانور کی تعیین پر قبضہ کا حکم لگا کر اس میں توسع ظاہر فرمایا ہے۔ والصحيح أن البقرة إن كانت بقر بهما بحيث يتمكن المشتري من قبضها لو أراد فهو قابض لها (فتاوی ہندیہ ۱۸/۳)۔

۴۔ عقار پر ظاہری قبضہ سے پہلے مشتری کے بیع اور ہبہ جیسے تصرفات کو صحیح قرار دینے اور اس کی طرف سے موہوب لہ، یا مشتری ثانی کے قبضے کو کافی سمجھے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء غیر منقولہ میں حکمی قبضہ پر اکتفا کیا جاسکتا ہے، صح بيع عقار، إلى قوله" لحصول القبض بقبض الموهوب له" (شامی ۱۶۲/۴)۔

عقار عاقدین کی نظروں سے غائب اور دور ہونے کے باوجود تخلیہ اور اس تک پہنچنے کے لئے مناسب وقت گذر جانے کو بھی قبضہ تصور کیا گیا ہے۔ أنه بالتخلية يصح القبض وإن كان العقار بعيدا غائبا عنهما عند ابي حنيفة خلافا لهما... إلى قوله "انه متى مضى مدة يتمكن من الذهاب إليها والدخول فيها كان قابضا" (ردالمحتار ۴۳/۴)۔

اگر چہ یہ ظاہر الروایۃ نہیں لیکن مذکورہ عبارت سے کم از کم یہ تو واضح ہوتا ہے کہ اشیاء منقولہ کے مقابلہ میں عقار پر قبضہ کی نوعیت میں وسعت اختیار کی گئی ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے نہی کی احادیث معلول بالعلۃ ہیں اور معقود علیہ ضائع ہوکر عقد فسخ ہوجانے کا غرر علت ہے۔ والغرر المنهي عنه غرر إنفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل

الجواز (ہدایۃ (۵۸/۳)۔

۵۔ مشتری کا قبل القبض عقار کو بیچنا شیخین کے نزدیک استحساناً جائز ہے، اور امام محمد وزفر وشافعیؒ کے نزدیک قیاساً ناجائز ہے، مانعین نے روایت نہی کے عموم سے استدلال کیا ہے، شیخین کے مستدلات قرآن پاک میں بیع کے عمومی احکام ہیں اور قرآن کے عمومی حکم کی تخصیص خبر واحد سے ہمارے یہاں درست نہیں، باسلوب دیگر یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ دلائل کو تناقض سے بچانے اور تطبیق کیلئے ہم نہی کی روایت کو منقول پر محمول کرتے ہیں اور بیع اہل سے محل پر صادر ہو تو اس کا صحیح ہونا اصل ہے، معقود علیہ کے ضائع ہونے سے عقد فسخ ہوجانے کی بناء پر غرر لاحق ہوجانے کے خطرہ کی وجہ سے ممانعت عارضی تھی اور عقار کے ضائع ہونے کا وہم بھی نہیں ہوسکتا، لہذا اس کا حکم اصل پر برقرار رہے گا۔ (خلاصہ بدائع الصنائع ۱۸۱/۵)۔

بالفاظ دیگر یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے، امام مالکؒ طعام کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کو مخصوص مذکور تک ہی محدود رکھتے ہیں حالانکہ خود راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ ''واحسب کل شیء مثلہ'' فرماتے ہیں اور حضرت امام اعظمؒ حدیث نبی ''عن بیع مالم یقبض'' سے استدلال فرماتے ہیں، حضرت غیاث ابن اسدؓ کو مکہ کا قاضی بنا کر روانہ کرتے وقت حضور ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی تھی کہ لوگوں کو قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے منع کردیں۔

امام شافعیؒ اس ممانعت میں منقولات وعقار وغیرہ سب کو شامل فرماتے ہیں، امام اعظم کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے اور قبل القبض منقول کی ملکیت میں غرر ہے، کیونکہ اس کے ضائع ہوجانے کی بناء پر بیع میں نقض ہوسکتا ہے اور مشتری کی ملکیت باطل ہوسکتی ہے، اس کے قبضہ سے یہ غرر منتفی ہوجائے گا، اب استحقاق کے ظہور سے صرف معنوی غرر کا اندیشہ باقی رہا جس سے احتراز ناممکن ہے، لیکن عقار قبل القبض کی ملکیت میں اس کے ضائع ہونے اور بیع فسخ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، صرف استحقاق کی حیثیت سے غرر متصور ہوسکتا ہے جس سے احتراز ممکن نہیں، نیز اجماع نے ثمن وصداق میں تصرف کے جواز کو عام حدیث میں سے خاص کردیا ہے، تو اس قسم کے عام کو قیاس کے ذریعہ بھی مخصوص کرنے کی گنجائش ہے، لہذا قبل القبض حق شفعہ ثابت ہونے کی بناء پر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کو منقول پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ (خلاصہ مبسوط سرخسی ۸۔۹۔۱۰۔۱۳)۔

۶۔۷۔ فیکٹری سے خریدا ہوا مال ہو، یا شپنگ کا جہاز پر چڑھایا ہوا مال جو راستے میں ہو مشتری اول قبضہ سے پہلے اس کو فروخت کردے تو ''بیع الکالی بالکالی'' میں شامل ہونے کی بناء پر اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز معلوم ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا احمد دیولوی
دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ، گجرات

ا۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف:

احناف: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اشیاء منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں اور غیر منقولہ جائداد وغیرہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے۔

شوافع: استقرار (قبضہ) سے پہلے بیع درست نہیں، خواہ اشیاء منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، امام محمد کا بھی یہی مسلک ہے۔

مالکیہ: صرف طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں اس کے علاوہ میں جائز ہے۔

حنابلہ: مکیلی وموزونی اور معدودی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہیں، اس کے علاوہ میں جائز ہے۔ مولانا ظفر احمد تھانویؒ شرح مہذب کے حوالے سے اختلاف ائمہ ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قد ذکرنا أن مذهبنا بطلانه مطلقا سواء کان طعاما أو غیره وبه قال ابن عباس وثبت ذلک عنه ومحمد بن الحسن.

قال ابن المنذر: أجمع العلماء علی أن من اشتری طعاماً فلیس له بیعه حتی أن یقبضه قال اختلفوا فی غیر الطعام علی أربعة مذاهب:

أحدها: لا یجوز بیع شیئ قبل قبضه سواء جمیع المبیعات کما فی الطعام قاله الشافعی ومحمد بن الحسن.

والثانی: یجوز بیع کل مبیع قبل قبضه إلا المکیل والموزون قاله عثمان بن عفان وسعید بن المسیب والحسن والحکم وحماد والأوزاعی وأحمد وإسحاق.

والثالث: لایجوز بیع مبیع قبل قبضه إلا الدور والأرض قاله أبو حنیفةؒ وأبو یوسفؒ.

والرابع: یجوز بیع کل مبیع قبل قبضه إلا المأکول والمشروب قاله مالک وأبو ثور [illegible] ۲۲۷، الفقه علی مذاهب الأربعة ۲/۲۳۳ تا ۲۳۶)۔

[illegible] بیع باطل ہے جیسے کہ امام نوویؒ کی عبارت "قد ذکرنا أن مذهبنا بطلانه مطلقاً" [illegible] ہے۔ الفقہ علی المذاہب الأربعۃ میں بھی باطل کا ہی لفظ ہے: **فإذا اشتری شیئا منقولا**

كان أوغيره ولم يسلمه ثم باعه وقع البيع باطلاً (۲۳۴/۲)۔

احناف نے اسے بیع فاسد میں سے شمار کیا ہے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت:

فقہائے احناف کے نزدیک قبضہ کا مفہوم وسیع ہے۔ عندالاحناف قبضہ کا حاصل صرف تخلیہ ہے، اور تخلیہ کا حاصل ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان باعتبار حقیقت یا باعتبار عرف وعادت کے ایسا کوئی مانع اور حائل نہ ہو جو عرفی قبضہ اور تصرف کرنے سے مانع ہو بلکہ مبیع اس حال میں ہو کہ مشتری اگر اس میں تصرف کرنا چاہے تو آزادی کے ساتھ تصرف کر سکے گو مبیع ابھی بائع کے پاس موجود ہو۔

وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشترى قابضاً (بدائع ۲۴۴/۵)۔

دوسری جگہ ہے: لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً و عادةً حقيقة (بدائع ۱۴۸/۵)۔

ولهذا كانت التخلية تسليما وقبضا فيما لامثل له (بدائع ۲۴۴/۵)۔

ایک شئی کے بائع کے پاس ہونے کے باوجود مشتری کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے جبکہ معاملہ ہو چکا ہو۔ بدائع میں ایک مسئلہ ہے: ولو اشترى من إنسان كرّاً بعينه و دفع غرائره وأمره بأن يوكل فيها ففعل فصار قابضاً سواء كان المشترى حاضراً أو غائباً لأن المعقود عليه معين وقدملكه المشترى بنفس العقد فصح أمر المشترى لأنه يتناول عينا هو ملكه فصح أمره وصار البائع وكيلاً له وصارت يده يد المشترى وكذلك الطحن إذا طحنه البائع بأمر المشترى صار قابضاً (بدائع ۲۴۷/۵)۔

بحرالرائق میں ہے: وذكر في الذخيرة إذا اشترى ما هو أمانة في يده من وديعة أوعارية فإنه لايكون قابضا إلا إذا ذهب المودع أو المستعير إلى العين وانتهى إلى مكان يتمكن من قبضها فيصير الآن قابضاً بالتخلية۔

(البحرالرائق ۸۷/۶، ردالمحتار ۱۱۲/۴)۔

شوافع کے یہاں قبضہ کی تفسیر بیع کو منتقل کر کے اپنے مقام تک پہونچانے کی ہے۔

وقال الشافعيؒ القبض في الدار والعقار والشجر بالتخلية و أما في الدراهم والدنانير فتناولها بالبراجم وفي الثياب بالنقل (بدائع ۱۴۸/۵)۔

مولانا ظفر احمد تھانویؒ فرماتے ہیں: قال الموفق في "المغني" وقبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا قبضه بكيله ووزنه وبهذا قال الشافعيؒ وقال أبو حنيفة التخلية في ذلك قبض وقد

روی أبو الخطاب عن أحمد رواية أخری إن القبض فی کل شیٔ بالتخلية مع التمييز لأنه خلی بينه وبين المبيع من غير حائل فکان قبضاً له(اعلاء ۱۴/۱۵۴)۔

۳۔منقول اور غیر منقول اشیاء میں فرق:

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں، البتہ غیر منقولی اشیاء کی بیع جائز ہے۔امام محمدؒ کے نزدیک دونوں کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے،شیخین کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جائداد وغیرہ میں ہلاکت شاذ و نادر ہوتی ہے،اس کے برخلاف منقولی اشیاء میں ہلاکت کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔

ہدایہ میں ہے: ولاغرر فيه لأن الهلاک فی العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنهی عنه غرر انفساخ العقد ۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر منقول اشیاء میں قبل القبض جواز کی علت ہلاکت کے خطرہ کا کم ہونا اور عقد کو فسخ کرنے والے عذر کا نہ ہونا ہے۔

ماقبل میں قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے واضح کیا گیا کہ عندالاحناف قبضہ کی تعریف میں بہت وسعت ہے،لہذا بظاہر دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے،البتہ منقول اشیاء کے قبضہ میں ہلاکت کا خطرہ اور فسخ کی شکل کا امکان ہے،لہذا اسمیں اس پہلو کا لحاظ کرتے ہوئے قبضہ کی تعیین کی جائے گی جبکہ غیر منقولی اشیاء میں وسعت کا پہلو زیادہ ہوگا۔ان اسباب مذکورہ کے نہ ہونے کی وجہ سے علامہ ابن ہمامؒ غیر منقولی اشیاء کو بھی منقولی کی طرح (ہلاکت کے خطرہ کی شکل میں) قبل القبض فروخت کرنے سے منع فرمایا۔ وهذا لأنه لايتصور هلاکه إلا إذا صار بحرا ونحوه حتی قال بعض المشائخ إن جواب أبی حنيفة فی موضع لا يخشی عليه أن يصير بحراً لويغلب عليه الرمال فأما فی موضع لايؤمن عليه ذلک فلا يجوز کما فی المنقول ذکره المحبوبی وفی الاختيار حتی لو کان علی شط البحر أو کان المبيع علوًا لا يجوز بيعه قبل القبض.

لہذا منقول اور غیر منقول اشیاء میں تنوع اور کیفیات کے بدلنے سے حکم میں تبدیلی آسکتی ہے اگرچہ عام حالات میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

۴۔ احادیث کا معلول بالعلۃ ہونا:

صاحب ہدایہ نے بیع العقار میں شیخین کے دلائل ذکر کرتے ہوئے امام محمد کے جواب میں فرمایا کہ حدیث معلول بالعلۃ ہے۔ والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز.

علامہ ابن ہمامؒ نے اسکی علت میں فرمایا: (معلول به) أی بغرر الانفساخ والدليل عليه أن التصرف الذی لا يمتنع بالغرر نافذ فی المبيع قبل القبض وهو العتق والتزوج عليه (فتح القدیر ۶/۵۱۴)۔

صاحب عنایہ نے وضاحت کے ساتھ علت (غرر) کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب زمین

وغیرہ میں ہلاکت نادر ہے تو عقد کے فسخ ہونے کا غرر جس سے روکا گیا وہ منتفی ہو جائیگا ،اور حدیث شریف معلول بانفساخ ہے لہذا جائیداد اسمیں داخل ہوگی اور اسکی بیع قبل القبض جائز ہوگی، کتاب وسنت واجماع کی دلیل جواز پر عمل کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں: **وإذا كان الحديث معلولاً بغرر الانفساخ لا يحتمل تناول ماليس فيه ذلک** (عنایہ مع الفتح ۶/۵۱۴)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت:

اس سلسلہ میں احادیث مبارکہ کے الفاظ مختلف ہیں، اور فقہاء کرام نے اسمیں تخصیص کر کے بہت سی اشیاء کو حکم سے خارج کیا ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں نقل مذاہب کے سلسلہ میں گذر چکا۔

امام مالکؒ صرف غلہ میں ناجائز اور بقیہ تمام چیزوں میں جائز قرار دیتے ہیں: **كل ما اشتريت من العروض كلها الحيوان والعقار والثياب وغير ذلک ماخلا المبيع من الطعام على الكيل فلا بأس عند مالک أن تبيع ذلک كله قبل أن تقبضه.**

مگر اس میں عجلت کرنی چاہئے تاخیر نہ کرے۔ **إذا تعجلت ذلک ولم تؤخره** (کتاب الکافی ۲/۲۴)۔

امام مالک کی دلیل حضرت ابن عمر کی وہ حدیث ہے جو اپنی کتاب مؤطا میں بیان کی ہے: آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی اناج خریدا تو وہ اسے فروخت نہ کرے جب تک وہ اس پر پوری طرح قابض نہ ہو جائے۔ **عن عبد الله بن عمرؓ أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه** (مؤطا إمام مالکؒ کتاب البیوع ۲۶۴)۔

عن حكيم بن حزام قال قلت يا رسول الله إني رجل مبتاع هذه البيوع وأبيعها فما يحل لي منها ومايحرم قال لا تبيعن شيئا حتى تقبضه (فتح القدير ۲/۵۱۱، اعلاء السنن ۱۴/۲۲۳)۔

اس میں تمام چیزوں کی بیع قبل القبض ناجائز وحرام فرمایا، نیز حضرت ابن عباسؓ کا اجتہادی قول بھی یہی ہے کہ غیر طعام کو بھی طعام کی طرح قبل القبض بیچنا جائز نہیں ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں: **قلنا قد رواه ابن عباس أيضا قال: وأحسب كل شئ مثل الطعام أخرجه عنه أئمة الكتب الستة** (فتح القدير ۶/۵۱۱)۔ امام اعظمؒ اور ابو یوسفؒ منقولی اشیاء کو نہی عن بیع مالم یقبض کی وجہ سے ناجائز فرماتے ہیں اور غیر منقولی کو علت عدم غرر کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں۔

امام صاحب کی دلیل حضرت عثمان بن عفانؓ کی روایت ہے جسمیں مذکور ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی کوفہ کی زمین بغیر دیکھے فروخت کی، یہ دلیل ہے کہ آپ نے قبل القبض بیچی کیونکہ قبضہ رؤیت کو مستلزم ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عثمانؓ نے وکیل کے واسطے سے قبضہ کیا ہو؟ تو ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ وکیل کی رؤیت بھی مؤکل کی ہی رؤیت ہے اور جبکہ روایت میں خود اس

احتمال کودور کرنے والا لفظ ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا: **بعتک ما لم أره فبطل احتمال رؤیته بواسطة الوکیل وقبضه بقبضه** ۔ حضرت عثمانؓ کی روایت امام نووی شرح مہذب میں مسلم شریف کے حوالے سے نقل کر کے اس میں ایک راوی کے مجہول اور مختلف الاحتجاج ہونے کو ذکر کیا ہے۔ مولانا ظفر احمد صاحب اسکے جواب میں فرماتے ہیں: **قلت و مسلم لایروی عن مجهول ولا لمجهول فالحدیث حسن حجة** (اعلاء ۲۲۹/۱۴)۔

اسی طرح کی روایت ابوداؤد میں بھی حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، جس میں **نهی عن بیع مالم یقبض** کے الفاظ ہیں.....(نصب الرایہ ۳۲۱۹/۴) شوافع کی مستدل روایت حدیث حکیم بن حزم پر محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن ابن ہمام نے رجال پر گفتگو کرتے ہوئے حدیث بالا کو حجت قرار دیا ہے، **والحق أن الحدیث حجة والذی قبله کذلک.**

پھر اس کی تخصیص کی دلیل کو ذکر کیا ہے: **والحاجة بعد ذلک إلی دلیل التخصیص بغیر العقار لأبی حنیفة بذکر هناک والأحادیث کثیرة فی هذا المعنی** (فتح القدیر ۵۱۲/۲)۔

۶۔ قبضہ ضمان:

فقہائے کرام نے قبضہ کی جو تشریح کی ہے اور اس سلسلہ میں بہت سے جزئیات ذکر فرمائے ہیں ان سے بخوبی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبضہ حسی کا ہونا ضروری نہیں ہے (شامی ۴۷/۴۔۴۸)۔

قبضہ کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے فقہاء کرام نے اسکی مختلف قسمیں بیان فرمائی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ قبضۂ امانت، ۲۔ قبضہ ضمان۔

پھر قبضہ ضمان کی دو قسمیں ہیں: ضمان بنفسہ، ضمان بغیرہ۔ اور ہر ایک کا حکم بھی جداگانہ ہے۔

(۱) مشتری کو اگر مبیع پر پہلے سے قبضہ حاصل ہے اور وہ قبضہ ضمان بنفسہ کا ہے، مثلاً غاصب کا قبضہ شئی مغصوب پر۔ اس کا حکم یہ ہے کہ مبیع موجود ہو یا نہیں بہرحال سابق قبضہ جدید قبضہ کے لئے کافی ہوگا اور تجدید قبضہ کی ضرورت نہ ہوگی، کیونکہ غاصب کا قبضہ ضمان بنفسہ ہے، اور مغصوب شئی بہرصورت مضمون بنفسہ ہے۔

(۲) اگر مبیع پر مشتری کا قبضہ ضمان لغیرہ کا ہے، مثلاً شئی مرہون پر راہن کا قبضہ تو رہن امانت ہوتا ہے، البتہ مضمون بالغیر (قرض کی وجہ سے) ہوتا ہے گویا یہ مضمون بنفسہ نہیں بلکہ بالغیر ہے۔ اسکا حکم یہ ہے کہ اگر شئی مرہون موجود ہو تب تو یہ قبضہ جدید قبضہ کی طرف سے کافی ہوگا ورنہ نہیں۔

(۳) اگر مبیع پر مشتری کا قبضہ قبضۂ امانت ہو مثلاً عاریت، ودیعت، وکالت، اجارہ کا قبضہ، کہ یہ سارے قبضے قبضۂ امانت کہلاتے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ یہ امانت والے قبضے ضمان والے قبضے (بیع کے لئے) کافی نہ ہوں گے، بلکہ تجدید قبضہ شرط ہے (بدائع الصنائع ۲۴۸/، شامی ۴۷/۴۔۴۸)۔

ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اگر بائع نے حسی قبضہ نہ کیا ہو لیکن ضامن ہوگیا تو اسکو قبضۂ ضمان کے

درجہ میں شمار کر کے خرید وفروخت جائز قرار دیا جائے گا۔

۷۔ صورت مسئولہ میں جب مشتری کا کسی قسم کا قبضہ پایا نہیں جاتا اس سے پہلے ہی بائع اپنے ضمان سے بری ہو جاتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے، لہذا بائع کے لئے ایسا سودا کرنا جائز نہیں ہے، اور جب مشتری اسکا مالک نہیں ہوتا تو بیع معدوم مالیس عندک اور مالم یقبض کے درجہ میں رکھتے ہوئے اسکے لئے بھی تیسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

شامی میں ہے: **اشترى بقرة مريضة وخلاها في منزل البائع قائلا إن هلكت فمني وماتت فمن البائع لعدم القبض وكذا لو قال للبائع سقها إلى منزلك فاذهب فاستلمها فهلكت حال سوق البائع فإن ادعى البائع التسليم فالقول للمشتري** ۔اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے: **اشترى وعاء لبن خائر في السوق فأمر البائع بنقله إلى منزله فسقط في الطريق فعلى البائع إن لم يقبضه المشتري** (۴۸/۴) ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اصل بائع کا ذمہ مشتری کے قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، اور ہلاکت کی نسبت بائع کی طرف ہوتی ہے نہ کہ مشتری کی طرف، اور تیسرا خریدار کیسے ضامن ہو سکتا ہے جبکہ بائع اور مشتری کے درمیان ہی بیع صحیح نہ ہوئی، لہذا اس قسم کی خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہوگی۔



قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مئو

۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض ناجائز ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: عن حکیم بن حزام قال نهانی رسول الله ﷺ أن أبیع ما لیس عندی ، رواه الترمذی ، وفی روایة له ولأبی داؤد و النسائی قال، قلت : یا رسول الله یأتینی الرجل فیرید منی البیع و لیس عندی فأبتاع له من السوق ، قال : لا تبع ما لیس عندک (مشکوۃ علی المرقاۃ ۳/۳۲۳)۔

مطلب یہ ہے کہ جو چیز خرید وفروخت کے وقت اپنی ملکیت میں نہ ہو اور قبضہ میں نہ ہو اس کا بیچنا جائز نہیں، اب اس کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ وہ چیز نہ تو اپنی ملکیت میں ہو اور نہ تو قبضہ میں ہو، اس صورت میں اس کی بیع صحیح ہی نہ ہوگی بلکہ باطل ہوگی، دوم یہ کہ وہ اپنی ملکیت میں نہیں ہے، ایک دوسرا شخص اس کا مالک ہے، لیکن ہے وہ اپنے ہی پاس، اس صورت میں بھی مالک کی اجازت کے بغیر اس کی بیع درست نہیں ہے۔

پہلی صورت کے حکم میں اس چیز کی بیع داخل ہے جس پر قبضہ حاصل نہ ہوا ہو، یعنی قبضہ سے پہلے بیع ہو رہی ہو، یا وہ چیز گم ہوگئی ہو، یا بھاگ گئی ہو، جیسے غلام وغیرہ، یا اس کو خریدار کے حوالہ کرنے پر قادر نہ ہو، جیسے ہوا میں اڑتی ہوئی چڑیا اور وہ مچھلی جو ابھی دریا یا تالاب سے نکالی نہ گئی ہو (مرقاۃ ۳/۳۲۳)۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ شرائط معقود علیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وأما شرائط المعقود علیه فأن یکون موجوداً مالا متقوماً مملوکاً فی نفسه وأن یکون ملک البائع فیما یبیعه لنفسه ، وأن یکون مقدور التسلیم فلم ینعقد بیع المعدوم وماله خطر العدم (بحر ۵/۲۷۹) یعنی معقود علیہ کیلئے شرط ہے کہ موجود مال متقوم مملوک ہو، اور بائع کی ملکیت میں ہو، اور مقدور التسلیم ہو۔

صاحب درمختار ورد المحتار نے لکھا ہے کہ جو چیز ملکیت اور قبضہ میں نہ ہو اس کی بیع باطل ہے، اور دلیل میں بحر الرائق کی عبارت پیش کیا ہے جو اوپر مذکور ہوئی (شامی ۴/۱۱۸)۔

۲۔ اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ مبیع کو خریدنے کے بعد اس کی جگہ سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھ دیا جائے چاہے دوسری جگہ کتنی ہی قریب ہو، مرقاۃ کی عبارت یوں ہے: فإن القبض فیه بالنقل عن مکانه و قال ابن الملک : وفیه أن قبض المنقول بالنقل و التحویل من موضع إلی موضع (مرقاۃ ۳/۳۱۸)۔

مظاہر حق میں ہے: یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر اس چیز کو پیمانہ یا وزن کے ذریعہ لیا ہے تو پیمانہ میں نپوا کر، یا وزن کرانے کے بعد ہی اسے اٹھالے، اور اگر بغیر پیمانہ یا وزن لیا ہے تو پھر اس کے بغیر ہی اٹھا کر رکھ دے، حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اشیاء منقولہ میں سے کوئی چیز خریدے اور پھر اسے کسی دوسرے کو فروخت کرنا چاہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس چیز کو قبضہ میں لے اس کے بعد اسے فروخت کرے، کیونکہ بیع اشیاء منقولہ میں قبل قبضہ کے دوسری بیع جائز نہیں ہے (۱۴/۳)۔

اس سلسلہ میں صاحب درمختار رحمہ اللہ قمطراز ہیں: **ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع و لا حائل ، و شرط في الأجناس شرطا ثالثاً وهو أن يقول: حليت بينك و بين المبيع ، فلو لم يقله أو كان بعيداً لم يصر قابضاً** (۴/۴۷-۴۸) اس کا حاصل یہ ہے کہ مبیع پر قبضہ کیلئے کوئی مانع وحائل نہ ہو، بایں طور کہ بائع کہدے کہ میں نے تمہارے اور مبیع کے درمیان چھوڑ دیا اسے لے لو، اگر یہ نہ کہے تو مشتری قابض نہ ہوگا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ شریعت میں قبضہ کی حقیقت مبیع کے حال کے اعتبار سے مختلف ہے، اگر اشیاء منقول ہوں تو گھر کے اندر گیہوں جیسی چیز کی بیع میں بائع کا کنجی دیدینا جبکہ گھر کا کھولنا بغیر تکلف ممکن ہو، قبضہ ہے، اور چراگاہ کے اندر گائے جیسی چیز کی بیع میں گائے کا اس طرح ہونا کہ وہ دیکھی جائے اور اس کی طرف اشارہ کیا جا سکے، قبضہ ہے، اور کپڑا جیسی چیز کی بیع میں کپڑے کا اس طرح ہونا کہ خریدار اپنا ہاتھ بڑھائے تو کپڑے تک پہونچ جائے، قبضہ ہے، اور گھر کے اندر گھوڑا یا چڑیا جیسی چیز کی بیع میں بغیر مددگار کے اسے پکڑ لینا ممکن ہو، قبضہ ہے۔

اور اگر اشیاء غیر منقول ہوں تو گھر جیسی چیز کی بیع میں گھر کو تالا بند کرنے پر قادر ہونا قبضہ ہے، اور بازار و دوکان میں غلہ وغیرہ پر قبضہ یہ ہے کہ خریدار کیلئے بائع کی طرف سے مبیع کو لے لینے میں کوئی مانع نہ ہو (شامی ۴/۴۷)۔

سنت میں صرف بیع طعام میں حقیقت قبضہ متعین کی گئی ہے

سنت رسول ﷺ میں قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت وارد ہے اور بیع طعام کے باب میں حقیقت قبضہ یہ متعین کی گئی ہے کہ طعام کو مکان بیع سے منتقل کرلیا جائے، **عن ابن عمر قال كانوا يبتاعون الطعام في أعلى السوق فيبيعونه في مكانه فنهاهم رسول الله ﷺ عن بيعه في مكانه حتى ينقلوه** (رواہ ابوداؤد)۔

منتقل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے قبضہ میں لے لیں، اور اشیاء منقولہ کا قبضہ میں لینا یہ ہے کہ اس کو خریدنے کے بعد اس کی جگہ سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھدیا جائے، چاہے وہ دوسری جگہ کتنی ہی قریب کیوں نہ ہو (مظاہر حق ۳/۱۴)۔

ایک دوسری حدیث: **عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه ، وفي رواية ابن عباس حتى يكتاله، متفق عليه** ، ایک اور حدیث: **عن ابن عباس قال أما الذى نهى عن النبى صلى الله عليه وسلم فهو الطعام أن يباع حتى يقبض ، قال**

ابن عباس : ولا أحسب كل شئ إلا مثله متفق عليه ،

حضرت ابن عباسؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلہ کو قبل قبضہ بیچنا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی بھی چیز کو اس وقت تک بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ قبضہ میں نہ آجائے، یہ گویا حضرت ابن عباسؓ کا اپنا گمان وخیال ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں غلہ پر غیر غلہ کو قیاس کیا ہے (مظاہر حق ۱۵/۳)۔

اور علامہ خطابیؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ طعام کی بیع قبل القبض باتفاق ناجائز ہے، اور اس کے علاوہ اشیاء میں اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک گھر اور زمین وجائداد کی بیع قبل القبض جائز ہے اور اشیاء منقولہ میں ناجائز ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں سے ہر ایک کی بیع قبل القبض ناجائز ہے، اور امام مالکؒ کے نزدیک ماکول ومشروب کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز ہے اور امام احمدؒ کے نزدیک مکیل وموزون کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز ہے۔ (بذل ۲۸۴/۴)۔

نیز علامہ خطابیؒ قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: المقبوض يختلف في الأشياء حسب اختلافها في أنفسها فمنها ما يكون بأن يوضع المبيع في يد صاحبه، و منها ما يكون بالتخلية بينه و بين المشتري، و منها ما يكون بالنقل عن موضعه، و منها ما يكون بأن يكتال و ذلك فيما بيع من المكيل كيلا، فأما ما يباع جزافا صبرة مصبوبة على الأرض فالقبض أن ينقل و يحول من مكانه فان ابتاع طعاما كيلا ثم أراد أن يبيعه بالكيل الأول لم يجز حتى يكيله على المشتري ثانيا (بذل ۲۸۴/۴)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اشیاء میں قبضہ ان کی ذات کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، چنانچہ کبھی قبضہ مشتری کے ہاتھ میں رکھدینے سے ہوتا ہے، اور کبھی مبیع کو مشتری اور مبیع کے درمیان چھوڑ دینے سے ہوتا ہے، اور کبھی مبیع کی جگہ سے انتقال سے ہوتا ہے اور کبھی کیل سے ہوتا ہے۔

اور علامہ ابن قدامہؒ نے کہا ہے: ہر چیز کا قبضہ اسی کے اعتبار سے ہوتا ہے، اگر شئی مکیل، یا موزون ہے اور کیل ووزن سے بیع کی جارہی ہے تو قبضہ کیل ووزن سے ہوگا، وقبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا بيع كيلا أو وزنا فقبضه بكيله ووزنه (مغنی ۱۲۵/۴)۔

۳۔ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق مندرجہ ذیل ہے:

علامہ خطابیؒ لکھتے ہیں: المقبوض يختلف في الأشياء حسب اختلافها في أنفسها فمنها ما يكون بأن يوضع المبيع في يد صاحبه، و منها ما يكون بالتخلية بينه و بين المشتري، و منها ما يكون بالنقل من موضعه، و منها بأن يكتال و ذلك فيما بيع من المكيل كيلا (بذل ۲۸۴/۴)۔

یعنی اشیاء منقولہ میں قبضہ یہ ہے کہ مبیع کو مشتری کے ہاتھ رکھدی جائے، اور بعض میں مبیع کو مکان بیع سے منتقل کردینا قبضہ ہے اور بعض میں کیل کرنا قبضہ ہے۔

اور اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری اور مبیع کے درمیان چھوڑ دے اور قبضہ سے مانع نہ بنے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ کی چند انواع ہیں: (۱) گھر کے اندر گیہوں جیسی چیز کی بیع میں گھر کی کنجی دینا جبکہ گھر کو بغیر تکلف کھولنا ممکن ہو۔ (۲) گائے جیسی چیز کی بیع میں گائے کا دیکھا جانا اور اس کی طرف اشارہ کیا جانا ممکن ہو۔ (۳) کپڑا جیسی چیز کی بیع میں کپڑے کا اس طرح ہونا کہ مشتری ہاتھ بڑھائے تو وہاں تک پہونچ جائے۔ (۴) گھر کے اندر گھوڑا یا چڑیا جیسی چیز کی بیع میں بغیر مددگار کے پکڑ لینا ممکن ہو، اور اشیاء غیر منقولہ میں گھر اور زمین جیسی چیز کی بیع میں گھر کو تالا بند کرنے پر قادر ہونا اور پھر اس کو بغیر تکلف کھولنا ممکن ہو اس طرح کہ بائع مشتری کو کنجی دیدے قبضہ ہے، اور زمین و جائداد میں تصرف پر قادر ہونا قبضہ ہے (شامی ۴/۴۷، ۴۸) واللہ اعلم۔

۴۔ بیع قبل القبض سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں اور علت نہی غرر ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ لأن علة الفساد الغرر (شامی ۴/۱۸۲)۔

اور بیع غرر ناجائز ہے، چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے: **عن أبي هريرة قال: نهى رسول الله صلى الله عليه و سلم عن بيع الحصاة و عن بيع الغرر.**

اور بیع غرر اس بیع کو کہتے ہیں جس میں مبیع مجہول، یا بائع کے قبضہ وقدرت سے باہر ہو، جیسے پانی میں مچھلی کی بیع، یا ہوا میں اڑتی چڑیا کی بیع، اور عبد آبق کی بیع، **اى ما لا يعلم عاقبة من الخطر الذى لا يدرى أيكون أم لا كبيع الآبق و الطير فى الهواء و السمك فى الماء و الغائب المجهول ، و مجمله أن يكون المعقود عليه مجهولا و معجوزا عنه** (مرقاۃ ۳/۳۲۰)۔

اور امام نوویؒ نے بیع غرر مقدور التسلیم کو بھی شمار کیا ہے (نووی ۲/۲) اور ظاہر ہے کہ قبضہ سے پہلے غیر مقدور التسلیم ہوتی ہے اور صحت بیع کیلئے بیع کا مملوک و مقدور التسلیم دونوں ہونا شرط ہے۔

امام نوویؒ کی عبارت یوں ہے: **و يدخل فيه مسائل كثيرة غير مختصرة كبيع الآبق و المعدوم و المجهول و ما لا يقدر على تسليمه و ما لا يتم ملك البائع عليه ، و بيع السمك فى الماء الكثير الخ فكل هذا بيعه باطل لأنه غرر من غير حاجة** (۲/۲)۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت طعام کے باب میں تمام ائمہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک عام ہے، اور اس کے علاوہ اشیاء کی بیع قبل القبض میں ائمہؒ کے نزدیک کچھ استثناءات و تخصیصات ہیں، اس باب میں ائمہؒ کی آراء مع دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

علامہ خطابیؒ لکھتے ہیں: طعام کی بیع قبل القبض ناجائز ہے، اسی پر علماء کا اجماع ہے، اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ اس حکم سے گھر اور زمین و جائداد کا استثناء و تخصیص کرتے ہوئے ان کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز کہتے ہیں۔ اور امام شافعی اور امام محمدؒ اس ممانعت کو عام رکھتے ہوئے بیع قبل القبض کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں، اس میں کچھ استثناء و تخصیص نہیں کرتے ہیں اور امام مالکؒ طعام میں بیع قبل القبض کو ناجائز کہتے ہیں، اور اس حکم سے غیر طعام کا استثناء و تخصیص

کرتے ہیں۔اور امام احمدؒ وغیرہ مکیل اور موزون میں بیع قبل القبض کو ناجائز کہتے ہیں،اور اس حکم سے مکیل و موزون کے علاوہ کا استثناء و تخصیص کرتے ہیں،یہ علماء رحمہم اللہ کی آراء ہیں۔(دیکھئے:نووی ۵/۲)۔

اور حدیث میں طعام سے مراد تمام دانے ہیں،چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:والمراد به في كلام المصنف الحبوب كلها لا البر وحده ولا كل ما يؤكل بقرينة قوله كيلا و جزافا (شامی ۴/۳۰، البحر الرائق ۵/۳۰۵)۔

دلائل ائمہ:

طعام کے سلسلہ میں بیع قبل القبض کی ممانعت عام ہے،اس پر اجماع ہے،دلیل:عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه و كذا روى عن ابن عباس، و المروى عنهما روايات في صحيح مسلم (۵/۲)(فی أبی داؤد مع البذل ۴/۲۸۴)۔

استثناءات وتخصیصات کے سلسلہ میں دلائل ائمہ:

علامہ شامیؒ،امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: صح بيع عقار لا يخشى هلاكه قبل قبضه من بائعه لعدم الغرر أى غرر انفساخ العقد على تقدير الهلاك وعلله لندرة هلاك العقار حتى لو كان علوا أو على شط نهر ، تفريع على مفهوم قوله" لا يخشى هلاكه و نحوه " بان كان في موضع لا يؤمن أن تغلب عليه الرمال كان كمنقول اى بمنزلته من حيث لحوق الغرر بهلاكه فيصح البيع لكنه يتوقف (شامی ۴/۱۸۱)۔

یعنی زمین و جائداد غیر منقول کی بیع قبل القبض جائز ہے،عقد کے فسخ ہونے کے غرر و دھوکا نہ ہونے کی وجہ سے،کیونکہ ان کی ہلاکت نادر و شاذ ہے،اور اس کا اعتبار نہیں ہوگا،اگر ہلاکت کا اندیشہ بایں طور ہو کہ زمین و جائداد کا محل وقوع ایسا ہے کہ اس پر ریت کے غلبہ کا خطرہ ہے تو اس کی بیع تو صحیح ہوجائے گی،لیکن موقوف رہے گی،اسی طرح گھر و زمین و جائداد جس کے قبضہ و دخل میں خطرہ ہے تو اس کی بیع بھی قبل القبض صحیح ہوگی لیکن نافذ نہ ہو کر موقوف رہے گی۔

امام شافعی کی دلیل:

عن ابن عباس قال أما الذى نهى عن النبى صلى الله عليه وسلم فهو الطعام أن يباع قبل أن يقبض، قال ابن عباس : و لا أحسب كل شئ إلا مثله ، متفق عليه (مسلم ۵/۲،ابوداؤد مع البذل ۴/۲۸۵)۔

یعنی امام شافعی کے نزدیک بیع قبل القبض مطلقاً ناجائز ہے،اس میں کچھ بھی استثناء و تخصیص نہیں ہے،اور حدیث ابن عباس دلیل ہے۔

امام مالک ماکول و مشروب کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز کہتے ہیں،اور ماکول و مشروب کا استثناء کرتے ہیں،علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ ان کی دلیل بیان کرتے ہیں: وجه ذلك ما روى الأوزاعي عن

الزهري عن حمزة بن عبد الله بن عمر يقول مضت السنة إن أدركته الصفقة حيا مجموعاً فهو من مال المبتاع (رواه البخاري) تعليقا عن ابن عمر و قول الصحابي " مضت السنة " يقتضي سنة النبي ﷺ ولأن المبيع المعين لا يتعلق به حق توفيقه فكان من مال المشتري كغير المكيل و الموزون (مغنی ۴/۱۲۱-۱۲۲)۔

وعلله الإمام مالک لنفسه في المدونة قال: لأن النبي ﷺ نهى عن بيع الطعام حتى يستوفي وهو عندنا على الكيل والوزن و كل شيء ما خلا الطعام و الشراب فهو جائز أن تبيعه قبل أن تستوفيه إن كنت اشتريته وزنا أو كيلا أو جزافا فهو سواء وإن كان الحديث إنما جاء في الطعام وحده (المدونۃ ۳/۱۶۶)۔

امام احمد مکیل اور موزون کی بیع قبل القبض کو ناجائز کہتے ہیں، اوران کے علاوہ کا استثناء وتخصیص کرتے ہیں ،اور دلیل بیان کرتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ولنا قول النبي ﷺ الخراج بالضمان ، وهذا المبيع إنما للمشتري فضمانه ، وقول ابن عمر " مضت السنة ان ما أدركته الصفقة حيا مجموعا فهو من مال المبتاع" ولأنه لا يتعلق به حق توفيته و تخصيص النبي صلى الله عليه وسلم الطعام بالنهي عن بيعه قبل قبضه دليل على مخالفة غيره له (مغنی ۴/۱۲۵)۔

طریق استدلال یوں ہے کہ نبی ﷺ کا بیع قبل القبض کی ممانعت میں طعام کی تخصیص کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ طعام کے علاوہ کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

۶۔ چونکہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ نہیں پایا گیا جو جواز بیع کیلئے شرط تھا شرعاً ،لہذا دوسرے شخص کے ہاتھ اس خریدار کی فروختگی کو ناجائز قرار دیا جائے گا، اور ضمان قبضہ کے قائم مقام متصور نہ ہوگا، اور مشتری نمبر (۱) کا یہ ضمان درست نہیں، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

و في الفتح و الدر المنتقى لو هلک المبيع بفعل البائع أو بفعل المبيع أو بأمر سماوي بطل البيع و يرجع بالثمن لو مقبوضاً ، وإن هلک بفعل المشتري فعليه ثمنه إن كان البيع مطلقا أو بشرط الخيار له ، وإن كان الخيار للبائع أو كان البيع فاسداً لزمه ضمان مثله إن كان مثلياً و قيمته إن كان قيمياً (شامی ۴/۴۷)۔

یعنی اگر مبیع بائع کے فعل سے (مثلاً کوتاہی، یا غیر معتمد علیہ آدمی کے ذریعہ سے پارسل وغیرہ ہو) ہلاک ہوجائے، یا کسی امر سماوی کی وجہ سے ہوتو بیع باطل ہوجائے گی، اور بائع قیمت واپس کرے گا اگر اس نے قیمت لے لی ہے، اور اگر مبیع خریدار کے فعل (مثلاً پارسل چھڑانے میں کوتاہی وغیرہ کے ذریعہ) سے ہلاکت ہوئی ہوتو خریدار کے ذمہ قیمت ادا کرنا واجب رہے گا۔

اور قبضہ سے پہلے عدم جواز بیع کے باب میں علامہ شامی فرماتے ہیں: محمد عن يعقوب عن أبي

حنيفة قال إذا اشتريت شيئا كما يكال أو يوزن أو يعدّ عدا فلا تبعه حتى تكيله و تزنه و تعده ، فإن بعته قبل أن تفعل و قد قبضته فالبيع فاسد في الكيل و الوزن ، قلت: و ظاهره أن الفاسد هو البيع الثاني وهو بيع المشترى قبل كيله وأن الأول وقع صحيحا لما مر من أن العلة كون الكيل من تمام القبض فإذا باعه قبل كيله فكأنه باعه قبل القبض ، وبيع المنقول قبل قبضه لا يصح (شامی ۴/۱۸۳)۔

یعنی امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب تم کیلی، یاوزنی، یاعددی چیز خریدو تو کیل، یاوزن، یاعدد سے خریدو، پھر اس کو بغیر کیل یاوزن یاعدد کے یعنی بغیر قبضہ کے مت بیچو، پس اگر تم نے اس کو بغیر کیل، یاوزن، یاعدد کے یعنی بغیر قبضہ کے بیچ دیا تو دوسری بیع فاسد ہے اور بیع اول صحیح واقع ہوئی، کیونکہ کیل یاوزن سے پہلے بیچنا قبضہ سے پہلے بیچنا ہے ،اور منقول کی بیع قبضہ سے پہلے صحیح نہیں ہے۔

۷۔ یہ عرف کہ جس میں بین الاقوامی تجارت میں جہاز پر مال چڑھانے کے بعد بائع کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال کو فروخت کردیتا ہے، اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا، بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے۔

یہ صورت شرعاً جائز نہ ہوگی، جیسا کہ سوال (۶) کے جواب میں تحریر کیا جاچکا، اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ نص اقوی من العرف ہوتی ہے، لہذا نص کے مقابلے میں یہ عرف شرعاً معتبر نہیں، علامہ شامی رحمہ اللہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لأن العرف جاز أن يكون على الباطل ، ولأن حجية العرف على الذين تعارفوه والتزموه فقط والنص حجة على الكل فهو أقوى ، ولأن العرف إنما صار حجة بالنص وهو قوله ﷺ ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن (شامی ۴/ ۲۰۲)۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی

۱۔ بیع قبل القبض ناجائز ہے، ربا الفضل و ربا النسیئہ کے تحت آنے والے مبادلات میں فوری قبضہ نہ ہونے کی شکل میں یہ بیع یا مبادلہ باطل ہوگا، دیگر اشیاء میں قبضہ کی نوعیت کے مطابق بیع فاسد یا مکروہ ہوگی۔

۲۔ کتاب اللہ اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہے۔ اور سنت میں طعام کو ناپ لینے/وزن کر لینے یا خرید کی جگہ سے منتقل کر لینے کو قبضہ ہونے کی طرف اشارہ ہے، بقیہ اشیاء کے سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں ہے اس لئے اسے عرف و عادت پر چھوڑ دینا چاہئے، اور یہ صحیح ہوگا کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے۔

۳۔ مذکورہ بالا اصل کے مطابق نہ صرف اشیائے منقولہ وغیر منقولہ بلکہ ہر چیز کی نوعیت ومزاج کے مطابق قبضہ کی شکل میں فرق ہوگا۔

۴۔ بیع قبل القبض کی نہی کی بہت سی حکمتیں ہوسکتی ہیں، جہاں تک علت کا سوال ہے جن لوگوں نے اسے مطعومات تک محدود کیا ہے ان کے نزدیک علت "طعام" ہونا ہے، کچھ کے نزدیک کیلی، وزنی یا عددی ہونا ہے، بیع قبل القبض کی نہی کا عموم اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ نفس بیع یا مبادلہ بالمال ہی کو علت مانا جائے۔

۵۔ بیع قبل القبض کے متعلق ائمہ مجتہدین سے سات طرح کے اقوال منقول ہیں۔ (۱) یہ نہی صرف مطعومات ربویہ تک محدود ہے (۲) مطلق مطعومات میں ہے (۳) ان مطعومات میں ہے جو کیلی یا وزنی ہیں (۴) ہر اس چیز میں جو قابل انتقال ہو (۵) بلا قید ہر چیز میں قبضہ شرط ہے (۶) ہر اس چیز میں جو کیلی یا وزنی، (۷) ہر اس چیز میں جو کیلی، وزنی یا عددی ہو (از بدایہ ابن رشد)۔

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ خود روایات اس سلسلہ میں مختلف یا مجمل ہیں۔

۶۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی کمرشیل رول (تجارتی قانون) نہیں ہے تو عرف وعادت کے مطابق ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

۷۔ یہ شکل مذکورہ بالا سے متناقض ہے لیکن چونکہ بر کے بجائے بحر کا معاملہ ہے اس وجہ سے دستاویزات کے تبادلے کو قبضہ کا قائم مقام سمجھا جاسکتا ہے پھر بھی چونکہ اس میں تلقی جلب کی صورت پائی جاتی ہے اس لئے کراہیت سے خالی نہیں۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا قاری ظفر الاسلام اعظمی

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع قبل القبض فاسد ہے اور یہ صورت ''ربح مالم یضمن'' میں شامل ہے، اس کی صورت یہ ہے'' أن یشتری متاعا ویبیعه من آخر قبل قبضه '' ۔صاحب ''اعلاء السنن'' لکھتے ہیں: فهذا البیع باطل وربحه لا یجوز (اعلاء السنن ۱۴/۱۷۷) آگے مؤلف مذکور نے ابطال کی وجہ بھی بیان کردی ہے، وہ یہ کہ ابھی مبیع پہلے شخص ہی کے ضمان میں ہے مشتری کے قبضہ میں نہ آنے کے باعث ضمان میں داخل نہیں ہوئی، اس کے عدم جواز میں وہ حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے جس میں رسول اکرمؐ نے حضرت عتاب بن اسیدؓ کو اہل مکہ کی جانب بھیجا کہ وہ یہ چار باتیں ان تک پہونچادیں،(۱) ان لا یصلح شرطان فی بیع (۲) ولا بیع وسلف (۳) ولا بیع مالا یملک (۴) ولا ربح مالا یضمن ،حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی یہ روایت موجود ہے جس کی اصحاب خمسہ نے بجز ابن ماجہ کے تخریج کی ہے،اس مفہوم کی دیگر مرویات باختلاف یسیر ابن حبان نے اپنی صحیح میں،حاکم نے مستدرک میں،نسائی نے سنن کبریٰ میں،امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں نقل کی ہیں (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: مغنی لابن قدامہ ۴/۲۲۰۔۲۲۱ محلی لابن حزم ۸/۵۲۲)۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: فمذهب أبی حنيفة لا يدخل المبيع كله فی ضمان المشتری إلا بالقبض إلا العقار وعند الشافعی العقار وغيره سواء وهو رواية عن أحمد (فتاوى لابن تيمية ۲۹/۴۰۵) عبدالرحمٰن الجزیری نقل فرماتے ہیں:الحنفية قالوا من البيع الفاسد بيع الأعيان المنقولة قبل قبضها ،حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مبیع منقول ہو یا غیر منقول،قدرت علی التسلیم نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بیع باطل ہوگی ''فإذا اشترى منقولا كان أو غيره ولم يسلم ثم باعه وقع البيع باطلا'' (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۳۴)۔

اس طرح کی بیع سے متعلق ہمارے بعض علماء نے بھی باطل کا قول کیا ہے،چونکہ باطل اور فاسد میں تعارض ہے،اسلئے اس کا جواب اگر یوں دیدیا جائے کہ یہاں پر باطل بمعنی فاسد ہے تو اب تعارض نہ رہ جائے گا،نیز اس کے نظائر نصوص فقہاء میں موجود بھی ہیں،دوسرا جواب اس عبارت سے بھی دیا جاسکتا ہے جو درج ذیل ہے:

الحنفية قالوا إذا اصطاد طيرا فكان فی يده ثم أرسله فی الهواء فإن بيعه فی هذه الحالة يكون فاسدا لعدم القدرة على التسليم ، أما إذا باع الطير فی الهواء قبل أن يصطاده فالبيع باطل

لا ينعقد أصلاً لعدم الملك (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۳۳)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر شکار کر کے چڑیا اپنے ہاتھ میں لے رکھا اور پھر فضا میں چھوڑ دیا تو اس صورت میں یہ بیع فاسد ہوگی قدرت علی التسلیم نہ ہونے کی وجہ سے، لیکن اگر شکار سے پہلے فضا ہی میں بیع کر لی گئی تو یہ بیع باطل ہوگی ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے۔

لہذا افساد کی وجہ عدم تسلیم للقدرۃ ہے اور ابطال کی وجہ عدم ملکیت ہے۔

علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

فالشافعي يمنعه مطلقا ويقول هو من ضمان البائع وهو رواية ضعيفة عن أحمد وأبو حنيفة يمنعه إلا العقار ويقول هو من ضمان البائع وهؤلاء يعللون بتوالي الضمانين (فتاویٰ لابن تیمیہ ۲۹/۵۰۶)۔

ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام مالکؒ کے نزدیک بیع قبل القبض اعیان منقولہ میں ہو یا غیر منقولہ میں، سوائے طعام کے صحیح ہے، **المالكية قالوا: يصح للمشتري أن يتصرف في المبيع قبل قبضه بالبيع سواء كان المبيع أعيانا منقولة أو أعيانا ثابتة كالأرض والنخيل ونحوهما الا الطعام كالقمح والفاكهة** (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۳۵) **وقال مالكؒ: يجوز لأن النبي ﷺ خص الطعام بالذكر عند النهي** (مبسوط للسرخسی ۱۳/۸) **ونقل عن أحمد: أن المطعوم لا يجوز بيعه قبل قبضه سواء كان مكيلا أو موزونا أو لم يكن** (مغنی لابن قدامہ ۴/۱۱۵) **الحنابلة: قالوا يصح التصرف في المبيع بالبيع قبل قبضه، إذا كان غير مكيل أو موزون أو معدود** (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۳۶)۔

مذکورہ مذاہب کی روشنی میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت امام مالک کے یہاں جواز میں توسع ہے تو حضرت امام شافعیؒ کے یہاں عدم جواز میں، حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اعیان منقولہ میں غیر صحیح اور اعیان غیر منقولہ میں صحیح، پھر اگر کسی نے اعیان منقولہ میں عدم جواز کے باوجود قبل القبض بیع کر لی تو وہ بیع فاسد ہوگی، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: **ومنها القبض في بيع المشتري المنقول فلا يصح بيعه قبل القبض لما روى النبي ﷺ نهى عن بيع مالم يقبض، والنهي يوجب فساد المنهي ولأنه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه** (بدائع الصنائع ۵/۱۸۰)۔

فقہاء نے ایک مسئلہ بڑی وضاحت سے اٹھایا ہے کہ بیع قبل القبض اگر کر لی گئی تو اس کا حکم کیا ہوگا، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو یہ بیع سرے سے فاسد ہے، چاہے بیچنے والے کو ہی کیوں نہ بیچ دی گئی ہو، کسی ان میں کوئی تخصیص نہیں ہے، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: **وقد نهى رسول الله عن بيع فيه غرر سواء باعه من غير بائعه أو من بائعه لأن النهي مطلق لا يوجب الفصل بين البيع من غير بائعه أو بين البيع من بائعه وكذا معنى الغرر لا يفصل بينهما** (بدائع الصنائع ۵/۱۸۰) علامہ عبدالرحمن الجزیری بھی یہی تحریر فرماتے ہیں

سواء باعها لمن اشتراها عنه أو لغيره (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۴) حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بیع قبل القبض جائز نہیں، مگر چند صورتوں میں، جن میں سے پہلی صورت یہ ہے: الأول أن يبيعه قبل قبضه لمن اشتراه منه بنفس الثمن الذى اشتراه به بدون زيادة (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۴)۔

مذکورہ بالاعبارت سے واضح ہوگیا کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں بیع قبل القبض اولاتو جائز نہ تھی لیکن اگر مشتری نے خود بائع کو ہی ثمن اول کے ساتھ بیچ دیا تو یہ بیع صحیح ہوجائے گی، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں بھی بیع کی صحت کی چند صورتیں ہیں۔

اول یہ کہ اگر بائع نے خود خریدا تو یہ صحیح نہ ہوگی، الا یہ کہ بائع کے لڑکے باپ، یا خادم، یا بیوی نے اسے خرید لیا۔

(۱) فإذا اشتراها ابنه أو أبوه أو خادمه أو زوجه فإنه يصح إذا لم يكن ذلک حيلة يتوصل بها إلى الشراء.

(۲) فإن اشتراها بمثل ثمنها أو أكثر فإنه يصح.

(۳) أما إذا لم يكن من جنس ثمن الأول كما إذا باعها بنقد ثم اشتراها بعروض تجارة فإنه يصح (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۶)۔

اس میں کچھ اور تفصیلات ہیں جو مغنی لابن قدامہ ۴/۱۱۸ ردالمحتار ۴/، بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۴۔۱۴۵ پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

اب ائمہ اربعہ کا مسلک اس طرح ہوگا:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع قبل القبض فاسد ہے سوائے غیر منقول کے، یہ بیع خود بائع سے ہو، یا بائع کے علاوہ کسی اور سے۔

امام مالکؒ کے نزدیک بیع قبل القبض اعیان منقولہ وغیر منقولہ دونوں میں صحیح ہے بجز طعام کے، امام شافعیؒ کے نزدیک بیع قبل القبض منقول وغیر منقول دونوں میں صحیح نہیں، الا یہ کہ مشتری خود بائع کو ہی ثمن اول کے ساتھ بیچ دے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک غیر مکیل وغیر موزون وغیر معدود وغیر مذروع میں قبل القبض ہے، اس کے ماسوا میں نہیں۔

حنبلی مسلک کی ایک روایت جو قوی ہے وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مؤید ہے، اور ایک ضعیف روایت حضرت امام شافعیؒ کی۔

خلاصہ کلام:

بیع قبل القبض نہ تو مطلقا جائز ہے اور نہ ناجائز، نیز اگر بیع کرلی گئی تو فاسد ہوگی اعیان منقولہ میں، اور صحیح ہوگی

غیر منقولہ میں۔

۲۔ کتاب وسنت ونصوص فقہاء کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے، حالات، زمان ومکان ومبیع کے اختلاف سے قبضہ کی نوعیتیں جداگانہ ہوں گی۔

پس اولاً عرض ہے کہ فقہاء نے قبضہ کی دو قسمیں کی ہیں: حقیقی اور حکمی۔ حقیقی قبضہ تو حبس اور تسلیم سے ہوگا، اور حکمی استیلاء، تمکن، اشارہ، تخلیہ وتمیز سے، ابن قدامہ کی درج ذیل عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے مراد استیلاء ہی ہے جو لوگوں کے بیچ متعارف ہو۔

و كل ما يحتاج الى قبض اذا اشتراه لم يجز بيعه حتى يقبضه (مغنی لابن قدامہ ۲۲۰/۴)۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: **ثم قال الخرقي ومن اشترى ما يحتاج إلى قبضه لم يجز بيعه حتى يقبضه ففرق بين ما يحتاج إلى القبض وما لا يحتاج فما لا يحتاج يكفي فيه التمكن** (فتاوی لابن تیمیہ ۲۹/ ۵۰۷۔۵۰۸)۔

اسی رائے کی تائید ابن قدامہ کی اس تحریر سے بھی ہورہی ہے: **وقبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا فقبضه بكيله ووزنه وبهذا قال الشافعي وقال أبو حنيفة التخلية في ذلك قبض، وقد روى أبو الخطاب عن أحمد رواية أخرى أن القبض في كل شئ بالتخلية مع التميز** (مغنی لابن قدامہ ۲۲۰/۴)۔

ہر چیز کا قبضہ مبیع کے شایان شان ہوگا، چنانچہ اگر مبیع از قبیل کیل یا موزون ہے تو اس پر قبضہ کیل اور وزن سے ہوگا اور یہی امام شافعیؒ کا مسلک ہے، اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر قبضہ تخلیہ سے ہوگا، ایک روایت ابو الخطاب نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کی ہے کہ صرف تخلیہ سے ہی قبضہ نہ ہوگا تاوقتیکہ خریدی ہوئی شئ متمیز نہ ہوجائے۔

یہاں پر تخلیہ سے مراد قبضہ کی اجازت دیدینا ہے نہ کہ تخلیہ کا معنی مخصوص، **قوله أن يقول خليت الظاهر أن المراد به الإذن بالقبض لا خصوص لفظ التخلية**۔

وہ چیزیں جو جزافاً اور اندازہ سے خریدی جاتی ہیں ان کا قبضہ نقل ہے۔ **وإن بيع جزافا فقبضه نقله** (مغنی لابن قدامہ ۲۲۰/۴)۔

حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ تصرف جس میں بدون قبضہ کے جواز ہو اس میں اگر مشتری قبضہ سے قبل تصرف کرے تو وہ جائز نہ ہوگا، اور ہر وہ تصرف جس میں تصرف قبضہ کے علاوہ جائز نہیں اس میں مشتری قبضہ سے پہلے تصرف کرے تو وہ جائز ہوگا۔

كل تصرف يجوز من غير قبض إذا فعله المشترى قبل القبض لا يجوز وكل مالا يجوز إلا بالقبض كالهبة إذا فعله المشترى قبل القبض جاز ويصير المشترى قابضا له (شامی ۴/

۵۶۱)۔

علامہ سرخسی کی بھی تحریر پیش خدمت ہے:قال محمد كل تصرف لا يتم إلا بالقبض فذلك جائز في المبيع قبل قبضه إذا سلطه على قبضه فيقبضه (المبسوط ۱۳/۸)۔

علامہ شامی نے قبضہ کی بہت ساری صورتیں تحریر فرمائی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

ومنه مالو اشترى دهنا ودفع قارورة يزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشترى فهو قبض، وكذا بغيبته في الأصح وكذا كل مكيل أو موزون إذا دفع له الوعاء فكاله أو وزنه فيه بأمره ومنه مالو غصب شيئا ثم اشتراه صار قابضا (ردالمختار ۴/۵۶۱)۔

حضرت امام احمدؒ کے نزدیک قبضہ سے مراد تمکن ہے نہ کہ نفس قبضہ: فظاهر مذهب أحمد أن الناقل للضمان إلى المشترى هو التمكن من القبض لا نفس القبض (فتاوی لابن تیمیہ ۲۹/۵۰۷)۔

صاحب ''ردالمختار'' نے تخلیہ کو حکماً قبضہ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: ''وحاصله أن التخلية قبض حكما''

آگے علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں کہ قبضہ کی مختلف صورتیں ہیں:لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيع مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض، وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض .... وفي الملتقط ولو باع دارا وسلمها إلى المشترى دار فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليما حتى يسلمها فارغة (ردالمختار ۴/۵۶۲)۔

ملک العلماء ابوبکر کاسانی تحریر فرماتے ہیں:أما الحديث فظاهر قوله عليه السلام يدا بيد فنحملها على التعيين (بدائع الصنائع ۵/۲۱۹)۔

ابن حزم تحریر فرماتے ہیں کہ جب شئی کسی خاص کی ہوجائے تو اسے قبضہ کہیں گے:فهذا عمر يقول بذلك ويبين أن القبض هو الذي يكون الشئ للمرء (محلی لابن حزم ۸/۵۲۰)۔

علامہ کاسانی نے قبضہ کی تفسیر اس طرح کی ہے:وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشترى قابضا له وكذا تسليم الثمن من المشترى إلى البائع (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

تسلیم اور قبضہ ہمارے نزدیک تخلیہ ہے اور تخلیہ یہ ہے کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان موانع کو اس طرح دور کردے کہ مشتری تصرف پر قادر ہوجائے، لہذا بائع مبیع کو سونپنے والا اور مشتری اس پر قبضہ کرنے والا ہوجائے، ایسے ہی ثمن مشتری سے نکل کر بائع کے پاس چلا جائے، صاحب ''بدائع'' اسی مفہوم کو ایک مقام پر اس طرح بیان کرتے ہیں: لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة (بدائع الصنائع ۵/

۱۴۸)۔

مذکورہ بالا قبضہ کی تائید قواعد الفقہ کی اس عبارت سے بھی ہورہی ہے **التخلیة فی البیع هو أن یأذن البائع للمشتری بقبض المبیع عند عدم وجود مانع من تسلیم المشتری إیاه** (قواعد الفقہ ازسید عمیم الاحسان/۲۲۴) تخلیہ فی البیع یہ ہے کہ بائع مشتری کو مبیع پر قبضہ کی اجازت دیدے اور اس کیلئے مبیع کو سونپنے سے کوئی شی مانع نہ ہو۔

بہر کیف مذکورہ تفصیلات سے یہ معلوم ہوا کہ فقہاء نے جس مبیع کے قبضہ کیلئے جو صورتیں بیان فرمائی ہیں وہی معمول بہا ہوں گی، اور جہاں کوئی صراحت نہیں ہے، تعامل اور عرف کے مطابق عمل ہوگا۔

۳۔ قبضہ کی نوعیت اعیان منقولہ اور غیر منقولہ کے اعتبار سے جداگانہ ہے، لہٰذا اگر مبیع از قبیل عقار ہوکر جائیداد وغیرہ ہو تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ اسے فصل سے خالی کر کے مشتری کے حوالہ کردیا جائے، اور اگر مکان ہو تو اسباب سے خالی کر کے تالہ اور کنجی خریدار کے حوالہ کردیا جائے، یہی تمکن اور ید کے مرادف ہے، لیکن اگر منقولات سے ہوں تو اس میں تفصیل ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نقل اور تحویل کے ذریعہ قبضہ ہوگا اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک قبضہ تخلیہ سے ہوگا، غالباً حضرت امام شافعیؒ کی بھی تخلیہ سے یہی مراد ہے۔

جواب (۲) کے ضمن میں تخلیہ کی تعریف اور اس سلسلہ میں فقہاء کی نصوص مفصلاً بیان کردی گئی ہیں۔

علامہ ابن رشد قرطبی تحریر فرماتے ہیں: **وإنما استثنیٰ أبو حنیفة ما یحول وینقل عنده مما لا ینقل لأن ما ینقل القبض عنده فیه هی التخلیة** (بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۵)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اشیاء منقولہ کے حکم کو اعیان غیر منقولہ سے الگ کردیا ہے کیونکہ اعیان منقولہ میں حضرت الامام کے نزدیک قبضہ شرط ہے جو تخلیہ کے مرادف ہے۔

۴۔ احادیث مبارکہ جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور علت نہی ''غرر'' ہے، **نهی رسول الله عن بیع مالم یقبض، وعن ربح مالم یضمن، ونهی عن بیع الطعام قبل قبضه**'' یا اس کے علاوہ دیگر مرویات میں نہی کی علت قدرے مشترک کے طور پر ''غرر'' ہے کیونکہ ایک دوسری روایت صریحاً بھی موجود ہے، جو اس علت منع کی وضاحت کررہی ہے ''**نهی النبی عن بیع الغرر**'' صاحب ''بدائع الصنائع'' تحریر فرماتے ہیں: **نهی رسول الله عن بیع فیه غرر وبین تمکن الغرر أن الغرر هو الخطر** (بدائع الصنائع ۵/۱۶۳)۔

ابن حزم نقل فرماتے ہیں: **عن أبی هریرة قال: نهی رسول الله عن بیع الطعام حتی یجری فیه الصاعان فیکون لصاحبه الزیادة وعلیه النقصان** (محلی لابن حزم ۸/۵۲۳)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ نے جو عدم جواز کا قول کیا ہے اس کی وجہ علامہ ابن تیمیہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: اگر مبیع تلف ہوگئی تو دونوں شخص اس کے ضامن نہ ہوں گے، بلکہ وہی ہوگا جس نے اسے بیچا

ہے، یعنی بائع اول "وهؤلاء يعللون المنع بتوالى الضمانين (فتاوی لابن تیمیہ ۵۰۶/۲۹)۔

اسی طرح علامہ جزیری عدم جواز کی علت یوں تحریر کرتے ہیں: **وقد قيل في علة النهي إن في قبضه منفعة للعمال إذ ينتفعون بكيله وحمله ووزنه وغير ذلك بخلاف ما إذا بيع وهو عند صاحبه فإن ذلك يضيع تلك المنفعة وقيل إنه أمر تعبدي** (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲۳۵/۲)۔

نہی کی علت میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے عاملین کا نفع ہے، اسلئے کہ وہ لوگ کیل، وزن اور بار برداری سے نفع حاصل کرتے ہیں، برخلاف اس صورت کے جبکہ مبیع پر قبضہ نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں یہ منفعت ضائع ہوجاتی ہے، اور ایک دوسری علت یہ بھی ہے کہ وہ امر تعبدی ہے۔

خلاصہ کلام: جب قبضہ امر تعبدی ہے تو اس کی شرط وہیں لگے گی جہاں حدیث موجود ہے، کیونکہ یہ امر غیر مدرک بالقیاس ہونے کے باعث " **يقتصر على مورد النص** "ہوگا۔

لگے ہاتھوں علامہ ابن رشد قرطبی کا بھی عندیہ معلوم کرتے چلیں، وہ اس منع کی علت یوں تحریر کرتے ہیں: **ومن طريق المعنى إن بيع مالم يقبض يتطرق منه إلى الربا** (بدایۃ المجتہد ۱۴۵/۲)۔

اسی طرح ایک مقام پر علامہ جزیری فساد بیع کی انواع بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **ومنها بيع الغرر وهو التردد بين أمرين أحدهما يوافق الفرض والآخر يخالفه** (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/ ۲۴۲)۔

صاحب قواعد الفقہ "غرر" کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں **ما يكون مجهول العاقبة لا يدرى أن يكون أم لا** (قواعد الفقہ/ ۳۹۹) یعنی جس کا نتیجہ نا معلوم ہو آیا مرتب ہوگا یا نہیں، مندرجہ بالا حدیث جسے بیع قبل القبض کے عدم جواز کی علت بنا کر پیش کیا گیا ہے، اس سے استدلال اس وقت ہوگا جبکہ "غرر" بمعنی خطر ہو، لیکن اگر "غرر" غرور سے مشتق مانیں، یا "غرر فی صلب العقد" پر محمول کریں تو استدلال صحیح نہ ہوگا، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: **الغرر هو الخطر الذى استوى فيه الطرف والوجود والعدم بمنزلة الشك، وأما الحديث فيحتمل أن يكون الغرر هو الخطر ويحتمل أن يكون من الغرور فلا يكون حجة أو نحمله على الغرر فى صلب العقد بالتعلق بشرط أو بالإضافة إلى وقت** (بدائع الصنائع ۱۶۳/۵)۔

عند الفقہاء "غرر" کی دو قسمیں ہیں: غرر یسیر، غرر کثیر، غرر یسیر کی فقہاء کے یہاں گنجائش ہے، اس سے بیع کے جواز میں خلل واقع نہیں ہوتا، جیسا کہ "کتاب الفقہ" میں موجود ہے:

ويغتفر الغرر اليسير للضرورة وكإجارتها بمشاهرة مع احتمال نقصان الشهور وزيادتها بخلاف ما إذا كان الغرر كثيرا كبيع الطير فى الهواء (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/ ۲۴۳)۔

ضرورۃً غرر قلیل کی گنجائش ہے، جیسے مہینوں کی ایام کے اعتبار سے کمی وبیشی کے باوجود اجارہ کا صحیح ہونا،

البتہ غرر کثیر کی گنجائش نہیں، جیسے فضا میں چڑیوں کی بیع وغیرہ۔

ایک مقام پر علامہ ابن القیم جوزی کا قول مفتی ظفر احمد صاحب تھانوی نقل فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ہر ''غرر'' تحریم کا باعث نہیں ہوتا، اگر ''غرر'' یسیر ہو تو مصلحۃً للناس اس کے جواز کا قول کرنا چاہئے۔ اور اسے مانع صحت عقد قرار نہیں دینا چاہئے: **ولو قدر أن فی ذلک غررا فهو غرر یسیر یغتفر فی جنب المصلحة العامة التی لابد للناس منها فلیس کل غرر سببا للتحریم والغرر إذا کان یسیرا أو لا یمکن الاحتراز منه لم یکن مانعا من صحة العقد** (اعلاء السنن ۱۴/۱۲۲)۔

جب بیع کے عدم جواز کی وجہ غرر کثیر کا وجود ہے تو ان صورتوں میں بیع بدون کسی زیغ کے صحیح ہو جائے گی، جہاں غرر کلیۃً مفقود ہو، جیسے غیر منقول کہ اس میں غرر کا شائبہ تک نہیں، اور اگر غرر ہے بھی تو یہ غرر نادر ہے اور نادر کا اعتبار نہیں، **واحتج أبو حنیفة بأن الحکم معلل بغرر انفساخ العقد بهلاک المبیع والهلاک فی غیر المنقول نادر والنادر کالمعدوم** (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۵)۔

۵۔ علامہ ابن رشد قرطبی مبیع کی انواع اور ائمہ کے مذاہب بیان کرنے کے بعد قبضہ کی شرطوں کا سات اقوال میں احاطہ فرماتے ہیں، وہ تحریر کرتے ہیں: **فیحتمل فی اشتراط القبض سبعة أقوال: الأول فی الطعام الربوی فقط، والثانی فی الطعام بإطلاق، والثالث فی الطعام المکیل والموزون، الرابع فی کل شئ ینقل، الخامس فی کل شئ ،السادس فی المکیل والموزون، السابع فی المکیل والموزون والمعدود** (بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۵)۔

مندرجہ بالا اقوال میں سے صرف پانچواں قول جس میں بیع کی صحت کیلئے ہر طرح کی مبیع پر قبضہ شرط ہے جس کے قائل حضرت امام شافعیؒ اور سفیان ثوری ہیں، عام ہے، بقیہ سارے اقوال میں کسی نہ کسی درجہ کی تخصیص ہے۔

بہر کیف جمہور ائمہ کے نزدیک بیع قبل القبض کی ممانعت خاص ہے، مسند احمد کی ایک روایت سے جسے حضرت عبداللہ بن عمرو نے مرفوعاً نقل کیا ہے، یہی معلوم ہوتا ہے۔ **من اشتری طعاما اشتراہ بکیل أو وزن فلا یبعه حتی تقبضه**، دوسری مرویات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مگر الفاظ مختلف ہیں، نسائی کی روایت میں: ''**حتی یستوفیه**'' اور دار قطنی میں ''**حتی یجری فیه الصاعان**'' ہے، ظاہر ہے ''**استیفاء**'' اور ''**یجری الصاعان**'' کا تعلق مکیل اور موزون سے ہی ہے۔

ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں: **وانما استثنیٰ أبو حنیفة ما یحول وینقل عنده مما لا ینقل** (بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۵)۔

فالحاصل حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے نصوص کو خاص کیا ہے منقول کے ساتھ، نیز یہ ممانعت معلول بالعلۃ ہے، اور امام شافعیؒ نے ان نصوص کو عدم جواز میں عموم پر محمول کیا ہے، بشرطیکہ وہ مبیع متمیز نہ ہو، حضرت امام محمدؒ کے نزدیک بھی نہی سے عمومی نہی ہے، حضرت مولانا مفتی ظفر احمد صاحب تھانوی تحریر فرماتے ہیں: **إلا**

أن أبا حنيفة وأبا يوسف خصا النصوص بالمنقول بعلة النهي وهو غرر انفساخ العقد بالهلاک قبل القبض، ومحمد أجراها على عمومها، والشافعي خصها بما لم يكن متميزا، وهو اختلاف الاجتهاد (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۴) حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی تخصیص ہی کا ہے: ونقل عن أحمد أن المطعوم لا يجوز بيعه قبل قبضه سواء كان مكيلا أو موزونا أو لم يكن (مغنی لابن قدامہ ۴/۱۱۵)۔

ذکر کردہ عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکیل اور موزون میں بیع قبل القبض صحیح نہیں، لیکن اس سے مراد کیا ہے اس کی وضاحت بعض فقہاء اس طرح کرتے ہیں: وقال القاضي وأصحابه المراد بالمكيل والموزون والمعدود ما ليس بمتعين كالقفيز من صبرة والرطل من زبدة فأما المتعين فيدخل في ضمان المشتري كالصبرة يبيعها من غير تسمية (مغنی لابن قدامہ ۴/۱۱۵) قاضی اوران کے اصحاب نے فرمایا ہے کہ مکیل، موزون اور معدود سے مراد جو متعین نہ ہو، جیسے غلہ کی بوریوں سے ایک بوری اور سکہ سے ایک رطل، پس بہر حال جو متعین ہوگا وہ مشتری کے ضمان میں داخل ہوگا، جیسے صبرہ کو بغیر تعیین کے کوئی بیچے۔

بیع قبل القبض کی تخصیص کا پتہ ظاہر روایت سے بھی چلتا ہے، علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: ظاهر المذهب أن المكيل والموزون لا يدخل في ضمان المشتري إلا بقبضه (مغنی ۴/۱۱۵) اس سلسلہ میں عبدالرحمٰن الجزیری کی بھی تحریر ملاحظہ فرمالیں: أما بيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض والضياع والنخيل والدور ونحو ذلک من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها فإنه يصح (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۴)۔

۶۔ صورت مسئولہ میں اگر درج ذیل ضابطے ملحوظ ہوں تو مسئلہ کی وضاحت میں قدرے رہنمائی مل سکتی ہے، علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں: وكل عوض ملک بعقد ينفسخ بهلاكه قبل القبض لم يجز التصرف فيه قبل قبضه .... وما لا ينفسخ العقد بهلاكه جاز التصرف فيه قبل قبضه (مغنی لابن قدامہ ۴/۲۲۱) وقال أبو حنيفةؒ كل ما ملک بعقد ينتقض العقد بهلاكه فلا يجوز بيعه قبل قبضه كالبيع والإجارة إلا العقار (محلی لابن حزم ۸/۵۲۰) حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہروہ معاملہ جس میں انسان عقد کے ساتھ مالک ہوا گروہ معاملہ ہلاکت سے ختم ہوگیا تو اس کی بیع وشراء قبل القبض جائز نہیں ہے۔

علامہ کاسانی کی رائے اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو: والأصل أن كل عوض ملک بعقد ينفسخ فيه العقد بهلاكه قبل القبض لا يجوز التصرف فيه كالبيع والإجارة إذا كان منقولا عينا وكل عوض ملک بعقد لا ينفسخ العقد فيه بهلاكه قبل القبض لا يجوز التصرف فيه كالمهر وبدل الخلع (بدائع الصنائع ۵/۱۸۱)۔

اگر ان ضابطوں کو سوال (۶) کے ساتھ منسلک کردیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مبیع کی ہلاکت سے خریدار (۱) کا معاملہ بائع سے یا فیکٹری سے ختم نہیں ہوتا ہے، اسلئے خریدار (۱) کا تصرف بھی صحیح ہونا چاہئے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں بیع قبل القبض کا ثبوت بھی ہوا کہ نہیں، میری فہم ناقص میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب قبضہ کی بہت ساری قسمیں ہیں تو قبضہ حکمی مان کر جواز کا قول کر دینا چاہئے، کیونکہ جب مشتری، یا اسکے وکیل نے معاملہ میں بیع کر لیا تو کم از کم قبضہ حکمی اشارہ اور تمیز ضرور ہوگا، نیز یہ صورت تو ''ربح مالم یضمن'' میں بھی داخل نہیں ہورہی ہے، کیونکہ مشتری اول تو نفع ونقصان دونوں کا ضامن ہورہا ہے، اور مشتری ثانی کا اس میں کوئی نقصان بھی نہیں، پھر علت نہی تو ''غرر'' ہے اور یہاں سرے سے غرر ہی نہیں، کیونکہ نت نئے ناپ تول کے آلات ایسے ایجاد ہو گئے ہیں کہ ان پر غرر کا شائبہ تک نہیں ہے، خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ ساری دنیا میں اکثریت کے ساتھ وزن ہی کے ساتھ معاملہ ہورہا ہے، اور جدید ترین وزن کے آلات ایجاد ہو گئے ہیں جن میں ذرہ برابر قلت وزیادت کا شائبہ نہیں، اسلئے جب مبیع ایک بار تول لی گئی تو پھر ثانیاً وزن کی ضرورت نہیں، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: **ولو كاله البائع أو وزنه بحضرة المشترى كان ذلك كافيا ولا يحتاج إلى إعادة الكيل لأن المقصود يحصل بكيله مرة واحدة بحضرة المشترى** (صنائع بدائع ۲۴۵/۵)۔

نیز اگر مبیع پر حقیقۃً قبضہ کی شرط لگائی جائے تو یہ مشتری پر ایک طرح کا جرم ہوگا، کیونکہ اس طرح کے آلات اول تو ہر جگہ دستیاب نہیں ہوتے، اور اگر دستیاب ہوں بھی تو مبیع کے انتقال پر کتنا صرفہ اور غیر ضروری خرچ ہوگا جسے بجز زیر باری کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا **"لاضرر ولا ضرار، الحرج مدفوع"** کے تحت اس معاملہ کو جائز قرار دینا چاہئے۔

بہر حال نص کا منشاء اور مقتضی تو صرف یہ تھا کہ غرر سے بچا جائے چنانچہ صورت مسئولہ کے جواز میں ''غرر'' تو کجا شائبہ ''غرر'' بھی نہیں، اور اگر ''غرر'' سے مراد ''**غرر في صلب العقد بالتعليق بشرط أو بالإضافة إلى وقت**'' لیا جائے تو اس معاملہ کی صحت اور بے غبار ہوجاتی ہے، کیونکہ اس میں اس طرح کی کوئی شرط نہیں ہے، ساتھ ہی بیع قبل القبض کے جواز میں دو تابعی کی بھی روایتیں موجود ہیں، کیا ان روایتوں کی موجودگی میں حکم کی شدت پر اثر نہیں پڑسکتا؟ (۱) **عن سعيد بن المسيب أنه كان لا يرى بأسا أن يبتاع الرجل بيعا لا يكال ولا يوزن يبيعه قبل أن يقبضه** (۲) **ومن طريق عبد الرزاق عن معمر عن أيوب عن ابن سيرين قال لا بأس بأن يشترى شيئا لا يكال ولا يوزن بنقد ثم يبيعه قبل أن يقبضه وهو قول الحكم وإبراهيم وحماد بن أبي سليمان وذكره النخعي عمن لقى وقال عطاء جائز بيع كل شي قبل أن يقبض** (محلی لابن حزم ۵۲۰/۸)۔

واضح ہو کہ میں نے تابعی سے دونوں روایتوں کو ذکر کر کے اسے مخالف پر حجت شرعیہ قرار نہیں دیا ہے، بلکہ محض یہ ثابت کرنا ہے کہ ان دونوں جلیل القدر تابعی کا بھی یہی قول ہے، مذکورہ بالا عبارتوں سے اگر اس مسئلہ میں توسع پیدا کر دیا جائے تو میری فہم ناقص میں کوئی حرج نہ ہوگا، نیز ائمہ کا اختلاف خود اس کا مؤید ہے کہ اس کے حکم میں تخفیف ہونی چاہئے، ابن قدامہ حنبلی کی اس عبارت: ''**فأما المتعين فيدخل في ضمان المشترى**'' سے بھی

یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی بیع اور اس کا تصرف صحیح ہوگا، کیونکہ جس مبیع میں تصرف کی جارہی ہے وہ مبیع معلوم و متعین ہے نہ کہ مبیع مجہول۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: **فكانت التخلية فيها قبضا تاما فيكتفى بها فى جواز التصرف قبل الذرع بخلاف المكيلات والموزونات على ما بينا إلا أنه يخرج من ضمان البائع بالتخلية نفسها لوجود القبض بأصله والخروج عن ضمان البائع يتعلق بأصل القبض لا بوصف الكمال** (بدائع الصنائع ۲۴۵/۵)۔

تخلیہ قبضہ تام کے مرادف ہے اور اس میں تصرف ہوسکتا ہے ذرع سے پہلے پہلے، بخلاف مکیلات و موزونات کے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، مگر یہ کہ وہ مبیع بائع کے ضمان سے نکل جاتی ہے نفس تخلیہ ہی سے قبضہ کے پائے جانے کی وجہ سے، اور بائع کے ضمان سے مبیع کا خارج ہوجانا اصل قبضہ پر منحصر ہے نہ کہ قبضۂ کاملہ پر۔

اور اگر بیع عین بالدین ہو تو قبضہ کی شرط بھی نہیں ہے، جیسا کہ صاحب بدائع لکھتے ہیں: **ومنها ما لا يشترط فيه القبض أصلا كبيع العين بالعين مما سوى الذهب والفضة وبيع العين بالدين مما لا يتضمن ربا النسأ كبيع الحنطة بالدراهم** (بدائع الصنائع ۲۴۷/۵)۔

چنانچہ صورت مسئولہ میں بیع عین بالدین ہی تو ہے، اسلئے قبضہ کی شرط نہیں لگے گی، اگر علامہ ابن رشد قرطبی کی وہ تفصیلی بحث جو غرر و بیوع غرر سے متعلق ہے گوش گذار کرلیا جائے تو اس سے صورت مسئولہ کا شافی جواب دیا سکتا ہے۔

علامہ مذکور تحریر فرماتے ہیں: **الغرر يوجد المبيعات من جهة الجهل على أوجه: (۱) ومن جهة الجهل بتعيين المعقود عليه (۲) جهالة تعيين العقد (۳) أومن جهة الجهل بوصف الثمن والمثمون المبيع (۴) أو جهالة قدره أو أجله إن كان هنالك أجل (۵) من جهة الجهل بوجوده أو تعذر القدرة عليه (۶) من جهة الجهل بسلامته** (بدایۃ المجتہد ۱۴۸/۲)۔

(۱) معقود علیہ کی تعیین میں جہالت (۲) تعیین عقد کی جہالت (۳) ثمن و مثمن کے وصف کی جہالت (۴) قدر اور مدت کی جہالت (۵) مبیع کے وجود اور قدرت علی التسلیم کی جہالت (۶) مبیع کی سلامتی اور اس کے بقا کی جہالت۔

اب سوال یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں نہ تو اسباب غرر سے ہی کوئی سبب پایا جاتا ہے، اور نہ وہ بیع بیوع غرر سے ہی شمار کی جاتی ہے، جن میں علت مذکور یا غیر مذکور ہو، اسلئے ضمان کو قبضہ حسی مان کر جائز قرار دیدینا چاہئے، نیز اس کے جواز میں اصول فقہ کے قاعدہ مشہورہ کو بھی مستدل بنایا جاسکتا ہے۔ **الأصل عندنا أن جواز البيع يتبع الضمان فكل ما كان مضمونا بالإتلاف جاز بيعه وما لا يضمن بإتلاف لا يجوز بيعه** (قواعد الفقہ / ۴۸) چونکہ مبیع کی ہلاکت کی صورت میں بائع ضامن ہے اسلئے اس کا فروخت کرنا صحیح ہوگا۔

۷۔ اگر قبضہ حقیقی یا حکمی پائے جانے کے بعد شپنگ کیا گیا ہے تو اس صورت میں ہلاکت سے بائع اول ضامن نہیں ہوگا، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: إلا أنـه يـخـرج من ضمان البائع بالتخلية نفسها لوجود القبض بأصله والخروج عن ضمان البائع يتعلق بأصل القبض لا بوصف الكمال (بدائع الصنائع ۲۴۵/۵) اس کے جواز کی دوسری دلیل فقہ کا قاعدہ مشہور ہے: الأصل أن الضمانات في الذمة لا تجب إلا بأحد الأمرين إما بأخذ أو بشرط يعني بشرط قبول العقد (قواعد الفقہ /۱۵)۔

ظاہر ہے اس صورت میں دونوں (اخذ یا قبول عقد) میں سے کوئی ایک ضرور ہوگا، اسلئے مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی اور یہ معاملہ درست ہوگا، لیکن اگر قبضہ کلیۃً مفقود ہے تو یہ بیع درج ذیل اصل کی بنیاد پر ملکیت نہ پائے جانے کی وجہ سے باطل ہوگی: أما إذا باع الطير في الهواء قبل أن يصطاده فالبيع باطل أصلا لعدم الملك (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲۲۳/۲) چنانچہ جب مشتری اول (جو من وجہ بائع اور مشتری دونوں ہے) کی بیع باطل ہوگی تو مشتری ثانی کی کیسے صحیح ہو سکتی ہے، بناء فاسد علی الفاسد فاسد ہے نہ کہ بناء فاسد علی الفاسد صحیح، نیز یہ صورت تو احناف کے اس قاعدہ مسلمہ سے بھی متصادم ہے جس میں تصرف کی شرط بوقت ہلاکت ضمان قرار دیا گیا ہے۔

''إذا فات الشرط فات المشروط'' کے تحت جب یہاں ضمان نہیں تو پھر تصرف بھی نہیں، الأصل عندنا أن جواز البيع يتبع الضمان فكل ما كان مضمونا بالإتلاف جاز بيعه وما لا يضمن بالإتلاف لا يجوز بيعه (قواعد الفقہ /۴۸)۔

نیز اس میں غرر کثیر بھی ہے "والغرر الكثير لا يغتفر"، اور غرر کے اعتبار کرنے اور نہ کرنے کی بابت مفصلاً جواب (۴) کے ذیل میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں علامہ سرخسی یوں تحریر فرماتے ہیں: وفي المنقول قبل القبض في الملك غرر لأن بهلاكه ينتقض البيع ويعطل ملك المشتري فإذا قبضه انتفىٰ هذا الغرر (مبسوط للسرخسی ۹/۱۳)۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا سلطان احمد اصلاحی

۱۔ فقہ اسلامی میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلہ میں تقسیم ہے، حضرات حنفیہ کے یہاں ہر وہ چیز جسے ایک جگہ سے ہٹایا اور منتقل کیا جا سکتا ہو، کسی خریدنے والے کیلئے ایسی چیز کا بیچنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک وہ اس کے قبضہ میں نہ آجائے، حدیث میں اس کی ممانعت کے علاوہ اس کی دوسری وجہ اس کے ہلاک یا ضائع ہو جانے پر اس عقد کے ختم ہونے کا دھوکہ ہے، **ومن اشترى شيئا مما ينقل ويحول لم يجز له بيعه حتى يقبضه لأنه نهى عن بيع ما لم يقبض ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاک** (ہدایۃ ۵۸/۳)، البتہ مکان اور دکان جیسی غیر منقولہ چیزوں (عقار) کی بیع قبضہ سے پہلے حضرات شیخین امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، امام محمد کے نزدیک البتہ یہ بھی جائز نہیں ہے (حوالہ سابق)، دیگر فقہاء کے مسالک کی تفصیل میں حضرات مالکیہ کے یہاں کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ دوسری تمام چیزوں کی قبضہ سے پہلے بیع جائز ہے، اس میں ان کے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

وأما بيع ما سوى الطعام قبل القبض فلا خلاف في مذهب مالک في إجازته (بدایۃ المجتہد ۱۴۴/۲) کھانے پینے کی چیزوں کی ممانعت میں ان حضرات کی بنائے استدلال آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ: جو کوئی کھانے پینے کی چیز خریدے تو اسے اس وقت تک نہ بیچے جب تک کہ اس پر اس کا قبضہ نہ ہو جائے: **من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه** (حوالہ سابق)، البتہ حضرت امام شافعی کے نزدیک کسی فرق کے بغیر جو چیز بھی بیچی جائے اس سے پہلے قبضہ اس کیلئے شرط ہے، یہی رائے امام ثوری کی ہے، حضرات صحابہ میں اس کی روایت حضرت جابر بن عبد اللہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی کی گئی ہے، ہاں ابو عبید اور اسحاق کا یہ ضرور کہنا ہے کہ تمام وہ چیزیں جنہیں ناپ کر کے یا تول کر کے نہ بیچا جاتا ہو تو قبضہ ہونے سے پہلے ان کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے (حوالہ مذکور) قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت کے سلسلہ میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: **لا يحل بيع وسلف ولا ربح ما لم يضمن ولا بيع ما ليس عندک** (بدایۃ المجتہد ۱۴۵/۲)، حضرت حکیم بن حزام کی روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد: **يا ابن أخي إذا اشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه** (حوالہ سابق)، اوپر حضرات شیخین کی مکان اور دوکان وغیرہ کے سلسلہ میں جو اس سے ہٹ کر رائے ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ احادیث مطلق نہیں، بلکہ معلول بالعلۃ ہیں، یعنی کہ سامان کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں عقد کے فسخ ہو جانے کا دھوکہ، لیکن چونکہ اشیاء

غیر منقولہ میں اس کا امکان نادر ہے اس لئے ان حضرات کے یہاں اس کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے (ہدایہ ۵۸/۲)، دوسری توجیہ کے مطابق دریں صورت حضرت امام اعظم کے نزدیک مکان و دوکان کا خالی ہوجانا ہی قبضہ کے قائم مقام ہے، لأن ما لا ینقل القبض عندہ فیہ التخلیة (بدایۃ المجتہد ۱۴۵/۲)۔

(مسئلہ کی اس تفصیل سے جبکہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا مطلق عدم جواز ہی محل نظر ہو، اس کے باطل، فاسد یا مکروہ ہونے کی بحث کوئی خاص معنویت نہیں رکھتی، تاہم مآخذ میں اس کو فاسد اور باطل دونوں (نیل الاوطار ۱۵۶/۳، ۱۵۸، ۱۸۰)، نیز مکروہ (المغنی لابن قدامہ ۲۲۳/۴، بحولہ بالا) اسی طرح اس کے دوسرے نظائر کو بھی فاسد اور باطل کہا گیا ہے (نیل الاوطار ۱۷۴/۳، ہدایہ ۳۴/۳، المغنی ۲۴۸/۴-۲۵۰) بنابریں بالخصوص حضرات حنفیہ کے مطابق اشیاء غیر منقولہ کی قبل القبض بیع میں معاملہ کی نوعیت اور اس کی خفت اور غلظت کے پہلو سے اس میں باطل، فاسد اور بیع مکروہ تینوں کے احکام وارد کئے جاسکتے ہیں)۔

۲۔ اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ کی حقیقت تو یہی ہے کہ چیز خریدنے والے کی تحویل میں اس طرح آجائے کہ کسی اور سے معاملہ کرنے کی صورت میں اسے اس کو حوالہ کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے، لیکن مسئلہ کی تمام تفصیلات اور اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر حال میں اس قبضہ کا یہ مطلب نہیں کہ چیز لازماً آدمی کے ہاتھ اور اس کے دکان میں آجائے، عرف کا اس میں دخل ہونا چاہئے، اور جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو عرف میں قبضہ تصور کیا جائے شریعت اسلامی کی رو سے بھی اسے ہی جائز قبضہ تصور کیا جائے گا۔

۳۔ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق ہے جس کی تفصیل جواب (۱) میں آچکی ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور علت نہی یہی ہے کہ چیز کے ہلاک ہوجانے کی صورت میں عقد کا فسخ کرنا لازم آئے گا جس سے اس میں دھوکہ پیدا ہوجائے گا، جبکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے، جواب (۱) میں اس کی تفصیل بھی آچکی ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عام نہیں بلکہ اس میں استثناءات اور تخصیصات ہیں، اس کی تفصیل بھی جواب نمبر (۱) میں کی جاچکی ہے۔

۶۔ فیکٹری سے مال خریدنے والے خریدار نمبر (۱) کی ضمان کو قبضہ حسی کے قائم مقام مان کر اس کیلئے خریدار نمبر (۲) کے لئے اس مال کا فروخت کرنا جائز ہوگا، ضمان کو نظر انداز کر کے صرف قبضہ حسی پر اصرار کرنا درست نہ ہوگا۔

۷۔ جہاز پر مال چڑھ جانے کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہوجانے سے جو مشتری اس مال کا ضامن ہوجاتا ہے، اس کیلئے حسی قبضہ کے بجائے اسی ضمان کی بنیاد پر اس مال کا تیسرے شخص کیلئے بیچنا جائز ہوگا، گو کہ اس سودے کے بعد اس کا ضمان تیسرے خریدار کا ہوجائے اور بیچ کے دوسرے خریدار کا کوئی ضمان باقی نہ رہے، دراصل اس مسئلہ کی تھوڑی سی مزید تفصیل کی ضرورت ہے۔

آج کی بین الاقوامی تجارت میں اشیاء غیر منقولہ میں بیع کی صحت کیلئے اگر ہر حال میں قبضہ حسی کو شرط قرار

دیا جائے تو یہ چیز عام الناس کیلئے زحمت اور تنگی کا باعث ہوگی، آج کے بڑھتے ہوئے ذرائع ابلاغ کی قوت سے اپنے کا رندوں کے ذریعہ سفر کی کسی بھی منزل میں مال کی نوعیت اور کیفیت کا اطمینان کر لینا دشوار نہیں، جہاں تک نقصان اور دھوکے کا سوال ہے وہ سامنے کی تھوک خریداری کی صورت میں بھی اسی طرح برابر بنا رہتا ہے، ایک ہزار کوئنٹل گیہوں / چاول کا سودا کرنے والا کاروباری اس کی ہر بوری اور اس کے ایک ایک دانے کو پرکھنے کا اطمینان نہیں کر سکتا، جس درجہ کا اطمینان آدمی سامنے کی اس طرح کی تھوک خریداری میں کرتا ہے، اس سے کم اطمینان وہ اپنے معتبر پیشہ ور کارندوں کے ذریعہ شپنگ کے سامان کا نہیں کرتا، اس کے باوجود ہر حال میں یہ اصرار کہ سامان اتر کر پہلے خریدار کے گودام میں آجائے، اس کے بعد ہی اس کیلئے دوسرے خریدار سے اس کا سودا کرنا ممکن ہو سکے بوجوہ دشواری اور نقصان کا موجب ہے، اس میں خواہ مخواہ کی مشقت کا مالی خسارہ اور کام کا پھیلاؤ ہوگا، اسلامی شریعت جو مصلحتوں کی محافظ اور نقصان اور ضرر کے سخت خلاف ہے، بدلتے حالات میں ان نصوص میں اس کا رویہ سخت گیر اور بالکل بے لچک نہیں ہو سکتا۔

پس غیر ضروری توسع سے بچتے ہوئے جدید شپنگ کی اس طرح کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہوگی۔

واللہ أعلم بالصواب



قبضہ سے پہلے بیع وشراء کا شرعی حکم

مولانا عبدالقیوم پالنپوری

۱۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مشتری کا قبل القبض مبیع منقول کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ بیع فاسد ہے، اور مبیع غیر منقول کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے، **قال أبو حنيفة و أبو يوسفؒ يمتنع البيع قبل القبض فی سائر المنقولات ويجوز فی العقار الذی لا يخشی هلاكه كما فی** (فتح القدیر ۲۶۶/۵، تکملۂ فتح الملہم ۳۵۱/۱) **صح بيع عقار لا يخشى هلاكه قبل قبضه .... لعدم الغرر لندرة هلاك العقار .... بخلاف بيعه (المنقول) قبله فإنه باطل مطلقاً قلت فی المواهب وفسد بيع المنقول قبل قبضه انتهىٰ ، و نفی الصحة يحتملهما "الدر المختار" (قوله نفی الصحة) أی الواقع فی المتن يحتملهما أی يحتمل البطلان و الفساد ، والظاهر الثانی لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركنی البيع ، و كثيراً ما يطلق الباطل على الفاسد ، أفاده ط** (رد المحتار مع الدر ۲۲۵/۴۔۲۲۶)۔

۲،۳۔ قبضہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک حسی اور دوسرا حکمی، اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں حسی قبضہ ہی ضروری نہیں ہے، بلکہ حکمی قبضہ بھی کافی ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ بیع کرنے کے بعد مبیع کے سامنے، یا قریب ہونے کی حالت میں بائع مشتری کو کہہ دے کہ اس کو لے لو، پھر چاہے مشتری اس مبیع کو اٹھائے، یا نہ اٹھائے (یا تصرف میں لائے، یا نہ لائے) حکمی قبضہ ہو جائے گا اور مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی، اشیاء منقولہ یا غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار میں ہے۔

ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف سے متعین ہوتا ہے، یعنی عرف میں جس کو قبضہ تصور کیا جائے گا وہی شرعاً قبضہ مانا جائے گا بشرطیکہ مبیع مقدور التسلیم ہو اور دور نہ ہو، حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب لکھنویؒ لکھتے ہیں: "پھر اس امر میں کہ قبضہ معتبر کس طور کا ہے، فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، جن سب کا مرجع عرف پر ہے اور ہے بھی یہی بات کہ قبضہ کوئی شرعی ایجاد نہیں، جسے لوگ قبضہ سمجھتے آئے وہی شرع میں بھی قبضہ سمجھا گیا ہے، خصوصاً اس زمانہ میں اعتبار قبض کو وسعت دینے کی سخت ضرورت ہے، مثلاً چھکڑے مالوں سے بھرے آتے ہیں اور کھڑے کھڑے کئی بار بک کر آخر کا رمال اتارا جاتا ہے، تو ہر بار کسی قسم کی نقل وحرکت میں غالباً مصارف اصل کے قریب، یا زیادہ بڑھ جائیں گے، پس

ضروری ہے (۱) بلٹی (۲) قول قبضہ سمجھ لیا جائے، مثلاً مال کی بلٹی پر دستخط کر کے حوالے کردے، یا بیچ کر کہد یا کہ تم لے لو، یہ قبضہ ہے، کیونکہ عرف موجودہ میں یہ تمام امور قبضہ جائز متصور ہوتے ہیں، اوران سے مشتری کو باقاعدہ تصرف کا اختیار ہوجاتا ہے'' (عطر الہدایۃ ۴۸)۔

اور حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں'' ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف سے متعین ہوتا ہے'' (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ۹۲)۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اوراس بیع کی ممانعت کا مدار دو علتوں پر ہے، ایک یہ ہے کہ قبضے سے پہلے مبیع مقدور التسلیم نہیں ہوتی، لہذا یہ بات یقینی نہیں کہ وہ مشتری کوضرور قبضہ کرادے گا، یہ غرر ہے جس کی وجہ سے جائز نہیں، اور دوسری علت ممانعت یہ ہے کہ قبضے سے پہلے مبیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی، اور'' ربح مالم یضمن'' جائز نہیں ہے، جیسا کہ حضرت مولانا تقی صاحب عثمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:
قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کا مدار دو وجہوں پر ہے (۱) قبضے سے پہلے مبیع مقدور التسلیم نہیں ہوتی۔

لہذا یہ بات یقینی نہیں کہ وہ مشتری کو ضرور قبضہ کرادے گا، یہ غرر ہے جس کی بناء پر جائز نہیں، بیع کی بہت سی صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان میں یہ غرر کی وجہ نہیں پائی جاتی، باوجوداس کے مبیع حسا مقبوض نہیں لیکن حکماً وہ مشتری کے تصرف میں آجاتی ہے، لہذا ایسی صورتوں میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت نہیں پائی جائے گی۔

(۲) قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قبضے سے پہلے مبیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی اور'' ربح مالم یضمن'' جائز نہیں (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ۹۱)۔

اور حضور ﷺ کی احادیث: " **لا يحل سلف و بيع و لا شرطان فى بيع و لا ربح ما لم يضمن و لا بيع ما ليس عندك (أخرجه الترمذى)** اور **إن النبى ﷺ نهى عن بيع الحصاة و عن بيع الغرر (رواه الجماعة إلا البخارى** (إعلاء السنن ۱۱۶/۱۴))۔

دلالت کرتی ہیں کہ قبل القبض بیع کی نہی علت یہ ہے کہ یہ بیع غرر، یا'' ربح مالم یضمن'' کو مستلزم ہے، **وإنما العلة المنصوصة فى ذلك ما رويناه فى حديث عبد الله بن عمروؓ وهو أن البيع قبل القبض يتضمن ربح ما لم يضمن** (تکملۃ فتح الملہم ۳۵۴/۱)۔

وقال ابن الهمام " والحديث معلول به أى بغرر الانفساخ ، والدليل عليه أن التصرف الذى لا يمتنع بالغرر نافذ فى البيع قبل القبض وهو العتق و التزوج عليه (فتح ۲۶۶/۵ عن تکملۃ فتح الملہم ج۳۵۳/۱)۔

۵۔ (۱) امام احمدؒ کی اظہر روایت یہ ہے کہ نہی صرف طعام کے ساتھ خاص ہے، لہذا طعام کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے، اوراس کے علاوہ جائز ہے، (۲) اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صرف طعام میں سے مکیلات و

موزونات میں قبل القبض ناجائز ہے، مالکیہ میں سے سحنون وابن حبیب فرماتے ہیں کہ ہر مکیلی وموزونی اور عددی میں ناجائز ہے، پھر کیا وہ طعام کے ساتھ خاص ہے ان کے یہاں یا ربویات کے ساتھ؟ تو اس میں دو قول ہیں جن کو ابی نے بیان کیا ہے (تکملہ ۱/۳۵۰۔۳۵۱)۔

ان حضرات نے حضور ﷺ کے ارشاد "من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه" (رواہ مسلم) سے استدلال کیا ہے کہ اس میں ممانعت طعام ہی پر منحصر ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس میں طعام کی صراحت کی ہے (تکملہ ۱/۳۵۱)۔

(۳) امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر چیز کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت۔ (خواہ وہ طعام ہو، یا غیر طعام، منقول ہو، یا غیر منقول) حرام ہے اور یہی امام احمدؒ کی ایک روایت ہے۔

ان حضرات نے حضور ﷺ کی حدیث "فإن رسول الله ﷺ " نهی أن تباع السلع حیث تبتاع ، حتی یحوزها التجار إلی رحالهم " (رواہ ابو داؤد) اور حکیم ابن حزام کے جواب میں منقول حضور ﷺ کا ارشاد " یا ابن أخی ، لا تبیعن شیئا حتی تقبضه " وفی روایة أبان : إذا إشتریت بیعا فلا تبعه حتی تقبضه (رواہ البیهقی ، وابن حیان و احمد فی مسنده) سے استدلال کیا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں حکم، طعام اور منقول کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر چیز میں حکم عام ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث لا یحل سلف و بیع و لا شرطان فی بیع و لا ربح ما لم یضمن و لا بیع ما لیس عندک سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اس میں حضور ﷺ نے اس میں "ربح مالم یضمن" سے منع کیا ہے اور قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اس کو متضمن ہے، اور یہ علت طعام اور غیر طعام کو عام ہے (تکملہ ۱/۳۵۲)۔

(۴) امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تمام منقولات میں قبل القبض بیع ناجائز ہے، اور اس عقار میں جس میں ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہے جائز ہے کما فی (فتح القدیر ۵/۲۶۶)

شیخینؒ انہی تین احادیث سے استدلال کرتے ہیں (جن سے امام شافعی اور امام محمد استدلال کرتے ہیں) لیکن عقار وغیر منقول کو عموم نہی سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، اسلئے کہ نہی کی علت اس میں منتفی ہے، اسلئے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ قبل القبض مبیع کی بیع سے نہی میں علت یہ ہے کہ یہ بیع "ربح مالم یضمن" کو مستلزم ہے، اور انسان صرف اس چیز کا ضامن ہوتا ہے جس میں ہلاکت کا خوف ہو اور عقار میں اس کا خوف نہیں ہے مگر نادر حتی، کہ اگر اس میں ہلاک ہونے کا خوف ہو تو قبل القبض بیع جائز نہیں، جیسے سمندر کے کنارے پر جو عقار ہو اس میں قبل القبض بیع جائز نہیں، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے: (تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۵۰۔۳۵۳ للشیخ محمد تقی عثمانی مد ظله)۔

۲۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے فون، یا فیکس کے ذریعہ مال خرید کر اپنے قبضہ میں لئے بغیر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور مال براہ راست فیکٹری سے مشتری ثانی کے یہاں روانہ کر دیتا ہے، اس صورت میں اس

شخص کا دوسرے کے ہاتھ فروخت کردینا قبل القبض جائز نہیں ہے(۱)، چاہے تجارتی اصول کے مطابق وہ مال اس شخص کے ضمان میں سمجھا جاتا ہو، اسلئے کہ اس صورت میں قبضہ حسی اور حکمی، یعنی تخلیہ سے قبل بیچنا ہے، کیونکہ قبضہ حکمی کیلئے بھی مبیع کا عاقدین سے اتنا قریب ہونا ضروری ہے کہ قبضہ حسی کا تحقق ہو سکے، جیسا کہ علامہ شامیؒ اور حصکفیؒ کی ان عبارات سے ظاہر ہوتا ہے، جو سوال (۳،۲) کے جواب میں تحریر کی جا چکی ہیں، في البحر والخانية ... لأن إذا كان قريباً يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال ، فتقام التخلية مقام القبض ، أما إذا كان بعيداً لا يتصور فيه القبض في الحال فلا تقام التخلية مقام القبض اهـ لأن المعتبر فيها القرب الذي يتصور معه حقيقة القبض كما علمته من كلام الخانية (ردالمحتار ۵۹/۴ـ۶۰)۔

۷۔ یہ صورت بھی سوال نمبر (۶) میں مذکور صورت کی طرح ناجائز ہے، حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی نے اس جیسی صورتوں کے جواز کی دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

(۱) جہاں مال خریدا ہے، وہاں کسی کو، یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنادے، اس کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے (۲) (جس شخص کے یہاں مال پہنچ رہا ہے اس کو وکیل بالقبض بنادے اور مال پہونچنے سے پہلے بیع نہ کرے، بلکہ وعدہ بیع کرے، بیع مال پہونچنے کے بعد کرے، اس صورت میں جانبین سے کوئی انکار کردے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، اگرچہ مشتری نے کسی خاص کمپنی کی تعیین نہ کی ہو، کمپنی کی تحویل میں آجانے کے بعد بیع جائز ہوگی۔

قال في الهندية : إذا قال المشتري للبائع ابعث إلى ابني واستاجر البائع رجلا يحمله إلى ابنه، فهذا ليس بقبض و الأجر على البائع إلا أن يقول استأجر من يحمله فقبض الأجير يكون قبض المشتري ، إن صدقه أنه استأجره و دفع إليه وإن أنكر استيجاره و الدفع إليه ، فالقول قوله كذا في التتارخانية (عالمگیریہ ۱۹/۳، احسن الفتاوی ۵۲۶/۶)۔



قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی بحث

مولانا ابوالحسن علی بھروچ، گجرات

۱۔ بیع قبل القبض کے سلسلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف:

احناف کی رائے:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اور غیر منقولہ جائداد وغیرہ کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

شوافع کی رائے:

استقرار (قبضہ) سے پہلے بیع درست نہیں ہے، خواہ اشیاء منقولہ ہو یا غیر منقولہ، احناف میں سے امام محمد کا بھی یہی مذہب ہے۔

مالکیہ:

صرف طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اور اس کے علاوہ کی بیع جائز ہے۔

حنابلہ:

مکیلی اور موزونی اور معدودی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اور اس کے علاوہ میں جائز ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی نے شرح مہذب کے حوالے سے اختلاف ائمہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے (اعلاء السنن ۱۴ / ۲۲۷)۔

شوافع کے نزدیک یہ بیع باطل ہے جیسے کہ امام نووی کی عبارت: "وقد ذکرنا أن مذهبنا بطلانه مطلقا" کے الفاظ سے ظاہر ہے "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" میں بھی باطل ہی کا لفظ ہے: فإذا اشتری شيئاً منقولا کان أو غيره ولم يتسلمه ثم باعه وقع البيع باطلا (۲ / ۲۳۴)۔

مگر احناف نے اس کو بیع فاسد میں شمار کیا ہے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت:

فقہاء احناف کے نزدیک قبضہ کا مفہوم وسیع ہے، کیونکہ عندالاحناف قبضہ کا حاصل صرف تخلیہ ہے، اور تخلیہ کا حاصل یہ ہے کہ مبیع اور مشتری کے درمیان باعتبار حقیقت، یا باعتبار عرف وعادت ایسا کوئی مانع اور حائل نہ ہو جو مشتری کو

عرفی قبضہ کرنے سے اوراس میں تصرف کرنے سے روک سکے، بلکہ مبیع اس حال میں ہو کہ مشتری اگراس میں تصرف کرنا چاہے تو آزادی کے ساتھ اس میں تصرف کر سکے اگر چہ مبیع ابھی بائع کے پاس ہی موجود ہو۔

وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع و بين المشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشترى قابضا (بدائع ۲۴۴/۵)۔

اوردوسری جگہ لکھا ہے: لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا و عادة حقيقة (بدائع ۱۴۸/۵)۔

ولهذا كانت التخلية تسليما و قبضاً فيما لا مثل له (بدائع ۲۴۴/۵)۔

ایک شئ بائع کے پاس ہونے کے باوجود اس پر مشتری کا قبضہ شمار کیا جا سکتا ہے جبکہ معاملہ ہو چکا ہو اور تخلیہ بھی ہو، بدائع میں ایک مسئلہ لکھا ہے: ولو اشترى من إنسان كرّا بعينه و وقع غرائره وأمره بأن يكيل فيها ففعل صار قابضا سواء كان المشترى حاضرا أو غائبا لأن المعقود عليه معين وقد ملكه المشترى بنفس العقد فصح أمر المشترى لأنه تناول عينا هو ملكه فصح أمره و صار البائع وكيلا له و صارت يده يد المشترى و كذلك الطحن إذا طحنه البائع بأمر المشترى صار قابضا (بدائع ۲۴۷/۵)۔

اور بحرالرائق میں ہے: و ذكر في الذخيرة إذا اشترى ما هو أمانة في يده من وديعة أو عارية فإنه لا يكون قابضا إلا إذا ذهب المودع أو المستعير إلى العين وانتهى إلى مكان يتمكن من قبضها فيصير الآن قابضا بالتخلية، (البحرالرائق ۸۷/۶، وکذا فی ردالمحتار ۱۱۲/۴)۔

شوافع کے یہاں قبضہ کی تفسیر مبیع کو اس کی جگہ سے منتقل کر کے اپنے مقام تک پہونچانے سے کی جاتی ہے: وقال الشافعي القبض في الدار و العقار و الشجر بالتخلية و اما في الدراهم والدنانير فتناولها بالبراجم و في الثياب بالنقل (بدائع ۱۴۸/۵)۔

حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں: قال الموفق في المغني و قبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا فقبضه بكيله و وزنه و بهذا قال الشافعي وقال أبو حنيفة: التخلية في ذلک قبض، وقد روى أبو الخطاب عن أحمد رواية أخرى: أن القبض في كل شئ بالتخلية مع التمييز لأنه خلى بينه و بين المبيع من غير حائل فكان قبضاً له (اعلاء السنن ۱۵۴/۱۴)۔

حاصل یہ ہے کہ کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص صورت تو متعین نہیں کیا ہے لیکن ایسے اصول وقواعد اور اس کی مثالیں ضرور بیان کردیا ہے جن سے ہر زمانہ میں ہم اس کی تعیین کر سکتے ہیں، اوراس کا زیادہ تر مدار عرف وعادت پر ہے، لیکن اس میں عرف کی حیثیت شرعیہ ملحوظ رکھتے ہوئے اعتبار ہوگا، مطلقاً عرف کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۳۔ منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء میں فرق:

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، البتہ غیر منقولہ چیزوں کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، اور امام محمد کے نزدیک دونوں کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، شیخین کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ زمین جائداد وغیرہ میں ہلاکت شاذ و نادر ہے، اسلئے اس کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، اور اشیاء منقولہ میں ہلاکت کا خطرہ زیادہ ہے، اس لئے اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہوگی، ہدایہ میں ہے: ولا غرر فيه لأن الهلاک فى العقار نادر بخلاف المنقول ، والغرر المنهى عنه غرر انفساخ العقد .

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ غیر منقول اشیاء میں بیع قبل القبض کے جواز کی علت ہلاکت کے خطرہ کا کم ہونا ہے، اور عقد کو فسخ کرنے والے غرر کا نہ ہونا ہے، اور ماقبل میں قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ عندالاحناف قبضہ کی تعریف میں بہت وسعت ہے، لہذا بظاہر دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

البتہ منقول اشیاء کے اندر ہلاکت کا خطرہ اور فسخ بیع کا امکان زیادہ ہے، اسلئے اس میں اس پہلو کا لحاظ کرتے ہوئے قبضہ کی تعیین کی جائے گی جبکہ غیر منقول اشیاء کے اندر وسعت کا پہلو ملحوظ رہے گا اسباب مذکورہ کے معدوم ہونے کی وجہ سے، لیکن علامہ ابن ہمام نے اشیاء غیر منقولہ کو بھی اشیاء منقولہ کی طرح (ہلاکت کے خطرہ کی صورت میں) قبل القبض بیع کرنے سے منع فرمایا ہے: وهذا لأنه لا يتصور هلاكه إلا إذا صار بحرا أو نحوه ، حتى قال بعض المشائخ إن جواب أبى حنيفة فى موضع لايخشى عليه أن يصير بحراً أو يغلب عليه الرمال ، فأما فى موضع لا يؤمن عليه ذلک فلا يجوز كما فى المنقول ذكره المحبوبى ، وفى الاختيار حتى لو كان على شط البحر أو كان المبيع علوا لا يجوز بيعه قبل القبض (فتح القدیر ۶/۵۱۳ مطبوعہ دارالفکر)۔

لہذا منقول اور غیر منقول اشیاء میں تنوع اور کیفیات کے بدلنے سے حکم میں تبدیلی بھی آسکتی ہے، اگرچہ عام حالات میں دونوں کے درمیان حکم میں فرق ہی رہے گا۔

۴۔ احادیث کا معلول بالعلۃ ہونا:

صاحب ہدایہ نے بیع العقار میں شیخین کے دلائل کا ذکر کرتے ہوئے امام محمد کے جواب میں فرمایا کہ حدیث معلول بالعلۃ ہے، والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز۔

علامہ ابن ہمام نے اس کی علت میں فرمایا: (معلول به) أى بغرر الانفساخ ، والدليل عليه أن التصرف الذى لايمتنع بالغرر نافذ فى البيع قبل القبض وهو العتق والتزوج عليه (فتح القدیر ۶/۵۱۴)۔

صاحب عنایہ نے وضاحت کے ساتھ علت غرر کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب زمین وغیرہ میں ہلاکت نادر ہے تو عقد کے فسخ ہونے کا غرر جس سے روکا گیا ہے وہ منفی رہے گا، اور حدیث شریف ''معلول بالانفساخ''

ہے، لہذا جائداد اس میں داخل ہوگی اور اس کی بیع قبل القبض جائز ہوگی، کتاب وسنت اور اجماع کی دلیل جواز پر عمل کرنے کی وجہ سے۔

اس کے آگے فرماتے ہیں: وإذا كان الحديث معلولا بغرر الانفساخ لا يحتمل تناول ما ليس فيه ذلك (عنایۃ مع الفتح ۶/۵۱۴)۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت:

اس سلسلہ میں احادیث مبارکہ کے الفاظ مختلف ہیں، اور فقہاء کرام نے اس میں تخصیص کرکے بہت سی چیزوں کو حکم سے خارج کردیا ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں نقل مذاہب کے سلسلہ میں گذر چکا ہے، امام مالک صرف غلہ میں ناجائز اور بقیہ تمام چیزوں میں جائز قرار دیتے ہیں: "كل ما اشتريت من العروض كلها الحيوان والعقار والثياب وغير ذلك ماخلا المبيع من الطعام على الكيل فلا بأس عند مالك أن تبيع ذلك كله قبل أن تقبضه" البتہ اس میں عجلت کرے تاخیر نہ کرے، إذا تعجلت ذلك و لم تؤخره (کتاب الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی ۲/۲۴)۔

امام مالک کی دلیل حضرت ابن عمر کی وہ حدیث ہے جو آپ نے مؤطا میں بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی اناج خریدا تو وہ اس کو فروخت نہ کرے، جب تک کہ وہ اس پر قبضہ پوری طرح نہ حاصل کرلے، عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه (موطا امام مالک: کتاب البیوع ۲/۶۴)۔

امام احمد بھی اسی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں کہ وہ ماکول ومشروب کے ماسوا میں قبل القبض بیع کو جائز قرار دیتے ہیں۔

امام شافعی اور امام محمد کے نزدیک طعام ہو یا عقار ہو، کسی کو بھی قبل القبض فروخت کرنا جائز نہیں ہے، یہ حضرات حکیم ابن حزام کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: عن حكيم بن حزام قال: قلت يا رسول الله إني رجل مبتاع هذه البيوع وأبيعها فما يحل لي منها وما يحرم قال لا تبيعن شيئاً حتى تقبضه (فتح القدیر ۳/۵۱۱، اعلاء السنن ۱۴/۲۲۳)۔

اس حدیث میں تمام چیزوں کی بیع قبل القبض ناجائز وحرام فرمایا ہے،: امام شافعی علیہ الرحمہ اپنی کتاب (کتاب الام ۳/۷۰) میں ارشاد فرماتے ہیں: و بهذا نأخذ فمن ابتاع شيئاً كائنا ما كان ليس له أن يبيعه حتى يقبضه، نیز اس سلسلہ میں حضرت ابن عباس کا اجتہادی قول بھی یہی ہے کہ غیر طعام کو بھی طعام کی طرح قبل القبض بیچنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: قلنا قد رواه ابن عباس أيضا قال وأحسب كل شئ مثل الطعام، أخرجه عنه أئمة الكتب الستة (فتح القدیر ۶/۵۱۱)۔

امام اعظم اور امام ابو یوسف اشیاء منقولہ کو ''نھی عن بیع ما لم یقبض'' کی وجہ سے ناجائز قرار دیتے ہیں، اور اشیاء غیر منقولہ کو علت عدم غرر کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ غیر منقول اشیاء کی بیع میں ایجاب وقبول اہل کی طرف سے محل بیع میں صادر ہوا اور منقول چیزوں میں جو مانع تھا ''غرر انفساخ العقد'' وہ یہاں متحقق نہیں ہے، لہذا یہ بیع جائز ہونی چاہئے (فتح القدیر ۵۱۱/۶)۔

مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں: إلا أن أبا حنیفة وأبا یوسف خصا النصوص بالمنقول بعلة النھی وھو غرر انفساخ العقد بالھلاک قبل القبض و محمد أجراھا علی عمومھا، والشافعی خصھا بما لم یکن متمیزاً وھو اختلاف الاجتھاد (اعلاء السنن ۲۲۴/۱۴)۔

امام اعظم کی دلیل حضرت عثمان ابن عفان کی وہ روایت بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے اپنی کوفہ والی زمین کو دیکھے بغیر فروخت کر دیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کو قبل القبض ہی فروخت کر دیا، کیونکہ قبضہ رؤیت کو مستلزم ہے۔

مولانا ظفر احمد تھانوی اعتراض نقل کرتے ہیں کہ کوئی اگر یوں کہے کہ حضرت عثمان نے وکیل کی معرفت قبضہ کیا ہوگا، تو ہم اس کا جواب دیں گے کہ وکیل کی رؤیت بھی موکل کی ہی رؤیت ہے اور جبکہ روایت میں خود اس احتمال کو دور کرنے والا لفظ موجود ہے، کیونکہ وہ فرماتے ہیں: ''بعتک ما لم أره فبطل احتمال رؤیته بواسطة الوکیل وقبضه بقبضه'' حضرت عثمان کی روایت کی شرح مہذب میں مسلم شریف کے حوالہ سے نقل کر کے اس میں ایک راوی کے مجہول اور مختلف الاحتجاج ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں: قلت و مسلم لا یروی عن مجھول و لا لمجھول فالحدیث حسن حجة (اعلاء السنن ۲۲۹/۱۴)۔

امام مالک نے جس حدیث پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہے اس کے بارے میں احناف کہتے ہیں کہ یہ حدیث ایک خاص حکم سے متعلق ہے، جبکہ اس سلسلہ میں دیگر عام حدیثیں بھی موجود ہیں، کیونکہ حضرت ابن عمر والی حدیث جس سے امام مالک نے استدلال کیا ہے وہ حدیث حضرت ابن عباس سے بھی بخاری ومسلم میں موجود ہے جس میں راوی حدیث ابن عباس فرماتے ہیں کہ: ولا أحسب کل شیئ إلا مثله (بخاری شریف: کتاب البیوع ۲۸۶/۱) پر یہ حدیث موجود ہے، مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۵ پر بھی یہ حدیث موجود ہے، اور اسی طرح کی ایک روایت ''ابو داؤد'' میں بھی ابن عمر سے مروی ہے، جس میں نھی عن بیع ما لم یقبض کا لفظ موجود ہے (نصب الرایہ ۱۹/۴، ۳۲/۴)۔

شوافع کی مستدل روایت جو حکیم ابن حزام سے مروی ہے اس پر محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن ابن ہمام نے رجال پر گفتگو کرتے ہوئے حدیث بالا کو حجت قرار دیا ہے'' والحق أن الحدیث حجة والذی قبله کذلک '' لیکن پھر اس کی تخصیص کی دلیل کا ذکر کیا ہے: والحاجة بعد ذلک إلی دلیل التخصیص لغیر العقار لأبی

حنیفة ما یذکر هناک ، والأحادیث کثیرة فی هذا المعنی (فتح القدیر ۶/۵۱۲)۔

۶۔ قبضہ ضمان:

فقہاء کرام نے قبضہ کی تشریح کی ہے اور اس سلسلہ میں جو جزئیات ذکر فرمائے ہیں، اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ قبضہ حسی کا ہونا ضروری نہیں ہے (شامی ۴/۴۷، ۴۸)۔

قبضہ کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے فقہاء کرام نے اس کی مختلف قسمیں بیان فرمائی ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) اول قبضہ ضمانت (۲) دوم قبضہ ضمان۔ اور پھر قبضہ ضمان کی دو قسمیں ہیں: (۱) اول ضمان بنفسہ (۲) دوم ضمان بغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک کا حکم بھی جدا گانہ ہے۔

۱۔ مشتری کو اگر مبیع پر پہلے سے قبضہ حاصل ہے اور وہ قبضہ ضمان بنفسہ کا ہے، مثلاً غاصب کا قبضہ شئی مغصوب پر، تو اس کا حکم یہ ہے کہ مبیع موجود ہو یا نہیں، بہر حال سابق قبضہ ہی جدید قبضہ کے لئے کافی ہوگا، اور نئے سرے سے قبضہ کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ غاصب کا ضمان بنفسہ ہے اور مغصوب شئی بصورت بنفسہ ہے۔

۲۔ اور اگر مبیع پر مشتری کا قبضہ ضمان بغیرہ کا ہے، مثلاً شئی مرہون پر راہن کا قبضہ، تو رہن امانت ہوتا ہے، البتہ مضمون بالغیر ہوتا ہے یعنی قرض کی وجہ سے، گویا کہ وہ مضمون بالغیر تو ہے مگر مضمون بنفسہ نہیں ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شئی مرہون موجود ہو تو یہ قبضہ جدید قبضہ کی طرف سے کافی ہوگا، ورنہ نہیں۔

۳۔ اور اگر مبیع پر مشتری کا قبضہ قبضہ امانت ہے، مثلاً عاریت، ودیعت وکالت اور اجارہ کا قبضہ، تو یہ سارے قبضے قبضہ امانت کہلاتے ہیں، اور ان کا حکم یہ ہے کہ یہ امانت والے قبضے ضمان والے (بیع کیلئے) قبضہ کیلئے کافی نہ ہوں گے، بلکہ تجدید قبضہ ضروری ہوگا (بدائع الصنائع ۵/۲۴۸، شامی ۴/۴۶، ۴۸)۔

شامی میں ان تمام جزئیات کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: و حاصله أن التخلیة قبض حکما مع القدرة علیه بلا کلفة لکن ذلک یختلف بحسب حال المبیع ففی نحو حنطة فی بیت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمکنه الفتح بلا کلفة قبض، و فی نحو دار فالقدرة علی إغلاقها قبض، أی بأن تکون فی البلد فیما یظهر . وفی نحو بقر فی مرعی فکونه بحیث یری و یشار الیه قبض الخ" (شامی ۴/۴۸، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ پاکستان)۔

ان تمام مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر بائع نے حسی قبضہ نہ کیا ہو، لیکن وہ ضامن ہو گیا ہو تو اس کو قبضہ ضمان کے درجہ میں شمار کر کے خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جائے گا۔

۷۔ صورت مسئولہ میں جب مشتری کا کسی قسم کا قبضہ پایا ہی نہیں جاتا اور اس سے پہلے ہی بائع اپنے ضمان سے بری ہو جاتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے، لہذا بائع کیلئے ایسا سودا کرنا جائز نہیں ہے، اور جب مشتری اس کا مالک نہیں ہوتا ہے تو یہ بیع "بیع معدوم ما لیس عندک" اور "بیع مالم یقبض" کے درجہ میں رکھتے ہوئے اس کیلئے بھی کسی تیسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

شامی میں لکھا ہے:اشتری بقرۃ مریضۃ و خلاھا فی منزل البائع قائلا إن ھلکت فمنی و ماتت فمن البائع لعدم القبض و کذا لو قال للبائع سقھا إلی منزلک فاذھب فانسلمھا فھلکت حال سوق البائع فإن ادعی البائع التسلیم فالقول للمشتری ،اسی طرح کاایک یہ مسئلہ بھی ہے: اشتری و عادلین خاثر فی السوق فأمر البائع بنقلہ إلی منزلہ فسقط فی الطریق فعلی البائع إن لم یقبضہ المشتری (شامی جلد۴/۴۸)۔

ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اصل بائع کا ذمہ مشتری کے تخلیہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا ہے،اور ہلاکت کی نسبت بائع کی طرف ہی ہوتی ہے، نہ کہ مشتری کی طرف،اور تیسرا خریدار کیسے ضامن ہوسکتا ہے جبکہ بائع اول اور مشتری کے درمیان ہی بیع صحیح نہیں ہوئی ہے،لہذا اس قسم کی خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہی ہوں گے۔



قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اوراس کا حکم

مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری چھاپی۔ گجرات

۱۔ اشیاء منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے اوراس کا شمار بیع فاسد میں ہوگا۔اوراشیاء غیر منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت شیخینؒ کے نزدیک جائز ہے، بشرطیکہ مبیع کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو" مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر" میں ہے: لا یصح بیع المنقول قبل قبضه لنهيه عليه الصلوٰة و السلام عن بيع ما لم يقبض، ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك ..... و يصح في العقار أي يصح بيع عقار لا يخشى هلاكه قبل قبضه عند الشيخين ، خلافا لمحمدؒ و هو قول زفرؒ والشافعيؒ عملاً بإطلاق الحديث ، ولهما أن ركن البيع صدر عن أهله في محله ولا غرر فيه لأن الهلاك بالعقار نادر حتى إذا تصور هلاكه قبل القبض لا يجوز بيعه(۷۹۔۸۰)۔

اورردالمحتار میں ہے:(قوله ونفى الصحة) أي الواقع في المتن يحتملهما أي يحتمل البطلان و الفساد والظاهر الثاني لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركني البيع و كثيرا ما يطلق الباطل على الفاسد، أفاده ،ط : (شامی مصری ۱۴۸/۵)۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ مبیع قریب میں ہواور بائع مشتری اورمبیع کے درمیان اس طرح تخلیہ کردے کہ بغیر کسی مانع وحائل کے مشتری کیلئے مبیع پر قبضہ کرنا ممکن ہواور بائع مشتری کو مبیع لے لینے کا حکم دیدے،تو مبیع مشتری کے قبضہ میں شمار ہوگی، چاہے مشتری مبیع کو اپنے تصرف وعمل دخل میں نہ لے،درمختار میں ہے:ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل وشرط في الأجناس شرطا ثالثا وهو أن يقول خليت بينك و بين المبيع فلو لم يقله أو كان بعيدا لم يصر قابضا(۵۶۱/۴۰۔۵۶۲)

۳۔ اشیاء منقولہ اورغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، دونوں میں قبضہ کی ایک ہی صورت ہے جواوپر مذکور ہوئی۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کا مدار دووجہوں پر ہے،(۱) قبضہ سے پہلے مبیع مقدورالتسلیم نہیں ہوتی ،لہذا یہ بات یقینی نہیں کہ وہ مشتری کوضرور قبضہ کرادے گا، یہ غرر ہے جس کی بناء پر جائز نہیں (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی اور" ربح مالم یضمن" جائز نہیں،(مستفاد از اسلام اورجدید معیشت وتجارت ۹۱)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عام ہے یا خاص اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی آراء درج ذیل ہیں: طعام کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت پر علماء کا اجماع ہے،طعام کے علاوہ میں چار مذاہب ہیں(۱) امام شافعیؒ

اور امام محمدؒ کے نزدیک کسی چیز کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہے (۲) اور امام احمد بن حنبلؒ کی زیادہ ظاہر روایت میں صرف طعام کو قبل القبض بیچنا جائز نہیں، طعام کے علاوہ جائز ہے، (۳) امام مالکؒ کے نزدیک صرف طعام میں سے مکیلات وموزونات میں قبل القبض بیع ناجائز ہے اور (۴) امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تمام منقولات میں قبل القبض بیع ناجائز اور غیر منقولات میں سے جس میں ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو ان میں قبل القبض بیع جائز ہے، (إعلاء السنن ۱۴/۳۵۰، تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۱)۔

امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کے دلائل: حدیث ابن عمرؓ أن النبی ﷺ قال: " من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه " رواه البخاری " و مسلم، اور حدیث جابرؓ عن جابر قال : قال رسول الله ﷺ " إذا ابتعت طعاما فلا تبعه حتى تستوفيه " رواه مسلم، اور حضرت ابن عباسؓ کا فرمان: أما الذي نهى عنه النبي عليه الصلوة والسلام فهو الطعام أن يباع حتى يقبض (إعلاء السنن ۱۴/۲۲۷-۲۲۸) وغیرہ مذکورہ احادیث ہے، جن میں نہی طعام ہی پر مقصور ہے، لہذا امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ نے نہی کو طعام کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔

اور امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے دلائل: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث: فإن رسول الله ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع ، حتى يحوزها التجار إلى رحالهم " رواه ابو داود، اور حکیم ابن حزام کو حضور ﷺ کا ارشاد: يا ابن أختي ، لا تبيعن شيئاً حتى تقبضه " ، اور ابان کی روایت میں ہے:" إذا اشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه " ان احادیث میں نہی کا حکم طعام ومنقول کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ نہی کا حکم ہر چیز میں عام ہے، اور امام شافعیؒ وامام محمدؒ حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت کردہ حضور ﷺ کا ارشاد: " لا ربح ما لم يضمن " سے استدلال کرتے ہیں، وجہ استدلال اس طرح ہے کہ حضور ﷺ نے "ربح مالم یضمن" سے منع فرمایا ہے، اور "بیع قبل القبض ربح ما لم يضمن" کو متضمن ہے، اس لئے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت مشتری کے ضمان میں آتی ہی نہیں، پس اگر قبل القبض بالربح بیچے گا تو وہ "ربح مالم یضمن" ہوگا اور یہ علت طعام وغیر طعام ہر ایک کو عام ہے، لہذا تمام اشیاء طعام، یا غیر طعام، منقول، یا غیر منقول سب کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہوگی، (المستفاد من تکملۃ فتح الملہم ۱۱/۳۵۲-۳۵۳)۔

امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ مذکورہ امام شافعیؒ وامام محمدؒ کے مستدلات ہی سے استدلال کرتے ہیں، مگر عقار، غیر منقول کو عموم نہی سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، اسلئے کہ نہی کی علت عقار میں منتفی ہے، اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کی علت "ربح مالم یضمن" کا لزوم ہے، اور انسان صرف اسی چیز کا ضامن ہوتا ہے جس میں ہلاکت کا اندیشہ ہو اور عقار میں ہلاکت کا خوف نہیں ہے مگر نادر، حتی کہ اگر عقار میں ہلاکت کا خوف ہو تو شیخینؒ کے نزدیک قبل القبض اس کی بیع جائز نہیں ہے، جیسے سمندر کے کنارے پر جو عقار ہو اس میں قبل القبض بیع جائز نہیں ہے، (إعلاء السنن ۱۴/۲۲۷-۲۳۱ وتکملۃ فتح الملہم ۱/۲۵۰-۲۵۳)۔

۶۔ صورت مسئولہ میں مبیع خریدار سے قریب نہ ہونے کی وجہ سے خریدار کا نہ حسی قبضہ پایا گیا اور نہ حکمی قبضہ،اس لئے خریدار اول کے لئے دوسرے خریدار کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے،شامی میں ہے:

لأن إذا كان قريبا يتصور فيه القبض الحقيقي فتقام التخلية مقام القبض ، أما إذا كان بعيدا لا يتصور فيه القبض في الحال فلا تقام التخليةمقام القبض ...... لان المعتبر فيها القرب الذي يتصور معه حقيقة القبض كما علمته من كلام (الخانية ۵۶۲/۴-۵۶۳)۔

۷۔ اس صورت میں بھی قبل القبض بیع کرنا ہے،لہذا یہ صورت شرعا جائز نہیں ہے(حوالہ سابق)۔

سوال (۶) اور (۷) میں مذکور دونوں صورتوں کے جواز کیلئے وہ صورتیں اختیار کی جائیں جو حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ نے احسن الفتاوی میں تحریر فرمائی ہیں کہ (۱) جہاں مال خریدا ہے وہاں کسی کو، یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنادے،اس کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے(۲) خریدار کو وکیل بالقبض بنادے اور مال پہونچنے سے پہلے بیع نہ کرے بلکہ وعدۂ بیع کرے، بیع مال پہونچنے کے بعد کرے،اس صورت میں جانبین میں سے کوئی انکار کردے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، بیع پر اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا،اگر خریدار (اول) مال پہنچانے کا کرایہ ادا کرتا ہے تو اس کے اذن سے بائع کا کسی بھی مال بردار کمپنی کی تحویل میں مال دیدینا مشتری کا قبضہ شمار ہوگا،اگر چہ مشتری نے کسی خاص کمپنی کی تعیین نہ کی ہو،کمپنی کی تحویل میں آجانے کے بعد بیع جائز ہوگی۔

قال في الهندية : إذا قال المشترى للبائع أبعث ابني واستأجر البائع رجلا يحمله إلى ابنه ، فهذا ليس بقبض والأجر على البائع إلا أن يقول استأجر من يحمله ، فقبض الأجير يكون قبض المشترى إن صدقه أنه استأجره و دفع إليه ، وإن أنكر استيجاره والدفع إليه ، فالقول قوله ، كذا في التتارخانية (عالمگیریہ ۱۹/۳) احسن الفتاوی ۵۲۶/۶)۔

واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا شرعی حکم

مولانا ارشاد قاسمی، ریاض العلوم، جونپور

قبضہ شرعی کے حاصل ہونے سے قبل خریدار کا مال فروخت کردینا جائز نہیں ہوگا، اور اس کی بیع از روئے شرع یا از روئے قواعد فقہیہ فاسد ہوگی۔ اور اس پر بیع فاسد کے احکام جاری ہوں گے۔

فاسد ہونے کی دلیل:

قبضہ شرعی سے قبل فروخت کرنے کی صورت میں فسخ عقد کا غرر ہے، کہ مبیع (خریدی ہوئی چیز) جو ابھی اس کے قبضہ میں نہیں آئی ہے شاید نہ آسکے اور ضائع ہونے کی وجہ سے عقد ختم ہو جائے۔ اور غرر کی اس کیفیت سے بیع فاسد ہوگی۔ جیسا کہ غرر اور اس کی تفصیل کے ذیل میں اس کی مفصل بحث کی گئی ہے۔ محقق ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

لأن فيه غرر انفساخ العقد الأول على اعتبار هلاک المبيع قبل القبض فتبين حينئذ أنه با ع ملک الغير بغير إذنه و ذلک مفسد للعقد (۵۱۲/۶)۔

علامہ بدرالدین الحنفی العینی اس کی علت فساد پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ شرعی سے قبل مشتری کا فروخت کرنا ''ربح مالم یضمن'' میں داخل ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے ضمان میں آنے سے قبل فروخت کرنے اور نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا۔ اور نہی مقتضی فساد ہے، لہٰذا اس سے بیع فاسد ہوگی۔ چنانچہ ہدایہ کی شرح البنایہ میں لکھتے ہیں:

والجامع اشتمالهما على ربح مالم يضمن فان المقصود من البيع الربح والربح مالم يضمن نهي عنه شرعا والنهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسدا قبل القبض لأنه لم يدخل في ضمانه كما في الإجارة (۳۲۲/۷)۔

نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ نہی کی علت غرر وصف ہے۔ محققین فقہاء کرام اس کی تصریح بھی کررہے ہیں۔ چنانچہ ابن ہمام کا قول ابھی گذرا۔ **لأن فيه غرر انفساخ العقد الأول** ۔ اسی طرح عنایہ شرح ہدایہ میں ہے: **لأن فيه غرر الانفساخ بالهلاک والاستحقاق** (ص۵۱۲) نہی کی علت منصوص کی وضاحت کرتے ہوئے خطہ عرب کے مشہور محقق فقیہ علامہ زحیلی الفقہ الاسلامی میں لکھتے ہیں: **إن العلة عند الحنفية في عدم جواز بيع الشئ قبل قبضه هي الغرر** (۲۲۴/۴) اور غرر جب من حیث الوصف ہو تو یہ مفسد ہے۔ چنانچہ علامہ زحیلی غرر سے فساد اور ابطال کے ضابطہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **والغرر الذي يبطل البيع هو غرر الوجود وهو كل ما كان البيع فيه محتملا للوجود والعدم. أما غرر الوصف فمفسد للبيع** (۴۳۷/۴)۔

معلوم ہوا کہ غرر وجود جس میں مبیع کے وجود اور عدم ہی کا علم نہ ہو بیع کو باطل کرتا ہے۔ سو یہاں غرر الوجود کا

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مبیع تو موجود ہے اس کے وجود نے بیع اول کو جائز قرار دیا ہے۔ البتہ یہ احتمال ہے کہ جس کا وجود ثابت ہو چکا ہے آیا قبضہ میں بھی آسکے گی یا نہیں، ملے گی یا ہلاک ہو جائے گی، یہ غرر وصف ہے۔ اور غرر وصف سے بیع فاسد ہوتی ہے۔ علامہ زحیلی نے اس نہی کو سبب فساد قرار دیا ہے:

قال الحنفية لا يجوز التصرف في البيع المنقول قبل القبض لأن النبي ﷺ نهى عن بيع مالم يقبض والنهي يوجب الفساد المنهي عنه (ص ۴/۴۷۴) اس سے بھی معلوم ہوا کہ نہی شارع کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہوگی۔ اس سے زیادہ واضح طور پر علامہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ کے اس مقام پر بیان کیا ہے جہاں وہ ترتیب سے بیع فاسد کو شمار کرا رہے ہیں۔ اس میں انہوں نے بیع الشئ المملوک قبل القبض کو بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ صفحہ ۳۷۴ جلد ۴ میں اسے بیع فاسد کی فہرست میں شمار کراتے ہیں۔

عنایہ شرح ہدایہ میں بھی صراحۃ اس بیع کو بیع فاسد قرار دیا گیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: والنهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسدا قبل القبض لأنه لم يدخل في ضمانه (حاشیہ فتح القدیر ۶/۵۱۲) صاحب در مختار علامہ حصکفیؒ نے بھی مواہب کے حوالہ سے اسے فاسد ہی قرار دیا ہے۔ وفي المواهب وفسد بيع المنقول قبل قبضه (مصری نسخہ ۵/۱۴۸) علامہ شامیؒ نے بھی غرر کو فساد کی علت قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: لأن علة الفساد الغرر (۵/۱۴۸) اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی قبل القبض کی علت غرر ہے جو سبب فساد ہے۔

محقق طحطاوی نے بھی الدر المختار کے حاشیہ طحطاوی علی الدر میں اسے فاسد قرار دیا ہے۔ چنانچہ صاحب الدر کے قول "وفسد بيع المنقول" کے تحت لکھتے ہیں:

وإنما جاء الفساد من جهة أخرى وهو الغرر أي غرر انفساخ العقد بهلاكه (۳/۱۰۰)

علامہ طحطاوی نے صاحب الدر کے قول فساد کو صحیح قرار دے کر اس کی علت اور وجہ بیان کی ہے کہ فساد کا سبب غرر ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے باطل ہونے پر تحقیق و تنقیح:

خیال رہے کہ بعض فقہاء نے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو باطل بھی قرار دیا ہے۔ مگر یہ تحقیق اور اصول کے اعتبار سے درست نہیں۔ اہل تحقیق نے خود اس کی تردید کی ہے۔ چنانچہ جوہرہ کے حوالہ سے درمختار میں ہے: بخلاف بيعه قبله فإنه باطل مطلقا۔ صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ خود اس سے متفق نہیں، وہ "قلت" سے اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں: وفي المواهب وفسد بيع المنقول قبل قبضه۔ علامہ شامیؒ دونوں قولوں کو سامنے رکھ کر تحقیق فیصلہ فرماتے ہیں: والظاهر هو الثاني لأن علة الفساد الغرر كما مرّ۔ اب رہی بات کہ پھر اسے باطل کیوں قرار دیا تو علامہ شامی اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وكثيرا ما يطلق الباطل على الفاسد۔

ربح مالم یضمن:

نہی قبل القبض کی ایک علت جس کی وجہ سے یہ نہی واقع ہوئی ہے "ربح مالم یضمن" ہے۔ یعنی ضمان میں آنے سے قبل اسے فروخت کرنا اور اس سے نفع حاصل کرنا ہے۔ اور حدیث پاک میں ربح مالم یضمن کی نہی آئی ہے،

چونکہ قبضہ شرعی سے شئے ضمان میں داخل ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعضوں نے قبضہ کی تشریح ضمان سے اور ''لم یقبض'' کی شرح ''لم یضمن'' کے ساتھ کی ہے۔

ضمان سے قبضہ کا تحقق ہو جائے گا:

کسی شئے کا ضمان میں آنا گویا کہ اس کے قبضہ میں آنا ہے۔ چنانچہ ضمان سے قبضہ کو ثابت کرتے ہوئے علامہ زحیلی الفقہ الاسلامی میں لکھتے ہیں: فاما أن تكون يد ضمان بنفسه كيد الغاصب فيصير المشتری قابضا للمبيع بنفس العقد (۴۲۲/۷) غاصب کے مثل اگر ضمان میں آجائے تو اس سے مشتری قابض ہو جائے گا۔اس عبارت سے یہ بات بالکل صاف واضح ہوتی ہے۔ضمان اور قبضہ ایک دوسرے کے لئے معاملات بیع میں لازم وملزوم ہیں۔اور ضمان میں کسی شئے کا آجانا قبضہ کو ثابت کر دیتا ہے۔اور اس پر خود حدیث پاک شاہد ہے۔اور اسی کو فقہاء نے بھی جا بجا اختیار کیا ہے جو ان کے بیان کردہ جزئیات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔لہذا مشتری کے ضمان میں مبیع آجائے تو اس کا بیچنا جائز ہو جائے گا۔

اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت:

یہ واضح رہے کہ حدیث پاک میں جو قبضہ سے پہلے فروخت اور بعض تصرفات سے منع کیا گیا ہے اس میں قبضہ سے کیا مراد ہے۔محض قبضہ حسی یعنی مشتری کے ہاتھ میں آجانا مراد ہے، یا اس کے مفہوم میں وسعت ہے۔اور مرادی اعتبار سے قبضہ حسی کو جس طرح یہ شامل ہے اسی طرح تحویل، تسلیم، افراز، افراغ، ضمان وغیرہ جسے قبضہ حکمی اور معنوی سے بھی موسوم کیا جاتا ہے شامل ہے؟ ذیل میں اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔اولاً قبضہ کے لغوی معنی۔ثانیاً فقہاء کی اصطلاح میں قبضہ کا مفہوم اور اس بات کی تشریح کہ قبضہ سے مراد حسی قبضہ ہی نہیں بلکہ قبضہ معنوی اور حکمی بھی ہے۔اور دونوں قبضہ میں سے کسی قبضہ کا تحقق شارع علیہ السلام کی منع کردہ بیع سے خارج کرتے ہوئے جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

قبضہ لغت میں:

قبض لغت میں متعدد معانی کے لئے آتا ہے۔جن میں ایک معنی ملک اور تحویل میں آنا اور قبول کرنا بھی ہے (لسان العرب ۲۱۴/۷)۔

محدثین وفقہائے محققین کے یہاں قبضہ کا مفہوم ومراد:

علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ بخاری کی شرح فیض الباری میں قبضہ کے مفہوم کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وبالجملة أن القبض في البيع والهبة والرهن يتحقق عندنا بالتخلية والممكنة على القبض ولا يحتاج إلى القبض الحسي والنقل (۲۰۶/۳) حاصل کلام یہ ہے کہ قبضہ بیع، ہبہ، رہن میں تخلیہ اور تمکین قبضہ سے قبضہ محقق ہو جاتا ہے۔حسی قبضہ اور منتقل کرنے کی ضرورت نہیں۔اسی طرح ایک اور مقام پر مزید اس کی وضاحت

کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **ومعناها عندی رفع علائق ملکه و تمکینه للمشتری علی أن یقبضه و ذلک قد یکون بالفعل وأخری بالقبول وتارة بالقرائن.**

اور اس تمکین کی شرح ایک مثال سے کرتے ہیں۔ جسے فقہاء اپنے کلام میں تمکین کو قبضہ قرار دیتے ہوئے ذکر کرتے ہیں:

ولو باع فرسا فی الصحراء فإن کان المشتری أن یستطیع أن یقبضه بدون إعانة غیره تحقق القبض.. فکأنهم نظروا إلی الممکنة (۲/۲۰۶) جنگل میں گھوڑا بیچا اگر مشتری کسی دوسرے کی مدد کے بغیر قبضہ کرسکتا ہے تو قبضہ کا تحقق ہو جائے گا۔ علامہ ابن ہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں محیط کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں: **إن بالتخلیة یقع القبض وإن کان المبیع یبعد عنهما** تخلیہ سے قبضہ ہو جاتا ہے، خواہ مبیع دور ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح ابن ہمام فتح القدیر میں ایک مثال سے قبضہ حکمی سے قبضہ شرعی کے واقع ہونے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولو اشتری فرسا فی حظیرة فقال البائع سلمتها إلیک ففتح المشتری الباب فذهب الفرس إن أمکنه أخذها من غیر عون کان قبضا (۶/۲۹۸)۔

دیکھئے اس جزئیہ میں محض قدرت اور تمکین کو قبضہ قرار دیا گیا ہے۔ ابن ہمام نے تجرید کے حوالہ سے تسلیم و قبضہ کا ایک قاعدہ کلیہ ذکر کیا ہے جس سے مسئلہ مجوث عنہ کے ثبوت میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

تسلیم المبیع أن یخلی بینه و بین المبیع علی وجه یتمکن من قبضه من غیر حائل (۶/۲۹۷) سپردگی مبیع کا مفہوم یہ ہے کہ بائع مشتری کو مبیع اس طرح حوالہ کردے کہ بغیر کسی مانع کے قبضہ ممکن ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض قدرت اور تمکین ہو جائے کہ وہ اپنے حوالہ اور قبضہ میں جب جس طرح چاہے قبضہ کر سکے تو اسے قبضہ کہا جائے گا۔

چنانچہ ایک جزئیہ سے اور یہ واضح ہوتا ہے: **ولو اشتری حنطة فی بیت ودفع البائع المفتاح إلیه و قال خلیت بینک وبینها فهو قبض** (۶/۲۹۷، بحر الرائق ۵/۳۳۳)۔

دیکھئے محض کنجی حوالہ کردینا اور اذن قبضہ دے دینا ہی قبضہ قرار دے دیا گیا۔

دیکھئے قبضہ نہیں کیا مگر اس کے تحت آ گیا اور اس کے اختیار میں آ گیا کہ جب چاہے وہ قبضہ حساً بھی کرسکتا ہے۔ گویا یہ اختیار میں آ جانا قبضہ شرعی ہے۔

فقیہ کاسانی بدائع الصنائع میں قبضہ اور تسلیم کے مفہوم اور مراد کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبضہ کی کوئی ایک ہی خاص شکل مراد نہیں بلکہ اس کے مفہوم میں وسعت ہے، جسے قبضہ حکمی اور معنوی سے بھی یاد کیا جا سکتا ہے۔

التسليم أو القبض. معناه عند الحنفية هو التخلي أو التخلية. وهو أن يخلي البائع بين المبيع و بين المشتری برفع الحائل بينهما علی وجه يتمكن المشتری من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتری قابضا له (بحوالہ الفقہ الاسلامی رص ۴۱۸)۔

ابن نجیم شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں اگر بائع کا اس کی طرف اشارہ ہو جائے اور وہ ایسے طور پر ہو کہ وہ اشارہ سے ممتاز ہو جائے تو اسے بھی قبضہ تصور کیا جائے گا۔ مثلاً: و كذا لو اشتری بقرا فی السرح فقال البائع اذهب فاقبض إن كان يری بحيث يمكنه الإشارة إليه يكون قبضا (۳۲۳/۵)۔

دیکھئے اگر چراگاہ میں جانور ہے اور بائع کے اشارہ سے وہ ممتاز ہو جائے یعنی مبیع غیر مبیع سے علیحدہ نمایاں ہو جائے تو اسے قبضہ کہا جا رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ قبضہ کے مفہوم میں وسعت ہے اور اس کی کوئی ایک شکل نہیں ہے کہ قبضہ کو اسی پر منحصر کیا جائے۔

علامہ شامیؒ نے بھی قبضہ کو صرف حسّی میں منحصر نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی مختلف شکلیں جسے قبضہ شرعی سے موسوم کیا جا سکتا ہے، ذکر کیا ہے۔ جس کا حاصل تمکین اور ضمان میں آ جاتا ہے (دیکھئے: رد المحتار ۵۶۱/۴)۔

علامہ شامی الدر المختار میں ایک موقعہ پر تخلیہ کو اجماعاً قبضہ کے معنی میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أجمعوا علی أن التخلية في المبيع الجائز تكون قبضا (۵۶۲/۴)۔

علامہ شامی نے ایک جزئیہ کا ذکر کیا ہے کہ مشتری نے اگر اپنا برتن بھیج دیا اور وہ خود نہ رہا اور بائع نے اس میں سامان ڈال دیا تو باوجودیکہ مشتری یا اس کا کوئی وکیل نہیں ہے پھر بھی قبضہ تصور کیا جائے گا۔ اس لئے کہ تخلیہ اور حوالہ پایا گیا۔ اور اس کے ضمان میں داخل ہو گیا۔

لو اشتری دهنا و دفع قارورة دزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشتری فهو قبض و كذا بغيبته في الأصح (۵۶۱/۴) اس سے معلوم ہوا کہ مشتری کے غائبانہ میں بھی جبکہ مشتری نے افراز کا حکم دیدیا ہو تو قبضہ شرعی ہے۔

فقہ حنفی کی بیشتر کتابوں میں امام اعظمؒ کے نزدیک تخلیہ کے لئے عموماً ۳ شرطوں کا ذکر ملتا ہے۔ جسے قاضی خاں، علامہ شامی، صاحب بحر الرائق وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

قال أبو حنيفةؒ التخلية بين المبيع والمشتری تكون قبضا بشرائط: ثلثة أحدها أن يقول البائع خليت بينك و بين المبيع فاقبضه ويقول المشتری قد قبضت والثانی أن يكون البيع بحضرة المشتری بحيث يصل إلی أخذه من غير مانع والثالث أن يكون المبيع مفرزا غير مشغول بحق الغير (قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۳۵۸/۲)۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے تخلیہ کے قبضہ ہونے کی ۳ شرطیں ذکر کی ہیں: (۱) بائع خلّیت کہہ دے (۲) مبیع کو مشتری بلا کسی روک و مانع کے قبضہ کر سکے (۳) مبیع غیر مبیع سے علیحدہ اور ممتاز ہو۔ خیال رہے کہ علامہ شامی نے خلّیت کے مفہوم میں لکھا ہے کہ مراد یہ لفظ نہیں ہے بلکہ اذن و اجازت

کے کلمات مراد ہیں۔جن سے حوالہ اور قبضہ دینے کا علم ہو جائے ضروری ہے۔

درمختار نے بھی اس شرط کو ذکر کیا ہے۔ و شرط في الأجناس شرطا ثالثا وهو أن يقول خليت بينک و بين المبيع فلو لم يقله أو كان بعيدا لم يصر قابضا (ص ۵۶۱) اجناس ناطفی نے یہ شرط لگائی ہے کہ قبضہ کا اذن ہو، اگر کچھ نہ کہا یا مبیع دور ہے تو قبضہ شمار نہ ہوگا۔ خیال رہے کہ تخلیہ یا قبض کے الفاظ کا کہنا ضروری نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ بائع کی جانب سے ایسی کوئی بات پائی جائے جو تمکین یا قبضہ دینے کو ثابت کرتی ہو، چنانچہ رسید یا کیش میمو کا دینا بھی اس کے قائم مقام ہوسکتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی اس احتمال کو دور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الظاهر هو أن المراد به الإذن بالقبض لا خصوص لفظ التخلية (۵۶۱/۴) مراد لفظ خلّیت سے قبضہ کی اجازت ہے نہ کہ لفظ تخلیہ۔ معلوم ہوا کہ اس کی جانب سے اذن و اجازت ہونی کافی ہے۔ لفظ خلیت ضروری نہیں۔ ساری عبارتیں اس بات کی وضاحت کر رہی ہیں کہ قبضہ سے مراد حسّی اور ہاتھ میں آ جانا ہے۔

اشیائے منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت اور اس کا فرق:

واضح رہے کہ فقہاء کرام کے نزدیک منقول اور غیر منقول اشیاء کے درمیان فرق ہے۔ علامہ رافعی کی شرح الوجیز کے حوالہ سے اعلاء السنن میں ہے:

إن كان المبيع مما لا ينقل كالدور والأراضي فقبضه بالتخلية بينه و بين المشتري و تمكنه من اليد والتصرف۔

وإن كان المبيع من المنقولات فالمذهب المشهور وبه قال أحمد أنه لا يكفي فيه التخلية بل لابد من النقل والتحويل ..وقال مالک و أبو حنيفة انه يكفي فيه التخلية كما في العقار (۲۳۱/۱۴) عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ تخلیہ اور تمکن حاصل ہو جائے تو دونوں میں قبضہ کا تحقق ہو جائے گا۔ تخلیہ کا مفہوم دونوں میں شامل ہے۔ جیسا کہ ابن وہبہ زحیلی کی عبارت واضح کر رہی ہے: فإن القبض عند الحنفية يكون بالتخلية سواء كان المبيع عقارا أو منقولا (۴۱۹/۴) السید السابق اپنی کتاب الفقہ السنۃ میں قبضہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والقبض في العقار يكون بالتخلية بينه و بين من انتقل ملكه اليه على وجه يتمكن معه من الانتفاع فيما يقصد منه كزرع الأرض و سكنى المنزل والاستظلال بالشجر أو جنى ثماره ونحو ذلک (۱۳۹/۳)۔

عقار (زمین و کھیت) میں قبضہ کا یہ مفہوم ہے کہ ایسا تخلیہ اور حوالہ ہو جائے جس سے انتفاع ممکن اور قابو میں آ جائے۔ مثلاً زمین ہو تو کھیتی کرے، مکان ہو تو بس جائے، درخت ہو تو سایہ اور پھل پر قابو پالے وغیرذلک۔

اور منقول کے قبضہ کی شکل واضح کرتے ہوئے سید السابق الفقہ السنۃ میں ذکر کرتے ہیں:

والقبض فيما يمكن نقله كالطعام والثياب والحيوان ، ونحو ذلک يكون على النحو الآتي:

أولا باستيفاء القدر كيلا أو وزنا إن كان مقدرا.

ثانيا: بنقله من مكانه إن كان جزافا.

ثالثا: يرجع إلى العرف فيما عدا ذلک (۱۳۹/۳)۔

مطلب یہ ہے کہ اشیاء منقولہ مثلاً غلہ، کھانے کپڑوں وغیرہ میں قبضہ کی شکل یہ ہوگی کہ کیلی ووزنی چیزوں میں کیل ووزن ہوجائے ۔اگر اندازے اور تخمینہ سے اس کی بیع ہوئی ہوتو اپنی تحویل میں لے لے یا اپنے پاس منتقل کر لے۔اور تیسری شکل یہ ہے کہ عرف میں جس کو قبضہ تصور کیا جاتا ہو اس کا وقوع ہوجائے۔عرف میں قبضہ کی شکل یہ ہوگی کہ کیش میمو اور رسید اس کے نام بن جائے۔سیل ٹیکس، انکم ٹیکس کا کاغذ اس کے نام آجائے، کاغذ کے ساتھ لوگوں کی زبان پر بھی آجائے کہ یہ تو فلاں کا ہے، اس ٹیکس پرمٹ کاغذ پر اس کا نام درج ہوجائے۔

سرکاری مواخذہ، راستہ ٹیکس (چنگی) وغیرہ سب اس سے متعلق ہوجائے۔یہی ضمان میں آنے کی علامت ہے۔اور یہی قبضہ معنوی ہے۔صاحب الفقہ السنۃ سید السابق کی اس عرفی قبضہ کے اعتبار سے حسی قبضہ کے بغیر اس کا فروخت کرنا جائز ہوگا۔

عقار کے قبضہ حکمی کے سلسلے میں فقہاء نے اس امر کا بھی اعتبار کیا ہے کہ اگر قریب ہے تو تخلیہ اور تمکین قبضہ شمار ہوگا، اور اگر بعید ہے تو تخلیہ قبضہ نہ ہوگا۔علامہ شامی لکھتے ہیں: والصحيح ما ذكر في ظاهر الرواية لأنه إذا كان قريبا يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التخلية مقام القبض أما إذا كان بعيدا لا يتصور القبض في الحال فلا تقام التخلية مقام القبض (۵۶۱/۴) صاحب درمختار نے بھی اسی قریب وبعید کا فرق ملحوظ رکھا ہے: وكان بعيداً لم يصر قابضاً (۵۶۱/۴)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ محیط وجامع شمس الائمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیہ مطلقاً قبضہ ہے، خواہ قریب ہو یا بعید ہو۔علامہ شامی لکھتے ہیں: و مقابله ما في المحيط وجامع شمس الأئمة أنه بالتخلية يصح القبض وإن كان العقار بعيدا غائباً عنهما عند أبي حنيفة (۵۶۱/۴)۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کی احادیث معلول بالعلۃ ہیں:

احادیث پاک میں جو قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کی روایتیں پائی جاتی ہیں وہ جمہور فقہاء محدثین کے نزدیک معلول بالعلۃ ہیں۔اور اس پر تمام محققین فقہاء کے اقوال شاہد ہیں جن کی تفصیل یہاں پیش کی جاتی ہے:

صاحب ہدایہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی احادیث کو معلول بالعلۃ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز. اور اس کی شرح کرتے ہوئے ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں: والحديث الذي استدل به معلول به أي بغرر الانفساخ (۵۱۴/۶) اور اس معلول بالعلۃ کی دلیل واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والدليل عليه أن التصرف الذي لا يمتنع بالغرر نافذ في المبيع قبل القبض وهو العتق والتزوج عليه (۵۱۴/۶)۔

یعنی چونکہ حدیث معلول بالعلۃ ہے، کہ عدم جواز کی علت غرر انفساخ اور ہلاکت ہے۔ اور یہ بات عتق اور تزوج میں نہیں پائی جاتی۔ اس علت کے پیش نظر قبل القبض عتق اور تزوج جائز ہوگا۔ کیونکہ اس میں غرر اور ہلاکت کا احتمال نہیں۔ صاحب عنایہ ابن نجیم مصری اور اکثر اہل علم نے اس حدیث کے معلول ہونے کی صراحت کی ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلے میں احناف کا مسلک اور دلائل:

خیال رہے کہ امام محمد اور امام زفر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کے سلسلہ میں عموم کے قائل ہیں۔ خواہ منقولات میں سے ہو یا عقار میں سے ہو، کسی کی بھی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت درست نہیں ہے۔ یہی قول حضرت امام شافعیؒ کا ہے۔ امام ابو یوسف کا بھی قول اول یہی ہے۔ ابن ہمام فتح القدیر میں امام محمد کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رجوعا إلى إطلاق الحديث يعني عمومه.. وهو ما في حديث حكيم من قوله ﷺ لا تبيعن شيئا حتى تقبضه.. وللنهي عن ربح مالم يضمن. ولو باع العقار بربح يلزم ربح مالم يضمن.. ولأن السبب هو البيع إنما يتم بالقبض ولهذا جعل الحادث بعد العقد قبل القبض كالحادث عند العقد.. والملك متأكد بتأكد السبب وفي هذا العقار والمنقول سواء۔

مطلب یہ ہے کہ نہی عام ہے، تمام اشیاء کو شامل ہے۔ مزید یہ کہ اس نہی کی علت خود حدیث پاک میں ہے کہ ربح مالم یضمن ممنوع ہے درست نہیں، لہذا عقار کی بیع قبضہ سے پہلے ربح مالم یضمن میں داخل ہوکر ناجائز ہوگی۔ مزید یہ کہ بیع کا اتمام قبضہ سے ہوتا ہے۔ اور جب قبضہ سے اتمام بیع ہوتا ہے تو اتمام بیع سے قبل اس کا تصرف کیسے درست ہوگا۔ تاوقتیکہ ملک جس کا سبب بیع ہے قبضہ سے تام اور مکمل نہ ہوگی، بیع درست نہ ہوگی۔ اور یہ علت منقول اور عقار دونوں کو شامل ہے، لہذا منقول وغیر منقول کسی کی بھی بیع جائز نہ ہوگی۔

شیخین کا قول مع دلائل:

حضرات شیخین قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی والی حدیث کو اشیائے منقولہ کے ساتھ خاص مانتے ہیں۔ اور اس نہی کا محل اشیائے منقولہ یا جو ہلاکت کے گمان غالب میں ہے، اسے مانتے ہیں، اسی وجہ سے زمین وکھیت کی بیع کو قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں۔ یہی مسلک حنابلہ کا، مالکیہ کا، امام بخاری کا، عثمان البتی کا اور علامہ نووی کے مطابق بیشتر فقہاء کا ہے۔ احناف کے نزدیک یہ حدیث چونکہ علت غرر کے ساتھ معلول ہے اس لئے جہاں غرر اور ہلاکت کا گمان غالب ہوتا ہے وہاں بیع اور تصرف قبل القبض کو ممنوع قرار دیتے ہیں، خواہ زمین اور کھیت ہی کیوں نہ ہو جس کی مثال آگے آرہی ہے۔ تکملہ فتح الملہم میں شیخین کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انهما يستثنيان العقار من عموم النهي لأن علة النهي منتفية. فإن الحديث الأخير حديث عبد الله بن عمرو دل على أن العلة في النهي عن بيع المبيع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح مالم يضمن وإنما يضمن الإنسان ما يخاف فيه الهلاک. وأما العقار فلا يخشى فيه ذلک

إلا نادرا حتى لو كان العقار على شط البحر أو كان المبيع علوا لا يجوز بيعه قبل القبض. كما في فتح القدير (۲۶۲/۵) لأن الهلاک فيه غير نادر (۲/ص۳۵۳)۔

اورصاحب ہدایہ نے شیخین کے استدلال کوذکرکرتے ہوئے لکھا ہے:إن ركن البيع صدر من أهله في محله ولا غرر فيه لأن الهلاک في العقار نادر بخلاف المنقول. والغرر المنهى عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز. اس کی شرح میں ابن ہمام صاحب الفتح فرماتے ہیں: والدليل عليه أن التصرف الذى لا يمتنع بالغرر نافذ في المبيع قبل القبض وهو العتق والتزوج عليه. .ويجوز في المبيع قبل القبض العتق (۲/ص۵۱۴)اس سے معلوم ہوا کہ غرر جہاں نہیں ہے، وہاں ممنوع نہیں ہے۔ چنانچہ عتق اورتزوج میں غررکا سوال پیدانہیں ہوتا،اس وجہ سے یہ نافذ ہوجائے گا۔

امام اعظم اورابو یوسف کی جانب سے یہ جواب محققین احناف نے دیا ہے۔ جسے صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے۔اس پرایک اعتراض واقع ہوتا ہے، جسے قریب قریب تمام شراح نے بیان کیا ہے کہ شیخین کا حدیث کومعلول قراردے کرغرر نہ ہونے کی وجہ سے عقار کا مستثنی کرنا یہ تعلیل فی مقابلۃ النص ہےاور یہ درست نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ عینی نے البنایہ میں جو بیان کیا ہےاسے یہاں ذکرکیا جاتا ہے:''فإن قيل هذا التعليل معارض لمطلق النص فإن مطلقه يتناول العقار كما بيّنا ''.اورصاحب عنایہ نےشرح ہدایہ میں اس طرح نقل کیا ہے:

واعترض بأنه تعليل في موضع النص وهو ما روى أنه عليه الصلوة والسلام نهى عن بيع مالم يقبض وهو عام والتعليل في موضع النص غير مقبول. صاحب فتح القدیر نے بھی اس اعتراض کو ذکرکیا ہے(۲/۵۱۴) جواب میں عنایہ کا قول سب سے زیادہ واضح ہے۔ چنانچہ وہ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: وأجيب بأنه عام دخله الخصوص لإجماعنا على جواز التصرف في الثمن والصداق قبل القبض . ومثل هذا العام يجوز تخصيصه بالقياس فنحمله على المنقول كذا في المبسوط۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر چہ حدیث عام ہے، مگراجماع کے ذریعہ اس میں تخصیص ہوچکی ہے، چنانچہ ثمن اورمہر پرتصرف بیع قبضہ سے پہلے اجماعاً جائز ہے۔ جب اجماع سے اس میں تخصیص ہوچکی ہے،اوراجماع نے اس میں تخصیص کردی ہےتو اب اس میں تخصیص کا احتمال ثابت ہوگیا۔ چنانچہ قیاس سے تخصیص کردی گئی کہ یہ منقول کے حق میں ہے،عقار کے حق میں نہیں ہے۔اوراس قیاس کی بنیادخودشارع ہی کا قول غرراور ہلاکت ہے۔علامہ عینی البنایہ شرح ہدایہ میں بھی اسی طرح جواب دیتے ہیں ۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:قلنا الحديث مخصوص فإن بيع عقد المهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد والميراث والثمن قبل القبض يصح بالاتفاق (۳۲۳/۷)۔

جب حدیث نہی قبل القبض سے یہ امور اجماعاً مستثنیٰ ہیں تو اس میں استثناء اورتخصیص کا دروازہ کھل گیا۔ چنانچہ عام خص عنه البعض کا قاعدہ فقہیہ اصول فقہ کی مشہورکتاب اصول الشاشی میں ہے: وأما العام الذى

خص عنه البعض محكمه أنه يجب العمل به في الباقي مع الاحتمالات فإذا قام الدليل على تخصيص الباقي يجوز تخصيصه بخبر الواحد أو القياس،وفيه فإذا قام الدليل الشرعي على وجود تلك العلة في غير هذا الفرد المعين ترجح جهة تخصيصه فيعمل به مع وجود الاحتمال (ص/٩)۔

چنانچہ علامہ عینی فرماتے ہیں: فحينئذ يجوز تخصيصه بالقياس . والدليل عليه ثبوت حق الشفعة قبل القبض والشفيع يتملك. فلو كان العقار قبل القبض لايحتمل الملك ببدل لما جاز للشفيع الأخذ بالشفعة قبل القبض (٣٢٣/٧)۔

یعنی جب ایک تخصیص اجماع سے ثابت ہوگئی تو دوسری تخصیص بھی جائز ہوگی۔اور تخصیص تو پہلے سے کر دی گئی ہے، چنانچہ حق شفعہ قبل القبض ثابت کر دیا گیا ہے۔جس کا تعلق عقار سے ہے۔اور قبل القبض عقار میں تملک کی صلاحیت نہ ہوتی تو حق شفعہ کا ثبوت اور اخذ قبل القبض جائز نہیں ہوتا۔لہذا عقار میں ہم نے قبل القبض تصرف اور بیع کو جائز قرار دے دیا۔

خیال رہے کہ زمین کی بیع حضرت عثمان غنی اور حضرت طلحہ کے درمیان ثابت ہے جو قبل الرؤیۃ والقبض ہوا تھا.. چنانچہ بیہقی کی سنن کبری میں ہے۔اور طحاوی کی معانی الآثار میں ہے:إن عثمانؓ ابتاع من طلحة أرضا بالمدينة ناقلة بأرض له بالكوفة فقال عثمان بعتک ما لم أره فقال طلحة إنما النظر لي لأني ابتعت مغيبا وأنت فد رأيت ما ابتعت فتحاكما إلى جبير بن مطعم فقضىٰ على عثمان أن البيع جائز وأن النظر لطلحة لأنه ابتاع مغيبا۔

اس روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بلا دیکھے اسے فروخت فرما دیا۔ظاہر ہے جب دیکھا نہیں تو قبضہ کہاں ہوگا کہ قبضہ تو رؤیت کو مستلزم ہے۔لہذا اس سے بیع مالم یقبض کا ثبوت ہوگا۔چنانچہ اعلاء السنن میں ہے:

وهو يقتضي جواز بيع العقار قبل القبض فإن عثمان باع أرضا له بالكوفة ولم يرها وهو ظاهر هو أنه باعها ولم يقبضها فإن القبض يستلزم الرؤية حتما (٢٢٩/١٤)۔

مزید تخصیص کی گنجائش:

اگر غرر اور ہلاکت کا نادر ہونا کسی منقول میں پایا جائے گا تو اس کا بھی استثناء اور اس کی بھی تخصیص جائز ہو جائے گی۔مثلاً جہاز،موٹر، فیکٹریاں، بڑی بڑی فولادی مشینیں، جن میں غرر اور ہلاکت کا احتمال نہیں رہتا۔ان میں بھی نہی سے مستثنیٰ ہونے کی گنجائش رہے گی۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلے میں مختلف ائمہ کی رائے:

قبل القبض بیع کے سلسلے میں احناف کے علاوہ دیگر ائمہ اربعہ وغیرہ کے مختلف اقوال ہیں:

امام مالک:

اوجز المسالک شرح موطا امام مالک میں مالکیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: یجوز بیعہ قبل قبضہ غیر الطعام (۱۱/۱۹۹) اسی طرح علامہ انور شاہ کشمیری انوار محمود شرح ابوداؤد میں فرماتے ہیں: وقال مالک بن أنس. ما عدا الماکول والمشروب جائز أن یباع قبل أن یقبض (۲/۳۳۸) علامہ نووی نے مالکیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے کہا ہے: وقال مالک لایجوز فی الطعام ویجوز فیما سواہ. ووافقہ کثیرون (ص/۵) اسی طرح فیض الباری میں ہے: قال مالک: لا یجوز فی الطعام ویجوز فیما سواہ (۳/۲۲۲) اور فتح القدیر میں ہے: وقال مالک: یجوز جمیع التصرفات من بیع وغیرہ قبل القبض إلا فی الطعام (۶/۵۱۱) ان کا حاصل یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے طعام کی تخصیص کردی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے: لأنہ ﷺ خص الطعام بالنھی فی حدیث رواہ مالک عن نافع عن ابن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یستوفیہ (اخرجہ الشیخان ۶/۵۱۱)۔

حضرات شوافع کا مسلک:

حضرات شوافع کے نزدیک تمام اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے۔ خواہ وہ طعام ہو یا غیر طعام۔ چنانچہ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں: فقال الشافعی لا یصح بیع المبیع قبل قبضہ سواء کان طعاما أو عقارا أو منقولا أو نقدا أو غیرہ (۲/۵) اسی طرح فیض الباری میں ہے: فقال الشافعی لا یصح سواء کان طعاما أو عقارا (۳/۲۲۲) خیال رہے کہ احناف میں امام محمدؒ بھی امام شافعیؒ کے ساتھ ہیں، چنانچہ ابن قدامہ کے حوالہ سے تکملہ فتح الملہم میں ہے: قال الشافعی ومحمد بن الحسن من الحنفیۃ یحرم بیع کل شئ قبل قبضہ طعاما کان أو غیرہ منقولا کان أو غیرہ (ص/۳۵۰) اسی طرح امام زفر من الاحناف بھی اسی مسلک کے حامل ہیں۔ اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک میں ہے: زفر و محمد والشافعی... لا یجوز طعاما أو غیرہ (۱۱/۱۹۹) ابن عقیل نے امام احمدؒ کا بھی یہ قول نقل کیا ہے۔ اور یہی قول صحابہ میں حضرت ابن عباس کا ہے: کذا فی تکملۃ فتح الملہم: وھو ظاھر قول ابن عباسؓ وھو روایۃ ابن عقیل عن أحمد (۱/۳۵۰)۔

شوافع کے دلائل:

عن ابن عباس أن رسول اللہ ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یستوفیہ قال ابن عباس وأحسب کل شئ مثلہ. وفی رویۃ أخری وأحسب کل شئ بمنزلۃ الطعام (مسلم)۔

عن زید بن ثابت أن رسول اللہ ﷺ نھی أن تبتاع السلف حیث تبتاع حتی یحوزھا التجار إلی رحالھم (ابوداؤد ۴۹۴) فقد عمم ھذا الحدیث الحکم فی سائر السلع ولم یقصرہ علی الطعام (تکملۃ فتح الملہم ۳۵۲) وعن حکیم بن حزام قلت یا رسول اللے إنی أبتاع ھذہ البیوع فما

يحل لي منها وما يحرم علي قال: يا ابن أخي لا تبيعن شيئا حتى تقبضه(سنن کبری ۵/ ۳۱۳)۔

حنابلہ کا مسلک:

حضرات حنابلہ اپنے بیشتر اقوال میں اسے طعام کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ چنانچہ تکملہ فتح الملہم میں ہے:

قال أحمد بن حنبل في أظهر روايته إنما يختص النهي بالطعام فلا يجوز بيعه قبل قبضه ويجوز فيما سواه (۱/ ۳۵۰) امام احمد بن حنبل کے اظہر روایت میں ہے کہ نہی طعام کے ساتھ خاص ہے۔ لہذا اس کی بیع جائز نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ کی جائز ہوگی۔ حنابلہ احادیث میں واقع شدہ لفظ طعام کی قید سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف طعام کے ساتھ خاص کرتے ہیں، باقی دیگر اشیاء میں قبل القبض تصرف کو جائز قرار دیتے ہیں۔ **كذا في التكملة: استدل الحنابلة بحديث الباب على أن النهي مقصور على الطعام لأن النبي ﷺ نص فيه الطعام** (۱/ ۳۵۱) حنابلہ کہتے ہیں کہ نہی کے باب میں جو احادیث وارد ہیں وہ نہی طعام کے ذکر کے ساتھ خاص ہیں۔ لہذا طعام ہی پر منحصر رہیں گی۔

قبضہ کے سلسلے میں دیگر ائمہ کی رائے:

ماقبل میں قبضہ کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا بیان تھا، اب ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر حضرات کے اقوال کا ذکر:

قبضہ کے سلسلہ میں امام بخاری کے یہاں بہت وسعت ہے۔ وہ بیع وشراء میں قبضہ کی کسی نوعیت خاص کے قائل نہیں ہیں۔ تحقق قبضہ کے سلسلے میں ان کے یہاں بہت وسعت ہے۔ فیض الباری شرح بخاری میں علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ امام بخاری کا مسلک لکھتے ہیں:

وأما عند البخاري فلا يشترط عنده هذا ولا ذاك بل القبض عنده أعم منهما بأن المشتري لو أراده لم يمنع عنه البائع وإن بقي المبيع مشغولا بقبضه في الحالة الراهنة فكان القبض يحصل عنده بمجرد الإيجاب والقبول ولا يحتاج بعد ذلك إلى أمر آخر يسمى قبضا... اذا علمت هذا فاعلم أنه يعلم من تراجم البخاري ان القبض عنده لايحتاج إلى التخلية ولا إلى النقل .. وإن تصرف المشتري يصح عنده قبل قبض المبيع بمعنى النقل..

عبارت مذکورہ سے بالکل صاف واضح اور عیاں ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک مشتری کے تصرف کرنے کے لئے صرف ایجاب وقبول کا ہوجانا کافی ہے، قبضہ کی قسم کا پایا جانا ضروری نہیں۔ لہذا قبضہ سے پہلے مشتری کسی قسم کا بھی تصرف کرے تو جائز ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قبضہ کے مفہوم میں امام بخاری کے یہاں بہت توسّع اور عمومیت ہے۔ اس کے برخلاف حضرات شوافع کے یہاں کہ ہر شئے میں قبضہ ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ کشمیری لکھتے ہیں:

فأضيق المذاهب فيه مذهب الشافعي وأوسعها مذهب البخاري. حضرات شوافع کا مذہب اس بارے میں تنگ ہے، امام بخاری کا بہت وسیع۔ عثمان البتی کے نزدیک تو بیع میں قبضہ کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ تمام

تصرفات قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں بیع میں بھی۔ اسی طرح تکملہ فتح الملہم میں ہے: **قال عثمان البتی یجوز بیع کل شیئ قبل قبضہ** (۱/۳۵۰) ابن عبدالبر مالکی نے اس قول کو سنت واجماع کے خلاف قرار دیا ہے۔ چنانچہ تکملہ فتح الملہم میں ہے: **ھذا قول مردود بالسنة والحجة المجمعة علی الطعام** (۱/۳۵۰) عثمان البتی کا قول سنت اور اجماع سے مردود ہے کہ وہ طعام کی بیع قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں۔ حسن بصری، حکم، سعید بن مسیب، حماد، اوزاعی، امام احمد اور اسحٰق راہویہ اس امر کے قائل ہیں کہ مکیلی اور موزونی اشیاء کا تو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں، البتہ اس کے علاوہ تمام اشیاء کا فروخت کرنا درست ہے (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۷)۔

یہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلے میں چار مشہور مسلک ہیں۔ صاحب اوجز المسالک نے اس سے زائد اقوال ذکر کئے ہیں۔

۶۔ اگر ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا ہے بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر۲ یعنی مشتری دوم کو روانہ کر دیتا ہے۔ اور ان کے درمیان یہ معاملہ طے پاتا ہے کہ مال روانہ ہونے کے بعد مشتری ثانی کے پاس پہونچنے سے قبل مال ہلاک ہو جائے تو اس کی ذمہ داری نہ بائع (فیکٹری) پر نہ مشتری ثانی پر، بلکہ مشتری اول پر عائد ہوتی ہے۔ اس صورت میں یہ مال مشتری ثانی کے پاس پہونچنے سے قبل مشتری اول کے ضمان میں رہا۔ جب ضمان میں رہا تو ربح مالم یضمن میں داخل نہ ہوا۔ گو اس مشتری کا قبضہ حسی نہ ہوا۔ مگر قبضہ معنوی اور حکمی کے پائے جانے کی وجہ سے اس کا فروخت کرنا درست ہوا کہ نہیں۔ ذیل میں اس مسئلہ کو فقہی روشنی میں حل کیا جاتا ہے۔ اولاً ضمان کا مفہوم ذکر کیا جاتا ہے، پھر قبضہ حسی اور حکمی کے احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

ضمان کا مفہوم اور ضمان کے پائے جانے کی شکل:

کسی شئے کے ضمان میں آنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس کی تحویل اور اس کی قدرت انتفاع میں آجائے، چنانچہ ضمان کی تعریف کرتے ہوئے علامہ وہبہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ میں لکھا ہے: **ھو ما کان فیہ القابض مسئولا عن المقبوض تجاہ الغیر فیضمنہ إذا ھلک عندہ** (۴/۴۲۱) مطلب یہ کہ قابض کی مقبوض کے متعلق ذمہ داری عائد آجائے۔ اور مقبوض کے متعلق سوال وجواب اسی پر عائد ہو۔ مثلاً ٹیکس خرچہ وغیرہ۔

خیال رہے کہ عرف کے اعتبار سے اور مروجہ قانون اور عمل کے اعتبار سے جب مشتری نے ایجاب وقبول کر لیا، ثمن کی تعیین، مبیع کا افراز ہو گیا تو اب ساری ذمہ داری مشتری پر عائد ہوگی۔ کرایہ، محصول، مبیع کا ٹیکس، راستہ کا ٹیکس سب اس پر عائد ہوگا۔ عرفاً بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں مشتری کا مال ہے، بائع کا مال نہیں ہے۔ اس اعتبار سے تو یہ مشتری کے ضمان میں آگیا۔ اور اب اس کا بلا قبضہ حسی کے فروخت کرنا ربح مالم یضمن میں داخل نہ ہوگا۔ مگر ہم جب ضمان کے شرعی مفہوم پر غور کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ضمان میں داخل ہونے کا کیا مفہوم ہے اور مبیع کا ضمان میں شمار کب ہوتا ہے، تو احادیث اور آثار صحابہ سے اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ بغیر قبضہ کے ضمان میں داخل نہیں ہوتا ہے۔

چنانچہ اعلاء السنن میں ہے: باب يد خل المبيع في ضمان المشتري بالقبض ولا يدخل في ضمانه قبل القبض . . اس کے بعد حضرت عثمان اور عبدالرحمن بن عوف کے درمیان پیش آمدہ واقعہ سے استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفيه دلالة على اتفاق الصحابة على أن المبيع لا يدخل في ضمان المشتري قبل قبضه . . . سواء كان مكيلا أو موزونا أو غيرهما (۱۴/۴۵۳) مطلب یہ ہے کہ مشتری کا ضمان میں داخل ہونا قبضہ کرنا ہے۔ قبضہ میں ضمان کا مفہوم ہے۔ اسی طرح حسن بصری کے ایک اثر سے استدلال کیا گیا ہے۔ عن الحسن انه سئل عن رجل ابتاع من رجل طعاما والطعام في بيت فأمر به أن يغلق ويدفع المفتاح إليه حتى يستوفيه فأحرق البيت ممافيه من مال قال هو من صاحب الطعام من أجل أنه لم يستوفيه.

دیکھئے اس واقعہ میں بائع نے تخلیہ اور تمکین کر دیا، کنجی دے دی کہ وہ اپنا مال لے لے، تمکین اور تحویل کی صفت پائی گئی مگر اس نے اپنی تحویل میں حستا نہیں لیا تھا کہ وہ جل گیا، اس پر حسن بصریؒ نے بائع کا مال ہلاک قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ استیفاء اور قبضہ ہی سے ضمان میں داخل ہوتا ہے۔ ہاں اگر قبضہ سے مراد قبضہ حکمی لیا جائے تو پھر ضمان میں آ جائے گا۔ اور یہاں حسن بصریؒ کے سوال میں جو صورت مذکور ہے اس میں افراز یعنی مبیع غیر مبیع سے ممتاز ہو کر تحویل اور تمکین میں جانا نہ پایا گیا۔ اس لئے اس سے قبضہ حکمی کا ثبوت نہ ہونا ہمارے لئے کوئی حرج نہ پیدا کرے گا۔ قبضہ حکمی پائے جانے کی صورت میں ضمان میں داخل ہو جائے گا۔ اور اس کا خریدار نمبر ۲ سے فروخت کرنا جائز ہوگا۔

قبضہ حکمی اور اس سے قبضہ کا ثبوت:

ماقبل قبضہ کی شرعی صورتوں میں یہ بحث مکمل طور پر آ چکی ہے کہ قبضہ حکمی کو بھی شریعت نے قبضہ مانا ہے۔ اور قبضہ صرف حسی میں منحصر نہیں۔ چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: وبالجملة أن القبض في المبيع والهبة والرهن يتحقق عندنا بالتخلية والمكنة على القبض ولا يحتاج الى القبض الحسي والنقل. پھر اس کی توضیح ایک جزئیہ سے بھی بخوبی ہو جاتی ہے: قالوا إنه باع فرسا في الصحراء فإن كان المشتري يستطيع أن يقبضه بدون إعانة غيره تحقق القبض فكأنهم نظروا فيه إلى المكنة فقط. ورأوها كالقبض . وقالوا إنه لو باع دارا أو صندوقا و سلم مفاتيحه فهو قبض (۳/۲۰۶)۔

اولاً تو شاہ صاحب نے قاعدہ کلیہ بیان کیا کہ قدرت اور تمکین کا پایا جانا قبضہ ہے۔ حساً اسے اپنے قبضہ اور ید میں کرنا ضروری نہیں۔ اور اس کو فقہاء کے کلام سے ثابت کیا کہ دیکھئے اگر جنگل میں موجود گھوڑے کو بیچا اور مشتری بغیر کسی دوسرے کی اعانت کے اسے حاصل کر لے تو گویا قبضہ ہو گیا، اسی طرح کوئی بڑا بکس فروخت کیا اور اس کی کنجی حوالہ کر دی تو قبضہ ہو گیا۔ ظاہر ہے یہاں صرف قدرت اور تمکین ہی تو پائی گئی پھر بھی فقہاء نے اسے قبضہ تسلیم کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبضہ حکمی بھی مؤثر ہے۔

فقہاء کرام کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ حکمی کے شرعاً معتبر ہونے کے لئے کچھ شرطیں ہیں۔

چنانچہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

قال أبو حنفيةؒ التخلية بين المبيع والمشترى تكون قبضا بشرائط ثلثة أحدها أن يقول البائع خليت بينک و بين المبيع فاقبضه ويقول المشترى قد قبضت. والثانى أن يكون البيع بحضرة المشترى بحيث يصل إلى أخذه من غير مانع، الثالث أن يكون المبيع مفرزا غير مشغول بحق الغير (خانيه على هامش الهنديه ۲/۲۵۸) مطلب یہ ہے کہ اولاً بائع تخلیہ اور تمکین دے دے، مشتری قبول کر لے، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ لفظ خلیت کوئی ضروری نہیں بلکہ اذن واجازت مراد ہے۔ ثانیاً کسی رکاوٹ کے بغیر مشتری اس پر قبضہ کر سکے۔ ثالثاً مبیع غیر مبیع سے ممتاز اور الگ کر دی جائے۔ اس عبارت کی روشنی میں موجودہ زمانہ کے طریقہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے، کہ بائع کیش میمو، رسید اشتراء حوالہ کر دے، مشتری یا اس کا وکیل اسے قبول کر کے قبضہ کر لے۔ مال مبیع موجود ہو کہ مشتری اگر فوراً اپنے انڈر میں کرنا چاہے تو کر لے یا کسی کو حوالہ مثلاً ٹرانسپورٹ وغیرہ کرنا چاہے تو کر لے۔ اور خریدا ہوا مال بالکل الگ ہو مشترک نہ ہو، یعنی اسے چھانٹ دیا ہو۔ اس کا مال الگ کر دیا گیا ہو ایسے طور پر کہ اگر اشارہ کیا جائے تو اشارہ صحیح واقع ہو جائے۔ اور کہنے والا کہہ سکے یہ مال فلاں کا ہے۔ تو اس صورت میں یہ مال قبضہ حکمی میں داخل ہو کر فروخت کرنا جائز ہو جائے گا۔

لہذا اگر یہ شکلیں پائی جا رہی ہیں تو خریدار نمبر (۱) کے ضمان اور قبضہ شرعی ہی پائے جانے کی وجہ سے فروخت کرنا اور نفع لینا جائز ہوگا، اور ربح مالم یضمن میں داخل نہ ہوگا۔ خیال رہے کہ عرف اور ماحول میں بھی یہ مال مشتری کا مثل مقبوض کے سمجھا جاتا ہے، چونکہ کرایہ، ٹیکس، قانونی سوال وجواب یہ سب اسی مشتری سے متعلق ہوتا ہے۔ لہذا الفقہ السنۃ کے مولف کے مطابق عرفاً قبضہ پائے جانے کی وجہ سے اس کا فروخت کرنا شرعاً درست ہوگا۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت کی صورت میں جس میں مال مشتری تک پہونچنے سے قبل ضائع ہو جائے تو بائع ضامن نہیں ہوتا ہے۔ یہ اس وقت درست ہے جبکہ مشتری کے ضمان میں وہ خریدا ہوا مال قبضہ کے ذریعہ سے آ جائے، خواہ قبضہ حسّی نہ ہو حکمی ہی سہی، ماقبل میں قبضہ حکمی اور اس کی جو شرطیں بیان کی گئی ہیں اگر اس کے مطابق ہو تو بائع کا ضامن نہ ہونا درست ہے۔

پھر اس شخص کے مال کی وصولیابی سے قبل کسی تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا قبضہ شرعی سے قبل فروخت کر دینا ہے جو درست نہیں۔ پھر مال کی ہلاکت اور ضائع ہونے کی صورت میں مشتری اول کا ضامن نہ ہو کر مشتری ثانی جو تیسرا خریدار ہے ضامن ہونا بلا قبضہ شرعی کے ضامن بنانا ہے جو درست نہیں۔ یہ صورت شرعاً جائز نہیں۔ مشتری ثانی کا فروخت کرنا جبکہ مال سمندر میں ہے جو حالت غرر ہے، قبضہ شرعی اور بیع کے درست نہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں کہ ربح مالم یضمن ہے، جو تیسرے خریدار سے خریدنا اور بلا قبضہ شرعی کے ضامن ہونا، بیع کیا قمار کی گویا صورت ہے، جو شرعاً جائز نہ ہوگی۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا عبدالرشید قاسمی

۱۔ شریعت اسلامیہ اور حضرات فقہاء وائمہ کی تشریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ بیع قبل القبض ناجائز ہے اور شریعت نے اس کا شمار بیع فاسد میں کیا ہے۔

صح بیع عقار لا یخشی هلاكه قبل قبضه ولا يصح قبل قبضه بيع منقول أفسد بيع المنقول قبل قبضه (درمختار ۴/۱۶۲۔۱۶۳)۔

۲۔ اسلامی شریعت میں قبضہ کی بنیاد عرف اور عادت پر ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ نے قبضہ کی کوئی خاص شکل متعین نہیں کی ہے بلکہ اسے لوگوں کے عرف اور عادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا کیونکہ قبضہ کا مقصود کسی چیز کا ضمان میں آنا اور ضمان سے نکلنا ہے یعنی کسی شی پر مشتری کا قبضہ ہوجائے تو بائع کے ضمان سے وہ چیز نکل جائے اور مشتری کے ضمان میں داخل ہوجائے، بہر حال کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی ہے بلکہ لوگوں کے تعامل پر چھوڑ دیا ہے، اسی لئے حضرات علماء، فقہاء اور ائمہ میں قبضہ کی حقیقت کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے ورنہ اختلاف کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔

۳۔ بالاتفاق جمہور علماء کے نزدیک اشیاء غیر منقولہ میں صرف تخلیہ قبضہ ہے اور حضرات علماء کے نزدیک اشیاء منقولہ میں قبضہ کی حقیقت کے سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، حضرات حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق کل چیزوں میں صرف تخلیہ قبضہ ہے یعنی بائع مشتری اور مبیع کے درمیان سے اپنا کنٹرول ختم کردے اور مبیع پر مشتری کا کنٹرول ہوجائے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ارتفاع موانع سے تعبیر کیا جاتا ہے، البتہ حضرات حنفیہ اشیاء مثلیہ مشتریٰ بالکیل والوزن میں صرف تخلیہ کو قبضہ ناقص مانتے ہیں، اور حضرات شوافع کے یہاں قبضہ کیلئے قبضہ بالید کی شرط ہے جس کی تفصیل مع دلائل بیان ہوچکی ہے، حنفیہ اشیاء مثلیہ مشتریٰ بالکیل والوزن اور عددیہ متقاربہ مختلف فیہا کے علاوہ تمام منقولات اور غیر منقولات میں تخلیہ کو قبضہ مانتے ہیں، البتہ عددیات متقاربہ میں صاحبین اور امام اعظم کا اختلاف ہے۔

۴۔ بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بعلۃ ہیں، یہ اور بات ہے کہ حضرات ائمہ نے الگ الگ علتیں نکالی ہیں، حضرات شیخینؒ فرماتے ہیں کہ بیع قبل القبض کی علت نہی غرر انفساخ عقد ثانی ہے، **عن أبی هريرة رضی الله عنه قال نهى رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر** (مسلم شریف تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۰)۔

یہی حدیث حضرات شیخین کے نزدیک علت نہی ہے، اور حضرت امام محمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ علت

نہی ربح مالم یضمن ہے، **نهى رسول الله ﷺ عن ربح ما لم يضمن والبيع ما ليس عندك**،ان ائمہ کے نزدیک یہی حدیث علت نہی ہے۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت حضرات شیخین کے نزدیک منقولات کے ساتھ خاص ہے اوران مجتہدین کے نزدیک غیرمنقولات اس سے مستثنٰی ہیں۔

بیع قبل القبض کی علت نہی دو ہوسکتی ہیں: ایک ربح مالم یضمن ،دوسرے غررانفساخ عقد۔اوردونوں علتیں حدیث سے مستنبط ہیں، یہ اور بات ہے کہ حضرات ائمہ نے دونوں حدیثوں کی ترجیح میں اختلاف کیا ہے،حضرات شیخین نے **نهى عن بيع الغرر** والی روایت سے ربح مالم یضمن میں تخصیص پیدا کی ہے،اورغررانفساخ عقدوالی حدیث کومخصوص نہ ہونے کی بناپرترجیح دی ہے،چونکہ ربح مالم یضمن والی روایت میں تخصیص بالاتفاق جائز ہے،مثلاً اخذ شفعہ قبل قبض المبیع اورتصرف فی المہر وبدل الخلع وغیرہ سے،اورحضرت امام محمداورامام شافعی نے علت نہی حدیث ربح مالم یضمن صرف منقولات کے ساتھ مخصوص نہیں کیا بلکہ غیرمنقولات کوبھی لفظاً شامل ہونے کی بناپراسی معنی میں داخل کرلیا،اوران ائمہ کےنزدیک منقولات اورغیرمنقولات دونوں میں بیع قبل القبض ناجائز ہے۔

٦۔ واضح رہے کہ قبضہ کی اسلامی شریعت میں کوئی خاص حقیقت متعین نہیں ہے بلکہ قبضہ لوگوں کے عرف اور تعامل پرمحمول کیا جائے گا اور قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع کے ضمان سے نکل کرمبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہوجائے،لہذاجب مشتری کاضمان پالیاجاتاہےاس کی بیع کرناجائزہےاوراس سےحاصل شدہ منافع حلال ہے۔

۷۔ یہ بات واضح ہے کہ مشتری کے ضمان میں مبیع داخل ہی نہیں ہوتی ہے،اس لئے بغیرقبضہ کےاس کافروخت کرنا جائزنہیں ہے،بیع فاسد ہوگی،اسی لئے اس کافسخ واجب ہےاوراس سے حاصل ہونے والے نفع کا صدقہ کرنا واجب ہے"**وقال مشائخنا لايطيب له بكل حال وهو المختار وإطلاق الجواب يدل على ذلك**"(البحرالرائق ۱۱۴/۸)۔



قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

قبضہ کی حقیقت:

قبضہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع کو اس طرح الگ کر کے رکھ دے اور موانع کو اٹھا دے کہ مشتری جب چاہے اس میں تصرف کر سکے۔ بدائع میں ہے: "فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع و بين المشترى من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشترى قابضا له (بدائع ۲۴۴/۵) تخلیہ اور تمام موانع کے ارتفاع کے باوجود اگر مشتری مبیع نہیں لے گیا تو بھی اسی کا قبضہ سمجھا جائے گا، کیونکہ قبضہ کے لئے حسی طور پر ہاتھ میں لینا اور بائع کے یہاں سے اسے منتقل کر لینا لازم نہیں ہے، بدائع میں ہے:

"ثم لا خلاف بين أصحابنا أن أصل القبض يحصل بالتخلية فی سائر الأموال" (بدائع ۲۴۴/۵)۔

اسی طرح ہر چیز میں قبضہ کے لئے جو تخلی اور ارتفاع موانع مطلوب ہے، اس کا مدار شریعت نے عرف و عادت پر چھوڑ دیا ہے، چنانچہ جس درجہ کا استیلا، اور عمل دخل لوگوں کے عرف و عادت میں قبضہ مانا جاتا ہے، اسی درجہ کا استیلاء اور عمل دخل ضروری ہوگا، بدائع میں ہے:

"ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين والتخلی وارتفاع الموانع عرفا و عادة حقيقة (بدائع ۱۴۸/۵)۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں ائمہ کے مذاہب:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلے میں ائمہ کی آرا مختلف ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غیر منقولہ اشیاء کے علاوہ تمام چیزوں میں تصرف کیلئے قبضہ شرط ہے، امام مالکؒ کے یہاں طعام ربوی کے علاوہ میں قبضہ شرط نہیں ہے، جب کہ امام شافعیؒ تمام مبیع میں قبضہ کو ضروری قرار دیتے ہیں، یہی رائے صاحبین، عبداللہ ابن عباس اور ثوری کی ہے، ایک رائے ابوعبید اور اسحٰقؒ کی بھی ہے کہ جو اشیاء کیلی اور وزنی نہیں ہیں، ان کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت درست ہے، ابن حبیب عبدالعزیز بن ابوسلمہ اور ربیعہ، کیلی اور وزنی کے ساتھ عددی کا بھی اضافہ کرتے ہیں، امام احمدؒ، ابوثورؒ اور امام مالکؒ کی مشہور روایت یہ ہے کہ طعام ربوی ہوں، یا غیر ربوی، دونوں میں قبضہ شرط ہے، ابن رشد نے لکھا ہے:

"وأما بيع ما سوى الطعام قبل القبض فلا خلاف فی مذهب مالک فی إجازته، وأما الطعام الربوی فلا خلاف فی مذهبه أن القبض شرط فی بيعه، وأما غير الربوی من الطعام

فعنه في ذلك روايتان: إحداهما لامنع وهي الأشهر وبه قال أحمد وأبو ثور، إلا أنهما اشترطا مع الطعم الكيل والوزن، والرواية الأخرى الجواز وأما أبو حنيفة فالقبض عنده شرط في كل مبيع ما عد المبيعات التي لا تنتقل ولا تحول من الدور و العقار، وأما الشافعيؒ فإن القبض عنده شرط في كل مبيع وبه قال الثوري، وهو مروي عن جابر بن عبد الله وابن عباس وقال أبو عبيد وإسحق: كل شئ لا يكال ولا يوزن فلا بأس ببيعه قبل قبضه واشترط هؤلاء القبض في المكيل والموزون وبه قال ابن حبيب وعبد العزيز بن أبي سلمة ور بيعة، وزا د هؤلاء مع الكيل والوزن والمعدود (بدایۃ المجتہد ۲/۱۰۸)۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا حکم:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت شرعاً ممنوع ہے، اور یہ ممانعت معلول بعلت ہے، علامہ کاسانی نے لکھا ہے:

" لأنه بيع فيه غرر الإنفساخ بهلاک المعقود عليه" (بدائع ۵/۱۸۰) اور جو بیع غرر کی وجہ سے ممنوع ہو، وہ بیع فاسد ہوتی ہے باطل نہیں، موطاامام محمد میں ہے: "قال محمد : وبهذا كله نأخذ بيع الغرر كله فاسد وهو قول أبي حنيفة والعامة " (مؤطاالإمام محمد: باب بیع الغرر)۔

غیر منقولہ اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت:

ممانعت کے معلول بعلت ہونے کی وجہ سے ہی غیر منقولہ اشیاء میں قبضہ سے پہلے تصرف درست ہے، کیونکہ اس میں معقود علیہ کی ہلاکت کا خطرہ نہیں ہوتا۔ "الفقه على المذاهب الأربعة" میں ہے:

"وأما بيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض والضياع والنخيل والدور ونحو ذلک من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلا كها فإنه يصح (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۳۴)۔

البتہ جابر بن عبداللہ، ابن عباسؓ، امام محمدؒ، امام زفر اور امام شافعیؒ ممانعت کو معلول بعلت نہیں قرار دیتے، اس لئے ان کے نزدیک اشیاء منقول ہوں، یا غیر منقول، قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عام ہے اور سب کو شامل ہے، لہذا ان حضرات کے نزدیک غیر منقولہ اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت درست نہیں ہوگی۔

ضمان۔ قبضہ کی ایک شکل:

قبضہ کی ایک شکل ضمان بھی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے مال فیکٹری سے خرید کر دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور فیکٹری نے خریدار اول کے کہنے پر اس پر قبضہ کئے بغیر خریدار نمبر دو کے پاس روانہ کر دیا، اور خریدار اول نے یہ ذمہ داری لی کہ اگر مال درمیان میں ہلاک ہو جائے اور خریدار نمبر دو تک نہ پہونچے تو وہ اس کا ضامن ہے، اس صورت میں جو نقصان ہوا وہ مشتری اول کا ہوگا، تو منقولہ اشیاء ہونے کے باوجود اس طرح کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت درست ہوگی، اور ضمان قبضہ حسی کے قائم مقام ہوگا۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جن حضرات نے کیلی اور وزنی چیزوں میں قبضہ کو ضروری قرار دیا ہے، انکے یہاں کیل ووزن کرنے سے ہی مبیع مشتری کے

ضمان میں چلی جاتی ہے، بدایۃ المجتہد میں ہے:

"وأما من اعتبر الكيل والوزن ، فلا تفا قهم أن المكيل والموزون لا يخرج من ضمان البائع إلى ضمان المشترى إلا بالكيل أو الوزن (بدایۃ المجتہد ۲/۱۰۹)۔

لہذا جس وقت بائع نے مشتری کے لئے اس کو الگ کیا، مبیع مشتری کے ضمان میں چلی گئی اور اس نے جو فروختگی کا معاملہ کیا، وہ رسک لے کے کیا، اس لئے اسے "بیع مالم یضمن" قرار نہیں دیا جا سکتا، رہ گیا فیکٹری کا ڈائرکٹ مشتری ثانی کو مال روانہ کرنا تو یہ مشتری اول کے وکیل کی حیثیت سے ہے، جو شرعا درست ہے۔

اس کے برعکس جب مال جہاز پر چڑھا دیا گیا، اور مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ہلاکت کا ذمہ بائع نے نہیں لیا، نیز مشتری نے بھی کوئی ذمہ داری نہیں لی، بلکہ مشتری ثانی کے سر سارا رسک ڈال دیا، ایسے میں مشتری اول کا قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں ہوگا۔ بلکہ "بیع مالم یضمن" کی ممانعت کی وجہ سے ایسی بیع ممنوع اور فاسد ہو گی۔



قبضہ سے پہلے کسی چیز کا فروخت کرنا

مولانا احمد حسن، ٹونک

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے مبیع پر قبضہ کئے بغیر فروخت کرنے سے روکا اور منع فرمایا ہے:

☆ کنا نشتری الطعام من الرکبان جزافا فنهانا رسول الله ﷺ أن نبیعه حتی ننقله من مکانه (أی نقبضه) (ابن ماجہ/۱۶۲)۔

لا تبع قبل أن تستوفیه

بعث علینا (رسول الله ﷺ) من یأمرنا بانتقاله من المکان الذی نبتاعه فیه إلی مکان سواه قبل أن نبیعه (مؤطا) مؤطا امام محمد ۳۳۲)۔

لا تبع ما لیس عندک (ترمذی/۲۱۰)۔

نهاهم عن بیعه فی مکانه حتی ینقلوه (ابوداؤد نقلاً عن مشکوۃ/۲۴۷)۔

بیع منقول قبل القبض باطل بیع ہے، بعض فقہاء نے اسی کیلئے فاسد بیع کے الفاظ لکھے ہیں، " بخلاف بیعه قبله (أی قبل قبضه) فإنه باطل مطلقاً (جوهرة)" قلت: وفی المواهب وفسد بیع المنقول قبل قبضه انتهی، ونفی الصحة فی قوله لم یصح یحتملها فتنبه، ترمذی میں " باب ما جاء فی کراهة بیع ما لیس عندک" کے الفاظ سے "ترجمۃ الباب" لکھ کر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے مکروہ ہونے کو بتایا ہے۔

۲۔ اسلام نے جب کسی چیز کی حقیقت واضح اور متعین فرما دی ہو تو اسے لوگوں کے عرف وعادت پر نہیں چھوڑا جاسکتا، رسول علیہ السلام کے الفاظ گرامی " حتی ننقله من مکانه" سے حسی وحقیقی قبضہ ہی متعین ہوتا ہے۔

۳۔ اشیاء منقولہ کا قبضہ تو وہی ہے جو حدیث رسول علیہ السلام سے واضح ہوتا ہے، لیکن اشیاء غیر منقولہ (مکان وغیرہ) کا قبضہ مبیع کے مشتری کی تحویل میں آجانے، یا وثیقہ وتحریر، یا تکمیل شہادت بیع سے تسلیم کیا جائے گا۔

۴۔ منع قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی علت ہلاکت وتلف مبیع کا خطرہ اور غرر وخدع ہے (درمختار/۴۷۹)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت سے اشیاء غیر منقولہ (بقول مفتی بہ) مستثنیٰ ہیں۔

عتق عبد وامہ، تدبیر، ہبہ، تصدق، رہن، عاریت کو بھی قبل القبض جائز لکھا ہے (الابواب والتراجم للشیخ زکریا ۳/۲۴۶)۔

ائمہ مجتہدین اور فقہاء احناف کی آراء گرامی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے متعلق:

۔ امام مالکؒ نے غیر طعام میں ہر چیز کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی اجازت دی ہے۔

۔ امام احمد بن حنبلؒ نے مکیل، موزون اور معدود شئ کے علاوہ ہر چیز کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو جائز فرمایا ہے۔

۔ امام شافعیؒ نے طعام ہو، یا غیر طعام کسی بھی شئ کے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو جائز قرار نہیں دیا ہے ۔

۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے غیر منقولہ اشیاء کی بیع ''من غیر قبض'' کے جواز کا فتوی صادر فرمایا ہے، اور منقولات کی بیع کو قبضہ سے پہلے منع کیا ہے، امام ابو یوسفؒ نے بھی یہی فتوی دیا ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے (بنایہ نقلا من التعلیق مجد ر۳۳۱)۔

احناف کے مسلک میں امام صاحبؒ کا ارشاد ہی مفتیٰ بہ ہے: **صح بیع عقار لا یخشی هلاکه قبل قبضه فلا یصح اتفاقا ککتابة وإجارة وبیع قبل قبضه** (شرح تنویر الأبصار ملتقطا ۴ر۲۵۰)

لا یصح بیع منقول قبل قبضه (فتاوی حامدیہ ۱ر۲۴۶)

۔ امام مالک کے مسلک کی دلیل رسول علیہ السلام کا غیر طعام میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو جائز فرمادینا ہے، لفظ طعام کا خصوصی طور پر منع میں ذکر غیر طعام کی اجازت کو واضح کرتا ہے۔

۔ امام شافعی کی دلیل ارشاد رسول علیہ السلام میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے منع فرمادینا ہے۔

۔ امام اعظم کے فتوی کی دلیل غیر منقولہ اشیاء کے تلف وہلاک ہونے کا امکان، بلکہ ضائع ہونے کا وقوع ہے اور غیر منقولہ جائداد میں بالعموم ایسا نہیں ہوتا ہے (تعلیق مجد ر۳۳۱)

بیع کا معاملہ اس شخص کی جانب سے ہو رہا ہے جسے بیع کی شرعا اجازت ہے (لمعات برحاشیہ مشکوۃ ر۲۴۷)

۶۔ جب منقولہ اشیاء میں قول مفتی بہ کے پیش نظر ''من غیر قبض'' فروختگی جائز ہی نہیں ہے، تو درمیان کے یہ معاملات اور ضمان کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔

۷۔ منقولہ اشیاء میں کیا جانے والا یہ معاملہ (بیع من غیر قبض) بھی جائز نہیں، تیسرے خریدار کا ضامن وذمہ دار ہونا بھی صحیح نہیں۔

(نوٹ) ان ہر دو سوال کے دلائل اوپر کے نمبرات میں درج ہیں۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید فروخت

شریعت کی روشنی میں

مولانا وحید الدین، سورت

۱۔ بیع قبل القبض کی ممانعت کے بارے میں مختلف احادیث صحاح اور دوسری کتابوں میں صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہیں:

عن ابن عمر أن النبی ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یقبضه (رواہ البخاری، ومسلم)۔

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، کہ جس شخص نے غلہ خریدا تو اس کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت نہ کرے، اس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

وعن ابن عباسؓ قال: أما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام أن یباع حتی یقبض قال ابن عباسؓ وأحسب کل شیٔ مثله (رواہ البخاری ومسلم)۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بہر حال وہ چیز جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا سو وہ غلہ ہے کہ اس کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کیا جائے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اور ہر چیز کو میں اسی کے مثل گمان کرتا ہوں، بخاری اور مسلم نے اس کو نقل کیا ہے۔

وعن جابرؓ قال، قال رسول الله ﷺ إذا ابتعت طعاما فلا تبعه حتی تستوفیه (رواہ مسلم)۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم غلہ خریدو تو اس کو قبضہ سے پہلے فروخت مت کرو، امام مسلمؒ نے اس کو نقل کیا ہے۔

وفی حدیث زید بن ثابتؓ قال: إن رسول الله ﷺ نهی أن تباع السلع حیث تبتاع حتی تحوزها التجار إلی رحالهم (رواہ ابن حبان فی صحیحه، والحاکم فی المستدرک وصححه)۔

حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ سامان جس وقت خریدے جاتے ہیں وہ فروخت کئے جائیں، یہاں تک کہ تاجران کو اپنے گھروں میں منتقل کرلیں، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں اس کو نقل کیا ہے اور اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

روی عن حکیم بن حزام أنه قال: قلت یا رسول الله ﷺ إنی رجل أبتاع هذه البیوع وأبیعها فما یحل لی منها وما یحرم علیّ؟ قال لا تبیعن شیئاً حتی تقبضه (أخرجه النسائی فی سننه

الکبریٰ ورواه أحمد فی مسنده وابن حبان فی صحیحه)۔

حکیم ابن حزام سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ، میں خرید وفروخت کرنے والا (تاجر) ہوں تو میرے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ، کسی چیز کو قبضہ سے پہلے فروخت نہ کرو، امام نسائی نے اپنی سنن کبریٰ میں اس کی تخریج کی ہے اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس کو نقل کیا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث ہیں جن میں فی الجملہ بیع قبل القبض کی ممانعت وارد ہوئی ہے، ان تمام روایات اور احادیث سے ''بیع قبل القبض'' کا عدم جواز واضح ہے اور فی الجملہ ''بیع قبل القبض'' کے عدم جواز پر تمام ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے۔

ہاں یہ حکم عام اور مطلق ہے کہ کسی بھی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، یا خاص اور مقید ہے کہ بعض چیزوں کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، اس میں ائمہ اربعہ اور دوسرے مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے، غالباً اس اختلاف کی بنیاد یہی ہے کہ اس باب میں روایات مختلف ہیں بعض مطلق اور بعض مقید ہیں، ہر امام نے اپنے اصول کے مطابق روایتوں کو اختیار کیا ہے۔

''بیع قبل القبض'' بیع فاسد ہے:

احناف کے نزدیک بیع منہی عنہ کی تین قسمیں ہیں، باطل، فاسد، اور مکروہ۔

وذکر فی البحر أن البیع المنهی عنه ثلاثة، باطل، وفاسد، ومکروه تحریماً (شامی ۱۰۰/۴)۔

البحر الرائق میں مذکور ہے کہ بیع منہی عنہ کی تین قسمیں ہیں، باطل، فاسد، اور مکروہ تحریمی۔

لہٰذا اب سوال یہ ہے کہ احناف کے نزدیک ''بیع قبل القبض'' ان اقسام ثلثہ میں سے کس قسم میں داخل ہے، یہاں ان اقسام ثلثہ کی تفصیل میں جائے بغیر صرف یہ ذکر کیا جارہا ہے کہ فقہاء کرامؒ نے اس بیع قبل القبض کو کس قسم میں شمار کیا ہے۔

درمختار میں ہے:

وفسد بیع المنقول قبل قبضه انتهی، ونفی الصحة یحتملهمافتدبر (شامی)۔

بیع منقول قبل القبض فاسد ہے، اور صحت کی نفی بطلان اور فساد دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔

اور علامہ شامیؒ نے ''ونفی الصحۃ'' کے تحت ذکر کیا ہے:

(قوله ففی الصحة) أی الواقع فی المتن یحتملهما أی یحتمل البطلان والفساد والظاهر الثانی لأن علة الفساد الغرر کما مر مع وجود رکنی البیع الخ (شامی ۱۶۳/۴)۔

یعنی ''نفی الصحة'' جو متن میں موجود ہے اس میں بطلان اور فساد دونوں کا احتمال ہے، اور ظاہر ثانی

(فساد) ہے اس لئے کہ فساد کی علت غرر ہے، جیسا کہ گذر چکا، باوجود کہ ارکان بیع موجود ہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں وضاحت کی ہے کہ ''بیع قبل القبض'' بیع فاسد ہے۔

صاحب بدائع علامہ کاسانیؒ نے صحت بیع کی شرائط میں ایک شرط یہ ذکر کی ہے کہ منقول شی کو خریدنے والا جب اس منقول کو فروخت کرنا چاہے تو صحت بیع کیلئے اس منقول پر مشتری اول کا قبضہ شرط ہے، یعنی قبضہ سے پہلے اس منقول کو فروخت کرنا صحیح نہیں ہے۔

ومنها القبض فی بیع المشتری المنقول فلا یصح بیعه قبل القبض لما روی أن النبی ﷺ نهی عن بیع ما لم یقبض والنهی یوجب فساد المنهی ولأنه بیع فیه غرر الانفساخ بهلاک المعقود علیه (البدائع ۱۸۰/۵)

منقول خریدی ہوئی چیز کی بیع کیلئے شرائط صحت میں سے قبضہ کا ہونا ہے، لہذا اس کی بیع قبل القبض صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ نبی پاک ﷺ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ''بیع مالم یقبض'' سے منع فرمایا اور نہی فساد منہی کو ثابت کرتی ہے، اور اس لئے کہ یہ ایسی بیع ہے کہ اس میں معقود علیہ کے ہلاک ہوجانے کی وجہ سے عقد کے فسخ ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

علامہ کاسانیؒ کا اس قبضہ کو بیع کی صحت کیلئے شرط قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ قبضہ سے پہلے فروخت کرنا غیر صحیح یعنی فاسد ہے نہ کہ باطل، یعنی ارکان بیع کے پائے جانے کی وجہ سے انعقاد تو پایا جائے گا، لیکن غرر کی وجہ سے یہ انعقاد صحیح نہیں ہوگا۔

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ احناف کے نزدیک بیع قبل القبض بیع منہی عنہ کی دوسری قسم یعنی فاسد میں داخل ہے۔

۲۔ کتاب وسنت میں قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی گئی ہے، مطلق قبضہ کا ذکر ہے۔

جیسا کہ ''صاحب مہذب'' نے شی منقول میں نقل اور غیر منقول میں تخلیہ کو قبضہ قرار دینے کی علت بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: شرع میں قبضہ کا ذکر ہے لیکن مطلق ہے (اس کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی ہے) لہذا اس کو عرف پر محمول کیا جائے گا اور عرف منقول چیز میں نقل اور غیر منقول میں ''تخلیہ'' ہے۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ نے قبضہ کے سلسلہ میں عرف کا اعتبار کیا ہے، غیر منقول میں عرف یہ ہے کہ تخلیہ'' سے قبضہ شمار ہوتا ہے، لہذا غیر منقول میں تخلیہ قبضہ ہے اور منقول میں قبضہ نقل، یعنی دوسری جگہ منتقل کرنا ہے، لہذا شی منقول میں انتقال قبضہ شمار کیا جائے گا۔

وقال المالكية والشافعية ، قبض العقار كالأرض والبناء ونحوهما يكون بالتخلية بين المبيع وبين المشترى وتمكينه من التصرف فيه بتسليم المفاتيح إن وجدت ، وقبض المنقول كالأمتعة والأنعام والدواب بحسب العرف الجاری بين الناس .

مالکیہ اور شوافع نے کہا کہ عقار، مثلاً زمین مکان وغیرہ کا قبضہ مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ اور مبیع میں

تصرف پر قدرت دینے سے ہو جاتا ہے، مثلاً چابیاں موجود ہوں تو ان کے حوالہ کرنے سے، اور منقول میں قبضہ، مثلاً سامان چوپائے اور جانور اس عرف کے اعتبار سے شمار ہوگا جو لوگوں کے درمیان رائج ہو۔

وقال الحنابلة قبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلاً أو موزونا فقبضه بكيله ووزنه أى أنه يجب الرجوع فى القبض إلى العرف (الفقہ الاسلامی ۴/۴۱۹)۔

اور حنابلہ نے کہا: ہر چیز کا قبضہ اس کے لحاظ سے ہوگا، اگر مکیلی، یا موزونی ہے تو اس کا قبضہ کیل اور وزن سے ہوگا، یعنی قبضہ کے سلسلہ میں عرف کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

علامہ نوویؒ "مہذب" کی مذکورہ عبارت کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

وأما الأحكام فقال أصحابنا ، الرجوع فى القبض إلى العرف وهو ثلاثة أقسام، أحدها العقار والثمر على الشجرة فقبضه بالتخلية، والثانى ما ينقل فى العادة كالأخشاب والحبوب والحيتان ونحوها، فقبضه بالنقل إلى مكان الخ ، والثالث ما يتناول باليد كالدراهم والدنانير والمنديل والثوب والإناء الخفيف والكتاب ونحوها فقبضه بالتناول بلا خلاف الخ. (المجموع شرح المہذب ۹/۳۰۱)۔

رہے عبارت مذکورہ میں بیان کردہ احکام تو ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ قبضہ کے سلسلہ میں عرف کی طرف رجوع کرنا ہے اور وہ تین قسم پر ہے، ایک یہ کہ عقار اور درخت کے اوپر پھل تو ان کا قبضہ "تخلیہ" سے ہوتا ہے، دوسری وہ چیز جو عموماً منتقل کی جاتی ہیں، جیسے لکڑیاں، غلے اور مچھلیاں وغیرہ، تو ان میں قبضہ دوسرے مکان کی طرف منتقل کرنے سے ہوگا، اور تیسری وہ چیزیں جو ہاتھ سے لی جاتی ہیں، مثلاً دراہم، دنانیر (روپے پیسے) تولیہ، کپڑا، ہلکے برتن اور کتاب وغیرہ، تو ان چیزوں میں قبضہ بالاتفاق تناول سے ہوگا۔

الحاصل مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں قبضہ کے سلسلہ میں عرف کا لحاظ ہے، جن چیزوں میں تخلیہ کو قبضہ سمجھا جاتا ہے ان میں قبضہ کیلئے تخلیہ کافی ہے، اور جن چیزوں میں انتقال کو قبضہ شمار کرتے ہیں ان میں منتقل کرنے کو قبضہ کہا جائے گا، اور جن چیزوں میں قبضہ "تناول بالید" سے ہوتا ہے ان میں "تناول بالید" کو قبضہ گردانا جائے گا۔

احناف کے نزدیک قبضہ کی حقیقت کی تعیین کیلئے لغت کی طرف رجوع کیا گیا ہے کہ لغت میں تسلیم اور قبضہ کی کیا حقیقت ہے، کیونکہ ہر اصطلاحی معنی میں لغوی معنی ملحوظ ہوتا ہے۔

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ قبضہ کی تعریف ان الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں:

أما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلى وهو أن يخلى البائع بين المبيع والمشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيه فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشترى قابضا له (البدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

جہاں تک تسلیم اور قبضہ کی تفسیر کا تعلق ہے تو ہمارے نزدیک تسلیم اور قبضہ یہ تخلیہ اور تخلی ہے، اور تخلیہ یہ ہے

کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان سے ہٹ جائے، دونوں کے درمیان سے مانع کو اس طرح دور کردے کہ مشتری اس میں تصرف پر قادر ہوجائے تو بائع کو مبیع حوالہ کرنے والا اور مشتری کو اس پر قبضہ کرنے والا شمار کیا جائے گا۔

اس کے بعد علامہ کاسانیؒ نے قبضہ اور تسلیم کی اس تفسیر کی دلیل بیان فرمائی ہے کہ احناف کے یہاں تسلیم اور قبضہ کی مذکورہ تفسیر کیوں ہے۔

و لنا أن التسليم في اللغة عبارة عن جعله سالما خالصا يقال سلم فلان لفلان أى خلص له و قال الله تعالى: "ورجلا سلما لرجل" أى سالما خالصا لايشركه فيه أحد فتسليم المبيع إلى المشترى هو جعل المبيع سالما للمشترى أى خلص له بحيث لاينازعه فيه غيره و هذا يحصل بالتخلية فكانت التخلية تسليما من البائع و التخلى قبضا من المشترى (ايضا)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ تسلیم لغت میں شئ کو سالم اور خالص بنا دینے کا نام ہے، کہا جاتا ہے: ''سلم فلان لفلان'' یعنی فلاں آدمی فلاں کے لئے خالص ہوگیا، اور اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: و رجلا سلما لرجل ، یعنی ایک آدمی جو خالص ایک ہی کے لئے ہو کوئی اس میں اس کا شریک نہ ہو، لہذا مبیع کو مشتری کے حوالہ کرنا یہ مبیع کو مشتری کے لئے سالم، یعنی اس طرح خالص کردینا کہ اس مبیع کے سلسلہ میں اس سے کوئی منازعت نہ کرے، اور یہ تخلیہ سے حاصل ہوجاتا ہے، لہذا تخلیہ بائع کی جانب سے تسلیم اور تخلی مشتری کی طرف سے قبضہ ہوگا۔

علامہ کاسانیؒ کی اس عبارت میں وضاحت ہے کہ احناف نے تسلیم اور قبضہ کے شرعی معنی کی تعیین کے لئے لغوی معنی کا اعتبار کیا ہے، یعنی لغت میں تسلیم کے کیا معنی ہیں، اور اس معنی لغوی کے اعتبار سے ''تسلیم المبیع '' کے کیا معنی ہوں گے، اور یہ مفہوم کس چیز سے حاصل ہوسکتا ہے، چونکہ تخلیہ سے وہ لغوی مفہوم حاصل ہوجاتا ہے اس لئے احناف نے تخلیہ کو تسلیم مبیع کا شرعی مفہوم قرار دیا اور اس تخلیہ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے ''تخلی'' کو مشتری کی طرف سے قبضہ قرار دیا، لہذا احناف کے نزدیک تخلیہ سے قبضہ حاصل ہوجائے گا۔

علامہ کاسانیؒ نے تخلیہ سے قبضہ کے حصول کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے:

لأن التسليم واجب و من عليه الواجب لابد أن يكون له سبيل الخروج عن عهدة ما وجب عليه و الذى فى وسعه هو التخلية و رفع الموانع فأما الإقباض فليس فى وسعه لأن القبض بالبراجم فعل اختيارى للقابض فلو تعلق وجوب التسليم به يتعذر عليه الوفاء بالواجب و هذا لايجوز (ايضا)۔

اس لئے کہ تسلیم واجب ہے اور جس پر واجب ہے اس کے لئے اس واجب سے اپنے ذمہ کو فارغ کرنے کے لئے کوئی راستہ ہونا ضروری ہے اور جو چیز اس کی قدرت میں ہے وہ تخلیہ اور موانع کو دور کردینا ہے، اقباض (قبضہ کرانا) یہ اسکی قدرت میں نہیں ہے اس لئے کہ ہاتھوں سے لینا یہ قابض کا اختیاری فعل ہے، اگر وجوب تسلیم کا تعلق اس فعل اختیاری سے ہوتو (تسلیم کرنے والے پر) واجب کو پورا کرنا متعذر ہوجائیگا اور یہ جائز نہیں ہے۔

یعنی تخلیہ کو حکماً قبضہ قرار دیا گیا اس لئے کہ بائع یا ہر وہ شخص جس کے ذمہ تسلیم واجب ہے اسکی قدرت میں ''اقباض''، یعنی قبضہ کرانا نہیں ہے، اس وجہ سے کہ ''قبض بالید'' قابض کا اختیاری فعل ہے، اس میں تسلیم جس پر واجب ہے اس کا کوئی اختیار نہیں تو اگر وجوب تسلیم کو اس اقباض کے ساتھ متعلق کیا جائے، یعنی اس پر ''اقباض'' واجب کیا جائے تو یہ ''تکلیف مالایطاق'' یا ''تکلیف بقدرۃ الغیر'' ہوگا اور یہ جائز نہیں، لہذا وہ چیز جو اس کے بس اور قدرت میں ہے اور وہ تخلیہ ہے اس کو اسی کا مکلف بنایا گیا، تا کہ اس سے وہ اپنے ذمہ کو واجب سے فارغ کر سکے۔

تخلیہ کی حقیقت:

جس تخلیہ کو حکماً قبضہ قرار دیا گیا ہے اسکی حقیقت کیا ہے اور اس کے معنی کیا ہیں اور آیا ہر چیز کے اندر تخلیہ کی ایک ہی صورت ہوگی یا اشیاء کے اعتبار سے تخلیہ کی مختلف صورتیں ہوں گی؟

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے قبضہ کے تحقق کو بیان کرتے ہوئے تخلیہ کی حقیقت ان الفاظ میں ذکر کی ہے:

فاعلم أولا أن القبض فی المنقولات لا یتحقق عند الشافعیة إلا بالنقل و التحویل ، وعندنا بالتخلیة بینه وبین المشتری أما أن التخلیة ماذا هی؟ فهذا مما لایکاد ینضبط إلا بعد النظر إلی الجزئیات شیئا، ومعناها عندی رفع علائق ملكه وتمكینه للمشتری علی أن یقبضه، وذلک قد یکون بالفعل وأخری بالقول وتارة بالقرائن. (فیض الباری ۳/۲۰۶).

سب سے پہلے یہ جان لو کہ شوافع کے نزدیک منقول چیزوں میں قبضہ نقل اور تحویل ہی کے ذریعہ پایا جائے گا، اور ہمارے احناف کے نزدیک مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ سے بھی قبضہ متحقق ہو جائے گا، ہاں تخلیہ کیا چیز ہے تو اس کا بیان کرنا مشکل ہے الا یہ کہ جزئیات میں کچھ نظر کی جائے، اور میرے نزدیک تخلیہ کا معنی یہ ہے کہ اپنی ملکیت کے تمام تعلقات کو ختم کر کے مشتری کو قبضہ پر قدرت دے دینا، کبھی یہ فعلاً ہوگا، کبھی قولاً اور کبھی قرائن سے۔

علامہ کاسانیؒ نے ایک دوسری جگہ قبضہ کا معنی ذکر کیا ہے جس سے اس کی حقیقت واضح ہوتی ہے:

لأن معنی القبض هو التمكین والتخلی وارتفاع الموانع عرفا وعادة وحقیقة (البدائع والصنائع ۵/۱۴۸).

قبضہ کے معنی تمکین، تخلی اور عرف وعادت اور حقیقت کے اعتبار سے جتنے موانع ہوں سب کو دور کرنا ہے۔

''درمختار'' میں ہے کہ تسلیم تخلیہ سے اس وقت حاصل ہوگا جب مشتری قبضہ پر قادر ہو جائے، قبضہ سے کوئی مانع اور حائل نہ ہو:

ثم التسلیم یکون بالتخلیة علی وجه یتمكن من القبض بلا مانع و لا حائل و شرط فی الاجناس شرطا ثالثا و هو أن یقول: خلیت بینک و بین المبیع (الدرالمختار ہامش علی ردالمحتار).

پھر تسلیم تخلیہ سے اس طرح حاصل ہوگا کہ مشتری قبضہ پر قادر ہو جائے بلا کسی مانع اور حائل کے اور اجناس میں ایک تیسری شرط یہ بھی ہے کہ بائع ''خلیت بینک و بین المبیع'' کہے۔

"بلا مانع و لاحائل" کی وضاحت علامہ شامیؒ نے اس طرح فرمائی ہے:

(قوله بلا مانع) بأن يكون مفرزا غير مشغول بحق غيره (و قوله ولا حائل) بأن يكون في حضرته (ایضا).

مانع نہ ہو، یعنی مبیع الگ ہو کسی غیر کے حق میں مشغول نہ ہو، اور حائل نہ ہو یعنی مشتری کے سامنے ہو۔

''اجناس'' ناطفی نے جو تیسری شرط تخلیہ کی ذکر کی ہے علامہ انور شاہ کشمیریؒ اس شرط کے متعلق فرماتے ہیں:

و شرط في أجناس الناطفي أن يقول باللسان: "خليت بينه و بينك" وغير ذلك مما يؤدي مؤداه و ليس بضروري عندي و هذا الشرط لم أره عند غيره (فیض الباری ۳/۲۰۶)۔

اور ناطفی کے اجناس میں تیسری شرط ذکر کی گئی ہے کہ بائع زبان سے کہے "خليت بينه و بينك" یا اسکے علاوہ کوئی دوسرا جملہ جو اس مفہوم کو ادا کر رہا ہو، اور یہ میرے نزدیک ضروری نہیں، اور یہ شرط میں نے ان کے علاوہ کے یہاں نہیں دیکھی۔

صاحب ''درمختار'' نے تخلیہ کے قیود میں سے ''ولا حائل'' پر تفریع کرتے ہوئے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر مبیع مشتری کے سامنے نہ ہو بعید ہو تو صحیح قول کے مطابق مشتری قابض نہیں ہوگا، علامہ شامیؒ نے اس صحیح قول کے مقابل جو دوسرا قول ہے اس کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

(قوله على الصحيح) و هو ظاهر الرواية و مقابله ما في المحيط و جامع شمس الأئمة أنه بالتخلية يصح القبض وإن كان العقار بعيدا غائبا عنهما عند أبي حنيفةؒ خلافا لهما و هو ضعيف كما في البحر، و في الخانية والصحيح ما ذكر في ظاهر الرواية لأنه إذا كان قريبا يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التخلية مقام القبض، أما إذا كان بعيدا لايتصور القبض في الحال فلاتقام التخلية مقام القبض (شامی ۴/۴۳)۔

صحیح قول ظاہر الروایہ ہی ہے اور اس کے مقابل وہ قول ہے جو محیط اور شمس الائمہ کے جامع میں ہے کہ تخلیہ سے قبضہ صحیح ہو جائے گا، اگر چہ عقار بعید، عاقدین کی نظروں سے اوجھل ہو، امام ابوحنیفہ کے نزدیک، برخلاف صاحبین کے قول کے، اور محیط وغیرہ کا یہ قول ضعیف ہے، جیسا کہ بحر میں ہے، اور خانیہ میں ہے کہ صحیح وہی قول ہے جو ظاہر الروایہ میں مذکور ہے، اس لئے کہ جب عقار قریب ہو تو اس میں فی الحال حقیقی قبضہ کا تصور ہو سکتا ہے، لہذا تخلیہ کو قبضہ کے قائم مقام گردانا جائے گا، لیکن جب دور ہو تو فی الحال اس میں قبضہ کا تصور نہیں ہو سکتا، اس لئے تخلیہ اس صورت میں قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

مطلب یہ کہ صاحبینؒ کا قول جو ظاہر الروایہ میں ہے وہی صحیح ہے، اور خانیہ کی عبارت سے اس صحت کی وجہ اور علت یہ معلوم ہوئی کہ تخلیہ کے قبضہ کے قائم مقام ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ عقد کے بعد فی الحال اس میں اگر قبضہ حقیقی کا تصور ہو سکتا ہے تو تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوگا، ورنہ اگر فی الحال قبضہ حقیقی کا تصور نہ ہو تو تخلیہ قبضہ کے قائم مقام

نہیں ہوگا، عقار کے قریب ہونے کی صورت میں چونکہ فی الحال قبضہ حقیقی ہوسکتا ہے، لہذا اس صورت میں تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوگا اور دوسری صورت میں جب عقار دور ہو تو فی الحال قبضہ حقیقی کا تصور نہیں ہے اس لئے تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

صاحب ''فیض الباری'' نے تخلیہ کی حقیقت کو چند جزئیات سے واضح کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

و بالجملة أن القبض فی البیع و الهبة و الرهن یتحقق عندنا بالتخلیة و المکنة علی القبض و لایحتاج إلی القبض الحسی أو النقل (فیض الباری ۳/۲۰۶)۔

خلاصہ یہ کہ قبضہ بیع، ہبہ اور رہن میں ہمارے نزدیک تخلیہ اور قبضہ پر قدرت سے متحقق ہوجائے گا، قبضہ حسی یا نقل کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ شامیؒ اس تخلیہ کی جس سے قبضہ پر قدرت حاصل ہوجاتی ہے چند صورتیں ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

و حاصله أن التخلیة قبض حکما لو مع القدرة علیه بلا کلفة لکن ذلک یختلف بحسب حال المبیع (شامی ۴/۴۳)۔

حاصل یہ کہ تخلیہ حکماً قبضہ ہے، اگر بلا مشقت قبضہ پر قدرت حاصل ہو، لیکن یہ قبضہ حکمی مبیع کی حالت کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔

تخلیہ قبضہ تام ہے یا ناقص:

تخلیہ (جس سے بلا مشقت قبضہ پر قدرت حاصل ہوجائے) کے حکماً قبضہ ثابت ہوجانے کے بعد دو مسئلے اور زیر بحث رہ جاتے ہیں: (۱) تخلیہ قبضہ تام ہے یا نہیں، (۲) جواز تصرف کے لئے قبضہ تام ضروری ہے یا مطلقاً قبضہ تصرف کے جائز ہونے کیلئے کافی ہے۔

اس بحث کو علامہ کاسانیؒ نے بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے، دوسرے حضرات نے بھی علامہ موصوف سے اس بحث کو نقل کیا ہے، مثلاً صاحب اعلاء السنن ہیں۔

اول الذکر مسئلہ سے متعلق علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ تمام احناف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام اموال میں تخلیہ سے اصل قبضہ حاصل ہوجائے گا، لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تخلیہ قبضہ تام ہے یا نہیں۔

ثم لا خلاف بین أصحابنا فی أن أصل القبض یحصل بالتخلیة فی سائر الأموال و اختلفوا فی أنها هل هی قبض تام أم لا (بدائع ۵/۲۴۴)۔

تمام احناف کے مابین اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ تمام احوال میں تخلیہ سے اصل قبضہ حاصل ہوجائے گا، لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تخلیہ قبضہ تام ہے یا نہیں۔

اس کے بعد اس اختلاف کا حاصل ذکر فرمایا ہے جس کو انہی کی عبارت میں ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جارہا

ہے:

وجملة الكلام فيه أن المبيع لايخلو إما أن يكون له مثل و إما أن يكون مما لا مثل له فإن كان مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتفاوتة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف وإن كان مما له مثل فإن باعه مجازفة فكذلك لأنه لايعتبر معرفة القدر في بيع المجازفة، وإن باع مكايلة أو موازنة في المكيل والموزون وخلى فلا خلاف في أن المبيع يخرج من ضمان البائع ويدخل في ضمان المشتري ولا خلاف في أنه لايجوز للمشتري بيعه والانتفاع به قبل الكيل و الوزن لانعدام القبض بانعدام الكيل أو الوزن أو شرعا غير معقول المعنى مع حصول القبض بتمامه بالتخلية (ملخصا من البدائع ۵/۲۴۴)۔

حاصل یہ کہ مبیع دو حال سے خالی نہیں، مثلی ہوگی یا غیر مثلی، اگر غیر مثلی مذروعات یا معدودات متفاوتہ میں سے ہو تو بلا اختلاف تخلیہ اس میں قبضہ تام ہے (تخلیہ سے مبیع بائع کے ضمان سے نکل جائے گی اور مشتری کے لئے زرع اور شمار سے پہلے اس کو بیچنا اور نفع اٹھانا جائز ہے) اور اگر مبیع مثلی ہے اور اس کی بیع جزافا ہی ہوئی ہے تو بھی یہی حکم ہے (تخلیہ سے بالاتفاق قبضہ حاصل ہو جائے گا) اس لئے کہ بیع جزافا میں مقدار کی معرفت معتبر نہیں ہوتی، لیکن اگر کیلی یا وزنی چیز کو کیل یا وزن کے شرط کے ساتھ فروخت کیا اور تخلیہ کر دیا تو اس مسئلہ میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مبیع بائع کے ضمان سے خارج ہو جائے گی اور مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی، اور اسی طرح اس میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ مشتری کے لئے کیل یا وزن سے پہلے اسکا فروخت کرنا یا اس سے انتفاع جائز نہیں ہے، لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ تصرف کی حرمت کیل یا وزن سے پہلے کیل اور وزن کے نہ پائے جانے کی وجہ سے قبضہ کے معدوم ہونے کی بنا پر ہے یا تخلیہ سے قبضہ تام حاصل ہو جانے کے باوجود تصرف کی حرمت شرعاً غیر معقول المعنی ہے۔

اس کے بعد علامہ کاسانی مشائخ احناف کا یہ اختلاف تحریر فرماتے ہیں:

قال بعض مشائخنا إنها تثبت شرعا غير معقول المعنى، و قال بعضهم الحرمة لمكان انعدام القبض على التمام بالكيل أو الوزن و كما لايجوز التصرف في المبيع المنقول بدون قبضه أصلا لايجوز بدون قبضه بتمامه (ایضا).

بعض مشائخ احناف کا قول یہ ہے کہ تصرف کی حرمت کا ثبوت شرعاً غیر معقول المعنی (امر تعبدی) ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ کیل یا وزن کے ذریعہ قبضہ تام کے معدوم ہونے کی وجہ سے ہے اور جس طرح منقول مبیع کے اندر اصل قبضہ کے بغیر تصرف ناجائز ہے، قبضہ تام کے بغیر بھی ناجائز ہے۔

پھر مشائخ کی دونوں جماعتوں کی دلیل ذکر فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وجه قول الأولين ما ذكرنا أن معنى التسلم و التسليم يحصل بالتخلية لأن المشتري يصير سالما خالصا للمشتري على وجه يتهيأ له تقليبه و التصرف فيه على حسب مشيته و إرادته

، و لهذا كانت التخلية تسليما و قبضا فيما لامثل له و فيما له مثل إذا بيع مجازفة دل أن التخلية قبض إلا أن حرمة التصرف مع وجود القبض بتمامه ثبت تعبدا غير معقول المعنى والله عز و جل أعلم .وجه قول الآخرين تعليل محمد فى هذه المسئلة فى كتاب البيوع فانه قال و لايجوز للمشترى أن يتصرف فيه قبل الكيل لأنه باعه قبل أن يقبضه و لم يرد به أصل القبض و الدليل على أن الكيل و الوزن فى المكيل و الموزون الذى بيع مكايلة و موازنة من تمام القبض أن القدر فى المكيل والموزون معقود عليه ألاترى أنه لاكيل فازداد لا تطيب له الزيادة بل تزداد يفرض لها ثمن و لو نقص يطرح بحصته شئ من الثمن و لايعرف القدر فيهما إلا بالكيل و الوزن لاحتمال الزيادة و النقصان فلايتحقق قبض القدر المعقود عليه إلا بالكيل و الوزن فكان الكيل و الوزن فيه من تمام القبض (ص ۲۴۵).

اول الذکر مشائخ کے قول کی دلیل وہی چیز جو ہم نے ذکر کی کہ تسلیم اور تسلم کا معنی تخلیہ سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لئے کہ خریدی ہوئی چیز مشتری کے لئے اس طرح خالص ہوگئی کہ وہ اس میں اپنے ارادہ اور منشا کے مطابق تصرف کرسکتا ہے، اور اس وجہ سے تخلیہ غیر مثلی چیز اور اس مثلی میں جس کو جزافا بیچا جائے قبضہ شمار ہوتا ہے، یہ دلیل ہے کہ تخلیہ قبضہ ہے، مگر قبضہ تام کے پائے جانے کے باوجود تصرف حرام ہے، اس لئے کہ حرمت کا ثبوت تعبدی ہے، یعنی غیر معقول المعنی ہے اسکی حرمت کی شرعا کوئی علت نہیں بیان کی گئی ہے، واللہ عز وجل اعلم ۔ دوسرے حضرات کے قول کی دلیل کتاب البیوع میں اس مسئلہ میں امام محمدؒ کی تعلیل ہے، کیونکہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ مشتری کے لئے کیل سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس نے اس کو قبضہ سے پہلے فروخت کیا ہے، امام محمدؒ کی مراد اس سے اصل قبضہ نہیں ہے، بلکہ اس سے قبضہ تام مرادلیا ہے اس لئے کہ اصل قبضہ تو موجود ہے، اور اس کی دلیل کہ مکیلی اور موزونی چیز میں مقدار معقود علیہ ہے، کیونکہ دیکھئے صورت مذکورہ ہی میں اگر مبیع کو کیل کیا گیا اور مبیع زائد نکلی تو یہ زیادتی مشتری کے لئے طیب نہیں ہے، بلکہ یا تو واپس کردے یا اسکے عوض ثمن مقرر کرے، اور اگر مبیع کم نکلی تو ثمن سے اتنی مقدار وضع کردی جائے گی (لہذا مقدار معقود علیہ ہے) اور ان دونوں زیادتی اور کمی کے احتمال کی وجہ سے مقدار کو کیل اور وزن ہی سے جانا جاسکتا ہے، لہذا معقود علیہ کی مقدار پر قبضہ کیل اور وزن کے بغیر متحقق نہیں ہوسکتا، لہذا اس میں کیل اور وزن قبضہ کے اکمال اور اتمام میں سے ہوگا۔

اس اختلاف کا حاصل یہ ہوا کہ بعض مشائخ کے نزدیک تو تخلیہ سے قبضہ تام متحقق ہو جاتا ہے، خواہ مبیع مثلی ہو یا غیر مثلی، اور مثلی ہونے کی صورت میں بیع مجازفۃ ہو یا کیل و وزن کی شرط کے ساتھ، لیکن جب مبیع مثلی ہو اور بیع کیل اور وزن کی شرط کے ساتھ ہوئی ہو تو قبل الکیل والوزن اس بیع میں تصرف جائز نہیں، اس لئے کہ احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لہذا شریعت کے اس حکم کی وجہ سے محض تعبداً اس میں تصرف ممنوع ہوگا، ہاں مشتری کے ضمان میں وہ مبیع آجائے گی۔

دوسرے بعض مشائخ کی رائے ہے کہ اگر مبیع غیر مثلی مذروعات اور معدودات متفاوتہ میں سے ہے یا مثلی ہے لیکن بیع کیل یا وزن کی شرط کے ساتھ نہیں ہوئی ہے تو تخلیہ سے قبضہ تام حاصل ہو جائے گا اور اس میں اس کے لئے ہر طرح تصرف کرنا اور انتفاع جائز ہوگا، لیکن اگر مبیع مثلی ہے اور بیع کیل اور وزن کی شرط کے ساتھ ہوئی ہے تو محض تخلیہ سے قبل الکیل والوزن قبضہ تام حاصل نہیں ہوگا، لہذا کیل اور وزن سے پہلے اس میں تصرف جائز نہیں ہوگا، علامہ کاسانیؒ کے نزدیک یہ قول راجح ہے اسی لئے اول الذکر حضرات کی دلیل کا ان کی دلیل کے تحت جواب بھی دیا ہے۔

نیز ان عبارتوں سے دوسرا مسئلہ بھی واضح ہوگیا کہ مشائخ کی دونوں جماعتوں کے نزدیک قبضہ تام کے بغیر تصرف جائز نہیں ہے جس طرح اصل قبضہ کے بغیر تصرف جائز نہیں ہے، ہاں ایک جماعت نے تخلیہ کو مطلقاً قبضہ تام شمار کیا ہے اور دوسری جماعت نے ایک صورت میں تخلیہ کو قبضہ تام نہیں شمار کیا ہے، بلکہ تخلیہ سے محض قبضہ متحقق ہوگا، اور کیل ووزن سے قبضہ تام ہو جائے گا۔

۳۔ قبضہ کی نوعیت میں اختلاف:

تمام ائمہ کرامؒ کے نزدیک اشیاء کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت میں اختلاف ہوگا، احناف کے نزدیک بھی اگر چہ تمام اموال میں تخلیہ سے قبضہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن مبیع کی حالت کے اعتبار سے تخلیہ کی نوعیت مختلف ہوگی، جیسا کہ شامی کے حوالہ سے ماقبل میں یہ بات گذر چکی ہے۔

وحاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع.

حاصل یہ کہ تخلیہ حکماً قبضہ ہے اگر بلا مشقت وکلفت قبضہ پر قدرت حاصل ہو جائے، لیکن یہ قبضہ حکمی مبیع کی حالت کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔

اس کے بعد علامہ شامیؒ نے کچھ امثلہ اور جزئیات اس اختلاف کی وضاحت کیلئے ذکر کی ہیں۔

ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض ، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أي بأن تكون في البلد فيما يظهر وفي نحو بقر في مرعىٰ فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مد يده تصل إليه قبض وفي نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض (شامی ۴۳/۴)۔

لہذا گیہوں یا اس طرح کی چیز جو گھر میں ہو کنجی کا دینا جب کہ اس سے بلا مشقت کھولنا ممکن ہو قبضہ ہے، اور دار کے مانند چیز میں اس کے بند کرنے پر قدرت کا ہونا قبضہ ہے، اس طرح کہ وہ اسی شہر میں ہو، اور گائے، بیل وغیرہ جو چراگاہ میں ہوں ان کا اس طرح ہونا کہ وہ نظر آرہے ہوں ان کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہو قبضہ ہے، اور کپڑے وغیرہ میں کپڑے کا اس طرح ہونا کہ اگر ہاتھ بڑھایا جائے تو ہاتھ پہونچ جائے قبضہ ہے، اور گھوڑے یا پرندے وغیرہ میں جو گھر کے اندر ہوں بلا کسی مددگار کے گھر سے ان کے پکڑنے کا ممکن ہونا قبضہ ہے۔

اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک عرف کے اختلاف سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوگی، جیسا کہ ماقبل میں ''المجموع'' اور ''الفقہ الاِسلامی'' وغیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا جاچکا ہے۔

نیز صاحب ''بذل المجہود'' نے خطابی کا قول ذکر کیا ہے:

قال الخطابی القبوض یختلف فی الأشیاء بحسب اختلافها فی أنفسها ، فمنها ما یکون بأن یوضع المبیع فی ید صاحبه ومنها ما یکون بأن یکتال وذلک فیما بیع من الکیل کیلاً فأما ما یباع منه جزافاً صبرة مصبوبة علی الأرض فالقبض أن ینقل ویحول من مکانه (بذل المجہود ۲۸۴/۴)۔

علامہ خطابیؒ نے فرمایا کہ اشیاء کی ذات میں اختلاف کے اعتبار سے قبضہ بھی مختلف ہوتا ہے، قبضہ کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مبیع مالک کے ہاتھ میں رکھدی جائے، اور مبیع، مشتری کے درمیان تخلیہ سے بھی قبضہ ہوجاتا ہے، اور ایک صورت یہ ہے کہ مبیع کو اس کی جگہ سے منتقل کردیا جائے، اور ایک چوتھی صورت یہ ہے کہ کیل کرنے سے قبضہ حاصل ہوتا ہے، اور یہ اس صورت میں جب کہ کسی مکیلی شئ کو کیل کی شرط پر بیچا جائے، لیکن اس صورت میں جب جزافاً زمین پر لگے ہوئے ڈھیر کے اعتبار سے فروخت کیا جائے تو پھر قبضہ منتقل کرنے سے ہوگا۔

۴۔ بیع قبل القبض کی ممانعت سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں:

حضرت ابن عباسؓ سے اس نہی کے سبب کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس میں ربا ہے

-

وسئل عن ابن عباسؓ عن سبب هذا النهی فقال الدراهم بالدراهم والطعام ربا ، قال الشوکانی وذلک لأنه إذا اشتری طعاما بمائة دینار ودفعها للبائع ولم یقبض منه الطعام ثم باع الطعام إلی آخر فکانه اشتری منه بذهبه ذهباً أکثر (اعلاء السنن ۲۲۵/۱۴)۔

حضرت ابن عباسؓ سے اس نہی کے سبب کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: دراہم دراہم کے بدلے ہوئے اور غلہ ربا ہے، شوکانیؒ نے کہا اور وہ اس لئے کہ اس نے (مشتری) جب سو دینار میں غلہ خریدا اور سو دینار بائع کو دیدیا، اور غلہ پر قبضہ نہیں کیا پھر غلہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیا تو گویا اس مشتری نے بائع سے اپنے سونے کے بدلے زیادہ سونا خریدا۔

علامہ شوکانیؒ اس تعلیل کے بارے میں فرماتے ہیں:

وهذا التعلیل أجود مما علل به النهی لأن الصحابة أعرف بمقاصد الرسول ﷺ (ایضاً)۔

یہ تعلیل دوسری تمام تعلیلوں سے عمدہ ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سرکار دو عالم ﷺ کے مقاصد سے زیادہ واقف ہیں۔

مسلم شریف میں حضرت ابن عباسؓ کے اس قول "الدراهم بالدراهم والطعام ربا" کے بجائے" ألا تراهم أنهم يتبايعون بالذهب والطعام مرجاً " کے الفاظ ہیں، لیکن ان کا بھی وہی مطلب ہے کہ " بيع الشيء قبل القبض بيع الذهب بالذهب متفاضلاً" کو متضمن ہے جو ربا ہے یعنی" ربا بالتفاضل" ہے، جیسا کہ صاحب فتح الباری حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے (فتح الباری ۲۵۳/۵)۔

صاحب ہدایہ نے شیخینؒ کے قول "بیع العقار قبل القبض" کے جواز کی دلیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به (قال ابن الهمام) والحديث الذي استدل به معلول به أي بغرر الانفساخ (فتح القدیر ۲۶۶/۵)۔

جس غرر سے منع کیا گیا ہے وہ عقد کے فسخ ہونے کا غرر ہے، اور حدیث (بیع قبل القبض عدم جواز کی) اسی غرر کے ساتھ معلول ہے، ابن ہمام نے کہا: وہ حدیث جس سے استدلال کیا گیا غرر انفساخ کے ساتھ معلول ہے۔

یعنی شیخینؒ کے نزدیک بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول "بعلۃ غرر الانفساخ" ہیں، لہذا عقار کی بیع قبل القبض غرر انفساخ کی علت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے نزدیک جائز ہوگی، اور محمدؒ عقار کی بیع کو بھی قبل القبض ناجائز قرار دیتے ہیں امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی قول اول تھا، کیونکہ عدم جواز کا حکم منقول اور غیر منقول دونوں کو عام ہے اس وجہ سے کہ نہی کی علت "بیع قبل القبض" کا" ربح ما لم يضمن" کو متضمن ہونا ہے جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

صاحب اعلاء السنن تحریر فرماتے ہیں:

ثم أبو حنيفةؒ قصر الحكم على المنقول وغير المنقول، واحتج أبو حنيفةؒ بأن الحكم معلل بغرر انفساخ العقد بهلاك المبيع والهلاك في غير المنقول نادر والنادر كالمعدوم وقال صاحباه، إنه إن لم يكن فيه غرر الانفساخ ففي بيعه قبل القبض ربح مالم يضمن وهو منهي عنه.

پھر امام ابوحنیفہؒ نے حکم کو منقول پر منحصر کیا ہے اور صاحبینؒ منقول اور غیر منقول میں حکم کے عام ہونے کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہؒ نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ حکم (عدم جواز بیع قبل القبض) معلل ہے مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے عقد کے فسخ ہوجانے کے غرر اور اندیشہ کے ساتھ، اور ہلاکت غیر منقول میں نادر ہے اور نادر کالمعدوم ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگرچہ اس میں غرر انفساخ نہیں ہے لیکن عقار کے قبل القبض بیع میں "ربح مالم یضمن" ہے، اور اس سے منع کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ امام ابو یوسفؒ کا یہ قول اول ہے، قول ثانی اور آخر میں امام صاحب کے ساتھ ہیں، جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے ذکر کیا ہے (۲۶۵/۵)۔

بعض حضرات نے شیخین کے نزدیک بھی بیع قبل القبض کے عدم جواز کی یہی علت ذکر کی ہے کہ یہ ''ربح ما لم یضمن'' کو متضمن ہے، پھر بیع العقار قبل القبض کے جواز کی یہ وجہ بیان فرماتے ہیں کہ انسان کے ضمان میں صرف وہ چیز آتی ہے جس میں ہلاکت کا اندیشہ ہو جس میں ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو یا نادر ہو وہ چیز مضمون نہیں ہوتی، اس میں بائع اور مشتری دونوں کا ضمان برابر ہوتا ہے، اور عقار میں ہلاکت کا اندیشہ نادر ہے۔ ہاں اگر عقار دریا کے کنارے ہو یا مبیع بالاخانہ ہو اس کی بیع بھی قبل القبض جائز نہیں اس وجہ سے کہ ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

''تکملہ فتح الملہم'' میں ہے:

وبعين هذه الدلائل الثلاثة يستدل أبو حنيفة وأبو يوسف رحمهما الله تعالى، غير أنهما يستثنيان العقار من عموم النهي لأن علة النهي منفية فيه، فإن الحديث الأخير، حديث عبد الله بن عمرو، دل على أن علة النهي عن بيع المبيع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح ما لم يضمن، وإنما يضمن الإنسان ما يخاف فيه الهلاك وأما العقار فلا يخشىٰ فيه ذلك إلا نادراً حتى لو كان العقار على شط البحر أو كان المبيع علواً لا يجوز بيعه قبل القبض (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۳)۔

بعینہ انہی تینوں دلائل سے (جن سے امام شافعی اور امام محمدؒ نے استدلال کیا ہے) امام ابوحنیفہ وابو یوسفؒ نے بھی استدلال کیا ہے، مگران دونوں نے نہی کے عموم سے عقار کو مستثنیٰ کیا ہے اس لئے کہ نہی کی علت اس میں موجود نہیں ہے، کیونکہ حدیث اخیر یعنی عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نہی کی علت بیع قبل القبض کا ''ربح ما لم يضمن'' کو مستلزم ہونا ہے، اور انسان صرف انہیں چیزوں کا ضامن ہوتا ہے جن میں ہلاکت کا اندیشہ ہو، اور رہا عقار تو اس میں اس کا اندیشہ نہیں ہوتا الاشاذ ونادر، اگر عقار دریا کے کنارے ہے یا مبیع اوپر کی منزل ہے تو اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں (اس لئے کہ اس میں ہلاکت کا اندیشہ ہے، لہذا یہ مضمون بھی ہوگی)۔

صاحب ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' نے ائمہ کرام کے مذاہب اور ہر ایک کے نزدیک نہی کی جو علت ہے اس کو ذکر کیا ہے:

والخلاصة، أن العلة عند الحنفية في عدم جواز بيع الشئ قبل قبضه هي الغرر والعلة في منع بيع الطعام قبل قبضه عند المالكية هي أنه قد يتخذ البيع ذريعة للتوصل إلى ربا النسيئة فهو شبيه بيع الطعام فالطعام نساء فيحرم سداً للذرائع..

فالعلة في منع هذا البيع عند الحنابلة هي الغرر كالحنفية.

فالعلة في منع البيع عند الشافعية هي الغرر كالحنفية (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۷۴، ملخصاً)۔

خلاصہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک بیع الشئ قبل القبض کے عدم جواز کی علت غرر ہے، اور بیع الطعام قبل القبض کے ممنوع ہونے کی علت مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اس بیع کو کبھی ربا بالنسیئہ تک پہونچنے کا ذریعہ بنالیا جاتا ہے، لہذا یہ ''بيع الطعام بالطعام نساء'' کے مشابہ ہے، لہذا سداً للذرائع اس کو حرام قرار دیا گیا، اور حنابلہ کے

نزدیک اس بیع کے ممنوع ہونے کی علت غرر ہے احناف کی طرح، اور شوافع کے نزدیک بھی احناف کی طرح اس بیع کے ممنوع ہونے کی علت غرر ہی ہے۔

ان تمام عبارتوں سے معلوم ہوا کہ نہی سے متعلق احادیث معلول ہیں، لیکن علت نہی میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، اس لئے کہ نہی کی کوئی علت حدیث پاک میں منصوص نہیں ہے، بعض علماء نے " ربح مالم یضمن " کے مستلزم ہونے کو علت منصوصہ قرار دیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ بیع قبل القبض کے عدم جواز کی علت کے طور پر اس کی تصریح نہیں ہے، ہاں دوسری حدیث کے اندر اس کی ممانعت ہے، لیکن دوسری حدیث میں اس کی ممانعت ہونے اور بیع قبل القبض کے اس کو مستلزم ہونے کی وجہ سے اس کو علت منصوصہ نہیں قرار دیا جا سکتا، اس لئے کہ پھر تو " ربا بالنسیئة أو التفاضل " اور " غرر " اس کی بھی ممانعت ہے اور بیع قبل القبض اس کو مستلزم ہے، لہذا یہ بھی علت منصوصہ ہونی چاہئے، لہذا یہ سب اجتہادی اور غیر منصوص علتیں ہیں، اور ہر امام نے اپنی اختیار کردہ علت کے اعتبار سے اس نہی میں استثناء یا تخصیص کی ہے اور دوسروں کے مسلک کے لحاظ سے وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔

صاحب " الفقہ الاسلامی " اپنے رجحان کو ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ بیع قبل القبض کی ممانعت کی علت فقہاء مذاہب کی ذکر کردہ علتوں کا مجموعہ ہے۔

نحن نرجح أن الحكمة في النهي أصلاً عن بيع ما لم يقبض هي أن هذا البيع يشبه الربا إذ أن المشتري إذا دفع دراهمه إلى البائع في سلعة ، ثم عمد إليها فباعها قبل أن يقبضها فكأنها دفع دراهمه واستفاد بها ربحا بمجرد دفعها إلى البائع دون القيام بعمل ما ، وهذا شبيه الربا ثم أن في هذا البيع غرراً ناشئاً عن عدم القدرة على التسليم وبه تكون علة النهي عن بيع الشئ قبل قبضه هو مجموع ما ذكره فقهاء المذاهب (۴/۴۷۵ـ۴۷۶)۔

ہم راجح سمجھتے ہیں کہ " بیع مالم یقبض " سے نہی کی حکمت یہ ہے کہ یہ بیع " ربا " کے مشابہ ہے، اس لئے کہ جب مشتری نے اپنے دراہم بائع کو دیئے کسی سامان کیلئے، پھر اس سامان کا قصد کیا اور قبضہ سے پہلے ہی اس کو فروخت کر دیا تو گویا مشتری نے اپنے دراہم بائع کو دیئے اور محض دینے سے اس سے نفع کمایا، جب کہ اس میں کچھ کیا نہیں، اور یہ " ربا " کے مشابہ ہے، پھر اس بیع میں تسلیم پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے غرر بھی پیدا ہونے والا ہے، اور اس کی وجہ سے " بیع الشئ قبل القبض " کے عدم جواز کی علت فقہاء مذاہب کی ذکر کردہ علتوں کا مجموعہ ہوگی۔

مذکورہ تمام عبارتوں سے گرچہ یہ معلوم ہوا کہ بیع قبل القبض کی ممانعت معلول بالعلۃ ہے، لیکن علامہ ابن العربی مالکی، " عارضۃ الأحوزی شرح ترمذی " میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حکم غیر معلل ہے۔

أصل هذه المسائل أن البيع قبل القبض هل هو معلل أم لا وقد تقدم من كلامنا أنه غير معلل وإنما هو تعبد وقال أبو حنيفةؒ لم يجز ما لم يقبض للغرر لأنه يخشى انفساخ العقد بهلاكه (عارضۃ الاحوزی ۲۹۲/۵)۔

ان مسائل کی اصل یہ ہے کہ بیع قبل القبض (کی ممانعت) کیا معلل بالعلۃ ہے یا نہیں اور ما قبل میں ہمارے کلام کے اندر یہ گذر چکا کہ یہ غیر معلل ہے اور یہ حکم تعبدی ہے، اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ قبضہ سے پہلے بیع جائز نہیں غرر کی وجہ سے، اس لئے کہ مبیع کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے عقد کے فسخ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

الحاصل حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور عام ائمہ کرام کی رائے یہی ہے کہ یہ حکم معلل بالعلۃ ہے، ہاں تعیین علت میں اختلاف ہے۔

بیع قبل القبض کے سلسلہ میں ائمہ کرامؒ کے مذاہب:

۵۔ علامہ نوویؒ نے "المجموع شرح المہذب" میں ابن المنذرؒ سے اور "صاحب بذل المجہودؒ" نے خطابی سے بیع قبل القبض کے سلسلہ میں علماء کے مذاہب نقل کئے ہیں، یہاں بذل المجہود سے عبارت نقل کی جارہی ہے:

قال الخطابی أجمع أهل العلم علی أن الطعام لا يجوز بيعه قبل القبض واختلفوا فيما عداه من الأشياء فقال أبو حنيفة وأبو يوسفؒ ما عدا الطعام بمنزلة الطعام إلا الدور والأراضی فإن بيعها قبل قبضها وغير الطعام من السلعة والدور والعقار سواء لا يجوز بيع شئ منها حتی يقبض وهو قول ابن عباسؓ وقال مالک ابن انس ما عدا الماکول والمشروب جائز أن يباع قبل أن يقبض وقال الأوزاعی وأحمد بن الحنبل وإسحق يجوز بيع كل شئ منها خلا المكيل والموزون روی ذلک عن ابن المسيب والحسن بصری والحكم وحماد، انتهی (بذل المجہود ۲۸۴/۴)۔

علامہ خطابیؒ نے کہا کہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ غلہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، غلہ کے علاوہ دوسری اشیاء میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دار اور اراضی کے سوا غلہ کے علاوہ تمام چیزیں غلہ ہی کے درجہ میں ہیں، دار اور اراضی کی بیع قبل القبض جائز ہے، امام شافعیؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ غلہ اور غلہ کے علاوہ تمام چیزیں، خواہ سامان ہو یا دار ہو یا عقار ہو سب برابر ہیں کسی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے، امام مالکؒ نے فرمایا کہ ماکول اور مشروب کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز ہے، امام اوزاعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاقؒ نے فرمایا کہ مکیلی اور موزونی چیز کے علاوہ ان میں سے ہر چیز کی بیع جائز ہے، حضرت ابن المسیب، حسن بصری، حکم اور حمادؒ سے یہی قول مروی ہے۔

یعنی بیع قبل القبض کے سلسلہ میں علماء کے چار مذاہب ہیں:

۱۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عقار کے علاوہ کسی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں۔

۲۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کسی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔

۳۔ امام مالکؒ کے نزدیک ماکول اور مشروب کی بیع جائز نہیں، اس کے علاوہ تمام چیزوں کی جائز

ہے۔

۴۔ امام اوزاعی، امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک مکیلی اور موزونی کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز ہے، صرف مکیلی اور موزونی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، حضرت سعید بن المسیب، حسن بصری، حکم اور حمادؒ سے بھی یہی مروی ہے۔

دلائل:

حضرت امام شافعیؒ اور امام محمدؒ اپنے مسلک پر حضرت حکیم بن حزام اور زید بن ثابتؓ کی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں، علامہ نووی ''شرح مہذب'' میں تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب (شوافع) نے حضرت حکیم بن حزامؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ: نہ فروخت کرو جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرلو، اور یہ حدیث حسن ہے، جیسا کہ شروع فصل میں بیان گذر چکا اور زید بن ثابتؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سامانوں کو فروخت کرنے سے خریدنے کے وقت منع فرمایا، جب تک کہ تاجران کو اپنے گھروں میں منتقل نہ کرلیں، ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے (شرح مہذب ۲۹۶/۹)۔

امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ روایتیں عام ہیں، لہذا یہ حکم عام ہوگا، اس میں تخصیص نہیں کی جائے گی، امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسفؒ نے بھی انہیں روایتوں سے استدلال کیا ہے، لیکن ان کے نزدیک یہ حکم عام نہیں، بلکہ ''عام لم یخص منه البعض'' ہے، علت نہی (قبضہ سے پہلے مبیع کے ہلاک ہوجانے کی وجہ سے عقد کے فسخ ہوجانے کا اندیشہ) کی وجہ سے یہ حکم منقول کے ساتھ خاص ہوگا، غیر منقول کی بیع قبل القبض جائز ہوگی، شیخینؒ پر یہاں اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ نص تعلیل کے مقابلہ میں ہے، کیونکہ یہ تو نص کے عموم کی تخصیص ہے، لہذا قیاس اور معنی کو نص پر ترجیح دینا لازم آئے گا، حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔

صاحب فتح القدیر نے یہ سوال اور اس کا جواب ذکر کیا ہے کہ یہ نص '' عام خص منه البعض'' ہے، لہذا علت کی وجہ سے مزید اس میں تخصیص ہوسکتی ہے، ہاں اگر یہ ''عام لم یخص منه البعض ''ہوتا تو اس میں تخصیص اور تعلیل جائز نہ ہوتی، لہذا علت کی وجہ سے تخصیص کی جاسکتی ہے۔

نیز عقار کی قبل القبض بیع کے جواز پر دلیل وہ روایت بھی ہے جس کو صاحب ''اعلاء السنن'' نے ''شرح مہذب'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، لہذا احناف اس روایت کی وجہ سے بھی اس حکم کو منقول کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

امام مالکؒ اور ان کے موافقین حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابن عباس، نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی ان روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جن میں طعام کی بیع قبل القبض سے ممانعت ہے، اس طرح کہ طعام کی تخصیص اور تصریح اس بات کی دلیل ہے کہ طعام کے علاوہ کا حکم یہ نہیں ہے۔

قالوا فالتنصیص فی هذه الأحادیث یدل علی أنه غیره بخلافه (شرح المہذب ۲۹۶/۹)۔

انہوں نے کہا کہ ان احادیث میں طعام کی تصریح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ غیر طعام اس کے بر خلاف ہے۔

نیز وراثت یا وصیت کے ذریعہ ملکیت میں آنے والی چیز پر قیاس سے بھی استدلال کرتے ہیں، نیز مبیع کے قبل القبض اعتاق اور اجارہ پر دینے کے جواز پر بھی قیاس کرتے ہیں۔

امام مالکؒ کے ان روایتوں سے استدلال کا مطلب یہ ہوگا کہ طعام ان احادیث میں ماکول اور مشروب کے معنی میں ہے۔

بعض علماء نے امام مالکؒ کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ مکیلی، موزونی اور معدودی کے علاوہ دوسری چیزوں کی بیع قبل القبض جائز ہے، یعنی امام احمد بن حنبلؒ کا جو مذہب نقل کیا گیا ہے وہی امام مالکؒ کا بھی ہے جیسا کہ تکملہ فتح الملہم میں ہے:

قال مالکؒ إنما یمتنع البیع قبل القبض فی المکیل والموزون من الطعام خاصة وقال سحنون وابن حبیب من المالکیة، أنه یمتنع فی کل مکیل أو موزون أو معدود الخ (۳۵۱/۱)۔

اس قول کے اعتبار سے امام مالکؒ کا استدلال اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہؒ کا اپنے مذہب پر استدلال انہیں روایتوں سے ہوگا جن میں طعام کی قبل القبض بیع سے منع کیا گیا ہے، اس طرح سے کہ طعام سے مکیلی یا موزونی چیز لیں گے، اور طعام کی تخصیص یہ دلیل ہے کہ غیر طعام کی بیع قبل القبض جائز ہے، جیسا کہ ''المغنی'' میں ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے:

والذی یمنع من بیعه قبل قبضه هو الطعام وذلک لأن النبی ﷺ نهی عن بیع الطعام قبل قبضه، فیفهم من هذا أن بیع ما سواه قبل قبضه مباح، والطعام فی ذلک الوقت کان مستعملا غالبا فیما یکال ویوزن وقیس علیهما المعدود والمزروع لاحتیاجها عن توفیه (بحوالہ حاشیہ حلیۃ العلماء ۷۸/۴)۔

وہ چیز جس کی بیع قبل القبض ناجائز ہے وہ طعام ہے اور یہ اس لئے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے طعام کی بیع قبل القبض سے منع فرمایا ہے، لہذا اس سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ طعام کے علاوہ کی بیع قبل القبض جائز ہے، اور طعام اس وقت عموماً کیلی اور وزنی چیز کیلئے استعمال کیا جاتا تھا، اور مکیلی و موزونی پر معدود اور مزروع کو بھی قیاس کرلیا گیا، اس لئے کہ حق کی ادائیگی کیلئے ان کی ضرورت پڑتی ہے۔

۶۔ کیا ضمان میں آجانا تصرف کے جواز کیلئے کافی ہے:

قبضہ کی حقیقت کی بحث میں (سوال کے جواب میں) یہ بات گذر چکی ہے کہ قبضہ کیلئے حسی یا نقل کی ضرورت نہیں ہے۔

ولا یحتاج إلی القبض الحسی أو النقل (فیض الباری ۲۰۶/۲)۔

یعنی تخلیہ سے قبضہ متحقق ہو جائے گا، حسی قبضہ یا نقل کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن محض ضمان میں آجانے کی وجہ سے انتفاع اور تصرف جائز ہوا ایسا بھی نہیں ہے، اس لئے کہ ماقبل میں قبضہ ہی کی بحث میں تخلیہ کے قبضہ تام یا ناقص ہونے کی تفصیل میں یہ بات گذر چکی ہے کہ جس صورت میں تخلیہ سے قبضہ تام حاصل نہ ہو، بلکہ قبضہ ناقص ہی رہے تو مبیع مشتری کے ضمان میں تو آجائے گی، لیکن اس میں تصرف کرنا یا اس سے انتفاع قبضہ تام سے پہلے مشتری کیلئے جائز نہیں ہے۔

وإن باع مكايلة أو موزونة في المكيل أو الموزون وخلى فلا خلاف في أن المبيع يخرج من ضمان البائع ويدخل في ضمان المشتري ولا خلاف في أنه لا يجوز للمشتري بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن (البدائع الصنائع ۲۴۴/۵)۔

اگر مکیلی یا موزونی چیز کو کیل یا وزن کی شرط پر فروخت کیا اور تخلیہ پایا گیا تو اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی، اور اس بات میں بھی اختلاف نہیں کہ مشتری کیلئے کیل یا وزن سے پہلے اس کا فروخت کرنا اور انتفاع جائز نہیں۔

لہذا محض ضمان میں آجانے کی وجہ سے اس کی خرید وفروخت کو جائز نہیں کہا جا سکتا، نیز محض خریدنے کی وجہ سے شئی ضمان میں آجائے گی یہ بھی محتاج دلیل ہے، جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ محض خریدنے سے احناف کے نزدیک شئی مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوگی۔

لیکن اس کے باوجود یہ خرید وفرخت جائز ہے، اس لئے کہ خریدار نمبرا۔ کے حکم واجازت سے فیکٹری جب وہ مال کسی ٹرانسپورٹ یا نقل وحمل والی کمپنی کے حوالہ کرے گی تو وہ ٹرانسپورٹ کمپنی یا نقل وحمل والی کمپنی اس خریدار نمبرا۔ کی اجیر یا وکیل قرار پائے گی، اور اجیر یا وکیل کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار ہوتا ہے، لہذا اجیر یا وکیل کے قبضہ میں آتے ہی گویا مشتری کے قبضہ میں آجائے گی، اس طرح اس خریدار ا کی فروختگی دوسرے نمبر کے خریدار سے جائز ہوگی اور اس کے ضمان میں داخل ہونے کی وجہ سے خریدار نمبر ۲ کے پاس پہونچنے سے پہلے اگر ہلاک ہوگئی تو ہلاکت اس خریدار نمبرا کے مال سے شمار ہوگی۔

''عالمگیری'' میں اس طرح کا ایک مسئلہ مذکور ہے۔

إذا قال المشتري للبائع ابعث إلى ابني واستأجر البائع رجلاً يحمله إلى ابنه فهذا ليس بقبض والأجر على البائع إلا أن يقول استأجر على من تحمله فقبض الأجير يكون قبض المشتري الخ (عالمگیری ۱۹/۳)۔

جب مشتری نے بائع سے کہا کہ (مبیع میرے بیٹے کے پاس بھیجدو، اور بائع نے ایک آدمی کو اجرت پر لیا جو اس کو مشتری کے بیٹے کے پاس پہونچادے تو یہ قبضہ نہیں ہے اور اجرت بائع کے ذمہ ہوگی، ہاں اگر مشتری یہ کہے کہ میرے لئے اس شخص کو اجرت پر لے لو جو سامان پہونچادے تو اجیر کا قبضہ مشتری کا قبضہ ہوگا۔

اسی طرح ایک دوسری عبارت اور ہے:

فإن قال المشتری للبائع زن لی فی هذا الإناء کذا و کذا وابعث به مع غلامه أو قال مع غلامی ففعل فانکسر الإناء فی الطریق قال هو من مال البائع حتی یقول ادفعه إلی غلامه أو إلی غلامی فإذا قال ذلک فهو و کیل فإذا دفعه إلیه فکأنه دفعه إلی المشتری فیکون الهلاک علیه کذا فی المحیط (ایضاً)۔

جب مشتری بائع سے کہے کہ میرے لئے اس برتن میں اتنا اتنا تول دو اور اس کو اپنے غلام کے ساتھ بھیج دو، یا کہا میرے غلام کے ذریعہ، لہذا بائع نے ایسا ہی کیا پھر برتن راستہ میں ٹوٹ گیا تو یہ (نقصان) بائع کے مال سے ہوگا، یہاں تک کہ مشتری یہ کہے کہ وہ مبیع میرے غلام یا اپنے غلام کو دیدو، جب مشتری نے یہ کہا ہو تو وہ غلام وکیل ہے جب بائع نے اس کو دیدیا تو گویا مشتری کو دیدیا، لہذا ہلاکت مشتری کے ذمہ ہوگی جیسا کہ محیط میں ہے۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اگر بائع نے خود مشتری کے حکم کے بغیر کسی کو اجرت پر لے کر مبیع مشتری یا اس کے وکیل وغیرہ کے پاس بھیجوادیا تو یہ اجیر بائع ہی کا ہوگا، ہاں اگر مشتری کے حکم سے کسی کو اجرت پر لیا ہے تو وہ مشتری کا اجیر ہوگا اور اس کا قبضہ مشتری کا قبضہ ہوگا، یا مشتری نے کوئی ایسی بات کہی جس سے بھیجوانے کی ذمہ داری بائع ہی کے ذمہ ڈالدی تو بائع جس شخص کے ذریعہ بھیجوائے گا، وہ مشتری کا وکیل نہیں ہوگا، لہذا اس سے اگر مال ہلاک ہوجائے گا تو بائع ہی کے مال سے ہلاک شمار کیا جائے گا، اور اگر بائع کے ذمہ نہیں ڈالا ہے تو جس کو دیدینے کا حکم دیا ہے اس کو دے کر بائع بری ہوجائے گا اور اس کا قبضہ مشتری کا قبضہ ہوگا، اگر ہلاک ہوجائے گی تو مشتری کے مال سے ہلاکت شمار ہوگی۔

فیکٹری سے اس طرح خرید کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کو جب کہ مبیع پر خود قبضہ نہیں کیا ہے، " إدارة المباحث الفقهية " جمعیۃ علماء ہند کے پانچویں فقہی اجتماع میں مفتیان کرام کی ایک بھاری تعداد نے جائز قرار دیا۔

اس اجتماع میں مفتیان کرام کی متفقہ رائے سے جو تجویز پاس ہوئی، اس کا متن درج ذیل ہے۔

تجویز (۵) قبضہ سے بیع:

کسی دوکاندار کے پاس کوئی خریدار کسی مال کا آرڈر دیتا ہے، وہ دوکاندار کسی بڑی کمپنی سے بذریعہ ٹیلیفون یا فیکس اس کا مطلوبہ مال خریدار کے پاس بھیجوادیتا ہے تو یہ معاملہ جائز ہے، اس طرح جو مال بازار میں آتا ہے اس کی خرید وفروخت عام مسلمانوں کیلئے درست ہے (بعض صورتوں میں دوکاندار کو کمپنی کا وکیل، بعض صورتوں میں کمپنی کو دوکاندار کا وکیل اور بعض صورتوں میں خود خریدار کو دوکاندار کی طرف سے وکیل بالقبض مان کر یہ معاملہ حدود جواز میں رہے گا اور دوکاندار جو نفع حاصل کرے گا وہ اصالۃً یا وکالۃً جائز قرار دیا جائے گا)، ماخوذ از تجاویز پانچواں فقہی اجتماع منعقدہ ۱۷/۱۸/۱۹ ررجب المرجب ۱۴۱۶ھ

۷۔ سوال ۶ کے جواب سے اتنی بات تو معلوم ہوگئی کہ مشتری مال کے وصول سے پہلے جب کہ مال سمندر میں

ہے تیسرے کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہے۔لیکن مال کے ضائع ہونے کی صورت میں تیسرے شخص کا ضامن ہونا یا تیسرے شخص کوضامن بنانا جائز ہے یانہیں ،یعنی تیسرا شخص جبکہ اس کا قبضہ نہیں پایا گیا محض یہ معاملہ کرنے سے ضامن ہوجائے گا اور مشتری اول کے ضمان سے وہ شئ نکل جائے گی یانہیں؟ یا تیسرا شخص اس مشتری سے معاملہ کرلینے کی وجہ سے قبضہ کرنے والا شمار ہوگا یانہیں؟

احناف کے نزدیک محض معاملہ کرنے سے مبیع مشتری کے ضمان میں نہیں آئے گی جب تک کہ مشتری یا اس کے وکیل وغیرہ کا قبضہ یا بائع کی طرف سے اس طرح کا تخلیہ جس سے مشتری بلاکلفت قبضہ پر قادر ہوجائے یا کوئی اور ایسا فعل جب تک مشتری کی طرف سے نہ پایا جائے جس کو قبضہ شمار کیا جاتا ہے۔

لہذا صورت مذکورہ میں مال کے ضائع ہوجانے کی صورت میں تیسرا شخص ضامن نہیں ہوگا ، علامہ ابن العربی مالکیؒ صاحب'' عارضۃ الاحوزی شرح ترمذی'' کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک نفس عقد ہی سے ضمان حاصل ہوجاتا ہے۔

وعندنا أن المبيع بنفس العقد دخل في قبضه وحصل في ضمانه .

اور ہمارے نزدیک نفس عقد سے بیع قبضہ میں داخل ہوجائے گی اور ضمان میں آجائے گی۔

مالکیہ کے اس مذہب کے اعتبار سے ان کے نزدیک اس تیسرے شخص سے معاملہ کرنا اور اس کا ضامن ہونا درست ہے،لیکن احناف کے نزدیک محض عقد سے مبیع ضمان میں نہیں آئے گی۔

والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا محمد ابراہیم گجیا، سورت

سوال یہ ہے کہ شرع میں قبضہ کی حقیقت کیا ہے؟

اس سلسلہ میں ایضاح المسائل میں بدائع کے حوالہ سے بہت ہی اچھی وضاحت فرمائی گئی ہے، ایضاح کی عبارت ملاحظہ ہو: کسی شئی پر قبضہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہاتھ سے قبضہ کر کے لایا جائے، یا بائع کے یہاں سے حقیقی طور پر منتقل کر دیا جائے، بلکہ قبضہ کے مفہوم میں داخل ہونے کیلئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ بائع مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کر کے رکھدے کہ خریدار جب چاہے اپنی مرضی سے اپنی چیز اٹھا کر لیجاسکے، اور اس طرح اٹھا کر کر لیجانے میں اس پر کوئی رکاوٹ اور پابندی پیش نہ آئے، لہٰذا اگر بائع نے مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کر دیا ہے کہ خریدار جب چاہے لے جاسکتا ہے، اور اس درمیان اگر مبیع بائع کی طرف سے بغیر کسی تعدی کے ہلاک ہوجائے، یا ضائع ہوجائے تو بائع پر کوئی تاوان نہ ہوگا، بلکہ خریدار کی ملکیت میں سے اس کے گھر میں ہلاک ہوجانے کے حکم میں ہوگا۔

بدائع کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ولا يشترط القبض بالبراجم ، لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة وحقيقةً الخ.

قبضہ حاصل ہونے کیلئے ہاتھ سے قبضہ کر کے لانا شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کا معنی صرف قبضہ کرنے پر قادر ہونا ہے، اور بائع کا مشتری کے سامنے سامان چھوڑ دینا ہے، اور لوگوں کے عرف میں قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ صحیح معنی میں قبضہ رکاوٹ دور ہوجانے کو کہتے ہیں۔

صاحب بدائع نے آگے چل کر مزید وضاحت فرمائی ہے:

ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال .

حضرات فقہاء احناف کے مابین اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اصل قبضہ تمام اموال میں بائع کی طرف سے محض اختیار دینے اور سامنے رکھ دینے سے حاصل ہوجاتا ہے۔

آگے صاحب بدائع کی اور وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

تفسير التسليم والقبض ، فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي

البائع بين المبيع وبين المشترى من التصرف فيه ، فيجعل البائع مسلما للمبيع ، والمشترى قابضا له .

خریدار کو مال مبیع سونپنے اور اس کے قبضہ کرنے کی تفصیلی وضاحت ہمارے علماء احناف کے نزدیک یہ یہی ہے کہ خریدار کیلئے تخلیہ کرلیا جائے اور تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع کو خریدار کیلئے اس طرح پیش کردے کہ درمیان سے رکاوٹ اس طرح دور ہوجائے کہ مشتری کو اس پر تصرف کرنے کی پوری طرح قدرت حاصل ہوجائے تو کہا جائے گا بائع نے مبیع کو سونپ دیا اور مشتری نے قبضہ کرلیا۔

اشیاء منقولہ میں قبضہ کی حقیقت:

جو اشیاء منتقل کی جاسکتی ہیں اس کی کل چار قسمیں ہیں:

ا۔ کیلی اشیاء:

جیسے دودھ، تیل وغیرہ جو کہ اکثر ممالک میں کیل کر کے فروخت کیا جاتا ہے، ایسی اشیاء کو کیل کر کے الگ کردینے سے مشتری کا قبضہ ثابت ہوجاتا ہے۔

۲۔ وزنی اشیاء:

جیسے دھات، سونا، چاندی وغیرہ، اور اس زمانہ میں چاول وغیرہ بھی وزن کر کے فروخت کیا جاتا ہے، ایسی اشیاء کو وزن کر کے علاحدہ کردینے سے قبضہ ثابت ہوجاتا ہے۔

۳۔ ذرعی اور پیمائشی اشیاء:

جیسے کپڑے وغیرہ جو پیمائش سے فروخت کیا جاتا ہے، لہذا ایسی اشیاء کو پیمائش کر کے الگ کردینے سے قبضہ ثابت ہوجائے گا۔

۴۔ عددی اشیاء:

جس کو گنتی اور شمار سے فروخت کیا جاتا ہے، جیسے انڈے، جانور، گاڑی وغیرہ، تو ایسی اشیاء کو شمار کر کے الگ کردینے سے قبضہ ثابت ہوجاتا ہے۔

اوران چاروں اقسام کی اشیاء کو الگ کردینے کے بعد ثبوت قبضہ کیلئے آزادانہ قدرت حاصل ہونا بھی شرط ہے، علامہ کاسانی علیہ الرحمہ نے بدائع میں ان مسائل کو اس طرح نقل فرمایا ہے۔

وإن باع مكايلة أو موزونة في المكيل والموزون فلا خلاف في أن المبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل في ضمان المشترى.

اوراگر کیلی چیز کو کیل کر کے اور وزنی چیز کو وزن کر کے الگ کردیا ہے تو اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ شی بائع کے قبضہ سے نکل کر خریدار کے ذمہ میں داخل ہوجاتی ہے۔

فإن كان مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتقاربة فالتخلية فيها قبض تام

بلا خلاف.

اگر اشیاء مثلی نہ ہوں، بلکہ ذرعی اور عددی ہوں تو انہیں الگ کر کے اختیار دینے سے بالاتفاق مکمل قبضہ حاصل ہو جاتا ہے۔

غیر منقولہ اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت:

غیر منقولہ اشیاء، جیسے زمین، مکان، پلاٹ وغیرہ جائداد کا صرف سودا اور معاملہ طے ہو جانے کے بعد خریدار کیلئے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا جائز اور درست ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف.

اور الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں ہے:

أما بيع الأعيان غير المنقولة قبل القبض كبيع الأرض والنخيل والدور ونحو ذلك.

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث کا معلول بالعلۃ ہونا:

شامی میں ہے:

(ولعدم الغرر) أى غرر انفساخ العقد على تقرير الهلاك، وعلله بقوله لندرة هلاك العقار حتى لو كان علواً او على شط نهر ونحوه كان كمنقول فلا يصح اتفاقاً.

معلوم ہوا کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت والی حدیث کی نص کی علت "غرر انفساخ العقد على تقرير الهلاك" ہے۔

کیونکہ جب مبیع قبضہ سے پہلے ہلاک ہو جائے گی تو بیع فسخ ہو کر اصل مالک بائع کی طرف عود کرے گی، اور گویا کہ مشتری بائع کی ملکیت کو فروخت کرنے والا شمار ہوگا۔

تخریج زیلعی علی احادیث الہدایہ میں ہے:

عن حكيم بن حزام ؓ قال:

قلت: يا رسول الله إن رجلاً ابتاع هذه البيوع وأبيعها فما يحل لى منها وما يحرم، قال لا تبعن شيئاً حتى تقبضه.

وأما تأيده بالمعقول كما فى الهداية غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك لأنه إذا هلك قبل القبض ينفسخ البيع وعاد إلى قديم ملك البائع، فيكون المشترى بائعاً ملك غيره

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی جو ممانعت ہے اس کے عام ہونے نہ ہونے میں ائمہ فقہ کے مختلف اقوال ہیں، علامہ عبدالحئی صاحب فرنگی محلی علیہ الرحمہ نے اپنے مؤطا امام محمد کے حاشیہ میں اس اختلاف کو تحریر فرمایا ہے، ملاحظہ

فرمائیں:

اختلفوا فی هذه المسئلة فقال مالک یجوز جمیع التصرفات فی غیر الطعام قبل القبض، لورود التخصیص فی الأحادیث بالطعام وقال أحمد: إن کان المبیع مکیلا أو موزوناً أو معدوداً لم یجز بیعه قبل القبض، وفی غیره یجوز، وقال زفر ومحمد والشافعی لا یجوز بیع شیئ قبل القبض طعاما کان أو غیره، لإطلاق الأحادیث وذهب أبو حنیفة وأبو یوسف إلی جواز بیع غیر المنقول قبل القبض،لأن النهی معلول بغرر انفساخ العقد بخوف الهلاک، وهو فی العقار وغیره نادر، وفی المنقولات غیر نادر کذا فی البنایة (التعلیق الممجد)۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک احادیث میں طعام کی قید کی وجہ سے طعام کے علاوہ میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز رہے گی، اور حضرت امام احمد علیہ الرحمہ کے یہاں مکیلات، موزونات اور معدودات میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے، اور امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام زفرؒ کے نزدیک طعام اور غیر طعام ہر ایک میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے، کیونکہ احادیث میں نہ طعام کی قید ہے نہ غیر طعام کی۔

اور شیخین علیہما الرحمہ کے نزدیک عقار میں جائز ہے، کیونکہ عقار میں ''غرر انفساخ العقد'' نادر ہے، اور منقولات میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے، کیونکہ اس میں ''غرر انفساخ العقد'' نادر نہیں ہے۔

۷: وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت میں شپنگ کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا، اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جب کہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کردے، اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں دوسرا شخص اس کا ضامن نہیں ہوگا، بلکہ تیسرا شخص ضامن ہوگا تو اس صورت کے جواز کی ایک شکل یہ ہے جس کو مفتی العصر صاحب ''احسن الفتاویٰ'' نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر مال پہنچانے کا کرایہ خریدار نمبر ایک ادا کرتا ہے تو اس کے اذن سے بائع کا کسی بھی مال بردار کمپنی کی تحویل میں مال دیدینا مشتری کا قبضہ شمار ہوگا، اگرچہ مشتری نے کسی خاص کمپنی کی تعیین نہ کی ہو، کمپنی کی تحویل میں آجانے کے بعد بیع جائز ہے۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا منظور احمد قاسمی

۱۔۴۔ قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو مختلف احادیث مروی ہیں، ان کے پیش نظر جمہور فقہاء کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض ناجائز تو ضرور ہے، لیکن آیا اس کا شمار بیع باطل میں ہے یا بیع فاسد میں یا بیع مکروہ میں؟ اس سلسلہ میں بعض فقہی عبارات سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اشیاء منقولہ میں بیع قبل القبض باطل ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے: وقبل القبض فی المنقول لا ینعقد أصلا (۶/۴۲) کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے بیع اصلاً منعقد ہوتی ہی نہیں۔ چنانچہ بیع باطل کی تعریف فقہاء بھی یہی کرتے ہیں کہ جو بیع اصل ووصف کے اعتبار سے درست نہ ہو۔ الباطل هو ما لا یکون صحیحا أصلا ووصفا (عنایۃ علی الفتح ۶/۴۲) اور صاحب البحرالرائق لکھتے ہیں: هو ما لا یکون مشروعا لا بأصله ولا بوصفه (۶/۶۹) اور کفایہ میں ہے: وقبل القبض لا یدری أتم البیع فیصیر بائعا ملک نفسه أم ینفسخ بائعا ملک غیره فلا یصح فتمکن فیه غرر فکان باطلا (کفایہ علی الفتح ۶/۱۳۶) کفایہ کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض باطل ہے۔

نیز یہ تو مسلم بات ہے کہ جن کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض درست نہیں ہے وہ انفساخ عقد کے غرر کی وجہ سے ہے یعنی اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض میں یہ اندیشہ ہے کہ مبیع کے ہلاک ہوجانے کی وجہ سے اول عقد بیع ہی فسخ ہوجائے، گویا بیع قبل القبض غرر ہے۔ اور جس طرح سے آپ ؐ سے بیع قبل القبض کے متعلق نہی وارد ہے، اسی طرح سے بیع غرر کے متعلق بھی نہی وارد ہے اور التعریفات الفقہیہ میں بیع غرر کی تعریف کرتے ہوئے بہت سے معاملے کو بیع غرر میں شمار کیا ہے، مثلاً آبق کی بیع، مجہول ومعدوم کی بیع، غیر مقدور التسلیم کی بیع اور اس چیز کی بیع جس پر ابھی بائع کی ملکیت تام نہ ہوئی ہو، پھر اس کے بعد صراحت ہے کہ فکل هذا بیعه باطل (قواعد الفقہ ۲۱۴) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض بیع باطل میں شمار ہوتی ہے۔

رہی بات اشیاء غیر منقولہ میں بیع قبل القبض کی تو یہ ائمہ احناف میں سے امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک درست نہیں ہے۔ دراصل امام محمدؒ نہی مالم یقبض والی حدیث کو اپنے اطلاق پر رکھتے ہیں، اور وہ فرماتے ہیں کہ غیر مقبوضہ کی بیع مطلق ممنوع ہے خواہ وہ اشیاء منقولہ میں ہو یا غیر منقولہ میں...اور شیخینؒ بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث کو معلول بالعلۃ کہتے ہیں کہ اصل میں بیع قبل القبض کی ممانعت مبیع کے

ہلاک ہوجانے سے عقد اول کے فسخ ہوجانے کے اندیشے اور غرر کی وجہ سے ہے اور اشیاء منقولہ کی ہلاکت بہت ممکن ہے، اس لئے انفساخ عقد اور غرر کی علت کی وجہ سے اس میں بیع قبل القبض ممنوع ہے۔ اور چونکہ غیر منقولہ کی ہلاکت نادر ہے اور النادر کالمعدوم ہے، اس لئے اس میں انفساخ عقد اور غرر کی علت معدوم ہونے کی وجہ سے بیع قبل القبض درست ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں اس کی صراحت ہے: ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفة وأبی یوسف (ہدایہ ۵۸/۳)۔

وصح بیع العقار لا یخشی ہلاکہ قبل قبضہ من بائعہ لعدم الغرر ولندرۃ ہلاک العقار (درمختار علی الشامی ۱۴۷/۵)۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عام ہے، اس ممانعت میں اشیاء منقولہ و غیر منقولہ سب داخل ہیں اس دلیل کی بنیاد پر جو اوپر مذکور ہوئی ہے یعنی اطلاق حدیث اور وہ حدیث یہ ہے، جس کو صاحب فتح القدیر نے بیان کیا ہے: لا تبیعن شیئا حتی تقبضہ۔

اور شیخینؒ کے نزدیک بیع قبل القبض کی ممانعت میں صرف اشیاء منقولہ داخل ہیں، ان حضرات کی دلیل بھی گذشتہ صفحہ پر مذکور ہوچکی ہے۔

اس باب میں امام مالکؒ کا مذہب صاحب فتح القدیر نے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک صرف کھانے کی اشیاء میں بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، بقیہ تمام اشیاء میں خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ ہر طرح کا تصرف قبل القبض درست ہے۔ اور امام مالک کی دلیل صاحب فتح القدیر نے یہ ذکر کی ہے کہ: لانہ ﷺ خص الطعام بالنہی فی حدیث رواہ مالک عن نافع عن ابن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یستوفیہ، اخرجہ الشیخان وفی لفظ حتی یقبضہ (۱۳۶/۶)۔

شریعت اسلامی میں قبضہ کی کیا حقیقت ہے؟ اس سلسلہ میں کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین کی ہے یا نہیں؟ بندہ کو ایسی کوئی صراحت کتاب وسنت میں نہیں مل سکی ہے، البتہ فقہاء کی عبارات اس سلسلہ میں خصوصاً علامہ شامی کی تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبضہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں ہے، بلکہ مختلف چیزوں کے قبضہ کی مختلف صورتیں ہیں، لیکن اتنی بات تو ضرور ہر چیز کے قبضہ کی حقیقت میں قدرے مشترک ہے کہ بائع مبیع کو ایسے طور پر فارغ کردے اور مبیع کو ایسی پوزیشن میں کردے کہ مشتری کو اس پر قبضہ کرنا بغیر کسی اڑچن و تردد کے ممکن ہو اور وہ مبیع بائع کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، جیسا کہ درمختار علی الشامی (۵۶۱/۴) میں ہے: ثم التسلیم یکون بالتخلیۃ علی وجہ یتمکن من القبض بلا مانع ولا حائل۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس عبارت کی شرح میں کئی چیزوں پر قبضہ کے تحقق کی مختلف صورتیں لکھی ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قبضہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں ہے اور نہ ہی ہر چیز میں قبضہ حسی شرط ہے، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے۔ البتہ اتنی

بات تو بہر حال ہر شیٔ کے قبضہ کے سلسلہ میں ملحوظ رہے گی کہ بیع کے بعد وہ شیٔ ایسی حالت میں ہو کہ مشتری اس پر قبضہ بغیر کسی تکلف کے کرلے اور وہ مبیع بائع کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، کیونکہ اگر قبضہ کی بابت اتنی بات بھی ملحوظ نہ ہو تو قبضہ وتسلیم کا معنی ہی متحقق نہ ہوگا۔

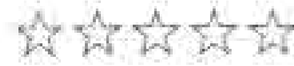
یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ خواہ اشیاء منقولہ ہوں یا غیر منقولہ دونوں میں ایک معنی مشترک ہوگا جو قبضہ وتسلیم کی تعریف ہے۔ اب اس قبضہ کا تحقق اشیاء منقولہ میں کب ہوگا، اور اشیاء غیر منقولہ میں کب ہوگا؟ تو اس کا تعلق عرف سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا جس کے بارے میں عرف ہوگا اسی کو اس شیٔ کے متعلق قبضہ شمار کریں گے، اتنی بات بدیہی ہے کہ ساری چیزوں میں قبضہ حسی شرط نہیں ہے۔

۶۔ مذکورہ صورت میں جبکہ خریدار (۱) فیکٹری سے مال خرید کر اس پر قبضہ حسی کرنے سے پہلے خریدار (۲) کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو اگر مبیع خریدار (۲) کے ہاتھ فروخت کرنے سے پہلے خریدار (۱) کے ضمان میں آجاتی ہے تو گویا اس نے مال مضمون کی بیع خریدار (۲) سے کی ہے، اور مال مضمون پر نفع لیا ہے۔ اب یہاں پر گو کہ مال مبیع پر خریدار (۱) کا قبضہ حسی نہیں ہوا ہے لیکن آج کل تجار کے درمیان یہ عرف ہے کہ یہ مبیع خریدار (۱) کے ضمان میں پہونچ جاتی ہے، اس لئے ضمان کو قبضہ حسی سمجھ کر اس خرید وفروخت کو جائز قرار دینا چاہئے۔ چنانچہ خرید وفروخت کے سلسلہ میں تجار کے درمیان کوئی عرف ہو تو اس کا اعتبار بھی ہوتا ہے، جیسا کہ عرف خاص کی مثال دیتے ہوئے صاحب المدخل نے لکھا ہے: و ذلک کعرف التجار فما یعد عیبا ینقص الثمن فی البضاعة المبیعة أو لا یعد عیبا (۸۳۹/۲)۔

تجار کے درمیان کا عرف گو کہ عرف خاص ہے عرف عام نہیں ہے، پھر بھی آج کل مذکورہ صورت میں عرف خاص کا دائرہ بہت وسیع ہے اور دن بدن وسیع تر ہوتا جارہا ہے، اس لئے اس عرف خاص پر قیاس کرنا درست ہے، جیسا کہ آٹھویں فقہی سمینار میں یہ بات علماء کے درمیان تجویز ہو چکی ہے کہ اگر عرف خاص کا دائرہ بہت وسیع ہے تو اس کی بنا پر قیاس درست ہے۔ مزید یہ کہ اس صورت کو اگر جائز نہ قرار دیا جائے تو امت مسلمہ کو ضرر لاحق ہوگا کیونکہ آج کل خرید وفروخت کی کچھ صورت حال ایسی ہوتی جارہی ہے کہ اس میں قبضہ حسی کو لازم قرار دینا ضرر کے مرادف ہے، مثلاً آج کل بھاری اور بڑی تجارتیں اور متعاقدین کے درمیان بہت دور دراز کا فاصلہ ہونا۔ اس لئے ''الضرر یزال'' اور ''الضرورات تبیح المحظورات'' کے پیش نظر بھی یہ صورت جائز ہونی چاہئے۔

۷۔ وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت شپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے اور مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا ہے، تو اگر یہ مال مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں آجاتا ہے تجار کے عرف میں، تو پھر اس مال مضمون کی فروخت مشتری کے لئے جائز ہونی چاہئے، اس دلیل کی وجہ سے جو چھ نمبر کے سوال کے جواب میں گذری۔ اور اگر اس مشتری نے جبکہ مال ابھی سمندر میں ہو تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تو یہ فروخت کرنا تو درست ہے، لیکن چونکہ تیسرے شخص کے ضمان

میں اس مال کے پہونچنے کی کوئی علامت نہیں ہے، اس لئے اس مال کے ضائع ہو جانے پر تیسرے شخص کا ضامن ہونا درست نہیں معلوم ہوتا... البتہ اگر وہ مال مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے
ضمان میں نہیں آیا ہے تو ایسی صورت میں مشتری اول نے مشتری ثانی کو بیچ دیا ہے تو یہ بیع درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے گویا قبضہ سے پہلے مبیع کو فروخت کر دیا ہے اور ایسی چیز سے نفع حاصل کیا ہے جس کا ضامن نہیں ہوا تھا، اور حدیث میں ربح مالم یضمن کی ممانعت ہے۔



قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے متعلق مسائل

مولانا عبداللطیف پالنپوری، گجرات

۱۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہے اور یہ بیع فاسد ہوگی، ومن اشتری شیئا ما ینقل ویحول لم یجز له بیعه حتی یقبضه لأنه علیه السلام نهی عن بیع مالم یقبض (هدایة) والنهی یقتضی الفساد فیکون البیع فاسداً قبل القبض (عنایۃ علی ہامش الفتح ۲۶۵/۵)۔

۲۔ قبضہ کی دو قسمیں ہیں (۱) حسی (۲) حکمی، حسی قبضہ یہ ہے کہ مبیع حقیقۃً مشتری کے قبضہ وتصرف میں آجائے، اور حکمی قبضہ کی صورت تخلیہ ہے، اور "تخلیہ" یہ ہے کہ بائع مشتری کو مبیع اس طرح سپرد کرے کہ مشتری اس کے قبضہ پر بغیر کسی حائل و مانع کے قادر ہو، یعنی مبیع سامنے حاضر ہو اور غیر کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، اور بائع مشتری کو اس کے قبضہ کی اجازت دیدے، پس اگر مشتری کو قبضہ کی اجازت نہیں دی، یا اجازت دی لیکن وہ مبیع دور تھی تو بھی قبضہ صحیح نہ ہوگا

-

ثم التسلیم یکون بالتخلیة علی وجه یتمکن من القبض بلا مانع ولا حائل وشرط فی الأجناس شرطا ثالثا وهو أن یقول: خلیت بینک وبین المبیع فلو لم یقله أو کان بعیداً لم یصر قابضا، والناس عنه غافلون، فإنهم یشترون قریة و یقرون بالتسلیم والقبض وهو لا یصح به القبض علی الصحیح (درمختار علی ردالمحتار ۴۳/۴)۔

شریعت میں قبضہ کی کوئی صورت متعین نہیں، بلکہ قبضہ کا مدار عرف پر ہے، لیکن یہ عرفی قبضہ اس وقت معتبر ہوگا جب کہ قبضہ حسی، یا حکمی کے دائرے میں آتا ہو، مبیع کا صرف مشتری کے ضمان میں آجانا قبضہ کیلئے کافی نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی ایسی چیز ہو کہ اس میں حسی یا حکمی قبضہ ممکن نہ ہو تو ضمان میں آنے سے بھی قبضہ شمار کیا جائے گا۔

۳۔ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہ ہوگا، دونوں میں حسی اور حکمی قبضہ معتبر ہوگا۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور نہی کی دو علتیں ہیں، (۱) قبضہ سے پہلے مبیع کا مقدور التسلیم نہ ہونا، کیونکہ ممکن ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع ہلاک ہوجائے جس کی بناء پر بائع مشتری کو قبضہ نہ کرا سکے اور یہ غرر ہے جس کی بنا پر بیع جائز نہیں ہے (۲) دوسری علت یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی اور "ربح مالم یضمن" جائز نہیں، والغرر المنهی عنه غرر انفساخ العقد، والحدیث

معلول به (هداية) فإن الحديث الأخير حديث عبدالله بن عمرو دل على أن العلة في النهي عن بيع البيع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح مالم يضمن (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۳)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کے بارے میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں (۱) امام احمدؒ کی ظاہر روایت یہ ہے کہ طعام (غلہ) کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ممنوع ہے، اور اس کے علاوہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے (۲) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ طعام (غلہ) میں سے مکیلی اور موزونی چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ممنوع ہے (۳) امام شافعیؒ اور احناف میں سے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ طعام اور غیر طعام، منقول اور غیر منقول ہر ایک کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت حرام ہے (۴) امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تمام منقولات کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ممنوع ہے، اور وہ عقار جس کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے، اور اگر عقار کی ہلاکت کا اندیشہ ہو، مثلاً سمندر کے کنارے ہو تو اس کی بیع بھی قبل القبض جائز نہیں ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۰)۔

دلائل:

امام احمدؒ کی دلیل : عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۰)۔

امام مالکؒ کی دلیل: ابن عباسؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يكتاله (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۳)۔

امام شافعی اور امام محمدؒ کی دلیل:

(۱) أخرج أبو داوٗد " عن ابن عمرؓ قال ...... فإن رسول الله ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم " فقد عمم هذا الحديث الحكم في سائر السلع.

(۲) عن حكيم بن حزام قال: " قلت يارسول الله إني أبتاع هذه البيوع، فما يحل لي منها وما يحرم علي ؟ قال: يا ابن أخي لا تبيعن شيًا حتى تقبضه ".

(۳) عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله ﷺ قال " لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع ولا ربح مالم يضمن ولا بيع ماليس عندک " فنهى فيه رسول الله ﷺ عن ربح مالم يضمن، والبيع قبل القبض يتضمنه لأن المبيع لا يأتي في ضمان المشترى حتى تقبضه فإن باعه قبل ذلک بالربح كان ذلک ربحا لما لم يضمنه (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۲)۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل: وبعين هذه الدلائل الثلاثة يستدل أبو حنيفةؒ وأبو يوسفؒ غير أنهما يستثنيان العقار من عموم النهي لأن علة النهي منتفية فيه فإن الحديث الأخير، حديث عبد الله بن عمرو، دل على أن العلة في النهي عن بيع المبيع قبل القلبض هي أنه يستلزم

ربح مالم يضمن وإنما يضمن الإنسان ما يخاف فيه الهلاک وأما العقار فلا يخشىٰ فيه ذلک إلا نادراً حتى لو كان العقار على شط البحر أو كان المبيع علوا لا يجوز بيعه قبل القبض كما فى فتح القدير لأن الهلاک فيه غير نادر (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۳)۔

۶۔ فیکٹری سے خرید کردہ مال براہ راست دوسرے خریدار کے ہاتھ بیچنا صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ مال پر حسی، یا حکمی قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے، جب حسی یا حکمی قبضہ ممکن ہو تو ضمان کو قبضہ کے قائم مقام نہیں سمجھا جائے گا، البتہ اس بیع کے جواز کی دو صورتیں ہیں (۱) مال پہونچنے سے پہلے بیع نہ کرے، بلکہ وعدہ بیع کرے اور بیع مال پہونچنے کے بعد کرے، اس صورت میں جانبین میں سے کوئی انکار کردے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، بیع پر اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جہاں مال خریدا ہے وہاں کسی مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنادے اس کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے، اسی طرح اگر مال پہونچانے کا کرایہ خریدار ادا کرتا ہے تو اس کی اجازت سے بائع کا کسی بھی مال بردار کمپنی کی تحویل میں مال دیدینا مشتری کا قبضہ شمار ہوگا، اگرچہ کسی خاص کمپنی کی تعیین نہ کی ہو، کمپنی کی تحویل میں آجانے کے بعد بیع جائز ہے۔

قال فى الهندية: إذا قال المشترى للبائع ابعث إلى ابنى واستأجر البائع رجلا يحمله إلى ابنه فهذا ليس بقبض والأجر على البائع إلا أن يقول استأجر من يحمله فقبض الأجير يكون قبض المشترى إن صدقه أنه استأجره ودفع إليه وإن أنكر استيجاره والدفع إليه فالقول قوله كذا فى التتارخانية (عالمگیری ۳/۱۹) (احسن الفتاوی ۶/۵۲۶)۔

۷۔ اس صورت میں بھی چونکہ قبل القبض بیع کرنا پایا جاتا ہے اس لئے جائز نہیں ہے، قال العبد الضعيف عفا الله عنه وقد ظهرت فى زماننا حكمة أخرى لهذا الحكم وهى أن البيع قبل القبض فى زماننا يحدث غلاءً فى السوق وكثيرا ما يفعله تجار زماننا فى التجارة الدولية فنشاهد اليوم أن الباخرة تجرى بالبضائع من اليابان، مثلاً فيبيعه الذى يصدره إلى غيره ثم هو إلى ثان والثانى إلى ثالث وهكذا فتجرى على البضاعة الواحدة بياعات ربما تجاوز عشرة وكل ذلک قبل وصول الباخرة إلى الميناء وينتج ذلک أن البضاعة التى كانت قيمتها بضع ربيات فى اليابان لا تصل إلى سوق بلادنا إلا بعد ما تصير قيمته مأة أو أكثر لأن كل تاجر يشتريها قبل الوصول يبيعها بربح إلى غيره وتصير الأرباح كلها بأيدى تجرة معدودين ويصير الغلاء نصيب العامة ولا حول ولا قوة إلا بالله (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۴)۔

فقط والله تعالى أعلم بالصواب.

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے مسائل

ابو جندل قاسمی

دار العلوم سعادت دارین، بھروچ

۱۔ آج کل قبضہ سے پہلے بیع عالمی تجارت کا ایک اہم عنصر بن گئی ہے، زیادہ تر تھوک کاروبار کا انحصار ٹیلی فون اور تحریری وثائق پر ہے، بلکہ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ اصل جگہ سے روانہ ہوکر منزل مقصود تک پہونچنے سے پہلے ہی مال کی باقاعدہ بیع در بیع ہو جاتی ہے اور درمیان کا ہر بائع اپنا نفع وصول کر لیتا ہے، اس طرح قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے رواج نے علماء اور مفتیان کرام کے سامنے ایک مشکل کھڑی کر دی ہے، اس لئے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے صاف الفاظ میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے ممانعت فرمائی ہے، جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یقبضہ (بخاری ۱/۲۸۶، مسلم ۲/۵)۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا شمار بیع باطل میں ہے یا فاسد میں، تو پہلے بیع فاسد وباطل کی تعریف جان لینا مناسب ہے، چنانچہ تقریباً تمام فقہاء متفق ہیں کہ عقد فاسد وہ عقد ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے تو صحیح ہو، لیکن وصف کی کسی نقص اور خرابی کی وجہ سے وہ مشروع نہ ہو، مثلاً مبیع یا ثمن ایسی چیز ہو جو غیر مقدور التسلیم ہو، یا کوئی ایسی شرط عقد میں عائد کر دی جو عقد کے خلاف ہو، یا عقد میں کسی طرح کی جہالت ہو جو مفضی الی المنازعت ہو ، وغیرہ وغیرہ۔

اور اگر عقد اپنی ذات اور اصل ہی کے اعتبار سے مشروع نہ ہو بلکہ ذات میں کوئی خلل واقع ہو گیا ہو تو یہ عقد باطل ہے، مثلاً: احد المتعاقدین مجنون ہو، یا ناسمجھ بچہ ہو، یا مبیع مال ہی نہ ہو، یا مال تو ہو لیکن متقوم نہ ہو، جیسے میتہ اور خمر۔

علامہ عبد الحی فرنگی محلیؒ ہدایہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

الفاسد ما یصح أصلاً لا وصفاً، والباطل ما لا یصح أصلاً ووصفا....... فکل ما أورث خللاً فی رکنہ فھو باطل وکل ما لیس کذلک بل أورث خللاً فی غیرہ کالتسلیم والتسلم الواجبین بالعقد..... وغیر ذلک فھو فاسد (ہامش الہدایہ ۳/۳۳ باختصار)۔

عقد فاسد وہ ہے جو اصل کے اعتبار سے صحیح ہو، نہ کہ وصف کے اعتبار سے، اور عقد باطل وہ ہے جو نہ اصلاً صحیح ہوا اور نہ وصفاً، پس (قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ) ہر وہ چیز جو عقد کے رکن میں خلل انداز ہو تو وہ عقد باطل ہے، اور ہر وہ

عقد کہ جس کے رکن میں کوئی خلل نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ (کسی اور چیز) میں خلل ہو، مثلاً مبیع کو سپرد کرنے اور قبضہ کرنے میں جو دونوں عقد سے واجب ہوتے ہیں، وغیرہ، تو یہ عقد فاسد ہے۔

اب رہی بات یہ کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت فاسد ہے یا باطل، تو اس سلسلہ میں دونوں قول ملتے ہیں، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ باطل ہے اور بعض فساد کے قائل ہیں، چنانچہ مفتی ابوالسعود مصریؒ فرماتے ہیں: (قوله ای لا یصح بیع المنقول) نفی الصحة یحتمل ثبوت فساد العقد وبطلانه صرّح بالأول فی المواهب وبالثانی فی الجوهرة شرنبلالیه ومثل ما فی المواهب فی الزیلعی (فتح المعین علی شرح الکنز ۲/۵۹۴)۔

نیز صاحب عنایہ فرماتے ہیں:

النهی یقتضی الفساد فیکون البیع فاسداً قبل القبض (عنایہ مع الفتح ۶/۱۳۷)۔

نیز ہدایہ کے مندرجہ بالا حاشیہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت بیع فاسد ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے، اسلئے کہ یہاں رکن بیع میں کچھ خرابی نہیں بلکہ صرف وصفِ بیع میں خرابی ہے جو فساد ہی کا مقتضی ہے، واللہ اعلم۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت اور مفہوم صرف اتنا ہے کہ بائع شئ مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کردے کہ مشتری (خریدار) جب بھی چاہے اس شئ مبیع کو اپنی مرضی سے اٹھا کر لیجا سکے، اور اختیار سے اٹھا کر لیجانے میں اس کو کوئی مانع پیش نہ آئے، علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

التسلیم والقبض عندنا هو التخلیة والتخلی وهو أن یخلی البائع بین المبیع وبین المشتری برفع الحائل بینهما علی وجه یتمکن المشتری من التصرف فیه فیجعل البائع مسلّما للمبیع والمشتری قابضا له (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴، ہندیہ ۳/۱۶)۔

خریدار کو مبیع سونپنے اور اس پر قبضہ کرنے کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ تخلیہ اور تخلی ہو جائے اور تخلیہ و تخلی کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع کو مشتری کے لئے اس طرح پیش کرے کہ درمیان سے رکاوٹ اس طرح دور ہو جائے کہ مشتری کو مبیع میں تصرف کرنے پر پوری طرح قدرت حاصل ہو جائے، پس کہا جائے گا کہ بائع نے مبیع سونپ دی اور مشتری نے قبضہ کرلیا۔

ایک موقع پر فرماتے ہیں:

ولا یشترط القبض بالبراجم لأن معنی القبض هو التمکین والتخلی وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً حقیقة (بدائع الصنائع ۵/۱۴۸)۔

حصول قبضہ کیلئے ہاتھ سے قبضہ کرنا کوئی شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ مشتری قبضہ پر قادر ہو اور بائع مشتری کے سامان کو چھوڑ دے، اور یہ کہ عرف وعادت میں صحیح معنی میں موانع ختم ہو جائیں۔

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں:

إن معنى التسليم والتسلم يحصل بالتخلية ، ولهذا يدخل المبيع في ضمان المشتري بالتخلية نفسها بلا خلاف دلّ أن التخلية قبض (اعلاء السنن ۱۴/۲۴۲، کراچی)۔

معلوم ہوا کہ قبضہ کی حقیقت صرف تخلیہ ہے ہمارے نزدیک، ہاتھ سے قبضہ کرنا یا نقل وتحویل کی قبضہ کے اثبات کیلئے ضرورت نہیں، اگرچہ تصرف کیلئے بعض صورتوں میں ضرورت ہے۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی ایک ہی صورت ہے یعنی تخلیہ۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

ہمارے اصحاب کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ اصل قبضہ تخلیہ سے حاصل ہوجاتا ہے تمام مالوں میں (خواہ وہ اموال منقولہ ہوں، جیسے مکیلی وموزونی وغیرہ اشیاء، یا غیر منقولہ ہوں جیسے زمین وجائداد) (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں:

قال العبد الضعيف : وفي "شرح الوجيز" للرافعي ما نصه في بيان أن القبض بم يحصل؟ فينظر إن كان المبيع مما لا ينقل كالدور والأراضي فقبضه بالتخلية بينه وبين المشتري وتمكنه من اليد والتصرف ، وإن كان المبيع من المنقولات.... فقال مالك وأبو حنيفة : إنه يكفي فيه التخلية كما في العقار ، وعن رواية حرملة قول مثله، وفيه وجه آخر: أن التخلية كافية لنقل الضمان إلى المشتري غير كافية للتسلط على التصرف (اعلاء السنن ۱۴/۲۴۰)۔

ترجمہ: علامہ رافعی کی کتاب شرح الوجیز میں ہے کہ قبضہ کس طرح حاصل ہوگا؟ تو دیکھا جائے گا آیا مبیع غیر منقول ہے یا منقول، اگر غیر منقول ہے جیسے گھر اور زمین وجائداد، تو اس پر قبضہ مبیع اور مشتری کے درمیان صرف تخلیہ اور قبضہ وتصرف پر قدرت دینے سے ہوجائے گا، اور اگر مبیع منقول ہے، تو اس سلسلہ میں بھی امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ عقار کی طرح صرف تخلیہ قبضہ کیلئے کافی ہے، اور حرملہؒ سے بھی اسی طرح کا ایک قول ہے، اور ایک دوسری بات یہ بھی ہے کہ تخلیہ مشتری کی طرف ضمان کے انتقال کیلئے تو کافی ہے، لیکن تصرف پر تسلط کیلئے کافی نہیں ہے۔

تفصیل بالا سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت ایک ہی ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں حنفیہ کے نزدیک۔

قبضہ کی قسمیں:

اس موقع پر قبضہ کی قسموں کو بھی بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا، چنانچہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) قبضہ

کامل (۲) قبضہ ناقص۔ قبضہ کامل یہ ہے کہ بائع جب شی مبیع کو الگ کردے (تخلیہ کردے) اور وہ شی مشتری کے ضمان میں داخل ہوجائے تو صرف اس قدر سے مشتری اس میں ہر قسم کا تصرف کرسکتا ہے۔

اور قبضہ ناقص یہ ہے کہ صرف بائع کے تخلیہ اور مشتری کے ضمان میں داخل ہونے سے مشتری کیلئے اس میں تصرف کرنے کا کوئی جواز نہ ہو۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت سے متعلق احادیث معلول بالعلت ہیں، اور ممانعت کی علت یہ ہے کہ قبل القبض اگر بیع کی جائے تو ممکن ہے کہ اس سے پہلے ہی وہ مبیع ہلاک ہوجائے اور مبیع کی ہلاکت عقد کو فسخ کردیتی ہے، تو بیع قبل القبض میں قبضہ سے پہلے ہلاکت مبیع کے ذریعہ عقد بیع کے ختم ہوجانے کا غرر ہے اور نبی کریم ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ کی سند سے مروی ہے (بخاری ۱/۲۸۷ مسلم ۲/۲)۔

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

وعلة النهی هو غرر انفساخ العقد بالهلاک قبل القبض (اعلاء السنن ۱۴/۲۳۲)۔

مفتی ابوالسعود مصریؒ فرماتے ہیں:

وما رووه معلول بغرر انفساخ العقد بالهلاک قبل القبض (فتح المعین ۲/۵۹۳، وہکذا فی الأوجز ۶/۵/۷، فتح القدیر ۶/۱۳۸)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عام نہیں بلکہ اس میں استثناءات وتخصیصات بھی ہیں، چنانچہ طعام (جس کا ممانعت والی حدیث میں صراحۃً ذکر آیا ہے) کے سلسلہ میں تمام فقہاء متفق ہیں کہ اس کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں، اور طعام کے علاوہ بقیہ اشیاء میں اختلاف ہے، اور اس سلسلہ میں چار مذاہب ہیں:

(۱) یہ ہے کہ مکانات اور زمین وجائداد کے علاوہ بقیہ تمام اشیاء کا حکم بھی وہی ہے جو طعام کا ہے یعنی ان کی بیع بھی قبل القبض جائز نہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کا مذہب ہے۔

(۲) طعام وغیر طعام تمام مبیعات کا حکم یکساں ہے خواہ زمین وجائداد ہو یا مکان اور دکانیں وغیرہ، یعنی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی اجازت نہیں، یہ امام شافعی اور امام محمد بن الحسن شیبانیؒ کا مسلک ہے، حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔

(۳) ماکولات ومشروبات کے علاوہ بقیہ تمام اشیاء کو قبل القبض فروخت کرنے کی اجازت ہے، یہ امام مالکؒ کا مسلک ہے۔

(۴) مکیلی اور موزونی اشیاء کے علاوہ تمام اشیاء قبل القبض فروخت کی جاسکتی ہیں، معدودی اشیاء کا حکم بھی مکیلی وموزونی کی طرح ہے، یہ امام اوزاعی، امام احمد بن حنبل، اسحق، سعید بن المسیب، حسن بصری، حماد اور حکم کا مذہب ہے (بذل المجہود ۴/۲۸۴، ہکذا فی الأوجز ۶/۵/۷، ہکذا فی اعلاء السنن ۱۴/۲۳۶)۔

دلائل:

حنفیہ کی دلیل:

شیخین رحمہما اللہ تعالی کے غیر منقول کے استثناء کرنے کے سلسلہ میں دو دلیلیں ہیں، ایک دلیل عقلی اور ایک دلیل نقلی۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے ممانعت کی جو علت ہے یعنی قبضہ سے پہلے ہلاکت مبیع کے ذریعہ عقد بیع کے فسخ ہو جانے کا غرر، یہ ہلاکت غیر منقول میں متصور نہیں ہے، مگر شاذ و نادر، اور نادر معدوم کی طرح ہے، لہذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا، لہذا اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت علت نہی کے نہ پائے جانے کی وجہ سے جائز ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر وہ زمین ایسی جگہ ہو جہاں اس کی ہلاکت کا خطرہ ہو، مثلاً دریا کے کنارے ہو اور ندی وغیرہ کے کنارے جہاں اس کی ہلاکت کا ہر وقت خطرہ ہے، یا ایسی جگہ ہو کہ ریت کے غلبہ کا خوف ہو تو پھر چونکہ علت نہی پائی گئی، یعنی'' ہلاکت مبیع کے ذریعہ غرر انفساخ عقد'' لہذا بالاتفاق اس کی بیع بھی قبل القبض جائز نہ ہوگی۔

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں:

واحتج أبو حنيفةؒ بأن الحكم معلل بغرر انفساخ العقد بهلاک المبيع ، والهلاک فی غير المنقول نادر ، والنادر کالمعدوم (إعلاء السنن ۲۳۴/۱۴، ہکذا فی أوجز المسالک ۷۶/۵)۔

نیز دیکھئے: (البحر الرائق ۱۱۶/۲، ہکذا فی فتح المعین ۵۹۳/۲، فتح القدیر ۱۳۸/۶)۔

نقلی دلیل:

نقلی دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت طلحہؓ سے مدینہ میں ایک زمین خریدی اپنی ایک زمین کے بدلہ میں جو کوفہ میں تھی، تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے وہ زمین بغیر دیکھے بیچ دی ہے ('' بیچ دی ہے'' اس لئے فرمایا کہ بدلہ ہوا تھا، گویا دونوں نے بیچی بھی اور خریدی بھی، واللہ اعلم) تو حضرت طلحہؓ نے فرمایا کہ دیکھنے کا خیار مجھے حاصل ہوگا، کیونکہ جس کو آپ نے خریدا (یعنی مدینہ والی زمین) اس کو آپ دیکھ چکے، اور جس کو میں نے خریدا (یعنی کوفہ والی زمین) وہ میں نے نہیں دیکھی، دونوں حضرات حضرت جبیر بن مطعمؓ کے پاس مقدمہ لے گئے، تو انہوں نے بیان سن کر حضرت عثمانؓ کے خلاف اور حضرت طلحہؓ کی موافقت میں فیصلہ صادر فرما دیا، اور دلیل وہی دی کہ انہوں نے (حضرت طلحہ نے) بغیر دیکھے خریدی ہے۔ اس حدیث اور واقعہ میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ عقار کو قبل القبض فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی کوفہ کی زمین بلا دیکھے بیچی، اور یہ اس سلسلہ میں ظاہر ہے کہ قبل القبض بیچی ہے، کیونکہ قبضہ رؤیت کو مستلزم ہے، اور اگر یہ اشکال کیا جائے کہ ممکن ہے وکیل کے واسطے سے قبضہ کیا ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وکیل کا دیکھنا مؤکل کا دیکھنا ہے، حالانکہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا'' بعتک ما لم أره'' لہذا وکیل کے واسطہ سے دیکھنے کا احتمال بھی باطل ہو گیا (رواہ ابن ابی ملیکہؒ، اعلاء السنن کراچی ۲۳۸/۱۴)۔

اس حدیث سے استدلال میں احقر کو ایک اشکال ہے، وہ یہ کہ ابھی پیچھے گذرا کہ تمام مالوں میں تخلیہ قبضہ ہے، لہذا یہ تو بہت ممکن ہے کہ اس زمین میں تخلیہ ہو چکا ہو، لہذا قبل القبض بیع نہ رہی، البتہ قبل الرؤیت ہے۔

شوافع کی دلیل:

امام شافعیؒ اور امام محمدؒ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کے عموم سے متعلق تین دلیلیں پیش کرتے ہیں ، دو نقلی دلیلیں اور ایک قیاس، پہلی نقلی دلیل یہ ہے کہ ممانعت والی حدیث میں اطلاق ہے، چنانچہ حضرت حکیم بن حزامؓ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لا تبیعن شیئا حتی تقبضها** (رواہ النسائی بحوالہ اعلاء السنن ۱۴/ ۲۳۲) نیز ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں حضرت حکیم بن حزامؓ کی یہ حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے: "**إذا ابتعت بیعا فلا تبعه حتی تقبضه**" (حوالہ بالا) نیز حضرت ابن عباسؓ سے بخاری ومسلم نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبضہ سے پہلے طعام کی بیع سے منع فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "**وأحسب کل شئ مثله**" (بخاری ۱/ ۲۸۶ مسلم ۲/ ۵ واللفظ لہ)۔

دوسری نقلی دلیل یہ ہے کہ جب تک کوئی چیز مشتری کے ضمان میں نہ داخل ہو اس وقت تک نبی کریم ﷺ نے اس سے نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے، لہذا عقار کو قبل القبض بیچنے کی صورت میں ربح مالم یضمن لازم آتا ہے لہذا اس کو بھی قبل القبض بیچنے کی اجازت نہیں ہو سکتی، چنانچہ ترمذی وابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لا یحل سلف وبیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح ما لم یضمن** (ترمذی ۱/ ۱۴۸، أبوداؤد مع البذل ۴/ ۲۸۷)۔

تیسری قیاسی دلیل یہ ہے کہ کسی شئ کو قبل القبض اجارہ پر دینا جائز نہیں، لہذا اسی طرح بیع بھی جائز نہیں۔ چنانچہ علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

(قوله یجوز بیع العقار...... وقال محمد لا یجوز وهو قول الشافعیؒ (رجوعا إلی اطلاق الحدیث) یعنی عمومه وهو ما فی حدیث حکیم بن حزامؓ من قوله ﷺ " لا تبیعن شیئا حتی تقبضه" و للنهی عن ربح ما لم یضمن ، ولو باع العقار بربح یلزم ربح ما لم یضمن ، وصار بیع العقار کإجارته وإجارته قبل قبضه لاتجوز فکذا بیعه (فتح القدیر ۶/ ۱۳۷، ہکذا فی الأوجز ۶/ ۵/ ۷، البحر ۶/ ۱۱۶)۔

مالکیہ کی دلیل:

امام مالکؒ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کو طعام کے ساتھ خاص کرتے ہیں، کیونکہ ممانعت والی حدیثوں میں صرف طعام کا لفظ آیا ہے، لہذا ممانعت حکم طعام ہی کے ساتھ خاص ہوگا، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **أما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام أن یباع حتی یقبض** (حوالۂ بالا) ایسے ہی حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**إذا ابتعت طعاما فلا تبعه حتی تستوفیه** (رواہ مسلم ۲/ ۶)۔

مذکورہ بالا تمام حدیثوں میں ممانعت کا حکم طعام کے ساتھ خاص آیا ہے، معلوم ہوا کہ طعام کے علاوہ بقیہ

تمام اشیاء کا حکم اس کے برخلاف ہے، یعنی ان کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے۔

چنانچہ ظفر احمد صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں:

قالوا : التنصيص في هذه الأحاديث يدل على أن غيره بخلافه (اعلاء السنن ١٤/٢٣٧)۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ لکھتے ہیں:

وفي التعليق الممجد : قال مالكؒ يجوز جميع التصرفات في غير الطعام قبل القبض لورود التخصيص في الأحاديث بالطعام (أوجز المسالک ٥/٧٦)۔

حنابلہ کی دلیل:

طعام کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے ساتھ امام اوزاعی اور امام احمد وغیرہ نے مکیلی اور موزونی اشیاء کو بھی جوڑا ہے، اس لئے کہ پورا قبضہ اور استیفاء جو حدیث میں آیا ہے وہ مکیلی اور موزونی اشیاء ہی میں ہوتا ہے، چنانچہ امام احمدؒ نے مرفوعاً حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " من اشترى طعاما اشتراء بكيل أو وزن فلا يبعه حتى يقبضه"۔ ایسے ہی امام ابوداؤد ونسائی نے بھی حضرت ابن عمر ہی سے یہ حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے: " نهى أن يبيع أحد طعاماً اشتراه بكيل أو وزن حتى يستوفيه (اعلاء السنن ١٤/٢٣٣) ان مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ مکیلی اشیاء میں کیل سے اور موزونی میں وزن سے قبضہ شرط ہے (لہذا مکیلی اور موزونی اشیاء کو بھی طعام کی طرح قبل القبض فروخت کرنا جائز ہوگا) (اعلاء السنن ١٤/٢٣٣)۔

٢۔ اس سے قبل کہ اس سوال کا جواب لکھا جائے بطور تمہید اشیاء مبیعہ منقولہ کی قسمیں اور احکام لکھے جاتے ہیں تاکہ آسانی سے اس صورت کا حکم نکل آئے۔

اشیاء منقولہ کی اولاً دو قسمیں ہیں: (١) مبیع مثلی، (٢) غیر مثلی۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

وجملة الكلام فيه أن المبيع لا يخلو إما أن يكون مما له مثل ، وإما أن يكون مما لا مثل له (بدائع ٥/٢٤٤)۔

چنانچہ اگر مبیع مثلی ہے جیسے مکیلی اور موزونی اشیاء، تو ان اشیاء میں صرف تخلیہ سے مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل تو ہو جائے گی لیکن مشتری کیلئے اس میں تصرف کرنا اور انتفاع بغیر دوبارہ کیل ووزن کے جائز نہیں، کیونکہ تخلیہ سے مکیلی اور موزونی اشیاء میں قبضہ تام حاصل نہیں ہوتا، بلکہ قبضہ ناقص حاصل ہوتا ہے اور قبضہ ناقص میں تصرف کی اجازت نہیں۔

الا یہ کہ بائع بیع کرنے کے بعد مشتری کی موجودگی میں کیل ووزن کر دے، یا کیل ووزن سے نہ بیچے بلکہ اندازے اور انکل سے فروخت کرے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں "مجازفة" کہتے ہیں۔

چنانچہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

وإن كـان (المبيع) ممـا لـه مثل ...... فإن بـا ع مكـايلة أو موازنة فی المكيل والموزون وخلّى فلا خلاف فی أن المبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل فی ضمان المشتری....... وكذا لا خلاف فی أن لا يجوز للمشتری بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن (بدائع ۲۴۴/۴)۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

فأما جواز التصرف فيه فيستدعی قبضاً كاملا كورود النهی عن بيع ما لم يقبض والقبض المطلق هو القبض الكامل (بدائع ۲۴۵/۵)

علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

وإن كاله أووزنه بعد العقد بحضرة المشتری مرة ، فيه اختلاف المشائخ ، قال عامتهم : كفاه ذلک حتی يحل للمشتری التصرف فيه قبل كيله ووزنه إذا قبضه وعند البعض لابد من الكيل أو الوزن مرتين احتجاجا بظاهر الحديث والصحيح قول العامة لأن الغرض من الكيل والوزن صيرورة المبيع معلوماً وقد حصل بذلک الكيل واتصل به القبض (فتح القدیر ۱۴۱/۶ ،ہدایہ مع الفتح ۱۴۱/۶، بدائع ۲۴۵/۵)۔

ایک جگہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

أما إذا اشتراه مجازفة مبيع صبرة فله أن يتصرف فيه قبل الكيل والوزن ، لأن كل المشار إليه له فلا يتصور اختلاط الملكين (فتح القدیر ۱۴۰/۶، بدائع ۲۴۴/۵)۔

دوسری قسم یہ ہے کہ مبیع غیر مثلی ہو، جیسے مذروعات ومعدودات متفاوتہ، ایسی اشیاء میں صرف تخلیہ سے بالاتفاق قبضہ تام حاصل ہوجائے گا اور بغیر شمار اور پیمائش کئے ہی مشتری کیلئے ہر قسم کا تصرف جائز ہوجائے گا۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

فإن كان مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتفاوتة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف ، حتی لو اشتری مذروعا مذارعة أو معدودا معاددة ووجدت التخلية يخرج عن ضمان البائع ويجوز له بيعه والانتفاع به قبل الذرع والعدد بلا خلاف (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)۔

اب رہ گئی بات معدودات متقاربہ کی تو اس میں ہمارے ائمہ کرام مختلف ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کا حکم مبیع مثلی جیسا ہے، لہذا دوبارہ شمار کئے بغیر مشتری کیلئے ان کی بیع جائز نہ ہوگی، لیکن حضرات صاحبین کے نزدیک معدودات متقاربہ کا حکم مبیع غیر مثلی جیسا ہے، یعنی صرف تخلیہ سے قبضہ تام حاصل ہوجائے گا، اور مشتری کیلئے ہر قسم کا تصرف جائز ہوگا۔

علامہ علاء الدین کاسانیؒ فرماتے ہیں:

وأما المعدودات المتقاربة إذا بيعت عددا لا جزافا فحكمها حكم المكيلات والموزونات عند أبي حنيفةؒ حتى لا يجوز بيعها إلا بعد العدّ ، وعند أبي يوسف ومحمد حكمها حكم المذروعات فيجوز بيعها قبل العدّ (بدائع الصنائع ۲۴۵/۵)۔

مندرجہ بالا تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ مکیلی اور موزونی اشیاء میں اور امام صاحبؒ کے نزدیک معدودات متقاربہ میں بھی تخلیہ سے قبضہ تام حاصل نہ ہوگا، جبکہ جواز تصرف کیلئے قبضہ تام ضروری ہے، اور مذروعات ومعدودات متفاوتہ میں نیز صاحبین کے نزدیک معدودات متقاربہ میں بھی تخلیہ قبض تام ہے، اور تصرف جائز ہوگا۔

صورت مسئولہ:

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر اشیاء مبیعہ غیر مثلی ہیں تو فیکٹری کے تخلیہ سے ان اشیاء پر مشتری نمبر (۱) کو قبضہ تام حاصل ہو جائے گا، اور قبل الذرع والعدّ ہر قسم کا تصرف مشتری نمبر (۱) کیلئے جائز ہوگا اگر چہ قبضہ حسی نہیں ہوا ہے، اس لئے کہ تخلیہ ہی قبضہ تام ہے جو جواز تصرف کیلئے شرط ہے۔

ہاں البتہ اگر مبیع مثلی ہے تو فیکٹری کے تخلیہ سے مشتری نمبر (۱) کو قبضہ تام حاصل نہیں ہوا بلکہ قبضہ ناقص ہے جو جواز تصرف کیلئے کافی نہیں، لہذا قبل الکیل والوزن تصرف درست نہ ہوگا۔

الا یہ کہ درمیان کا آدمی کمپنی کا ایجنٹ ہو، تو پھر یہ شخص فیکٹری کیلئے بحیثیت وکیل ہوگا، اور اس کے نفع کو اجرت وکالت قرار دی جائے گی۔

البتہ جواز کی دو صورتیں اور ممکن ہیں (مبیع مثلی میں): (۱) کمپنی اور فیکٹری ہی کو مشتری اول کی طرف سے وکیل بالقبض مان کر (۲) یا مشتری ثانی کو ہی مشتری اول کا وکیل بالقبض مان کر یہ معاملہ دائرۂ جواز میں لایا جا سکتا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

فلو تصرف فيه البائع قبل قبضه إما بأمر المشتري أو لا ، فلو بأمره وكان أمره أن يهبه من فلان أو يوجره ففعل وسلم صح وصار المشتري قابضا (رد المحتار ۱۴۹/۵، کراچی)۔

۷۔ اس صورت میں چونکہ مشتری ایسی چیز سے نفع حاصل کر رہا ہے جس کا وہ ابھی ضامن نہیں ہوا، یعنی ''ربح مالم یضمن'' لازم آتا ہے، جس کا حدیث میں صراحۃً انکار ہے، چنانچہ ترمذی وابوداؤد کی حدیث جس میں ''ربح مالم یضمن'' کی ممانعت ہے، مذہب شوافع کی دلیل کے ذیل میں گذر چکی ہے، اس لئے یہ صورت دائرہ جواز میں آتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔

والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا ابراہیم بن محمد بڑودوی

۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض ناجائز ہے، اس ناجائز بیع کا شمار بیع فاسد میں ہے۔

ما روی أن النبی ﷺ نهی عن بیع ما لم یقبض والنهی یوجب فساد المنهی عنه (احکام المعاملات المالیۃ/۲۹۱)۔

اشتری دارا أو عبدا أو عرضا وترکها فی ید البائع فباعها وربح فالبیع باطل فإن أجازه المشتری ففاسد أیضا لأنه بیع المبیع قبل القبض ویجب فسخه (البحر الرائق ۸/۱۱۷)۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت تخلیہ ہے، یہ متفق علیہ بات ہے کہ اصل قبضہ تمام قسم کے اموال میں تخلیہ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، جس چیز کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو تخلیہ تصور کیا جائے گا وہی قبضہ ہوگا۔

لا خلاف أن أصل القبض یحصل بالتخلیة فی سائر الأموال.

کون سی چیز پر کیسے قبضہ متصور کیا جائے گا اس کی بہترین صورتیں (التنویر والدر ورد المحتار ۴/۴۸، اور بدائع الصنائع ۵/۲۴۴) میں مذکور ہیں جو عام طور پر مشہور ہیں۔

۳۔ احناف کے نزدیک اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

التسلیم فی اللغة عبارة عن جعله سالما خالصا یقال: سلم فلان لفلان ای خلص له، قال الله تعالی: (ورجلا سلما لرجل) ای سالما خالصا لا یشرکه فیه أحد، فتسلیم المبیع إلی المشتری هو جعل المبیع سالما للمشتری ای خالصا له بحیث لا ینازعه فیه غیره وهذا یحصل بالتخلیة فکانت التخلیة تسلیما من البائع والتخلی قبضا من المشتری (احکام المعاملات المالیۃ /۲۹۱)۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور علت نہی ہلاکت کا اعتبار کرتے ہوئے عقد کے فسخ ہونے کا غرر ہے، لا یصح بیع المنقول لنهیه ﷺ عن بیع ما لم یقبض ولأن فیه غرر انفساخ العقد علی اعتبار الهلاک" (البحر الرائق ۸/۱۱۸)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے اشیاء منقولہ کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے، کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے، لیکن اشیاء غیر منقولہ، یعنی زمین کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام مالکؒ کے نزدیک

جائز نہیں، کیونکہ حدیث نہی مطلق ہے، جس میں منقول وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں، شیخینؒ کے نزدیک جائز ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں نہی کی علت یہ ہے کہ ہلاکت مبیع کی صورت میں انفساخ بیع کا احتمال ہے، اور زمین کی ہلاکت نادر الوجود ہے، اور نادر کا اعتبار نہیں ہوتا، پس جب بیع عقار میں علت مذکورہ نہ پائی جائے تو بیع جائز ہوگی، اور علت مذکورہ پائی جائے، مثلاً زمین دریا کے کنارہ پر واقع ہو اور اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو، تو شیخینؒ بھی اس کی اجازت نہیں دیتے (البحر الرائق ۱۱۸/۸، معدن الحقائق ۴۹/۲)۔

۶۔ فیکٹری سے مال خرید کر اس کو دوسرے آدمی کے ہاتھ قبضہ سے پہلے فروخت کرنا اور خریدار (۱) کا مال کی ہلاکت کی صورت میں ضامن بننا اگرچہ ''ربح مالم یضمن'' کی صورت میں داخل نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی قبضہ تام کے مفقود ہونے کی وجہ سے یہ صورت معاملہ ناجائز رہے گی، لہذا ضمان قبضہ حسی کا قائم مقام نہیں سمجھا جائے گا، قبضہ تام کا معنی یہ ہے کہ بائع کے ضمان سے نکلنے کا مترتب ہو۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت میں جہاز پر مال چڑھانے کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوتا۔

''ومن اشتری شیئاً مما ینقل ویحوّل لم یجز له بیعه حتی یقبضه'' ۔خریدار اول اگر منقول اور محولہ چیز کو خریدنے کے بعد قبضہ سے پہلے بیچے تو جائز نہیں، کیونکہ جب قبضہ سے پہلے ہلاک ہو جائے تو بیع فسخ ہو جائے گی، اس صورت میں مشتری غیر کی ملک کو بیچنے والا شمار کیا جائے گا، البتہ قبضہ کر لیا تو اپنی ملکیت کا بیچنے والا سمجھا جائے گا، قبضہ سے پہلے معلوم نہ ہوگا کہ بیع تام ہوگئی یا نہیں، اس میں غرر کا امکان ہے، لہذا باطل ہوگی (شرح فتح القدیر ۱۳۸/۸)۔

والله أعلم بالصواب وعلمه أتم وأحكم



قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اور اس کے احکام

مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری

۱۔ بیوعات فاسدہ میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت بھی ہے جو حدیث شریف سے ثابت ہے، اور جو بحر الرائق کی عبارت کے مطابق "العجز عن التسليم إلا بضرر" اور "عدم القدرة على التسليم" میں داخل ہے، اس لئے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت بیع مکروہ میں داخل ہے، اور بیع مکروہ کو بھی بیع فاسد میں شمار کیا ہے۔

۲۔ قبضہ کے بارے میں ہمارے فقہاء نے لکھا ہے:

ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع و لا حائل الخ (درمختار ۴/۴۷)وقال الشامي و حاصله ان التخلية قبض حكماً لو مع القدرة بلا كلفة لكن ذلک يختلف بحسب حال المبيع (۴/۴۷)۔

علامہ شامی نے حال مبیع کی قید سے حنفی مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے، ہمارے ائمہ قبضہ کی یہ تشریح صرف اشیائے منقولہ کے لئے خاص کرتے ہیں، لیکن اشیائے غیر منقولہ مثلاً زمین، مکانات وغیرہ کے بارے میں یہ شرط نہیں ہے۔

وذهب أبو حنيفة و أبو يوسف إلى جواز بيع غير المنقول قبل القبض لأن النهي معلول بغرر انفساخ العقد لخوف الهلاک ، وهو في العقار نادر و في غيره غير نادر (اوجز ۵/۷٦)۔

قبضہ کی تعریف میں حال مبیع کی قید سے یہ دلالت ہے کہ عرف اور حالات کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت بدل جاتی ہے جس کو قبضہ حکمی کہنا چاہئے، لہٰذا کمپنیوں کی شرائط چونکہ واضح ہوتی ہیں کہ مال کو ٹرانسپورٹ کے سپرد کرنے کے بعد اور سامان کا انشورنس ہونے کے بعد کمپنی کا ذمہ ساقط ہو جاتا ہے اور مشتری کا قبضہ ثابت ہو جاتا ہے جبکہ ٹرانسپورٹ بیچ میں انشورنس کی وجہ سے ضامن ہوتا ہے، اس لئے مشتری اول کا مشتری ثانی کو مال فروخت کرنا جائز ہے، البتہ مشتری ثانی ثالث کو فروخت نہیں کرسکتا، کیونکہ مال ابھی مشتری اول کے قبضہ اور اسی کی ضمان میں ہے بتوسط ٹرانسپورٹ، واللہ اعلم بالصواب۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت والی حدیث معلول بعلت انفساخ العقد لخوف الهلاک ہے جیسا

کہ اوپر گذرا جس کا مطلب یہ ہے کہ حتی الامکان بیع قبل القبض نہیں ہونا چاہئے ،بعض خصوصی حالات ضرر اور منازعت کی وجہ سے جائز ہے، واللہ اعلم۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو حضرت ابن عباسؓ کے قول کی بنا پر امام شافعی، امام مالک اور امام احمد نے عام رکھا ہے، صرف احناف نے علت انفساخ لخوف الہلاک کی وجہ سے جو مفضی الی المنازعت ہے زمین اور مکانات کو مستثنیٰ کیا ہے۔

۶۔ جواب نمبر (۴) میں آچکا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆ ☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اوراس کے چند اہم پہلو

مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، گجرات

۱۔ مبیع پر قبضہ ہونے سے قبل دوسرے کے ہاتھ اس کی فروختگی شریعت میں جائز نہیں ہے، "بیع قبل القبض" کے بارے میں فرمایا کہ:

ومنها بيع ما هو مملوک له، لکن قبل القبض. اور بیع فاسد کے مختلف انواع واقسام میں سے ایک یہ ہے کہ مبیع جو مشتری کی ملک ہے قبل القبض فروخت کیا جائے (تحفۃ الفقہاء ۴۸/۳) اور بیع فاسد کے عدم جواز کی وضاحت کرتے ہوئے ایک جگہ علامہ سمرقندی (۵۳۹ھ) رقم طراز ہیں کہ:

ومنها أن المبيع إذا كان لا يقدر على تسليمه وقت العقد، مثل الطير الذى طار عن يده .... يكون البيع فاسدا، ولو قدر على التسليم فى المجلس، لا يعود إلى الجواز، لأنه وقع فاسدا (تحفۃ الفقہاء ۴۸/۳)۔

من جملہ بیع فاسد میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مبیع کہ عقد کے وقت قبضہ کرانے پر قدرت نہ ہو، مثلاً ایک پرندہ جو بائع کے ہاتھ سے فرار ہو چکا اس کی فروختگی، تو یہ بیع فاسد ہوگی، اور اگر مجلس عقد ہی میں بائع تسلیم پر قادر بھی ہو جائے تو جائز نہ ہوگا، کیونکہ عقد کا وقوع فساد پر مبنی ہے۔

۲۔ اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ صاحب مال یعنی مشتری وغیرہ اس پر قابض ہو جائے اور اس پر ہر طرح سے تصرف کر سکتا ہو، چنانچہ حدیث شریف میں اس کی عمدہ وضاحت پائی جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه وفى رواية: حتى يستوفيه، وفى رواية: التفصيل هكذا، عن ابن عمر قال كنا فى زمان رسول الله ﷺ نبتاع الطعام فيبعث علينا من يأمرنا بانتقاله من المكان الذى ابتعناه فيه إلى مكان سواه قبل أن نبيعه، وعنه هكذا: وكنا نشترى الطعام من الركبان جزافا فنهانا رسول الله ﷺ أن نبيعه حتى ننقله من مكانه (مسلم شریف ۵/۲)۔

والمعروف أن القبض والاستيفاء بمعنى واحد، والقبض فهو أن يأتى الشئ بحرزه وضمانه (تکملہ فتح الملہم ۳۵/۱، قواعد الفقہ ۴۲۲)۔

جس نے کھانے کی اشیاء خریدا تو تاوقتیکہ اس پر قابض نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی فروختگی کی اجازت

نہیں ہے، ایک روایت میں "یقبضہ" کے بجائے "یستوفیہ" کا لفظ آیا ہے، اور تفصیلی روایت اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آنحضورؐ کے زمانہ میں ہم غلہ خریدتے (اور بیچتے تھے) چنانچہ آنحضورؐ ہمارے پاس اپنا قاصد بھیجتے جو آنحضورؐ کی طرف سے یہ حکم ہمیں سناتے کہ جس غلہ کو ہم نے جہاں خریدا ہے وہاں سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے بعد ہی ہم اس کی فروختگی کریں، اور حضرت عبداللہ بن عمر ہی سے اس طرح بھی مروی ہے: ہم سواروں سے غلے جزافاً (کیل ووزن کئے بغیر) خریدا کرتے تھے، پھر آنحضرتؐ نے ہمیں اس سے منع فرمادیا کہ جب تک ہم مبیع کو مقام بیع سے منتقل نہ کرلیں، نہ فروخت کریں (مسلم ۵/۲) اور حدیث شریف میں جو قبض واستیفاء کے دولفظ آئے ہیں دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی کسی شی کا اپنی حرز وضمان اور ملکیت میں کرلینا۔

متذکرہ عبارت سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

۱۔ قبضہ کے معنی، جو حدیث شریف کے لفظ "یأمرنا بانتقاله من المكان الذی ابتعناه فيه إلى مكان سواه قبل أن نبيعه" میں موجود ہے، کیونکہ انسان مملوکہ شی ہی کے فروخت کرنے یا دینے کا حق رکھتا ہے، اور مبیع پر آدمی کا مکمل قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جب مبیع بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کے ہاتھ میں اور مکان میں پہنچ جائے، معلوم ہوا کہ قبضہ اسی وقت سمجھا جائے جب کہ انسان پر اس کے تصرف میں کوئی مانع پیش نہیں آئے، اور اس کی صورت یہی ہے کہ اس کے ہاتھ اور مکان میں پہنچ جائے، ورنہ تو ملک کے باوجود "قبض ضعیف" کی وجہ سے آدمی تصرف سے بہرہ مند نہیں ہوتا ہے، اور یہی "قبض ضعیف" فساد کی وجہ ہے جو مبیع قبل القبض کے بیع کی صورت میں پیدا ہوتی ہے، غرض کہ "قبضہ" کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کا فلاں کی ملکیت اور تصرف میں ہونا، قواعد الفقہ میں ہے کہ "قبض الشیٔ أخذه وهذا الشیٔ فی قبضة فلان أی فی ملكه وتصرفه"، شیٔ کے قبضہ کے معنی ہیں شیٔ کا لینا، اور کہا جاتا ہے کہ یہ چیز فلاں کے قبضہ میں ہے، یعنی اس کی ملکیت میں اور تصرف میں ہے۔

۲۔ دوسری چیز جو حدیث مذکورہ سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ قبضہ کی شریعت نے ایک خاص حد مقرر کردی ہے جو مذکورہ حدیث میں مذکور ہے، نمبر ایک کے تحت بھی اس قبضہ شرعی کی پوری پوری وضاحت موجود ہے، اور یہی صحیح بات ہے، کیونکہ اگر لوگوں کے عرف وعادت پر قبضہ کی حد کو باقی رکھنا شریعت کے پیش نظر ہوتا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو اپنے زمانہ کا عمل بتلارہے ہیں کہ "ہم غلہ خریدا کرتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے اس پر قبضہ سے قبل فروخت کرنے سے منع فرمادیا"، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بین التجار اس طرح کا عمل رائج تھا، جس سے آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کو منع فرمایا، معلوم ہوا کہ قبضہ کے باب اور حد میں عرف وعادت کو دخل واثر نہیں، باقی رہا یہ مسئلہ کہ یہ حدیث شریف ہر قسم کی مبیع سے متعلق ہے یا اس سے کوئی خاص بھی ہے کہ جس میں قبل القبض تصرف جائز ہو، سو اس بارے میں پوری تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق ہے، چنانچہ منقولی اشیاء میں بیع قبل القبض باطل ہے،

اور غیر منقولی اشیاء میں احناف میں سے حضرات شیخین کے یہاں اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ عقار کے ہلاک ہونے کا خوف نہ ہو، تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرات احناف میں سے حضرت امام محمدؒ کا قول اس بارے میں یہ ہے کہ جملہ اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، خواہ طعام ہو یا غیر طعام، منقولی ہو کہ غیر منقولی، ان کے قول کا مستدل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے، جو بظاہر ان کے قول کی دلیل بن رہا ہے، روایت یہ ہے کہ: عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه ، قال ابن عباس: وأحسب كل شيء مثله (تکملہ فتح الملہم ۱؍۳۵۰)۔

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی غلہ خریدے تو قبل القبض اس کی بیع نہ کرے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے اس پر فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ معاملہ جملہ اشیاء میں ہے، یہی وہ بات ہے جس سے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ استدلال کرتے ہیں، مزید تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

۲۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں منقولی اشیاء میں بیع قبل القبض جائز نہیں، لیکن غیر منقولی اشیاء میں جس کے ہلاک ہونے کا خوف نہ ہو ایسی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے (تکملہ فتح الملہم ۱؍۳۵۱ بحوالہ فتح القدیر ۵؍۲۲۶) مزید تفصیل ادلہ کے تحت آرہی ہے۔

۳۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک سوائے طعام کے دوسری جملہ اشیاء خواہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ قبل القبض مبیع کی بیع جائز ہے (تکملہ فتح الملہم ۱؍۳۵۱، کتاب الفقہ ۲؍۲۳۵) مزید تفصیل ادلہ کے ضمن میں آرہی ہے۔

۴۔ حضرت امام احمد بن حنبل کی سب سے زیادہ ظاہر روایت یہ ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت صرف طعام سے متعلق ہے، باقی اس کے سوا جملہ اشیاء منقولہ ہو کہ غیر منقولہ ہر ایک کی قبل القبض بیع جائز ہے، جیسا کہ مذہب حنبلی کے سب سے بڑے ترجمان ابن قدامہ نے مغنی میں اس کی وضاحت فرمائی ہے (تکملہ فتح الملہم ۱؍۳۵۰)۔

ادلۂ مذاہب اربعہ:

حضرت امام شافعی کی دلیل ذیل کی تین روایتیں ہیں:

۱۔ عن ابن عمر قال : ابتعت زيتا في السوق فلما استوجبته لقيني رجل فأعطاني به ربحاً حسنا ، فأردت أن أضرب على يده ، فأخذ رجل من خلفي بذراعي ، فالتفت ، فإذا زيد بن ثابت ، فقال : لا تبعه حيث ابتعته ، حتى تحوزه إلى رحلك ، فإن رسول الله ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تباع ، حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (فقد عمم هذا الحديث الحكم في سائر السلع).

۲. عن حكيم بن حزام قال : قلت : يا رسول الله ! إنى أبتاع هذه البيوع ، فما يحل لى منها وما يحرم عليّ؟ قال : يا ابن أخى لا تبيعن شيئاً حتى تقبضه، وفى رواية ابان : إذا اشتريت بيعاً فلا تبعه حتى تقبضه.

۳.عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال : لا يحل سلف وبيع ، ولا شرطان فى بيع ، ولا ربح ما لم يضمن ، ولا بيع ما ليس عندک ، أخرجه الترمذى فى باب كراهية بيع ما ليس عنده ، وقال هذا حديث حسن .

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے بازار میں زیت خریدی اور جب مکمل طور پر میں اس کا مستحق ہوگیا تو ایک شخص سے ہماری ملاقات ہوگئی جو مجھ سے زیادتی منافع کے ساتھ اس کی قیمت دے کر لینا چاہا، اور میں نے بھی ارادہ کرلیا کہ اس کے ہاتھ ہی فروخت کردوں، اسی اثناء میں جانب خلف سے ایک شخص نے میرے بازو پکڑ لئے، میں نے جو دیکھا تو وہ حضرت زید بن ثابت تھے، انہوں نے فرمایا جس چیز کی تم نے جہاں خرید کی ہے وہاں فروخت نہ کرو تا آنکہ وہ تیری ملکیت میں نہ آجائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ جہاں تم سامان خریدو وہیں بیچو، مگر یہ کہ وہ تیرے پاس منتقل ہوجائے اور تیری ملکیت میں آجاوے۔

اس حدیث شریف سے استدلال اس طور پر ہے کہ یہ حدیث شریف تمام اشیاء وسامان کو عام اور شامل ہے، طعام پر انحصار نہیں، لہذا تمام اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہ ہوگی، خواہ وہ شئ عقار اور غیر منقولی ہو یا غیر عقار اور منقولی ہو۔

(۲) حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں اس طرح سے خرید وفروخت کرتا ہوں، سو اس میں کونسی صورت حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: او میرے بھتیجے! کسی بھی شئ کی بیع قبل القبض نہ کیا کرو، اور حضرت ابان کی روایت میں ہے کہ جب تو کسی چیز کو خریدے تو قبل القبض اس کی بیع نہ کرو۔

اس حدیث شریف میں بھی قبل القبض کی ممانعت تمام ہی اشیاء کو شامل ہے، جیسا کہ حدیث کا ظاہر کسی سے مخفی نہیں ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: کوئی بیع اور سلف حلال نہیں، اور نہ ہی بیع میں دو شرطیں، اور نہ ہی ایسا منافع جائز ہے جس کا ضمان نہ ہوا ہو، اور نہ ہی ایسی شئ کی بیع جو تیرے پاس نہ ہو، ترمذی کی روایت میں بیع کی کراہت کے باب میں یہ ہے کہ ایسی چیزوں کی بیع درست نہیں جو اس کے پاس نہ ہو۔

اس حدیث شریف سے استدلال اس طور پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ''ربح مالم یضمن'' سے منع فرمایا ہے، اور بیع قبل القبض ''ربح مالم یضمن'' کو شامل ہے، کیونکہ مبیع مشتری کے ضمان میں بعد القبض ہی ہوسکتا ہے، لیکن اگر منافع کے ساتھ قبل القبض فروخت کردیا تو یہ ''ربح مالم یضمن'' ہوجائے گا یعنی ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا

ضامن نہ ہوا ہو، اور یہ علت قبل القبض کی صورت میں ہر ایک کو عام ہے خواہ طعام ہو یا غیر طعام ہو، لہذا منقولی اشیاء ہو یا غیر منقولی اشیاء، بیع قبل القبض کسی حال میں درست نہیں (تکملہ فتح الملہم :۱/۲۵۲،۲۵۳)۔

حنفیہ کے دلائل:

حضرات احناف کے دلائل بعینہ وہی ہیں جو حضرات شوافع کے ہیں، الا یہ کہ حضرات احناف نے عقار کو نہی کے عموم سے مستثنی کیا ہے، کیونکہ نہی کی علت عقار میں منتفی ہے، کیونکہ متذکرہ تین حدیثوں میں اخیر حدیث جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ مبیع کے بیچنے کی ممانعت قبل القبض "ربح مالم یضمن" (یعنی ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) کو مستلزم ہے (جو علت نہی ہے) اور انسان پر ہلاکت کی صورت میں ضمان ایسی چیزوں ہی میں تو ہو سکتا ہے جس کے بارے میں ہلاکت کا خطرہ ہو، اور عقار اور اراضی وغیرہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، لیکن اگر کوئی عقار کی قسم ایسی نکل گئی جو خطرہ کے دہانے پر ہے، جیسے سمندر کے کنارے جس کے کٹ کر سمندر میں مل جانے کا خطرہ ہے، تو اس صورت میں پھر یہ عقار جو اس صفت مذکورہ کے ساتھ ہو قبل القبض جائز نہیں ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۳ بحوالہ فتح القدیر ۵/۲۶۶)۔

مالکیہ کی دلیل:

حضرت امام مالک کی دلیل وہ حدیث شریف ہے جس میں بیع ناپنے سے قبل کی ممانعت ہے، اور وہ حدیث شریف یہ ہے: من اشترى طعاما فلا يبعه حتى يكتاله (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۷، کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۲/۳۳۵)۔

حنابلہ کی دلیل:

حضرات حنابلہ نے اپنی دلیل میں حدیث باب کو پیش کیا ہے جو اولاً مذکور ہوئی اس طور پر کہ اس میں نہی مقصور علی الطعام ہے، آنحضرت کا طعام کی صراحت خود اس بات پر واضح دلیل ہے کہ غیر طعام خواہ منقولی ہو یا غیر منقولی بیع قبل القبض ہے۔

(تکملہ فتح الملہم ۱/۲۵۱، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۳۶)

۴، ۵۔ ان دونوں سوالوں کے جوابات نمبر ۳ کے تحت تفصیلاً مذکور ہو چکے ہیں اس لئے اعادہ کی حاجت نہیں۔

۶۔ مذکورہ بیع کا طریقہ درست نہیں ہے، اور اگر چہ بائع بعد والے مشتری کیلئے بصورت ہلاکت اشیاء دوران راہ اپنی ضمانت کے بموجب اس کا بدل پیش کرتا ہے، لیکن ضمانت کو قبضہ حسی کے قائم مقام بوجہ قبضہ کی تعریف کے جو مذکور ہوئی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ راہ چلتے اشیاء یعنی مبیع کے ساتھ حادثہ کا پیش آ جانا یہ ایک اتفاقی امر ہے، جس کو قبضہ کے قائم مقام کسی صورت نہیں کیا جا سکتا، لہذا فیکٹری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ حسی نہ پائے جانے کی وجہ سے ضمان کو قبضہ حسی نہیں قرار دیا جائے گا (بعض لوگوں نے اس کو قبضہ حکمی قرار دے کر جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، سو راقم کا اس سے اتفاق نہیں ہے، جب کہ قبضہ حسی پایا جانا بہت حد تک ممکن ہے، ہاں اگر دشواری کی صورت ہے تو

گنجائش ہے) اور دوسرے شخص کے ہاتھ اس کی فروختگی کو ناجائز قرار دیا جائے گا، لیکن یہ بات حضرات شوافع اور احناف کے یہاں ہے، دوسرے مذاہب میں اس کی گنجائش ہے اور معاملات میں ناگوارشئ کو بھی گوارا کرلیا جاتا ہے اس لئے حضرات احناف کے یہاں بھی اس کی گنجائش ملتی ہے، لہذا اس وقت جب کہ اس کا خاصا رواج ہو چکا ہے، جائز قرار دینا چاہئے۔

۷۔ ظاہر ہے کہ بحث منقولی اشیاء سے ہے، لہذا اگر طعام کے قبیل سے ہے تو بالاتفاق ائمہ اربعہ میں سے کسی کے یہاں جائز نہیں ہے طعام کے علاوہ ہے لیکن منقولی ہی ہے، حضرات احناف وحضرات شوافع کے یہاں بالکل جائز نہیں ہے، کیونکہ علت نہی "ربح ما لم یضمن" پائی جارہی ہے، باقی دوسرے مذاہب میں اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ پوری پوری وضاحت نمبر۳ کے تحت آچکی ہے، اب جہاں تک موجودہ دور میں اس کا سلسلہ کچھ زیادہ ہی ہوتا جارہا ہے، ساتھ ساتھ مبیع کے بازار میں پہنچنے سے قبل ہی متعدد مشتریوں کے درمیان میں آجانے کی وجہ سے اشیاء میں گرانی حساب سے زیادہ ہو جاتی ہے۔

باوجود اس کے معاملات کے باب میں ناگوارشئ کو بھی گوار کرلیا جاتا ہے، اس لئے فتوی جائز کا ہونا چاہئے۔



قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا اقبال قاسمی، دربھنگہ

ا۔ بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث:

اس سے متعلق احادیث دو قسم کی ہیں: ا۔ مقید، ۲۔ مطلق

ا۔ مقید یہ وہ احادیث ہیں جن میں غلہ کی بیع کا قبضہ سے پہلے عدم جواز مذکور ہے، اور اس قسم کی احادیث کے راوی چھ صحابہ ہیں، حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، جابر بن عبداللہ اور حکیم بن حزامؓ اور اتحاد مفہوم کے ساتھ سب راویوں کے الفاظ حدیث معمولی اختلاف کے ساتھ تقریباً یکساں ہیں، مفہوم یہ ہے کہ جو شخص غلہ خریدے اور اس کو قبضہ کرنے سے پہلے نہ بیچے، اور جو اس قسم کی خرید وفروخت عہد نبوی میں کرتے تھے ان کو حکم دیا جاتا تھا کہ جب تک غلہ کو خرید کر کسی دوسری جگہ اپنے مکان، یا خیمہ میں یا مارکیٹ سے باہر منتقل نہ کرلیں کسی دوسرے کو نہ بیچیں، وہ روایات یہ ہیں:

"من ابتاع أو اشترى طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه حتى يستوفيه، حتى يكتاله، حتى يستوفيه ويقبضه، أنهم كانوا يضربون على عهد رسول الله ﷺ إذا اشتروا طعاماً جزافاً أن يبيعوه في مكانه حتى يحولوه، حتى يؤووه إلى رحالهم، وفي رواية كنا في زمان رسول الله ﷺ نبتاع الطعام فيبعث علينا من يأمرنا بانتقاله من المكان الذى ابتعناه فيه إلى مكان سواه قبل أن نبيعه" (مسلم شریف: ۵/۲)۔

۲۔ مطلق: یہ وہ احادیث ہیں جن میں طعام (غلہ) کی کوئی قید نہیں ہے، بلکہ مطلقا سامان اور اشیاء کو قبضہ سے پہلے بیچنے کی ممانعت ہے اور اسی فہرست میں ان صحابہ کے اقوال بھی ہیں جو طعام والی روایت کے راوی ہونے کے باوجود نہی کو تمام اشیاء کیلئے عام خیال کرتے ہیں، اور طعام اور غیر طعام میں کوئی فرق نہیں تصور کرتے ہیں، وہ احادیث یہ ہیں:

ا۔ يقول زيد بن ثابت إن رسول الله ﷺ نهانا أن نبيع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم".

"زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں اس جگہ سامان کو فروخت کرنے سے منع فرمایا جہاں اس کو خریدا گیا ہے، جب تک تاجر اس کو اپنے مکان میں منتقل نہ کرے"۔

۲۔ "أن حكيم بن حزام قال أخذ النبى ﷺ بيدى فقال إذا ابتعت شيئاً فلا تبعه حتى تقبضه"

"حکیم بن حزام نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جب تو کسی چیز کو خریدے تو قبضہ سے پہلے اس کو مت فروخت کر"۔

۳۔ "عن يعلى بن حكيم بن حزام أن أباه سأل النبي ﷺ فقال: إني اشتريت بيوعاً فما يحل لي منها قال: إذا اشتريت بيعاً فلا تبعه حتى تقبضه"۔

"یعلی حضرت حزام سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ میں چند چیزیں خریدتا ہوں تو میرے لئے اس کو کس طرح بیچنا جائز ہے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب تو کسی چیز کو خریدے تو اس کو قبضہ سے پہلے مت بیچ"۔

۴۔ "عن ابن عباس قال: أما الذي نهى عنه رسول الله ﷺ فبيع الطعام أن يستوفى قال ابن عباس: برأيه وأحسب كل شيء مثله" (شرح معانی الآثار: ۲/۲۰۱۔۲۰۲)۔

"حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول نے جس چیز سے منع فرمایا ہے وہ غلہ کو قبضہ سے پہلے بیچنا ہے اور خود میرا خیال یہ ہے کہ ہر چیز غلہ ہی کی طرح ہے"۔

یہ وہ روایتیں ہیں جن میں طعام کی قید مذکور نہیں ہے، اور طعام غیر طعام میں کوئی فرق بیان نہیں کیا ہے"۔

ائمہ کے مذاہب اور ان کے دلائل:

بیع قبل القبض کی بابت بنیادی طور پر ائمہ کے تین اقوال ہیں۔

۱۔ کھانے پینے والی چیزوں میں قبضہ سے پہلے بیع جائز نہیں اور بقیہ چیزوں میں بیع جائز ہے، یہ حضرت امام مالکؒ اور اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے۔

۲۔ مطلقاً ناجائز ہے، چاہے منقولی اشیاء ہو، یا غیر منقولی، مثلاً کیلی، وزنی چیزیں، یا جائداد مکان وغیرہ، یہ امام شافعی، محمد اور زفر کا مذہب ہے۔

۳۔ منقولی اشیاء، مثلاً غلہ، لوہا، پیتل، سونا، چاندی، کپڑا، خواہ مطعومات ہوں، یا غیر مطعومات ان میں ناجائز اور غیر منقولی اشیاء مثلاً زمین جائداد مکان وغیرہ میں جائز، یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا مختار مسلک ہے۔

ان میں سے ہر ایک کے دلائل بالترتیب یہ ہیں:

پہلی دلیل:

حضرت امام مالکؒ کی دلیل پہلی قسم کی احادیث ہیں، جن میں طعام کی قید لگی ہوئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر غیر طعام کی بیع قبضہ سے پہلے ناجائز ہوتی تو پھر اللہ کے رسول ﷺ طعام کی تخصیص نہ فرماتے گویا ان کے نزدیک یہ احادیث معلول بالعلۃ نہیں ہیں اور بیع کے ناجائز ہونے کا حکم امر تعبدی ہے جس پر دوسری چیز کو قیاس کرنا درست نہیں، یا معلول بالعلۃ القاصرہ ہیں، جو امر تعبدی کے حکم میں ہوتا ہے۔

دوسری دلیل:

حضرت امام شافعی، امام محمد اور امام زفرؒ کی پہلی دلیل دوسری قسم کی احادیث ہے جس میں طعام کی کوئی تخصیص نہیں ہے، اور وہ طعام اور غیر طعام سب کو شامل ہے، چاہے وہ ان چیزوں میں سے ہو جن کو منتقل کیا جاسکے، یا نہ کیا جاسکے، جیسے زمین، جائداد، وغیرہ، دوسری دلیل یہ کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن جابرؓ طعام والی روایتوں کے راوی ہیں اس کے باوجود ان کے نزدیک طعام اور غیر طعام دونوں کا حکم ایک ہے اور صحابہ حدیث کے منشاء اور مفہوم کو زیادہ سمجھتے ہیں، ''نیل الاوطار'' میں یہ عبارت ہے:

الصحابة أعرف بمقاصد الرسول (نیل الاوطار:۱۶۰/۵)۔

''صحابہ منشاء نبوی کو زیادہ پہچانتے ہیں''۔

باقی احادیث میں طعام کی قید تمثیلاً ہے تخصیصاً نہیں، اور نصوص میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ مقید ذکر کیا جاتا ہے اور مراد مطلق ہوتا ہے، قرآن پاک میں ''سورہ مائدہ'' میں اللہ نے محرم کو حالت احرام میں عمداً شکار کو قتل کرنے سے منع کیا ہے، اور جو آدمی عمداً ایسا کرے اس کی سزا یہ بیان کی ہے کہ اسی جیسا جانور، یا پرندہ لاکر دینا ہے، ارشاد باری ہے۔ '' ومن قتلہ منکم متعمداً جزاء مثل ما قتل الخ ، حالانکہ بحالت احرام خطاً قتل کرنے کا بھی بالاتفاق یہی حکم ہے اور عمد کا ذکر خطا کے منافی نہیں ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں:

''أن ذكره العمد لا ينفي الخطأ فكذلك ذكره الطعام في النهي عن بيعه قبل القبض لا ينفي غير الطعام (شرح معانی الآثار:۲۰۲/۲)۔

تیسری دلیل:

شبہ ربا کا تحقق ہے، کیونکہ جب مشتری نے خریدی ہوئی چیز کو قبضہ سے پہلے بیچ دیا تو یہ بالکل روپے کو روپے کے بدلے بیچنے کے مشابہ ہوگیا، مثلاً زید نے ایک سامان کو ایک سو دینار میں خرید کر روپے بائع کے حوالہ کردیا اور ابھی تک زید نے اس سامان پر قبضہ بھی نہیں کیا تھا کہ اتنے میں وہ سامان ایک سو بیس میں کسی دوسرے شخص کو بیچ ڈالا تو یہ بالکل ایک سو دینار کو ایک سو بیس دینار کے بدلے بیچنے کے مشابہ ہے، اور یہ علت طعام اور غیر طعام سب میں جاری ہوتی ہے، لہذا حکم بھی عام ہوگا، اور یہ علت خود حضرت ابن عباس نے حضرت طاؤس سے بیان کی تھی، اور صاحب ''نیل الاوطار'' نے اس علت کو بہت ہی عمدہ کہا ہے۔

'' عن ابن عباس أن طاؤساً سأله عن سبب النهي فأجابه بأنها إذا باع المشتري المبيع قبل قبضه وتأخر المبيع في يد البائع صار كأنه باعه دراهم بدراهم فإذا اشترى طعاماً بمائة دينار مثلاً دفعها إلى البائع ولم يقبض ومنه الطعام ثم باع الطعام من شخص آخر بمائة وعشرين مثلاً صار كأنه اشترى بذهبه ذهبا أكثر منه أي اشتراه بمائة وعشرين .... وهو التعليل أجود ما علل به النهي لأن الصحابة أعرف بمقاصد الرسول ''(نیل الاوطار:۱۶۰/۵)۔

چوتھی دلیل:

وہ ہے جس کو امام طحاویؒ نے بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ طعام کی بیع قبضہ سے پہلے ناجائز ہونے کی علت ''ربح مالم یضمن'' ہے اور جب قبضہ کرلیا تو اس کے ضمان میں آ گیا، لہذا اب نفع حاصل کرنا درست ہوگا اور اس کی خرید وفروخت کا مکمل اختیار ہوگا اور یہ علت بعینہ دوسری چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے، کیونکہ کسی بھی خریدی ہوئی چیز کو قبضہ سے پہلے بیچ کر نفع حاصل کرنا مال غیر مضمون سے نفع حاصل کرنا ہے اور اللہ کے رسول نے ''ربح مالم یضمن'' (ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) سے منع کیا ہے اور اس میں طعام اور غیر طعام سب داخل ہیں اور ضامن بننے سے پہلے کسی بھی شخص کیلئے نفع اٹھانا درست نہیں، لہذا وہ تمام خریدی ہوئی چیزیں جس کا نفع خریدار کیلئے مباح ہو اس کو بیچنا بھی مباح ہوگا اور جن کا نفع جائز نہ ہو ان کو بیچنا بھی خریدار کیلئے جائز نہ ہوگا، امام طحاوی کے الفاظ یہ ہیں:

" وفي ذلك حجة أخرى وذلك أن المعنى الذي حرم به على المشتري الطعام بيعه قبل قبضه هو أن لا يطيب له ربح ما في ضمان غيره فإذا قبضه صار في ضمانه فطاب له ربحه فجاز أن يبيعه متى أحب والعروض البيعة هذا المعنى بعينه موجود منها " (شرح معانی الآثار: ۲/۲۰۲)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام یوسفؒ کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ پہلی دلیل آیت باری تعالیٰ: ''أحل الله البيع'' جو مطلقاً بغیر قبضہ کی قید کے جواز بیع پر دلالت کرتا ہے لیکن خبر آحاد کی بناء پر منقولی اشیاء میں تخصیص کرلی گئی ہے، اور غیر منقولی اشیاء میں آیت کے عموم کے تحت بیع قبل القبض جائز رہی۔

۲۔ دوسری دلیل: دوسری قسم کی احادیث ہیں جن میں طعام کی قید نہیں ہے، اور اس ممانعت کی علت صرف ''ربح مالم یضمن'' نہیں بلکہ ''ربح مالم یضمن'' اور ''غرر'' کا مجموعہ ہے، ''ربح مالم یضمن'' کی تفصیل گذر چکی ہے اور ''غرر'' کی شرعی تعریف یہ ہے کہ ''غرر'' وہ چیز ہے جس کا انجام معلوم نہ ہو اور اس کے بارے میں یقین کے ساتھ نہ بتایا جا سکتا ہو کہ وہ چیز وجود میں آسکے گی، یا نہیں، بلکہ وجود اور عدم دونوں کا اندیشہ ہو مولانا عبدالحئی صاحب لکھتے ہیں:

" الغرر ما طوى عنك علمه، وفي المبسوط الغرر ما يكون مستور العاقبة وفي المغرب الخطر الذي لا يدري ما يكون أم لا " (حاشیہ ہدایہ: ۳/۴۴)۔

اور قبل القبض بیع کرنے میں غرر یہ ہے کہ بائع اول نے تو یقینی طور پر اپنے سامان کو بیچا ہے، چاہے خریدار کے قبضہ کے بعد بیع تام ہو جائے، یا قبضہ سے پہلے مبیع ہلاک ہو کر بیع فسخ ہو جائے اور بائع کی ملکیت لوٹ آئے، لیکن خریدار اگر قبضہ سے پہلے کسی دوسرے شخص کو بیچتا ہے تو یہ اندیشہ اور خطرہ ہے کہ وہ اپنی مملوکہ چیز کو بیچ رہا ہے، یا دوسرے کی مملوکہ چیز کو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بائع اول کے پاس وہ چیز ہلاک ہو جائے اور اس کا قبضہ نہ ہو سکے، اس صورت میں بیع فسخ ہونے کی وجہ سے وہ بائع کے سامان کو بیچنے والا ہو جائے گا، اور دوسرے کے مملوکہ چیز کو بلا وکالت اور بلا اصالت بیچنا جائز نہیں، اور

جس بیع میں ایسا خطرہ اور اندیشہ لگا ہوا ہو اس کی بیع جائز نہیں اور قبضہ کرنے کے بعد یہ اندیشہ نہیں ہے، حدیث میں ہے:

نهى رسول الله ﷺ عن بيوع الغرر (ترمذی شریف: ۲۳۲/۱)۔

صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

ومن اشترى شيئاً مما ينقل و يحول لم يجز بيعه حتى يقبضه لأنه نهى عن بيع ما لم يقبض ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاک "(ہدایہ: ۵۸/۳)۔

چونکہ علت مذکورہ ان ہی چیزوں میں متحقق ہوگی جن کا ہلاک ہونا کثیر الوقوع ہے، جیسے منقولی اشیاء، لہٰذا اس میں قبضہ سے پہلے بیع ناجائز ہوگی اور جن چیزوں کی ہلاکت نادر الوقوع ہے، جیسے غیر منقولی اشیاء زمین، جائداد وغیرہ، تو علت مذکورہ کے پائے جانے کی وجہ سے اس کی بیع جائز ہوگی، جیسے زمین، یا مکان دریا سے قریب ہو اور اندیشہ ہو کہ کہیں وہ زمین دریا بن جائے، یا ریت نہ بھر جائے جس کی وجہ سے قابل انتفاع نہ رہے، ہدایہ میں ہے:

" ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف ..... ولا غرر فيه لأن الهلاک في العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملاً بدلائل الجواز ، وفي الحاشية قوله نادر حتى قال بعض أصحابنا في موضع لا يؤمن عليه ذلک لا يجوز عنده كذا في المنقول (ہدایہ: ۵۸/۳)۔

اور جب علت نہی غرر انفساخ عقد ہے تو جہاں کہیں یہ علت پائی جائے گی وہاں قبضہ سے پہلے تصرف ناجائز ہوگا، جیسے بیع میں مبیع اور اجارہ میں اجرت اگر عین ہو تو اجرت میں تصرف کرنا قبضہ سے پہلے ناجائز ہے، اسی طرح اگر دین کی جانب سے عین پر صلح ہوا ہو تو بدل صلح میں قبضہ سے پہلے تصرف ناجائز ہوگا، کیونکہ مبیع، اجرت، اور بدل صلح پر قبضہ سے پہلے تصرف کرنے میں عقد کے فسخ ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر عوض کے ہلاک ہونے کی صورت میں عقد علی حالہ باقی رہتا ہے تو پھر اس میں تصرف کرنا قبضہ سے پہلے اس کو بیچنا، ہبہ کرنا، اجارہ پر دینا اور اس کے علاوہ ہر قسم کا تصرف جائز ہے، یہاں تک کے امام محمدؒ نے تصریح کی ہے کہ جو تصرف قبضہ کے بغیر تام نہیں ہوتا، جیسے ہبہ، صدقہ، رہن اور قرض وہ بھی جائز ہے اور جس کو ہبہ، صدقہ کیا گیا ہے اس کا قبضہ اولاً واہب اور مقرض کا نائب بن کر ہوگا، پھر ثانیاً وہ اپنے لئے قبضہ کرے گا، اسی کو علامہ شامی ''فتح القدیر'' کے حوالہ سے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

وقال في الفتح: الأصل أن كل عقد ينفسخ بهلاک العوض قبل القبض لم يجز التصرف في ذالک العوض قبل قبضه كالمبيع في البيع والأجرة إذا كانت عينا في الإجارة وبدل الصلح عن الدين إذا كان عينا لا يجوز بيع شئ من ذالک ولا أن يشرک فيه غيره، وأما لا ينفسخ بهلاک العوض فالتصرف فيه قبل القبض جائز كالمهر إذا كان عينا و بدل الخلع والعتق على مال وبدل الصلح عن دم العمد كل ذلک إذا كان عينا يجوز بيعه وهبته وإجارته قبل قبضه وسائر التصرفات "(ردالمحتار: ۱۸۱/۴)۔

۳۔ بیع قبل القبض کی احادیث معلول بالعلۃ ہیں:

فقہاء اصولیین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ نصوص شرعیہ عملیہ میں اصل تعلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے تمام ہی احکام شرعیہ فرعیہ کی بنیاد علتوں پر رکھی ہے، کسی بھی حکم کو بغیر علت کے بیکار مشروع نہیں کیا ہے، عبد الوہاب خلاف لکھتے ہیں:

'' أن الأحكام الشرعية العلمية جميعها إنما شرعت لمصالح الناس ولعلل بنيت عليها وما شرع حكم منها عبثاً لغير علة'' (اصول الفقہ للخلاف: ۶۲)۔

اب علت نہی کیا ہے؟ تو حضرت امام شافعیؒ، امام محمدؒ کے نزدیک مال غیر مضمون سے نفع حاصل کرنا ہے، اور امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال غیر مضمون پر نفع اور غرر انفساخ عقد کا مجموعہ ہے، جب کہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک طعام کی بیع کا حکم امر تعبدی ہے جس پر دوسری چیزوں کو قیاس کر کے عدم جواز بیع کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، علامہ انور شاہ کشمیری تحریر کرتے ہیں:

'' وأما الحديث ففيه ذكر الطعام فنقح فيه الشيخان المناط وقررا المناط أن يكون شيئاً منقولا وقصر الحجازيون الحكم على الطعام'' (العرف الشذی علی الترمذی: ۱/۲۴۳)۔

اور ہم صاحب ہدایہ اور امام طحاویؒ کے حوالہ سے نص کا معلول بالعلۃ ہونا ثابت کر چکے ہیں، لہذا اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

۴۔ بیع قبل القبض باطل ہے یا فاسد؟

قبل اس کے کہ ہم قبضہ سے پہلے بیع کو باطل، یا فاسد ثابت کریں، ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم دونوں کی شرعی تعریف اور حکم بیان کریں تا کہ دونوں کا فرق واضح ہو کر سامنے آجائے اور فاسد، یا باطل کا حکم لگانا ہمارے لئے سہل ہو جائے، چنانچہ مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی ''ہدایہ'' کے حاشیہ میں بہت جامع اور مختصر انداز میں تحریر فرماتے ہیں کہ بیع باطل وہ بیع ہے جو اصل اور وصف دونوں اعتبار سے ناجائز ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ ارکان عقد اور صلب عقد میں کوئی نقص اور خلل ہو، مثلاً ایجاب وقبول میں عدم موافقت، ثمن اور مبیع کا مال نہ ہونا، یا بیع کے بعد خریدار کے مالک نہ ہونے کی شرط وغیرہ، اس کا حکم یہ ہے کہ مشتری کی ملکیت خریدی ہوئی چیز پر ثابت نہیں ہوگی، خواہ وہ قبضہ کرے، یا نہ کرے، لہذا اگر مردار کے عوض غلام کو خرید کر آزاد کر دیا تو آزاد نہ ہوگا، اور بیع فاسد وہ بیع ہے جو اصل کے اعتبار سے مشروع ہو اور وصف کے اعتبار سے غیر مشروع اس کی علامت یہ ہے کہ نقص اور خلل ارکان بیع میں نہ ہو، مثلاً ایسے شرائط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں، اور ان سے بیع کی افادیت پر زد پڑتی ہو، یا عوضین کے لینے دینے میں بیجا شرط لگانا، اس کا حکم یہ ہے کہ مبیع پر جب مشتری قبضہ کرلے گا تو وہ مالک ہو جائے گا، اگر چہ اس قسم کے عقد کو فسخ کرنا بائع اور مشتری کے اختیار میں ہے اور فاسد میں مبیع پر قبضہ کر لینے سے چونکہ ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے اگر غلام کو شراب کے بدلے خرید کر آزاد کر دیا تو آزاد ہو جائے گا، مولانا عبدالحئی صاحب لکھتے ہیں:

"والباطل فلا يصح أصلاً ووصفاً ولا يفيد الملك بوجه ...... والفاسد ما يصح أصلاً ووصفاً وهو يفيد الملك عند اتصال القبض به ...... فكل ما أورث خللاً في ركنه فهو باطل وكل ما ليس كذلك بل أورث خللاً في غيره ...... فهو فاسد" (حاشیہ ہدایہ:۳/۳۳)۔

اس تفصیل کے بعد ہم اصل بحث کو شروع کرتے ہیں کہ قبضہ سے پہلے بیع فاسد ہے، یا باطل؟ ہم جواب دیں گے کہ اس بارے میں کتب فقہیہ میں دونوں طرح کی عبارتیں ملتی ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ باطل ہے، جیسا صاحب درمختار نے جوہرہ کے حوالہ سے لکھا ہے۔

"بخلاف بيعه قبله فإنه باطل مطلقاً، جوهرة" (درمختار:۴/۱۸۲)۔

جبکہ زیادہ تر عبارتوں سے اس کے فاسد ہونے کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ خود صاحب "درمختار" نے گذشتہ عبارتوں سے متصل "مواہب" کے حوالہ سے بیان کیا ہے:

"وفي المواهب وفسد بيع المنقول قبل قبضه (ایضاً)"۔

علامہ نوویؒ شرح مسلم میں "كانوا يضربون إذا باعوه" کے تحت لکھتے ہیں:

"هذا دليل على أن ولي الأمر يعزر من تعاطى بيعاً فاسداً" (شرح للنووی علی المسلم:۲/۵)۔

"عہد نبوی میں بیع قبل القبض پر پٹائی ہونا دلیل ہے اس پر کہ حکومت کے ذمہ داران بیع فاسد کرنے والوں کی تعزیر کر سکتے ہیں"۔

صاحب فتاوی ہندیہ بیع کی شرائط صحت کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومنها القبض في بيع المشتري المنقول وفي الدين فبيع الدين قبل قبضه فاسد كالمسلم فيه" (ہندیہ:۳/۳۔۔ردالمحتار:۴/۱۸۲)۔

"خریدار کیلئے منقولی اشیاء اور دین کو بیچنے کی ایک شرط قبضہ کرنا ہے، لہذا دین کو قبضہ سے پہلے بیچنا فاسد ہے، جیسا کہ مسلم فیہ کو بیچنا"۔

اور جن فقہاء نے لایصح کا لفظ استعمال کیا ہے وہ اگرچہ فساد اور بطلان دونوں کو جامع ہے لیکن فساد کا معنی مراد لینا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ فساد کی علت "غرر" ہے، جو خارجی شی ہے اور صلب عقد میں داخل نہیں ہے، اور بیع کے تمام ارکان، ایجاب وقبول متعاقدین کی اہلیت اور عوضین کی مالیت اس میں پائے جارہے ہیں، صرف ایک خارجی چیز قبضہ مفقود ہے اور جس بیع میں تمام ارکان موجود ہوں اور ان کے صلب میں کوئی نقص اور خلل نہ ہو، بلکہ نقص اگر کسی خارجی چیز میں ہو تو وہ بیع فاسد ہوتی ہے، باطل نہیں، لہذا اس کو باطل قرار دینا درست معلوم نہیں ہوتا، علامہ ابن عابدین شامیؒ صاحب "درمختار" کے قول "ونفي الصحة يحتمله" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"قوله ونفي الصحة .. أي الواقع في المتن يحتملهما أي يحتمل البطلان والفساد والظاهر الثاني لأن العلة الفساد الغرر مع وجود ركني البيع (ردالمحتار:۴/۱۸۲)۔

باقی جن لوگوں نے باطل کہا ہے تو ان کے کلام کو فاسد پر محمول کیا جا سکتا ہے، کیونکہ فساد اور بطلان ایک دوسرے کی جگہ پر بہت کثرت سے مستعمل ہوتے ہیں، صاحب ہدایہ نے فاسد کی تفسیر باطل سے کی ہے۔

" وبیع أم الولد والمدبر والمکاتب فاسد معناه باطل" (ہدایہ: ۳/۳۴)۔

اور" ردالمحتار" میں اس کی تصریح ہے:

" وکثیرا ما یطلق الباطل علی الفاسد" (ردالمحتار: ۴/۱۸۲)۔

۵۔ قبضہ کی حقیقت:

کسی چیز پر قبضہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہاتھ سے قبضہ کر کے بائع کے یہاں سے منتقل کرلیا جائے ، بلکہ قبضہ کی حقیقت تخلیہ اور تسلیم ہے کہ بائع مبیع کو اپنے مال سے اس طرح خالی کر کے الگ کر دے کہ خریدار جب چاہے اپنی مرضی سے بلا روک ٹوک اس پر تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، نیز مبیع کے ساتھ کسی دوسرے کا حق وابستہ نہ ہو جس کی وجہ سے وہ روک ٹوک کر سکے اور ہر چیز پر قبضہ اور قدرت تسلیم اس کے مناسب حال ہوا کرتی ہے اور اس کی کوئی ایسی تحدید نہیں کی جا سکتی ہے جو تمام چیزوں میں یکساں صادق آئے، چنانچہ مثلی، غیر مثلی، منقولی اور غیر منقولی ان سب پر قبضہ کی الگ الگ شکلیں ہیں، مثلاً بجلی کا کرنٹ اور میٹر، وغیرہ جو خریدار کے گھر میں لگایا جاتا ہے، یہ اس کے مناسب قبضہ اور تسلیم ہے اور مشتری کا زمین میں بیج ڈالنا، سینچائی کرنا، جوتنا، رجسٹری کرانا، یہ زمین کے مناسب قبضہ ہے، منقولی اشیاء کو اپنے برتن میں ڈالنا، بائع کے مکان سے منتقل کرالینا، اپنے وکیل کو سامان اٹھا لینے کا حکم دینا وغیرہ، یہ منقولی اشیاء پر قبضہ ہے، بدائع میں ہے:

" ولا یشترط القبض بالبراجم لأن معنی القبض هو التمکین والتخلی وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقیقة" (بدائع: ۵/۱۴۸)۔

" انگلی کے پوروں سے قبضہ کرنا شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کی حقیقت قدرت دینا، سامان کو خریدار کے سامنے چھوڑ دینا اور عرفاً، عادۃً حقیقۃً رکاوٹ اور موانع کا دور ہو جانا ہے۔"

ردالمحتار میں ہے:

" وحاصله أن التخلیة قبض حکما لو مع القدرة علیه بلا کلفة لکن یختلف بحسب حال المبیع" (ردالمحتار: ۴/۴۷)۔

" خلاصہ یہ ہے کہ تخلیہ حکماً قبضہ ہے اگر وہ اس پر بغیر مشقت کے قادر ہو لیکن وہ ہر خریدی ہوئی چیز کے مناسب حال مختلف ہوتا رہے گا"۔

قبضہ سے متعلق بعض اہم مسائل:

۱۔ اگر کسی دوکاندار سے کہا کہ یہ تیل کی شیشی میرے گھر بھیج دینا اس نے بھیج دیا، وہ شیشی راستہ میں گر کر ٹوٹ گئی تو یہ نقصان کس کا شمار ہوگا؟ اس بارے میں شیخ ابوبکر محمد بن فضل نے تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا

ہے کہ اگر خریدار نے کہا تھا کہ میرے غلام کے ہاتھ سے بھیج دینا اس نے ایسا ہی کیا تو یہ مشتری کا نقصان ہوا، اور اگر کہا تھا کہ اپنے غلام کے ہاتھ سے بھیج دینا اور اس نے اپنے غلام کے ہاتھ ہی سے بھیجا تو یہ نقصان دوکاندار کا ہوگا، کیونکہ مشتری کا غلام مشتری کے درجہ میں ہے اور بائع کا غلام بائع کے درجہ میں ہے (ہندیہ)

۲۔ خریدار نے دوکاندار سے ایک برتن دے کر کہا کہ اس میں اتنا تیل وزن کر کے اپنے غلام کے ہاتھ، یا میرے غلام کے ہاتھ سے بھیج دینا اس نے حکم کے مطابق تیل بھیج دیا، راستہ میں گر کر برتن ٹوٹ گیا تو یہ نقصان دوکاندار کا ہوا، ہاں اگر مشتری نے یہ کہا کہ میرے غلام کو، یا اپنے غلام کو دیدینا اور اس نے دیدیا تو ٹوٹ جانے کی صورت میں نقصان خریدار کا ہوا، کیونکہ یہ الفاظ وکالت کے ہم معنی ہیں، اور وکیل کو دیدینا مؤکل (خریدار) کو دینے کی طرح ہے (ہندیہ)۔

۳۔ خریدار نے بیچنے والے سے کہا یہ سامان میرے لڑکے کے پاس بھیج دینا بائع نے ایک آدمی کو مزدور رکھ کر اس کے لڑکے کے پاس بھیج دیا تو یہ قبضہ نہیں ہوا اور مزدور کی مزدوری بائع پر لازم ہوگی ہاں اگر یہ کہے کہ میرے لئے ایسے شخص کو مزدوری پر رکھ لینا جو اس کو لے جائے تو مزدور کا قبضہ خود خریدار کا قبضہ شمار ہوگا اگر خریدار تائید وتصدیق کردے کہ ہاں میں نے اس کو کرایہ پر رکھ کر سامان حوالہ کیا ہے اور اس صورت میں مزدوری خریدار کے ذمہ ہوگی (ہندیہ)۔

۴۔ ایک شخص نے گائے یا بکری خرید کر بیچنے والے سے کہا کہ اس جانور کو لے کر اپنے گھر چلے جانا میں بعد میں آکر اس کو اپنے گھر لے آؤں گا، بیچنے والا اس کو اپنے گھر لایا اور اس کی موت ہوگئی تو یہ نقصان بیچنے والے کا ہوا اور ایسی صورت میں اگر وہ جانور کو سپرد کردینے کا دعویدار ہو اور اس کے پاس گواہ نہ ہو تو خریدار کی بات معتبر ہوگی اور اس سے قسم لیا جائے گا (ہندیہ)۔

۵۔ ایک شخص نے بیچنے والے کے مکان پر بیمار جانور خرید کر کہا کہ رات بھر نہیں رہے گا اور تم مطمئن رہو کہ اس کو بیچ کر اگر جانور کی موت واقع ہوگئی تو میرا جانور مرے گا اس کے بعد وہ جانور مر گیا تو شرعی اعتبار سے بائع کا جانور مرا ہے مشتری کا نہیں (ہندیہ)

۶۔ ایک شخص نے کپڑا خریدا لیکن نہ قبضہ اور نہ روپے دیا اور کہا کہ مجھے آپ پر اعتماد نہیں کہیں آپ دوسرے کو نہ بیچ دیں اس لئے وہ کپڑا افلاں کو دیدیجئے میں آکر روپے دے دوں گا، بائع نے وہ کپڑا افلاں کو دیدیا اس کے پاس سے کپڑا ضائع ہوگیا تو وہ کپڑا بائع کا ضائع ہوا، کیونکہ جس شخص کو کپڑا دیا گیا ہے، وہ بائع کی خاطر ثمن کو وصول کرنے کیلئے کپڑے کو روکے ہوئے ہے اس لئے اس کا قبضہ خود بائع کا قبضہ شمار ہوگا (ہندیہ)۔

۷۔ بائع نے خریدی ہوئی چیز مشتری کے اہل وعیال کو دے دیا تو ان کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار نہ ہوگا اور ہلاک

ہونے کی صورت میں بیع فسخ ہوجائے گی (اور ثمن مشتری پر لازم نہ ہوگا) (ہندیہ)۔

۸۔ مشتری نے بائع کو مبیع پر قبضہ کرنے کا حکم دے دیا تو بائع کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار نہ ہوگا اسی طرح اگر خرید کر بائع ہی کو ودیعت، عاریت، اجارہ پر دے دیا تو اس کو مشتری کا قبضہ شمار نہیں کریں گے اور اجرت واجب نہیں ہوگی، یہ سب اہم مسائل عالمگیری میں ہیں (فتاوی ہندیہ: ۱۹/۳۔۲۰)۔

۹۔ ایک چیز کو خریدا لیکن قبضہ نہیں کیا، یہاں تک کہ بائع نے کسی اور شخص کو زیادہ روپے میں بیچ دیا اور مشتری نے اس کی اجازت دے دی تو یہ جائز نہیں، اس لئے کہ یہ قبضہ سے پہلے بیچا ہے (شامی ۱۸۲/۴)۔

۶۔ منقولی اور غیر منقولی اشیاء پر قبضہ کی نوعیت:

احناف کے نزدیک منقولی اور غیر منقولی اشیاء میں قبضہ کے اعتبار سے کوئی ایسا فرق نہیں ہے جس کو حد فاصل قرار دیا جائے، بنیادی چیز تخلیہ اور تسلیم ہے اور اس کی حقیقت کو بیان کرنا معتذر اور مشکل ہے اور ہر چیز کا قبضہ اس کے مناسب حال ہوگا اگر زمین ہو تو اس کا قبضہ زمین کو خالی کر دینا جوتنا، سینچائی کرنا بیج ڈالدینا، اس کے علاوہ ہر وہ تصور جس سے بائع کا قبضہ ختم ہوجائے اور اس زمانے میں رجسٹری کو اصل قبضہ کو تصور کیا جاتا ہے، اور رجسٹری کے بعد گرچہ مشتری نے کسی بھی قسم کا تصرف نہ کیا ہو اس کے قبضہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، حالانکہ شریعت اسلام میں رجسٹری کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لیکن عصر حاضر میں احتیاطاً رجسٹری ضرور کروالینی چاہئے، تاکہ بعد میں کسی بھی قسم کا بائع دعویدار نہ ہوسکے اور مفاسد کا سد باب ہوسکے، اور دوکان کا قبضہ یہ ہے کہ بائع اپنے سامان کو خالی کردے اور چابی مشتری کے حوالہ کردے، یا گھر روم خالی کردے اور چابی مشتری کے حوالہ کردے، یا وہ اپنا کوئی سامان رکھ دے، یا اس کی مرمت قلعی وغیرہ کرادے یہ اس کے مناسب قبضہ ہے، اور کیلی یا وزنی چیزوں کو کیل کرکے، یا وزن کرکے مشتری کے برتن میں ڈال دے، اس کے ہاتھ میں پکڑادے، یا وہاں سے منتقل کرالے، یہ کیلی وو زنی چیزوں کا قبضہ ہے، ایک غلام کو خرید کر کہا کہ میرے ساتھ چل وہ اس کے ساتھ چلا قبضہ ہوگیا، اسی طرح دوکاندار نے کپڑا اپھاڑ کردے دیا تو قبضہ ہوگیا ان سب مسائل میں بنیادی چیز بائع کا مشتری کو مکمل قدرت دے دینا ہے۔

البتہ حنابلہ کے نزدیک اگر مبیع دنانیر یا دراہم ہوں تو اس کا قبضہ ہاتھ سے لے لینے سے ہوگا اور کپڑے کو منتقل کرنے اور حیوان کو اپنی جگہ سے ہٹادینے اور چلادینے سے ہوجائے گا اور زمین وجائداد کا قبضہ ہر قسم کی رکاوٹ کو ختم کردینے سے ہوگا۔

۷۔ بیع قبل القبض کی بعض مروجہ شکلیں:

عصر حاضر میں قبضہ سے پہلے بیع عالمی تجارت کا ایک اہم عنصر بن گئی ہے، بلکہ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ اصل جگہ سے روانہ ہوکر منزل مقصود تک پہونچنے سے پہلے ہی مال کی باقاعدہ بیع در بیع ہوجاتی ہے اور درمیان کا ہر بائع اپنا نفع وصول کرلیتا ہے، اس بیع قبل القبض سے ممانعت فرمائی ہے، بیع قبل القبض کی مروجہ شکلوں میں وہ دو شکلیں بھی بہت عام اور کثیر الوقوع ہیں جو مرسلہ سوالوں میں درج ہیں اور ان کے جواب یہ ہیں: ۱۔ اگر ایک شخص کسی فیکٹری سے مال

خریدکر اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کردے اور معاملہ یہ طے پائے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر۲۔ کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں ہلاک ہوجائے تو اس نقصان کی ذمہ داری خریدار نمبر۱۔ پر آئے گی، تو اس صورت کے جواز کی شرعاً کوئی گنجائش نظر نہیں آتی ہے، اور یہ بیع فاسد ہوگی، لیکن جب خریدار نمبر۲۔ کے قبضہ میں آجائے گی تو شرعاً اس کی ملکیت متحقق ہوجائے گی، کیونکہ یہ معاملہ زیادہ سے زیادہ بیع فاسد کا ہے جس میں قبضہ کرنے کے بعد ملکیت آجاتی ہے، لیکن اگر خریدار نمبر۱۔ فیکٹری کے مالک سے یہ کہے کہ وہ مال کسی کو مزدور رکھ کر، یا مال بردار کمپنی کے ذریعہ ہمارے پاس بھیج دینا، چنانچہ مالک فیکٹری نے وہ مال کسی شخص کو مزدور رکھ کر اس کی، یا مال بردار کمپنی کی تحویل میں دیدیا اس کے بعد خریدار نمبر۱۔ خریدار نمبر۲۔ کو بیچ دیتا ہے تو یہ درست ہے، اور اس صورت میں مزدوری، یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض قرار دیں گے۔

"إذا قال المشترى للبائع ابعث إلى ابنى واستأجر البائع رجلا يحمله إلى ابنه فهذا ليس بقبض والأجر على البائع إلا أن يقول استأجر على من يحمله فقبض الأجير يكون قبض المشترى (ہندیہ:۳/۱۹)۔

۲۔ اگر مشتری نے مال خریدنے کے بعد بائع سے یہ کہا کہ میرا مال مال بردار جہاز کے ذریعہ بھیج دینا، اور کسی خاص جہاز کی تعیین بھی نہ کی اور جہاز خرچ اپنے ذمہ لیا اور بائع نے حکم کے مطابق جہاز پر مال چڑھا دیا تو ایسی صورت میں مال کی وصولی سے قبل اور مال بردار جہاز کمپنی کی تحویل میں آجانے کے بعد کسی تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کرنا اور اس کو ضامن بنانا شرعاً جائز اور درست ہے اور مال بردار جہاز کمپنی وکیل بالقبض ہوگی، جیسا کہ فتاوی ہندیہ کے حوالہ سے ابھی گذرا۔

۸۔ بیع قبل القبض کی جائز شکلیں:

مال پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں، لہذا وہ منافع بھی حلال نہیں، اس کی تصحیح کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ جہاں مال خریدا ہے وہاں کسی کو، یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنادے، اس کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے، جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

۲۔ مال پہنچنے سے قبل بیع نہ کرے بلکہ وعدۂ بیع کرلے بیع مال پہنچنے کے بعد کرے اس صورت میں جانبین میں سے کوئی انکار کردے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، مبیع پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ائمہ اربعہ میں سے امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مطعومات کے علاوہ باقی سبھی منقولات، غیر منقولات میں بیع قبل القبض جائز ہے اور اگر مطعومات کو بھی تول اور وزن کے بجائے اندازے سے بیچا جائے تو ان کی بیع بھی قبل القبض جائز ہے۔

" المالكية قالوا: يصح للمشترى أن يتصرف فى المبيع قبل قبضه بالبيع سواء كان المبيع أعيانا منقولة أو عيناً ثابتةً كالأرض والنخيل ونحوهما إلا الطعام كالقمح والفاكهة فإنه لا

یصح بیعہ قبل قبضہ إلا إذااشتراہ جزافاً بدون کیل أو وزن أو عد" (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۲/۲۳۵)۔

امام مالکؒ کے اس قول پر عمل کرنے سے بھی کافی حد تک معاملہ آسان ہوجاتا ہے، اور حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک بیع قبل القبض جائز ہے اور اس میں تخلیہ کی بھی ضرورت نہیں ہے، نفس ایجاب وقبول ہی کو وہ قبضہ کے درجہ میں رکھتے ہیں، چنانچہ فیض الباری میں ہے:

"إذا علمت هذا فاعلم أنه يعلم من تراجم البخاری أن القبض عنده لا يحتاج إلى التخلية ولا إلى النقل وإن تصرف المشتری يصح عنده قبل قبض المبيع" (فیض الباری ۳/۲۰۶)۔

فیصلہ کے وقت آج کے حالات کو سامنے رکھ کر حضرت امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کے مذہب کی طرف بھی نگاہ رہنی چاہئے، نیز یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ بیع قبل القبض چونکہ فاسد ہے اور فاسد پر قبضہ کرنے سے ملکیت متحقق ہوجاتی ہے، اس لئے خریدار نمبر۲۔ قبضہ کے بعد مالک ہوجائے گا اور اس کے بعد اس کیلئے ہر قسم کا تصرف درست رہے گا۔

واللہ تعالی اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا تنویر احمد قاسمی

۱۔ شرعاً قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اگر اشیائے مملوکہ میں ہے تو یہ بیع غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ''بیع فاسد'' میں داخل ہے۔ هو كل بيع فاته شرط من شرائط الصحة (بدائع ۲۹۹/۵، مطبع رشیدیہ پاکستان) لیکن اگر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اشیائے مملوکہ میں نہیں ہے تو اس وقت مبیع مال متقوم کے علاوہ مباح الاصل ہے، تو ایسی شکل میں شرائط انعقاد میں سے ''شرط محلیۃ'' مفقود ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہوگی، وأما البيع الباطل فهو كل بيع فاته شرط من شرائط الانعقاد من الأهلية والمحلية وغيرها (بدائع ۳۰۵/۴)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: (قوله لبطلان بيع المعدوم) إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجودا مالا متقوما مملوكا في نفسه وأن يكون ملك البائع فيما بيعه لنفسه (شامی ۱۰۵/۴ مطبوعہ بیروت)۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت:

قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع مشتری کو مبیع پر قابو دیدے اور مبیع پر قابو پانے کیلئے جو موانع من جانب البائع ہو سکتے ہوں اسے دور کر دیا جائے، گرفتگی کے سلسلہ میں یہ رفع موانع عرفاً اور عادۃً جس طریقہ سے متصور ہوں سبھی صورتوں میں قبضہ شرعی متحقق ہوگا، قبضہ کی حقیقت صرف قبضہ حسی ہی نہیں ہے، بلکہ مبیع اس طرح ہو کہ دوسرے کے حق میں مشغول نہ ہو، بلکہ وہ مبیع مفرز یعنی علاحدہ اور جدا ہو۔

ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي، وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً (بدائع ۱۴۸/۵) وقوله بلا مانع، بأن يكون مفرزا غير مشغول بحق غيره وفي الملتقط ولو باع داراً وسلمها إلى المشتري وله فيها متاع قليل أو كثير لايكون تسليما حتى يسلمها فارغة وكذا لو باع أرضا وفيها زرع (شامی ۴۳/۴)

۳۔ مبیع دو طرح کے ہوتے ہیں: اشیاء منقولہ، اور غیر منقولہ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قبضہ کی نوعیت اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں جدا جدا ہے یا ایک ہی ہے، اس سلسلہ میں باوجود تتبع وتلاش کے کوئی صریح نص فقہی پر واقفیت اور کامیابی نہیں مل سکی، تاہم علامہ شامی نے درمختار کی عبارت " ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع وحائل " کے تحت قبضہ کی حقیقت وماہیت کی وضاحت وصراحت میں اشیائے منقولہ وغیر منقولہ دونوں طرح کی مثال تحریر فرمائی ہیں، جس سے بطریقہ ظن غالب کہا جاسکتا ہے کہ قبضہ کی نوعیت منقولہ وغیر منقولہ دونوں میں یکساں ہیں، مثلاً:

مبیع پر قبضہ شرعی اس وقت ہوگا جبکہ وہ مبیع جدا اور علاحدہ اس طور پر ہو کہ دوسرے کا حق مشغول نہ ہو، بلکہ وہ مبیع دوسرے کے حق سے خالی وعاری ہو، لہٰذا اشیاء غیر منقولہ میں صاحب مکان، یا صاحب ارض مبیع دار یا مبیع ارض کو مشتری کے حوالہ اس طور پر کیا کہ اس مکان میں بائع کا یا کسی اور کا، کسی قسم کا نجی سامان (خواہ وہ قلیل ہو، یا کثیر) موجود اور رکھا ہوا ہے، یا اس زمین میں بائع کی فصل آباد اور لگی ہوئی ہے، تو اس طرح کی بیع غیر کے حق سے جدا نہ ہونے اور غیر کے حق میں مشغول ہونے کی وجہ سے اسے تسلیم مبیع اور قبضہ علی المبیع نہیں کہہ سکتے۔

(قوله بلا مانع) بأن يكون مفرز غير مشغول بحق غيره، وفي الملتقط ولو باع دارا و يسلمها إلى المشترى وله فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليما حتى يسلمها فارغة وكذا لو باع أرضا وفيها زرع (شامی ۴۳/۴)۔

ایسا ہی اشیاء منقولہ میں پرندہ یا گھوڑا وغیرہ، بائع نے اس طرح فروخت کیا کہ وہ مبیع بند دروازہ میں ہے، مشتری نے بائع کی طرف سے قبضہ کی اجازت مل جانے پر دروازہ کھولا، دروازہ کھولنے کے بعد بغیر دوسرے کی معونت کے اور بغیر کلفت وتکلیف، یعنی حیلہ کے مشتری بذات خود مبیع کو پکڑ سکتا ہے تو اس اجازت کو شرعی حیثیت سے قبضہ شرعی قرار دیا جائے گا، لیکن اگر دروازہ کھولنے کے بعد آسانی خود نہیں پکڑ سکتے، بلکہ حیلہ وتدبیر یا دوسرے شخص کی معونت پر گرفتگی موقوف ہو تو اس طرح کی اجازت کو قبضہ شرعی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ولو اشترى طيرا أو فرسا في بيت وأمره البائع بقبضه ففتح الباب فذهب إن أمكنه أخذه بلا عون كان قبضا وتمامه في البحر وحاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة (شامی ۴۳/۴)۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق جو احادیث وآثار صحابہ ہیں وہ معلول بالعلت ہیں، وہ علت ''غرر اور خطر'' ہے، کیونکہ مشتری کا قبل القبض فروختگی عین ممکن ہے کہ معقود علیہ کے تلف واتلاف کے موجب عقد اول فسخ ہو جائے اور وہ مبیع پر قبضہ دلانے سے عاجز رہ جائے، تو پھر مشتری کا یہ تصرف ''غرر اور خطر'' کے علاوہ چہ معنی دارد۔

صاحب ''فتح القدیر'' نے ہدایہ کی عبارت " قوله ولا يجوز بيع السمك في الماء " کے سلسلہ میں مختلف شکل یعنی سمک مملوک اور غیر مملوک قبل القبض اور اس کا حکم تحریر فرمانے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا قول نقل کر کے علت ''غرر اور خطر'' ہی کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وقال أبو يوسف في كتاب الخراج رخص في بيع السمك في الآجام أقوام فكان الصواب عندنا في قول من كره، حدثنا العلاء ابن المسيب بن رافع عن الحرث العكلي عن عمر بن الخطاب قال: لا تبايعوا السمك في الماء فإنه غرر، وأخرج مثله عن ابن مسعودؓ، ومعلوم أن الأجمة قد يؤخذ منها السمك باليد، والغرر الخطر، وغير المملوك على خطر ثبوت الملك وعدمه فلذا جعل من بيع الخطر (فتح القدیر ۶/۱۹، مکتبہ رشیدیہ پاکستان)۔

چنانچہ علامہ کاسانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(ومنها) القبض في بيع المشترى المنقول فلا يصح بيعه قبل القبض كما روى أن النبي عليه السلام نهى عن بيع مالم يقبض ، والنهي يوجب فساد المنهي ، ولأنه بيع فيه غرر الإنفساخ بهلاک المعقود عليه لأنه إذا هلک المعقود عليه قبل القبض يبطل البيع الأول فينفسخ الثاني لأنه بناه على الأول وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع فيه غرر ، وسواء باعه من غير بائعه أو من بائعه ، لأن النهي مطلق لا يوجب الفصل بين البيع من غير بائعه وبين البيع من بائعه وكذا معنى الغرر لا يفصل بينهما فلا يصح الثاني (بدائع ۱۸۰/۵)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عام نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ استثناءات اور تخصیصات بھی ہیں جس میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی صرف ''صحت'' کا حکم ہوگا، نہ کہ نفاذ بیع اور لزوم بیع کا۔

وہ اشیاء مستثنیٰ یہ ہیں: عقار یعنی اشیاء غیر منقولہ، مہر، بدل خلع، بدل عتق، بدل صلح عن دم العمد، میراث، عتق، تدبیر، استیلاء، وصیت۔

مشتری کا قبل القبض عقار فروخت کرنا امام شیخین کے نزدیک جائز اور صحیح ہے، جبکہ امام محمدؒ، زفرؒ اور امام شافعی علیہم الرحمۃ کے نزدیک ناجائز ہے، ائمہ ثلاثہ کی دلیل: ''روى أن النبي عليه الصلوة والسلام نهى عن بيع ما لم يقبض، وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع فيه غرر '' اور اس جیسی روایتیں ہیں۔

امام شیخین علیہما الرحمۃ کی دلیل: '' أحل الله البيع '' اور ''إذا قضيت الصلوة فانتشروا في الأرض'' وغیرہ جیسی آیتوں کی تعمیم ہے، جس تعمیم کو خبر واحد کے ذریعہ تخصیص وتقیید نہیں کر سکتے، یا خبر واحد اور آیتوں کے درمیان یوں تطبیق دی جائے کہ خبر واحد سے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کو اشیاء منقولہ پر، اور آیتوں کی تعمیم کو اشیاء غیر منقولہ پر حمل کر کے دفع تعارض کر لیا جائے۔

ان تمام باتوں کے باوجود امام شیخین علیہما الرحمۃ بھی مشتری کا قبل القبض عقار فروخت کرنا استحساناً یعنی قیاس خفی کی بنیاد پر جائز فرماتے ہیں، ورنہ قیاس جلی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح کی بیع کو یہ دونوں حضرات بھی ائمہ ثلاثہ کی طرح ناجائز کہتے ہیں، وجہ استحسان یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت بربنائے ''غرر'' ہے، وہ غرر یہ ہے کہ معقود علیہ کی ہلاکت کی وجہ سے انفساخ عقد کا احتمال ہے، اور یہ اشیاء منقولہ ہی میں متصور ہے، اسلئے اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے، اور جبکہ اشیاء غیر منقولہ میں اس قسم کا احتمال غرر متصور ہے ہی نہیں، فثبت أن بيع المشترى العقار قبل القبض جائز (بدائع ۱۸۱/۵)۔

ایسا عقد جو احتمال نقض وفساد رکھتا ہے یعنی اگر بائع نقض بیع کرے تو وہ معاملہ وعقد ٹوٹ سکتا ہے، خواہ یہ نقض و فساد اس وقت ہو جبکہ مشتری قبل القبض مبیع میں تصرف وغیرہ کرے، یا بعد القبض تصرف کرے، لیکن یہ قبضہ بدون اذن البائع ہو، تو اس قسم کے عقود میں مشتری کے تصرفات کے سلسلہ میں امام شیخین اور محمدؒ وزفرؒ وغیرہ کا باہم اختلاف ہوا ہے۔

لیکن وہ عقود اگر اس طرح کے ہیں کہ مشتری کی طرف سے کئے گئے تصرفات احتمال نقض رکھتے ہی نہیں، جیسے تصرف عتق، تدبیر، استیلاء وغیرہ، تو ایسی صورت میں بالاتفاق مشتری کے یہ تصرفات صحیح اور درست قرار پائیں گے، خواہ یہ تصرف قبل القبض ہو، یا بعد القبض بدون اذن البائع ہو، ہمارے اس دعوی کی دلیل علامہ شامیؒ کی یہ عبارت ہے:

(قوله صح بيع عقار) اى عندهما و قال محمدؒ لا يجوز .... الخ إلى أن قال . وكذا كل تصرف يقبل النقض إذا فعله المشترى قبل القبض أو بعده بغير إذن البائع فللبائع إبطاله بخلاف ما لا يقبل النقض كالعتق والتدبير والاستيلاء ، بحر (شامی ۱۶۲/۴، مطبوعہ بیروت)۔

ہر وہ عقد جو عوض کی ہلاکت کے سبب عقد ٹوٹ سکتا ہے، تو اس قسم کے عوض میں مالک کو قبضہ سے پہلے کسی قسم کے تصرف کا حق و جواز نہیں، لیکن تمام وہ عقود جو عوض کی ہلاکت سے نفس عقد باطل اور زائل نہیں ہو پاتا، تو اس قسم کے عوض میں قبل القبض مالک کو تصرف کا حق جواز حاصل ہے، بشرطیکہ ان عقود کا عوض متعین فی الخارج ہو، جیسے مہر، بدل خلع، عتق علی مال، بدل صلح عن دم العمد۔

ان دونوں شکلوں (ہلاکت عوض سے فسخ عقد اور عدم فسخ عقد) میں سے پہلی شکل میں قبضہ سے پہلے تصرف کی ممانعت اور دوسری شکل میں تصرف کی اجازت، ان سبھی امور میں امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمۃ متفق اور متحد ہیں، لیکن امام محمدؒ پہلی شکل میں صرف صدقہ، رہن، قرض، ان تصرفات کے جواز کے قائل ہیں جو تصرفات قبضہ کے بعد ہی تام اور مکمل ہوتے ہیں، جبکہ امام ابو یوسفؒ پہلی شکل میں مطلقاً بشمول تمام تصرفات کو حتی کے ہبہ کو بھی ناجائز ہی قرار دیتے ہیں، معلوم نہیں اس مقام پر دیگر ائمہ کرام کا کیا مسلک و مذہب ہے، ملاحظہ ہو شامی کی پوری تفصیلی عبارت:

قال في الفتح الأصل أن كل عقد ينفسخ بهلاک العوض قبل القبض لم يجز التصرف في ذلک العوض فالتصرف فيه قبل القبض جائز كالمهر وإذا كان عيناً يجوز بيعه و هبته و إجارته قبل قبضه وسائر التصرفات فى قول أبي يوسفؒ ثم قال محمدؒ كل تصرف لايتم إلا بالقبض كالهبة والصدقة والرهن والقرض فهو جائز قلت: وحيث مشى المصنفؒ على قول محمد كان ينبغى للشارح ذكر الأصل الثانى أيضا لأنه يظهر مما ذكرنا أن الأصل الأول غير خاص بقول أبى يوسف إلا أن الشق الأول منه وهو ما ينفسخ بهلاک العوض قبل القبض كالبيع والإجارة لا يجوز التصرف قبل القبض فى عوضه المعين عند أبى يوسف مطلقا وأجاز محمد فيه كل تصرف لا يتم إلا بالقبض كالهبة ونحوها لأن الهبة لما كانت لا تتم إلا بالقبض صار الموهوب له نائبا عن الواهب (شامی ۱۶۲/۴۔۱۶۳)۔

قبضہ سے پہلے ملک موروث میں وارث اور مال موصی بہ میں موصی لہ تصرفات کا مکمل اختیار رکھتا ہے اور اس کے تصرفات صحیح ہوں گے، بدائع میں ہے:

وكذلک الميراث يجوز التصرف فيه قبل القبض لأن معنى الغرر لا يتقرر فيه ولأن

الوارث خلف الميت في ملك الموروث وكذلك الموصى به بأن أوصى إلى إنسان بشئ ثم مات الموصي فللموصى له أن يتصرف قبل القبض لأن الوصية أخت الميراث ويجوز التصرف في الميراث قبل القبض فكذا في الموصى به(بدائع ۱۸۱/۵،مطبوعہ پاکستان)

۶۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے،لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر (۲) کو روانہ کر دیتا ہے،اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہونچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہوجائے تو اس نقصان کی ذمہ داری اسی شخص (خریدار) نمبر (۱) کا نقصان قرار پاتا ہے، یہ صورت معاملہ اگر چہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر حقیقی قبضہ نہیں ہوا،لیکن وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہونچنے سے پہلے اس کی ضمانت میں رہا،سوال یہ ہے کہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ حسی نہ پائے جانے کی وجہ سے دوسرے شخص کے ہاتھ اس فروختگی کو ناجائز قرار دیا جائے، یا ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جائے گا؟

سوال مذکور میں جب بائع نے مشتری سے مال فروخت کر دیا،اور بائع نے یا وکیل بائع یا ولی بائع نے براہ راست خرید شدہ مال کو مشتری آخر کے پاس بھیج دیا، یہ پتہ دے رہا ہے کہ بائع نے تمام موانع اور رکاوٹ کو دور کر دیا ہے ،جس کے نتیجہ میں مشتری خرید کردہ مال کو مشتری ثانی کے پاس بھیج رہا ہے، جو عین قبضہ پر دال ہے،مشتری اول کا مشتری ثانی کے پاس مال بھیج کر مبیع میں تصرف کرنا بعد القبض ہے نہ کہ قبل القبض ،جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر مال راستہ ہی میں ہلاک ہوجائے تو اس مال کا ضمان مشتری اول پر عائد ہوتا ہے،خرید وفروخت کے باب میں حسًا قبضہ لازم نہیں ہے، بلکہ دراصل وہی قبضہ معتبر ہے جسے عرف عام میں قبضہ کہا جاتا ہو،جس کی تشریح پیچھے گذر چکی ہے۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت میں جب یہی عرف وشرط ہو کہ جہاز پر مال چڑھانے کے بعد،وہ مال بائع کے قبضہ سے نکل کر مشتری کے قبضہ واحراز میں چلا آتا ہے،اگر وہ مال دریا میں غرق ہوجائے تو مال کا خسارہ صرف مشتری کو برداشت کرنا پڑتا ہے،اس کے باوجود جبکہ وہ مال سمندر میں ہے،مشتری اول اس مال کو مشتری ثانی کی معرفت فروخت کر دیتا ہے،اور یہ بھی طے ہوجاتا ہے کہ اگر مال ہلاک ہوجائے تو ضمان مشتری ثانی کو برداشت کرنا پڑے گا،تو یہ معاملہ مشتری اول کا مشتری ثانی سے کرنا فی نفسہ جائز ہے، کیونکہ مشتری اول کیلئے مبیع مقبوض ہے،لیکن ابھی اس مال پر مشتری ثانی کا قبضہ متحقق نہیں ہے،اسلئے ہلاکت کی صورت میں مال مذکور کا ضمان مشتری ثانی پر ہرگز عائد نہیں ہوگا۔

واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا شرعی حکم

مولانا خلیل احمد قاسمی
جودھپور، راجستھان

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے متعلق موصول شدہ سوالنامہ میں سات سوالات ہیں، ان کے جوابات اختصار کے ساتھ پیش کرنے سے پہلے چند اصولی تمہیدی سطور عرض ہیں، جن کی روشنی میں تمام سوالات کے جوابات انشاء اللہ آسان ہوں گے، فقہاء کرام کے یہاں کچھ اصول ایسے مسلمہ ہوتے ہیں، کہ جن میں کسی کا اختلاف نہیں ہوتا ہے، اسی لئے تعریفات کے لئے جو الفاظ ذکر کئے جاتے ہیں وہ بہت محدود ہوتے ہیں، یعنی نہ ان میں ایسی وسعت ہوتی ہے کہ غیر معرف بھی داخل ہوجاتے اور نہ ایسا اختصار ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے معرف کے کچھ افراد تعریف سے خارج ہوجاتے ہیں، البتہ کچھ جزئیات ایسے ہوتے ہیں جن میں حکم بیان کرتے وقت مسلمہ اصول کے الفاظ جو مقید ہوتے ہیں ان کی تشریح میں اختلاف ہونے کی وجہ سے کچھ اختلافات پیدا ہوتے ہیں، لیکن انہیں اختلاف میں ایک بات غور طلب ہے کہ کسی قید کی جب کہیں تشریح موجود ہوتی ہے تو وہ اکثر شرح عبارت، یا مسئلہ کے مقابلہ میں اصولاً زیادہ راجح قرار پائے گی یعنی وہ اختلاف جس میں استدلال قید مشرح سے کیا جائے وہ راجح ہوگا، اس قول پر جس میں استدلال قید غیر مشرح سے کیا جارہا ہو، یہ بات اس لئے تحریر کی گئی ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے مسئلہ پر قبضہ کی جو مسلمہ تعریف ہے، اس میں جو قیود لگائی گئی ہیں ان سے زیر بحث مسئلہ پر حکم کے اعتبار سے ضرور روشنی پڑے گی۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نفس بیع کے انعقاد میں قبضہ کی کیا حیثیت ہے، کیا قبضہ اگر نہ ہو تو بیع بھی منعقد نہ ہوگی، یا بیع تو منعقد ہوگی لیکن مشتری کو فسخ کا اختیار ہوگا؟

بدائع الصنائع کی عبارت سے یہ بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ بیع مطلق کے صحیح ہونے کیلئے قبضہ ضروری نہیں ہے، ”لأن التقابض فی البیع المطلق لیس بشرط لصحة العقد“ (۲۱۶/۵)۔

لیکن یہ مسئلہ الگ ہے کہ کسی شی کے بیع وشراء کا معاملہ ہوا، ابھی مشتری نے مبیع پر قبضہ نہیں کیا لیکن مشتری مبیع غیر مقبوض میں تصرف کرے یعنی کسی اور کے ہاتھ فروخت کرے تو کیا اس کیلئے یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی وضاحت سے پہلے قبضہ کی تعریف جو مسلم ہے اس کو بیان کرنا ضروری ہے اور اس میں جو قیود لگائی گئی ہیں ان سے پیش کردہ سوالات کے جوابات میں کافی مدد ملے گی، صاحب بدائع الصنائع نے نفس قبضہ کی تعریف یہ کی ہے: ولا یشترط القبض بالبراجم لأن معنی القبض هو التمکین والتخلی وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقیقة۔

یعنی حصول قبضہ کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ "یداً بید" یامکمل طور پر حسی گرفت ہو، جیسا کہ لفظ براجم سے سمجھا جارہا ہے، بلکہ مفہوم یہ ہے کہ بائع کا مشتری کے سامنے رکھ دینا یا، اپنی حفاظتی گرفت سے خارج کرنا کہ جس پر مشتری اپنا تصرف کرسکے، یعنی مشتری کی گرفت اس مبیع پر جس حیثیت سے ہو اسی حیثیت سے ان کا قبضہ عرفاً مانا جاتا ہو، اور عادۃً لوگوں میں مشتری کا قبضہ متصور ہو، البتہ یہ تصور حقیقۃً ہو نہ کہ مجازاً، یعنی لوگوں میں مثلاً عادۃً جس حیثیت سے قبضہ مانا جاتا ہو اسی حیثیت سے ہونا ضروری ہے، نہ تاویلاً، یا ارادہ وغیرہ، اور مشتری اس پر تصرف کرنے پر قادر ہو، نیز مشتری کے تصرفات میں کسی طرح کی بائع کی طرف سے رکاوٹ نہ ہو، اور مکمل تخلیہ ہو، مراد اس سے یہ ہے کہ بائع کا حق تصرف اس سے ختم ہوگیا ہو اور مشتری کی اس پر تمکین ہو چاہے یہ تمکین "من حیث الأخذ بالید" ہو، یا رفع حائل و موانع سے ہو، جو بھی عرف میں معتبر مانا جاتا ہو یہ حقیقۃً ہو، یا حکماً، درحقیقت بات یہ ہے کہ ایسے تخلیہ کو شرعاً قبضہ کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے کہ علامہ شامی نے شرائط التخلیۃ کو بیان کرتے ہوئے اس بات کی صراحت کی ہے، البتہ یہ مبیع کی حالت کے اعتبار سے مختلف بھی ہوتا ہے، عبارت یہ ہے:

وحاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع (۵۶۲/۴)۔

مگر تخلیہ کے اندر یہ بات ملحوظ ہونی چاہئے کہ مبیع اتنی قریب ہو کہ اس پر اگر قبضہ حقیقی کرنا چاہے تو کوئی دشواری پیش نہ آئے اور اگر فی الحال مبیع اتنی دوری پر ہو کہ اگر اس پر قبضہ حقیقی کرنا چاہے تو بہت مشکل ہو، یعنی قبضہ حقیقی دوری کی وجہ سے غیر متصور ہو، تو ایسی صورت میں تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا، چونکہ خانیہ کے حوالہ سے علامہ شامی نے یہ ذکر کیا ہے، جس کا ابھی ترجمہ ہوا عبارت یہ ہے:

وفي الخانية والصحيح ما ذكر في ظاهر الرواية لأنه إذا كان قريبا يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التخلية مقام القبض أما إذا كان بعيدا لا يتصور القبض في الحا ل فلا تقام التخلية مقام القبض (۵۶۳/۴)

لیکن علامہ شامی نے اس مذکورہ عبارت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

قلت: لكن نقل ابن المصنف في زواهر الجواهر عن بيو ع فتاوى قاري الهداية أنه متى مضى مدة يتمكن من الذهاب إليها والدخول فيها كان قابضا وإلا فلا قنية۔

یعنی اوپر کی عبارت میں یہ کہا گیا ہے کہ دوری اگر ایسی ہے کہ اس میں فی الحال قبضہ حقیقی غیر متصور ہے تو تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا، اس کی تشریح یہ کی ہے کہ دوری اگر ایسی ہے کہ وہاں تک رسائی ہوسکتی ہے، اس پر قدرت ممکن ہے تو ایسی دوری بھی تخلیہ کو قبضہ حقیقی کے قائم مقام ہونے سے نہیں روکے گی، اور قبضہ کا حاصل ہونا تخلیہ کے ذریعہ یہ تمام اموال کے اندر ہے، کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے:

ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال (بدائع

۲۴۴/۵)۔

اور قبضہ کی جو تعریف کی گئی ہے اور تفصیل گذر چکی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے حکم کو بیان فرمایا گیا ہے کہ قبضہ وہ تخلیہ ہی ہے، لہذا بائع اگر مال مبیع کو مخلی کر دے تو اسے مسلم یعنی سونپ دینے والا کہا جائے گا، اور مشتری کو قابض، یعنی قبضہ کرنے والا کہا جائے گا۔

فالتسليم والقبض عندنا سوا التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتري قابضا له (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)

اب بات یہ رہ جاتی ہے کہ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ کے اعتبار سے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں کوئی فرق ہے، یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں بات یہ ہے کہ اشیاء غیر منقولہ کے اندر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت درست ہے، یعنی زمین، جائداد، مکان، دوکان وغیرہ کی بیع ہونے کے بعد ہی بغیر کسی طرح کے قبضہ کے اس میں تصرف چاہے بیعاً ہو، یا ہبۃً ہو وغیرہ، درست ہے، اور یہ قول طرفین رحمہما اللہ کا ہے، اگر چہ اس میں امام محمدؒ کا اختلاف ہے لیکن فتوی طرفین کے قول پر ہے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بیع کا صدور اہل بیع، یعنی عاقل، بالغ ہونا اور محل یعنی مال مملوک میں ہوا ہے، اور اس میں کوئی غرر بھی نہیں ہے، اس لئے کہ زمین وغیرہ کی ہلاکت بہت نادر ہوتی ہے، البتہ اشیاء منقولہ کا حکم اس سے جداگانہ ہے،

اور قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت والی حدیث معلول بالعلۃ ہے، یعنی غرر کی وجہ سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، لہذا جہاں غرر کا امکان ہے وہاں یہ ممانعت ہوگی، اور جہاں غرر نہیں ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے، اور زمین میں غرر نہیں ہے اگر ہے بھی تو نادر ہے، اور نوادر عام حکم کا مدار نہیں ہوتے ہیں۔

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسفؒ وقال محمد لا يجوز رجوعاً إلى إطلاق الحديث واعتباراً بالمنقول، ولهما أن ركن البيع صدر من أهله في محله ولا غرر فيه لأن الهلاک في العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنهي عنه غرر إنفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز (ہدایہ ۵۹/۳)۔

البتہ اشیاء منقولہ کے اندر مبیع پر قبضہ کا ہونا جواز بیع کیلئے ضروری ہے، اور یہ حکم بالاجماع ہے۔

ولا يجوز التصرف في المبيع المنقول قبل القبض بالإجماع (بدائع الصنائع ۲۳۴/۵)۔

لہذا قبضہ کی جو تفصیل اوپر گذری ہے اگر اس کے مطابق قبضہ نہ ہو تو ایسی صورت میں مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع کرنا جائز نہیں ہے اور یہ عدم جواز کا تعلق نہ بیع باطل سے ہے اور نہ فاسد سے، البتہ اس کا تعلق کراہت سے ہے، چونکہ احتمال غرر کا ہے اور ایسا احتمال جہاں ہوتا ہے وہاں کراہت کا اطلاق ہوگا نہ کہ فساد کا، اس لئے کہ فساد کا تعلق عموماً قطعیت کے ساتھ ہوتا ہے لیکن احتمال ناشی عن دلیل ہے تو اس کا بھی شمار فساد میں ہوتا ہے۔

خلاصہ:

مذکورہ بالاتحریرات وعبارات کی روشنی میں نمبروار سوالات کے اختصار کے ساتھ جوابات عرض ہیں:

۱۔ اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں اوراس کا شمار بیع مکروہ میں ہے۔

۲۔ جس عرف میں قبضہ کا جو بھی تصور متصور ہے وہی قبضہ شرعاً بھی معتبر ہے۔

۳۔ فرق ہے مختصراً یہ کہ اشیاء منقولہ میں تخلیہ عرفی کا اعتبار ہے۔

۴۔ احادیث النہی عن القبضہ سے پہلے خرید وفروخت معلول بالعلۃ ہیں اور علت نہی احتمال غرر ہے۔

۵۔ تخصیصات ہیں، آراء ائمہ مذکورہ بالاتحریر میں ہیں۔

۶۔ جائز قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ دلیل ضمان علامت قبضہ ہے۔

۷۔ مشتری جب فروخت کرنے سے پہلے ضامن تھا بعد میں البتہ نہیں رہا تو یہ صورت شرعاً جائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا محمد اختر قاسمی

۱۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے، حدیث میں اس کی ممانعت موجود ہے، لقولہ علیہ السلام: نهى عن بيع ما لم يقبض، خرید شدہ مال پر قبضہ حاصل کرنے سے پہلے اس کا سودا کرنا بحیثیت مالکانہ بیع فاسد ہے، اصول فقہ کے مشہور ضابطہ کے تحت اس کا شمار بیع فاسد میں ہونا چاہئے، ضابطہ یہ ہے کہ نہی افعال شرعیہ میں قبیح لغیرہ وصفی پر محمول ہوتی ہے، اور تمام بیوع فاسدہ اور اموال ربویہ وغیرہ پر یہی حکم لگتا ہے۔

۲۔ اسلامی شریعت میں قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، قبضہ ہر شی کا اس کے مناسب حال ہوتا ہے، قبضہ کبھی قانونا ہوتا ہے، کبھی حسی معتبر ہوتا ہے اور کبھی حکمی، یعنی جب وہ چیز ضمان میں آجائے تو اس کو آگے فروخت کرنا جائز ہوجائے گا۔

۳۔ منقولات میں سے جو چیز خریدے، جب تک وہ اپنے قبضہ میں نہ آجائے (یعنی اپنے تصرف میں) مالکانہ تصرف جائز نہیں، ہاں جب ضمان وتصرف میں آجائے تو اب مالکانہ تصرف کا حق حاصل ہوگیا، جیسے چاہے کرے، اور اشیاء غیر منقولہ میں کاغذی کارروائی مکمل ہوجانے کے بعد ہی حق تصرف حاصل ہوتا ہے، پس حسی قبضہ کرنے سے پہلے بھی تصرف کرنا جائز ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلت ہیں" لقوله عليه السلام: نهى عن بيع الغرر الخ. لأن فيه غرر انفساخ العقد" غرر اور ہلاکت مبیع کے اندیشہ پر ممانعت ہے۔

۵۔ كل عوض ملك بعقد ينفسخ بهلاكه قبل قبضه فالتصرف فيه غير جائز فما لا فجائز.. (البحر الرائق ۶ر۱۲۷) امام مالک کے نزدیک بیع اور غیر بیع میں تصرف کرنا قبضہ سے پہلے جائز ہے، امام مالک کے نزدیک طعام کا استثناء ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک ہبہ اور صدقہ میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے اور ائمہ حنفیہ کے نزدیک منقولات میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں، شیخین کے نزدیک زمین کی بیع حسی قبضہ سے پہلے بھی جائز ہے، کیونکہ زمین کی ہلاکت نادر ہے۔

۶۔ ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جائے گا۔

۷۔ بائع کی ذمہ داری عرف میں جہاں تک ہے وہاں تک مبیع بائع کے ضمان میں متصور ہوگی، اور وہی ہلاکت پر ضامن ہوگا، اور جب اس کے عرفی ضمان وذمہ داری سے نکل جائے گی تو مشتری کا ضمان شروع ہوگا، اب اگر وہ سامان ضائع وہلاک ہوتا ہے تو مشتری ضامن ہوگا، یہی حال مشتری ثانی وثالث وغیرہ کا ہوگا۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اور چند جدید مسائل

مولانا احمد نادر القاسمی

بیع قبل القبض جائز ہے یا ناجائز؟

بیع وشراء کی صحت اور عدم صحت کا مدار اصل میں قبضہ پر ہے، اسی لئے اسلامی شریعت نے قبضہ کو غیر معمولی نگاہ سے دیکھا ہے، ظاہری بات ہے کہ جو چیز انسان کے قبضہ وقدرت میں نہیں اسے فروخت کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے، خواہ اشیاء منقولہ ہوں، یا غیر منقولہ، فرق اتنا ہے کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ حسی ضروری ہے اور غیر منقولہ میں قبضہ حسی ضروری نہیں ہے، بلکہ عام لوگ جس کو قبضہ تصور کرتے ہیں وہ اس کا قبضہ شمار ہوتا ہے، اس لئے یہ بات پوری طرح بے غبار اور عیاں ہے کہ بیع قبل القبض نبی پاک ؐ کے اس ارشاد "**نهى عن بيع مالم يقبض**" کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے، رہا اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں علماء کا اختلاف، تو یہ اختلاف بھی احقر کے خیال کے مطابق حقیقتاً جواز اور عدم جواز کا اختلاف نہیں بلکہ قبضہ کے تعین کا اختلاف ہے جو ائمہ مذاہب سے منقولات اور غیر منقولات، مطعومات اور غیر مطعومات کی تفصیلات کے ساتھ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، حکیم ابن حزام کی روایت جسے بیہقی نے نقل کیا ہے اس طرح ہے:

عن حكيم بن حزام قال: قلت يا رسول الله إني أبتاع هذه البيوع فما يحل لي منها وما يحرم علّي قال: ياابن اخي لا تبيعن شيئا حتى تقبضه هذا إسناد حسن متصلا۔

حکیم ابن حزام سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ؐ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں مختلف چیزوں کی خرید وفروخت کرتا ہوں ان میں سے کونسی چیز میرے لئے حلال ہے اور کون حرام؟ فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز اس طرح نہیں بیچی جائے گی جب تک اس پر قبضہ نہ ہوجائے، امام بیہقی کہتے ہیں: حدیث کی یہ سند حسن اور متصل ہے۔ (السنن الکبری للبیہقی ۵/۳۱۳، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع ۵/۱۸۰، کتاب الام محمد بن ادریس الشافعی ۳/۶۹، المغنی لابن قدامہ ۴/۹۱، فتح القدیر ۶/۵۱۱، المجموع شرح المہذب ۹/۲۶۴، شرح زرقانی ۳/۲۸۹، مختصر طحاوی رص ۸۴)۔

البتہ بیع کے اندر جب معاملہ بائع اور مشتری کے درمیان طے پاجاتا ہے تو گویا بیع متحقق ہوجاتی ہے، لیکن چونکہ جب تک سپردگی نہیں ہوتی اس وقت تک اس کا التزام نہیں ہوتا، جس سے یہ معلوم ہوا کہ ثمن ادا کرتے ہی مشتری کا مبیع پر معنوی قبضہ ہوجاتا ہے، حسی قبضہ نہیں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بیع پوری طرح قضاء بھی ثابت ہوجائے؟ لہذا اس نوعیت سے جبکہ معنوی قبضہ اور معنوی ملکیت ثابت ہوچکی ہے، حسی نہیں ہوئی ہے، اگر مشتری اس مرحلہ میں مبیع کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتا ہے تو ظاہر ہے عدم قدرت علی التسلیم فی الفور کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی، باطل نہیں ہوگی،

کیونکہ معاملہ بیع فوری مبیع کی سپردگی کا تقاضہ کرتا ہے، جو بظاہر موہوم ہے، اس لئے کہ بیع قبل القبض اصل میں بیع غرر ہی سے عبارت ہے، جس میں بائع اول کی طرف سے سپردگی اور عدم سپردگی مبیع دونوں کے امکانات رہتے ہیں، جو معاملہ بیع کے منافی ہے، چنانچہ صاحب عنایہ ابن محمود بابرتی لکھتے ہیں:

وتقريره في البيع قبل القبض غرر انفساخ العقد الأول على تقدير هلاك المبيع في يد البائع والغرر غير جائز۔

اور بیع میں غرر کا تحقق اس طرح ہے کہ عقد اول کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے، مبیع کی ہلاکت بائع کے قبضہ میں متحقق ہونے کی صورت میں، اور غرر جائز نہیں (شرح العنایۃ مع الفتح ۶/۵۱۲)۔

نیز علامہ عبد الرحمن جزیری لکھتے ہیں:

قالوا: من البيع الفاسد بيع الأعيان المنقولة قبل قبضها سواء باعها لمن اشتراها منه أو لغيره فإذا اشترى حيوانا أو قطيعا أو ثيابا أو نحو ذلك ثم باعها لمن اشتراها منه أو لغيره كان البيع الثاني فاسدا۔

فقہاء کہتے ہیں کہ بیع فاسد میں سے ایک منقولہ اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت بھی ہے، خواہ مشتری خود بیچنے والے شخص سے اس کو بیچے، یا اس کے علاوہ کسی اور سے، لہذا جب کسی نے جانور خریدا، یا جانوروں کا ریوڑ، یا کپڑا اور اس قسم کی کوئی اور چیز، پھر اس کو اسی سے بیچ دیا جس سے خریدا تھا، یا کسی اور سے فروخت کر دیا تو دوسری بیع فاسد ہوگی (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۱۱)۔

علامہ ابن عابدینؒ نے باطل اور فاسد کے احتمال کو ختم کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

يحتمل البطلان والفساد والظاهر الثاني لأن علة الفساد الغرر (ردالمحتار ۴/۱۸۲، المغنی لابن قدامہ ۶/۵۱۲)۔

علامہ شامی کہتے ہیں کہ: مصنف کی پیش کردہ عبارت میں بیع کے بطلان اور فساد دونوں کا احتمال ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ثانی یعنی (فساد) ہے اس لئے کہ یہاں فساد کی علت غرر ہے۔

قبضہ کی حقیقت:

مبیع اور ثمن پر قبضہ کے سلسلہ میں ایسی کوئی روایت یا نص موجود نہیں ہے جس سے کہ قبضہ کی کوئی خاص نوعیت معلوم کی جاسکے اور اس کو تعیین قبضہ کا مدار قرار دیا جائے، ایک روایت ہے بھی تو اس سے قبضہ کی کوئی حد متعین نہیں ہوتی، کتب احادیث اور فقہ کے عمومی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ زمانہ اور حالات کی رفتار اور عادات ومحاورات کا تغیر ہر دور میں جداگانہ طور پر وقوع پذیر رہا ہے، اس لئے شریعت نے قبضہ کو لوگوں کے رواج اور تعامل پر چھوڑ دیا ہے، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ حقیقتاً قبضہ کا مدار ارتفاع موانع ہے کہ بیع وشراء کے بعد نہ مشتری کو مبیع پر قبضہ کرنے میں رکاوٹ اور دقت ہو، اور نہ بائع کو ثمن پر، چونکہ ارتفاع موانع امور اضافیہ میں سے ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ اس کا مدار

عرف ورواج ہی پر ہوگا، مگراس میں اشیاء کی حقیقتوں کے اعتبار سے ائمہ کے یہاں تھوڑا سا فرق نظر آتا ہے، وہ یہ کہ مالکیہ نے صرف اشیاء منقولہ کے قبضہ کو عرف ورواج پر چھوڑا ہے، چنانچہ مشہور مالکی عالم احمد دردیر رقمطراز ہیں:

وقبض العقار بالتخلية وقبض غيره أى غير العقار من عروض وأنعام و دواب بالعرف الجارى بين الناس۔

زمینوں کا قبضہ تخلیہ کے ذریعہ مانا جائے گا اور اس کے علاوہ سامان، جانور، چوپایہ وغیرہ کے قبضہ کی نوعیت وہ ہوگی جو عرف لوگوں کے درمیان رائج ہو (الشرح الکبیر مع دسوقی لاحمد الدردیر ۱۴۵/۳)۔

تاہم حنفیہ اور حنابلہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قبضہ کا مدار مطلقاً عرف کو قرار دیا ہے، منقولات کے قبیل کی چیز ہو یا غیر منقولات کے، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

لأن معنى القبض هو التمكين والتخلى و ارتفاع الموانع عرفاً و عادةً حقيقةً۔

اسلئے کہ قبضہ کا معنی مشتری کو مبیع پر قدرت دینا، تخلیہ اور عرفی وحقیقی طریقہ سے حائل رکاوٹوں کو دور کرنا ہے (بدائع الصنائع ۱۴۸/۵)۔

نیز ابن قدامہ نے اسی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

لأن القبض مطلق فى الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف كا لإحراز والتفرق۔

اس لئے کہ قبضہ شریعت میں مطلقاً بیان کیا گیا ہے، لہذا اس سلسلہ میں عرف کی طرف مراجعت ضروری ہوگی، جیسے کسی چیز کی حفاظت اور علاحدگی کا تصور عرف پر مبنی ہوتا ہے (المغنی لابن قدامہ ۹۰/۴)۔

منقولی اور غیر منقولی اشیاء کے قبضہ کی نوعیت:

قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے منقولی اور غیر منقولی اشیاء میں احادیث اور ائمہ کی تشریحات کے مطابق خاصا فرق نظر آتا ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دونوں میں بنیادی فرق ہے، وہ اس طرح کہ اشیاء غیر منقولہ میں بعد المعاملہ بائع اور مبیع کے درمیان اس طرح تخلیہ اور مبیع کی حوالگی ہوجائے کہ مشتری مبیع پر پوری طرح شرعی اور عرفی اعتبار سے بغیر کسی موانع اور دقت کے تصرف پر قادر ہوجائے۔ چنانچہ علامہ کاسانی نے تخلیہ کی حقیقت ان الفاظ میں واضح کی ہے:

وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلى وهو أن يخلى البائع بين المبيع و بين المشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشترى قابضا له۔

رہی سپردگی اور قبضہ کی تفسیر، تو سپردگی اور قبضہ کی نوعیت ہمارے یہاں تخلیہ ہے، اور تخلیہ کہتے ہیں مبیع اور بائع کے درمیان حائل رکاوٹوں کے اس طرح ختم ہوجانے کو کہ مشتری پوری طرح مبیع میں تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، تو بائع سپرد کرنے والا اور مشتری قابض سمجھا جائے گا (بدائع ۲۴۴/۵)۔

نیز ابن قدامہ حنبلی نے غیر منقولی اشیاء عقار وغیرہ میں قبضہ کی نوعیت تخلیہ قرار دیتے ہوئے اس بات کی

وضاحت کی ہے کہ تخلیہ کے ذریعہ قبضہ اس وقت متصور ہوگا جب عرف میں لوگ اس کو قبضہ مان لیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

وإن كان مما لا ينتقل ويحول فقبضه التخلية بينه و مشتريه لا حائل دونه لأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف كالإحراز والتفرق والعادة في قبض هذه الأشياء۔

اور اگر ایسی چیز ہو جو اپنی جگہ سے منتقل نہیں ہوتی تو اس کا قبضہ مبیع اور بائع کے درمیان اس طرح کا تخلیہ ہے کہ مبیع اور مشتری کے مابین کوئی چیز حائل اور رکاوٹ نہ ہو، اس لئے کہ شریعت نے قبضہ کو مطلق بیان کیا ہے اس کی کوئی خاص نوعیت ذکر نہیں کی ہے، لہذا اس میں عرف ورواج ہی کی طرف رجوع ضروری ہوگا، جس طرح کسی چیز کی حفاظت اور اس سے علاحدگی کا تصور عرف پر مبنی اور ان اشیاء کے قبضہ کا رواج ہے (المغنی لابن قدامہ ۴/۹۰)۔

نیز امام شافعیؒ کے یہاں بھی قبضہ کی نوعیت میں غیر منقولی اشیاء میں تخلیہ کو کافی قرار دیا گیا ہے، علامہ نووی قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اپنا مذہب نقل فرماتے ہیں:

قد ذكرنا أن مذهبنا أن القبض في العقار ونحوه بالتخلية وفي المنقول بالنقل وفي التناول باليد التناول۔

ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ عقار اور اس قسم کی دیگر اشیاء میں قبضہ کا مدار تخلیہ ہے اور منقولی چیزوں میں انتقال اور ہاتھ سے لی جانے والی چیزوں میں دست بدست سپردگی ہے (المجموع شرح المہذب ۹/۲۸۳)۔

اور منقولی اشیاء کے قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ اگر عددی چیز ہے تو اس کی گنتی کردے اور کیلی چیز ہے تو اس کی کیل کردے، اس کے بعد مشتری کو اس میں تصرف پر بغیر کسی رکاوٹ اور موانع کے قدرت حاصل ہو جائے تو اس کو قبضہ تصور کیا جائے گا، البتہ بعض روایات میں انتقال کا تذکرہ بھی آیا ہے لیکن وہ مجمل اور مطلق ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ عرف پر مبنی ہے اگر صرف کیل اور وزن نیز گنتی کو عرف میں قبضہ تصور کیا جاتا ہو تو اسے ہی قبضہ قرار دیا جائے گا اور انتقال ہی قبضہ متصور ہو تو اسی کو قبضہ مانا جائے گا، جیسا کہ روایات اور ان کی تشریحات سے معلوم ہوتا ہے، تاہم حنفیہ نے اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں کو قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے یکساں گردانتے ہوئے محض تخلیہ کو قبضہ کے لئے کافی شمار کیا ہے اور دست بدست اور انتقال کو ضروری قرار نہیں دیا ہے، جیسا کہ بدائع کی عبارت سے معلوم ہوا، نیز علامہ ابن ہمام نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا ہے، وہ رقمطراز ہیں:

لابد من معرفة التسليم والتسلم الموجب للبراءة في التجريد. لتسليم المبيع أن يخلي بينه و بين المبيع على وجه يتمكن من قبضه من غير حائل وفي الأجناس يعتبر صحة التسليم ثلاثة معان: أن يقول خليت بينك و بين المبيع و أن يكون المبيع بحضرة المشتري على صفة يتأتى فيه الفعل من غير مانع وأن يكون مفرزاً غير مشغول بحق غيره۔

کسی چیز کے سپرد کرنے اور سپرد ہونے میں جو بری الذمہ ہونے کا سبب ہے اس کی حقیقت کا جاننا ضروری ہے، چنانچہ تجرید میں ہے کہ مبیع کی سپردگی یہ ہے کہ مبیع کا بائع اور مشتری کے درمیان اس طرح تخلیہ ہو جائے کہ مشتری بغیر کسی رکاوٹ کے مبیع کے قبضہ کرنے پر قادر ہو، اور اجناس میں سپردگی کی صحت کا اعتبار تین طرح سے ہوتا ہے: پہلی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں مبیع اور تمہارے درمیان ملکیت کی بندش سے دستبردار ہوتا ہوں، اور دوسرے مبیع مشتری کے سامنے اس ہیئت اور مرحلہ میں ہو کہ مشتری کو بغیر کسی کلفت کے تصرف کا اختیار ہو جائے، تیسرے یہ کہ مبیع غیر کے کسی بھی حق سے آزاد ہو (فتح القدیر ۶/۲۹۷)۔

مگر راقم الحروف کے خیال کے مطابق قطعی اور صحیح بات یہی ہے کہ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ کے قبضہ کی نوعیت میں خاصا فرق ہے، جیسا کہ مذکورہ تشریحات سے معلوم ہوا، نیز روایات وشواہد بھی اسی پہلو کو اجاگر کرتے ہیں، چنانچہ عبداللہ بن عمر کی روایت جس کو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے مؤطا امام مالک میں ہے:

عن عبد الله بن عمر أنه قال كنا في زمان رسول الله ﷺ نبتاع الطعام فيبعث علينا من يأمرنا بانتقاله من المكان الذي ابتعناه إلى مكان سواه قبل أن نبيعه۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ عہد نبوی میں غلے خریدتے اور بیچتے تھے تو آپ ﷺ نے ہمارے یہاں قاصد بھیجا جس نے ہمیں حکم دیا منتقل کرنے کا دوسری جگہ اس جگہ سے جہاں ہم نے اس کو خریدا ہے، ان غلوں کو بیچنے سے پہلے (مؤطا امام مالک ۲۶۴/۲، صحیح مسلم ۵/۲)۔

دوسری روایت جو بخاری میں ہے:

قال رأيت الناس في عهد رسول الله ﷺ إذا ابتاعوا طعاما جزافا يضربون أن يبيعوه في مكانهم حتى يؤووه إلى رحالهم۔

ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے عہد نبویؐ میں دیکھا کہ جب غلے تجار انکل سے خریدتے تو ان کی اس بات پر پٹائی اور سرزنش ہوتی کہ وہ اسے اس کی جگہ فروخت کریں جہاں انہوں نے خریدا ہے بالا یہ کہ اسے اپنی سواریوں اور کجاوے تک منتقل کرلیں (بخاری ۱/۲۸۷-۲۸۶)۔

کیا بیع قبل القبض سے متعلق احادیث معلل بہ ہیں؟

بیع قبل القبض کی روایتوں اور اس بارے میں پیش کردہ علماء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کی تمام روایتیں کسی نہ کسی علت پر ضرور مبنی ہیں، مثلاً غرر انفساخ عقد، ربح مالم یضمن، شبہ ربا، ملکیت غیر کی فروختگی وغیرہ، مگر ان میں غرر انفساخ عقد زیادہ ہے، یعنی اس بات کا امکان ہے کہ بائع اول اس کو فسخ بھی کرسکتا ہے، یا مبیع ہلاک بھی ہوسکتی ہے جس کی وجہ سے بیع باطل ہو جائے، ظاہر ہے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس سلسلے کی نصوص علت غرر یا خدشہ ہلاکت مبیع پر مبنی ہیں تو جہاں بھی یہ علت پائی جائے گی بیع کی حرمت بھی ثابت ہوگی اور جہاں نہیں پائی جائے گی حلت ثابت ہوگی۔

حدیث کے معلل بالعلۃ ہونے ہی کی وجہ سے احناف نے منقولات کی بیع قبل القبض کو ناجائز اور غیر منقولات کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، اسی طرح حنابلہ نے مطعومات اور دیگر مکیلات اور موزونات کے قبیل کی اشیاء کی بیع کو ناجائز اور مالکیہ نے مطعومات کے علاوہ تمام کی بیع کو جائز گردانا ہے، البتہ شوافع اس باب کی تمام احادیث کو غیر معلل بہ مان کر تمام ہی اشیاء میں قبل القبض بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ مشہور حنفی عالم علامہ شہاب الدین احمد چلپی روایات نہی کے مخصص اور معلل ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

إن القياس أن يجوز بيع المنقول قبل القبض أيضا لدلائل جواز البيع من الكتاب والسنة والاجماع إلا أنه ترك القياس بالحديث فلم يجز بيعه قبل القبض و علل الحديث بغرر انفساخ العقد بهلاک المبيع لأن العام إذا لم يكن إجراء ه على العموم حمل على أخص الخصوص۔

قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ قبل القبض منقولات کی بیع بھی کتاب وسنت اور اجماع سے منقول دلائل جواز بیع کی وجہ سے جائز ہو مگر احادیث رسول کی وجہ سے قیاس ترک کر دیا گیا ہے، لہذا منقولات کی بیع قبل القبض جائز نہیں، رہی حدیث میں مخالفت تو احادیث عقد بیع کے فساد کے خدشہ سے معلل ہے جو کہ مبیع کی ہلاکت سے متعلق ہے، اس لئے کہ عام جب اپنی عمومیت پر باقی نہ رہے تو اس کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے (حاشیہ چلپی مع التبیین لعثمان الزیلعی ۴/۸۰، فتح القدیر ۶/۵۱۴، المغنی ۴/۸۸، المدونۃ الکبری)۔

اور ماضی قریب کے جلیل القدر فقیہ اور حنفی عالم مولانا ظفر احمد تھانوی حنفیہ کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إلا أن أبا حنيفة و أبا يوسف خصا النصوص بالمنقول لعلة النهي وهو غرر انفساخ العقد بالهلاک قبل القبض واحتج ابو حنيفة بأن الحكم معلل بغرر انفساخ العقد بهلاک المبيع والهلاک في غير المنقول نادر و النادر كالمعدوم۔

مگر یہ کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے نصوص کو منقولات کے ساتھ ممانعت کی علت کی وجہ سے خاص کیا ہے، اور وہ قبل القبض مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے عقد کے ختم ہونے کا خدشہ ہے، اور امام ابوحنیفہ نے اس بات سے استدلال کیا ہے کہ (ممانعت) کا حکم مبیع کی ہلاکت سے بیع کے ختم ہونے کا خطرہ سے معلل ہے، اور غیر منقول اشیاء میں یہ اندیشہ نادر ہے جو کالعدم ہے (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۵)۔

البتہ دور حاضر کے مشہور فقیہ وہبہ زحیلی نے بیع قبل القبض سے متعلق احادیث کو معلل بہ قرار نہ دے کر انہوں نے نہی کی علت ''ربا'' کا شبہ قرار دیا ہے، جو اصل میں غرر ہی کا لازمی نتیجہ ہے (الفقہ الاسلامی و ادلتہ ۴/۴۷۶)۔

غرض یہ حدیثیں معلل بہ ہیں اور علت غرر انفساخ عقد (بیع اول کے دوران معاملہ ختم ہوجانے کا خدشہ) ہے۔

بیع قبل القبض کی ممانعت اور اختلاف ائمہ:

کتب فقہ اور ائمہ کے اقوال، نیز مذاہب اربعہ کی آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت علی الاطلاق اور عام نہیں ہے، بلکہ ان میں تخصیصات واستثناءات بھی ہیں، بعض ائمہ کے یہاں تو صرف اشیاء خوردنی اور بعض کے یہاں منقولی اور بعض کے یہاں خورد ونوش کی اشیاء میں بھی مکیلی اور موزونی، نیز دوسرے بعض حضرات کے یہاں منقولی اور غیر منقولی دونوں کی ممانعت کی صراحت ملتی ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق ائمہ کی آراء ان کے دلائل اور نقاط نظر علاحدہ علاحدہ ذکر کردیئے جائیں۔

حنفی نقطہ نظر:

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے منقولی اشیاء کے اندر بیع قبل القبض کو ناجائز اور غیر منقولی میں جائز قرار دیا ہے، اور حنفیہ کے یہاں مختار قول یہی ہے، البتہ امام محمدؒ نے اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں کو ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ ابوجعفر طحاوی مسلک احناف کی ترجمانی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ولا يجوز بيع مالم يقبض من الأشياء المبيعات إلا العقار فإن أبا حنيفة كان يجيز بيعه قبل قبضه وأما أبو يوسف و محمد فكانا لا يجيزان بيع ذلك أيضا حتى يقبض وبه نأخذ ثم رجع أبو يوسف عن ذلك إلى قول أبي حنيفة ولا يجوز لمن اشترى شيئاً كيلا وإن قبضه أن يبيعه حتى يكتاله و كذلك حتى يعده إن كان اشتراه عددا۔

خریدی اور بیچی جانے والی چیزوں میں سے کسی کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں سوائے زمین کے، امام ابو حنیفہ نے عقار کی بیع قبضہ سے پہلے جائز قرار دی ہے، امام ابو یوسفؒ ومحمدؒ نے منقولی اشیاء کی بیع قبل القبض نادرست قرار دی ہے، اور میں اسی کو اختیار کرتا ہوں، پھر امام ابو یوسفؒ نے امام صاحب کی طرف رجوع کرلیا، لہذا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کیلی چیز خرید کرلے اور اس کی کیل سے پہلے اس کو فروخت کرے اگر چہ اس پر قابض ہو جائے، اسی طرح عددی چیز گنتی سے قبل فروخت کرے (مختصر طحاوی ۸۴، بدائع ۵/۲۳۴، فتح القدیر ۶/۵۱۰)۔

دلائل:

حنفیہ نے غیر منقولی اشیاء کی قبل القبض بیع کی ممانعت اور عقارات کے قبیل کی چیزوں کے جواز پر مندرجہ ذیل روایات سے استدلال کیا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ منقولی اشیاء میں چونکہ فسخ عقد کا احتمال رہتا ہے، اور غیر منقولی اشیاء میں یہ احتمال نہیں رہتا، اس لئے ان کی خرید وفروخت جائز ہے، البتہ اگر غیر منقولی چیزوں میں بھی یہ احتمالات پیدا ہو جائیں تو ان کی بیع بھی قبل القبض جائز نہ ہوگی۔

فإن هلاك العقار نادر و لا يبنى الفقه باعتباره فلا يمنع الجواز وهذا لأنه لا يتصور هلاكه إلا صار بحرا أو نحوه حتى قال بعض المشائخ إن جواب أبي حنيفة في موضع لا يخشى عليه أن يصير بحرا أو يغلب عليه الرمال فأما في موضع لا يؤمن عليه ذلك فلا يجوز كما في

المنقول ذكره المحبوبي حتى لو كان على شط البحر أو كان المبيع علوا لا يجوز بيعه قبل القبض۔

کیونکہ عقار کا ہلاک ہونا شاذ ونادر ہوتا ہے اور شذود پر فقہ کی بنیاد نہیں ہوتی، لہذا یہ جواز بیع کے لئے بھی مانع نہیں ہوگا، اور یہ اس لئے ہے کہ اس کا ہلاک ہونا متصور نہیں ہوتا الا یہ کہ وہ زمین بحر یا نہر بن جائے، یہاں تک کہ بعض مشائخ احناف نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا جواب ان جگہوں کے بارے میں ہے جہاں اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ وہ بحر میں تبدیل ہو جائے گی یا اس پر ریت غالب آ جائے گی، مگر وہ مقام جہاں اس سے مامون نہ ہو تو اس کا فروخت کرنا بھی قبضہ سے قبل منقولی اشیاء کی طرح جائز نہیں، اسی کو محبولی نے ذکر کیا ہے کہ اگر مبیع بحر کے کنارے ہو یا مکان وغیرہ کا اوپری حصہ ہو تو اس کا قبل القبض بیچنا جائز نہیں (فتح القدیر ۶/۵۱۳)۔

مزید چند روایات جو حنفیہ کے نقطۂ نظر کی مؤید ہیں، زیب قرطاس کی جاتی ہیں:

عن حكيم بن حزام قال قلت يا رسول الله إني أبتاع هذه البيوع فما يحل لي منها وما يحرم علي قال: يا ابن أخي لا تبيعن شيئا حتى تقبضه، هذا إسناد حسن متصل۔

حکیم بن حزام سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں مختلف قسم کی چیزوں کی بیع کرتا ہوں اس میں سے میرے لئے کیا حرام اور کیا حلال ہے؟ فرمایا: اے بھتیجے! یہ چیزیں اس طرح نہیں بیچی جائیں گی، جب تک اس پر قبضہ نہ ہو جائے، حدیث کی یہ سند صحیح اور متصل ہے (السنن الکبری للبیہقی ۵/۳۱۳)۔

دوسری روایت جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے جو مسلم اور دیگر صحاح میں ہے۔

عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه قال ابن عباسؓ وأحسب كل شئ مثله۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص غلہ خریدے اس کو ہرگز نہ بیچے جب تک اس پر قبضہ نہ کر لے، ابن عباس کہتے ہیں کہ اس قسم کی تمام اشیاء کے بارے میں حکما میں یہی گمان کرتا ہوں (مسلم شریف ۵/۲، مؤطا امام محمد/۳۳۲)۔

احناف کے یہاں تخصیص منقولات کی وجہ:

اس سے پہلے تفصیل سے یہ بات گذر چکی ہے کہ احناف نے روایات "**نهي بيع قبل القبض**" کو معلل بہ قرار دیا ہے اور وہ علت مبیع کی ہلاکت یا دیگر کسی اور وجہ سے انفساخ عقد کا خدشہ ہے اور جہاں تک غیر منقولی اشیاء کے جواز کی بات ہے تو اس بنا پر جائز قرار دیا ہے تا کہ کتاب اللہ میں جو بیع کی حلت آئی ہے اس کی عمومیت باقی رہے، اس لئے کہ قرآن کریم کی آیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ منقولی اور غیر منقولی دونوں اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہو، مگر چونکہ احادیث میں بعض اشیاء کی بابت ممانعت آئی ہے اس لئے اس کو معلل بہ مان لیا تا کہ احادیث پر بھی عمل ہو

جائے، اور آیت کی عمومیت بھی باقی رہے، کیونکہ غیر منقولی اشیاء میں وہ اندیشہ نہیں ہے جو منقولی میں ہے۔ هــــذا تطبيق جيد للأحناف۔

چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ شیخین کی رائے کی توجیہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ولهما عمومات البياعات من الكتاب العزيز من غير تخصيص ولا يجوز تخصيص عموم الكتاب بخبر الواحد عندنا أو نحمله على المنقول توفيقا بين الدلائل صيانة لها عن التناقض ولأن الأصل في ركن البيع إذا صدر من الأهل في المحل هو الصحة والامتناع لعارض الغرر وهو غرر انفساخ العقد بهلاك المعقود عليه ولا يتوهم هلاك العقار فلا يتقرر الغرر فبقي بيعه على حكم الأصل۔

امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کی دلیل بغیر تخصیص کے خرید وفروخت کی اجازت کا عام ہونا ہے، اور ہمارے یہاں اصولی طور پر کتاب اللہ کے عموم کو خبر واحد سے مقید کرنا جائز نہیں ہے، یا یہ کہ اس ممانعت کو ہر منقول چیز پر محمول کریں گے، تاکہ دونوں دلائل میں تطبیق ہو جائے اور تناقض نہ ہو اور اصول یہ ہے کہ جب کوئی رکن اہل بیع وشراء سے صحیح محل میں صادر ہو تو اصل اس کی صحت ہے اور اس کی ممانعت خارجی علت کی بنا پر ہے اور وہ مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے عقد بیع کے فسخ کا امکان ہے، اور یہ امکان عقارات میں متصور نہیں، لہذا اس میں غرر بھی ثابت نہیں ہوگا، اور بیع اپنے حکم اصلی (جواز) پر باقی رہے گی (بدائع الصنائع ۱۸۱/۵)۔

شافعی نقطہ نظر:

بیع قبل القبض کے سلسلہ میں شافعیہ کا نقطہ نظر منقولات اور غیر منقولات دونوں میں عدم جواز کا ہے، البتہ ایسے حقوق جن میں بغیر عوض ملکیت ثابت ہوتی ہے، مثلاً وصیت، میراث، غلام کی آزادی، علی اختلاف الأقوال، تو ان میں قبل القبض تصرف دیگر ائمہ کی طرح شوافع نے بھی جائز قرار دیا ہے، چنانچہ ساتویں صدی ہجری کے مشہور شافعی عالم محی الدین ابن شرف نووی تحریر فرماتے ہیں:

مذهبنا أنه لا يجوز بيع المبيع قبل قبضه عقارا كان أو منقولا لا باذن البائع ولا بغير إذنه لا قبل أداء الثمن ولا بعده۔

اس بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ خواہ عقار کے قبیل کی چیز ہو یا منقولات کے قبیل کی، قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے، نہ تو بائع کی اجازت سے اور نہ بغیر اس کی اجازت کے، اسی طرح نہ اداء ثمن سے قبل اور نہ بعد (المجموع شرح المہذب ۲۶۴/۹)۔

دلائل:

شافعیہ نے بھی قریب قریب انہیں روایتوں سے استدلال کیا ہے، جن سے دیگر ائمہ مجتہدین نے کیا ہے اور انہوں نے منقولات پر غیر منقولات کو قیاس کیا ہے، وہ اسطرح کہ جب اللہ کے نبیؐ نے اشیاء مطعومات جس کی کہ

انسان ہر وقت ضرورت محسوس کرتا ہے، کی بیع قبل القبض کو ناجائز قرار دیا تو غیر منقولات کی بیع قبضہ سے قبل بدرجہ اولی ناجائز اور باطل ہوگی، نیز اس لئے بھی باطل ہے کہ کسی چیز کی فروختگی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی سپردگی پر انسان قادر ہو، اور قبل القبض کی صورت میں مشتری اس سے قاصر ہوگا، نیز شافعیہ کے یہاں بھی علت نہی وہی ہے جو حنفیہ کے یہاں ہے، یعنی غرر انفساخ عقد، چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں:

واحتج أصحابنا بحديث حكيم بن حزام أن النبيؐ قال لا تبع مالم تقبضه و بحديث زيد بن ثابت أن النبيؐ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوز ها التجار إلى رحالهم رواه أبو دؤد باسناد صحيح۔

ہمارے اصحاب نے حکیم بن حزام کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ مت بیچو تم کسی چیز کو جب تک اس پر قابض نہ ہو جاؤ، اور دوسری روایت زید بن ثابت کی ہے کہ آپؐ نے اس سے منع فرمایا کہ سامان کو اسی جگہ فروخت کیا جائے جہاں سے اسے خریدا جائے، جب تک اس کو تجار اپنے کجاوے اور سواری تک منتقل نہ کر دیں (شرح المہذب ۹/۲۷۱)۔

حنبلی نقطہ نظر:

امام احمد کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بھی بیع قبل القبض عقار کے علاوہ تمام مطعومات غیر مطعومات، مکیلات وموزونات میں ناجائز ہے، اور امام ترمذی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اشیاء خوردنی کے علاوہ جو کیلی اور وزنی نہ ہوان تمام میں جائز ہے، اور ایک دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صرف اشیاء خوردنی اور مشروبات میں ناجائز، باقی تمام چیزوں میں قبل القبض بیع جائز ہے، ابن عبد البر نے اسی تیسری روایت کو اصح قرار دیا ہے، چنانچہ محقق ابن قدامہ حنبلی (متوفی ۶۲۰ھ) نقل فرماتے ہیں:

ونقل عن أحمد أن المطعوم لا يجوز بيعه قبل قبضه سواء كان مكيلا أو موزونا أو لم يكن وهذا يقتضي أن الطعام خاصة لا يدخل في ضمان المشتري حتى يقبضه فإن الترمذي روى عن أحمد أنه رخص في بيع ما لا يكال ولا يوزن مما لا يوكل ولا يشرب قبل قبضه...وما أشبه من ماكول و مشروب فلا يبعه حتى يقبضه قال ابن عبد البر الأصح عن أحمد بن حنبل أن الذي يمنع من بيعه قبل قبضه هو الطعام۔

امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اشیاء خوردنی کی بیع قبل القبض جائز نہیں خواہ مکیلی یا موزونی ہو یا نہ ہو، اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ اشیاء خوردنی خاص کر مشتری کے ضمان میں داخل نہ ہونگی جب تک قبضہ نہ کر لیا جائے، امام ترمذی نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ امام موصوف نے غیر مکیلی اور موزونی جو اشیاء خورد ونوش نہیں ان کی بیع قبل القبض کے جواز میں رخصت دی ہے، ابن عبد البر کہتے ہیں کہ امام احمدؒ کی صحیح روایت صرف طعام میں قبل القبض عدم جواز کی ہے (المغنی لابن قدامہ ۴/۸۸)۔

دلائل:

حنابلہ کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ حنابلہ نے بھی اس باب کی ذکرکردہ روایتوں سے استدلال کیا ہے تاہم مطعومات کی چونکہ احادیث میں صراحت ہے، اس لئے مفہوم مخالف جس کا کہ حنابلہ کے یہاں کلام شارع میں اعتبار ہے۔اس سے مطعومات کے علاوہ قبل القبض بیع کے جواز پر استدلال کیا ہے، چنانچہ ابن قدامہ کی ایک روایت پیش کر کے اس کے مفہوم مخالف کی تشریح کرتے ہیں:

لأن النبي ﷺ نهى عن بيع الطعام قبل قبضه فمفهومه إباحة بيع ما سواه قبل قبضه۔

اسلئے کہ قبضہ سے پہلے غلہ کی بیع جائز نہیں ہے، لہذا اس کا مفہوم مخالف یہ نکلا کہ اس کے علاوہ چیزوں کی بیع قبل القبض جائز ہے (المغنی ۸۸/۴)۔

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال من اشترى طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه قال كنا نشترى الطعام من الركبان جزافا فنهانا رسول الله ﷺ أن نبيعه حتى ننقله من مكانه۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ نے فرمایا جو شخص غلہ خریدے، اس کو نہ بیچے جب تک اس کو وصول اور اس پر قبضہ نہ کرلے، ابن عمر کہتے ہیں کہ ہم لوگ سواری سے اٹکل سے غلہ خریدتے تھے، آپؐ نے منع فرمایا اس کے فروخت کرنے سے جب تک اس کو دوسری جگہ منتقل نہ کردیا جائے (صحیح مسلم ۵/۲)۔

مالکی نقطہ نظر:

بیع قبل القبض میں مالکیہ نے صرف اشیاء خوردنی خواہ ربوی ہوں یا غیر ربوی، کو ناجائز قرار دیا ہے، اس کے علاوہ تمام منقولات وغیر منقولات، مکیلات وموزونات کی تمام اجناس کو اس نہی سے مستثنیٰ گردانا ہے، چنانچہ مشہور مالکی علامہ سحنون بن سعید تنوخی لکھتے ہیں:

قلت و ما سوى الطعام والشراب مما سلفت فيه كيلا أو وزنا فلا بأس أن أبيعه قبل أن أقبضه من الذى باعنى أو من غيره قال مالک، لا بأس أن تبيع ما سلفت فيه إذا كان من غيره ما يؤكل و يشرب من غير الذى عليه ذلک السلف بأقل أو بأكثر۔

میں نے پوچھا اشیاء خوردونوش کے علاوہ وہ تمام چیزیں جو کیلی اور وزنی ہوں ان میں کوئی حرج ہے؟ کہ اس کی بیع قبضہ سے پہلے کی جائے اس شخص سے کہ جس کے ہاتھ سے میں نے خریدا ہے، یا اس کے علاوہ سے، تو امام مالک نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے کہ تم ان چیزوں کو فروخت کرو جس میں ادھار بیع کی جاتی ہے، جبکہ وہ اشیاء خوردونوش نہ ہوں اس شخص سے جس سے کہ ادھار خریدا ہے خواہ کم میں خریدا ہو یا زیادہ میں (المدونۃ الکبری ۱۶۵/۳، بدایۃ المجتہد ۱۴۴/۲)۔

دلائل:

مالکیہ نے مطعومات اور غیر مطعومات میں، نیز عقارات کے درمیان قبل القبض بیع کی ممانعت میں جو عقلی

طور پر فرق کیا ہے، وہ یہ ہے کہ مطعومات قبل القبض ربا کا ذریعہ بن سکتی ہیں اور غیر مطعومات میں چونکہ یہ اندیشہ نہیں ہے اس لئے سدًا للذریعہ غالباً اشیاء خوردنی میں قبضہ سے پہلے بیع ناجائز اور اس کے علاوہ میں جائز قرار دیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی مالکیہ کی طرف سے اسی علت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والعلة فی منع بیع الطعام قبل القبض عند المالکیة هی أنه قد یتخذ البیع ذریعة التوصل إلی ربا النسیئة فهو یشبه بیع الطعام بالطعام نساء یعنی سد الذرائع۔

مالکیہ کے یہاں قبل القبض اشیاء خوردنی کی بیع وشراء کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ وہ ربا نسیئہ تک رسائی کا ذریعہ بنتی ہے، جو نسیئہ اشیاء خوردنی کی بیع کے مشابہ ہے یعنی مالکیہ نے سدًا للذریعہ اس سے روکا ہے (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۴۷۴)۔

عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال من اشتری طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه ویقبضه۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص طعام خریدے اس کو نہ بیچے جب تک قبضہ نہ کرے (صحیح مسلم ۲/۵)۔

فیکٹری سے مال خرید کر بغیر قبضہ فروخت کرنا:

مذکورہ بالا بیع وشراء سے متعلق تمام تفصیلات، قیود وشرائط کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ فیکٹری سے مال خرید کر

کوئی شخص بغیر اس پر قبضہ کئے کسی دوسرے کے ہاتھوں فروخت کر دیتا ہے تو چونکہ کمپنی سے مال خریدنے اور عقد معاملہ کرنے کی وجہ سے معنوی قبضہ ہوگیا تھا، اگرچہ ظاہری نہیں ہوا اور فیکٹری سے خرید کردہ مبیع پر قبضہ آئندہ جب چاہے یقینی ہے، اس لئے محض ضمان کو کسی درجہ میں قبضہ مان کر تعامل ناس کی وجہ سے اس کو فروخت کرنا اور اس سے نفع کمانا جائز ہونا چاہئے، بشرطیکہ کسی قسم کا دھوکہ نہ ہو، اس لئے کہ شریعت نے جو بیع قبل القبض کو ناجائز قرار دیا ہے وہ دو علتوں کی بنا پر، ایک علت غرر ہے، اور دوسری ''ربح مالم یضمن'' ہے، یہ دونوں صورتیں زیر بحث مسئلہ میں نہیں پائی جاتیں، اس بنا پر کہ تعامل ناس کی وجہ سے غرر بھی غرر یسیر کے حکم میں ہے، اور بائع اول چونکہ ضمان قبول کر رہا ہے اس لئے ربح مالم یضمن بھی نہیں ہوگا، اس لئے اس صورت کے جواز میں کوئی خاص قباحت معلوم نہیں ہوتی۔

شپنگ:

اور شپنگ کی صورت میں چونکہ بائع اس کا ضامن نہیں ہوتا، اس لئے اس طرح کا معاملہ ''ربح مالم یضمن'' کی وجہ سے شرعاً نادرست ہوگا۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے متعلق مسائل

مولانا محمد ارشد قاسمی

۱۔ شرع اسلامی میں جہاں بہت ساری چیزیں ممنوع اور ناجائز ہیں وہیں ایک بیع قبل القبض بھی ہے، چنانچہ بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے پر بہت ساری احادیث ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱. **عن نافع عن بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه** (مسلم شریف ۵/۲)۔

۲. **عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه، قال ابن عباس: وأحسب كل شئ مثله** (مسلم شریف ۵/۲)۔

۳. **عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من إبتاع طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه قال ابن عباس: وأحسب كل شئ بمنزلة الطعام** (مسلم شریف: ۵/۲)۔

۴. **عن ابن عباس قال رسول الله: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يكتاله فقلت لابن عباس لِمَ، فقال ألا تراهم يتاعون بالذهب والطعام مُرجاً ولم يقل أبو كريب مرجاً** (مسلم شریف: ۵/۲)۔

۵. **عن نافع عن ابن عمر قال: كنا في زمان رسول الله ﷺ نبتاع الطعام فيبعث علينا من يأمرنا بانتقاله في المكان الذي ابتعناه فيه إلى مكان سواه قبل أن نبيعه** (مسلم شریف ۵/۲)۔

۶. **عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله قال: من اشترى طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه، قال: وكنا نشترى الطعام من الركبان جزافاً فنهانا رسول الله ﷺ أن نبيعه حتى ننقله من مكانه** (مسلم شریف ۵/۲)۔

۷. **عن نافع عن عبد الله ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال من اشترى طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه ويقبضه** (مسلم شریف ۵/۲)۔

۸. **عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال من اشترى طعاماً فلا يبعه حتى يكتاله ومن رواية أبي بكر من ابتاع** (مسلم شریف ۵/۲)۔

جابر بن عبد الله يقول: كان رسول الله ﷺ يقول: إذا ابتعت طعاماً فلا تبعه حتى يستوفيه (مسلم شریف۶/۲)۔

۱۰۔ عن سالم عن ابن عمر أنهم كانوا يضربون على عهد رسول الله ﷺ إذا اشتروا طعاماً جزافاً أن يبيعوه في مكانه حتى يحوّلوه (مسلم شریف۵/۲)۔

جب بیع قبل القبض ناجائز ہے تو کیا اس کا شمار بیع باطل میں، یا بیع فاسد میں، یا بیع مکروہ میں ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ بیع قبل القبض ایک وصف ہے نہ کہ اصل، اور بیع فاسد وہ ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے مشروع ہو نہ کہ وصف کے اعتبار سے، لہذا بیع قبل القبض کا شمار بیع فاسد میں ہوگا نہ کہ بیع باطل ومکروہ میں، نیز احادیث میں جو بیع قبل القبض کی ممانعت ہے اس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ بیع قبل القبض کا شمار بیع فاسد میں ہو نہ کہ بیع باطل ومکروہ میں، کیونکہ احادیث میں جو بیع قبل القبض کی مخالفت آئی ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بیع قبل القبض اصلاً ناجائز ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مشتری کو غرر ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ ہوسکتا ہے مبیع بائع اول کے پاس ہلاک ہوجائے، چنانچہ مبیع ہلاک ہونے کی وجہ سے بیع ثانی فسخ ہوجائے گی نہ کہ باطل، چنانچہ امام اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی ''عنایہ'' میں لکھتے ہیں:

والنهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسداً قبل القبض لأنه لم يدخل في ضمانه كما في الاجارة (عنایہ مع فتح القدیر۵۱۲/۶)۔

اور نہی فساد کا تقاضا کرتا ہے، پس بیع قبضہ سے پہلے فاسد ہوگی، اس لئے کہ مبیع قبضہ سے پہلے مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوتی، جیسا کہ اجارہ میں ہے۔

وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

والنهي يوجب فساد المنهي عنه ولأنه بيع فيه غرر لتعرضه إلى الانفساخ بهلاك المعقود عليه فيبطل البيع الأول وينفسخ الثاني (الفقہ الاسلامی وأدلتہ۴۱۱/۴)۔

نہی منہی عنہ کے فساد کو ثابت کرتی ہے، اور اس لئے کہ مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے اس بیع کا فسخ ہونا ممکن ہے جو باعث غرر ہے، تو بیع اول باطل اور دوسری بیع فسخ ہوجائے گی۔

۲۔ اسلامی شریعت میں کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی ہے، بلکہ اسے لوگوں کے عرف وعادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً قبضہ مانا جائے گا، چنانچہ ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں:

لأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف (المغنی۹۰/۴)۔

اس لئے کہ قبضہ شریعت میں مطلق ہے، پس اس میں رجوع واجب ہوگا عرف کی طرف۔

اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت:

اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت تخلیہ ہے، اور تخلیہ کہتے ہیں کہ مبیع اور مشتری کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل نہ ہو جو مبیع کیلئے مانع ہو اس طور پر کہ مشتری مبیع میں تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، گویا بائع مبیع کو سپرد کرنے والا اور مشتری اس کو لینے والا ہو جائے، چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري على التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتري قابضاً له وكذا تسليم الثمن من المشتري إلى البائع (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)۔

سپردگی اور قبضہ کی تفسیر ہمارے یہاں (حنفیہ) سپردگی اور قبضہ وتخلیہ ہے، اور تخلیہ یہ ہے کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان حائل کو ختم کر دے اس طریقے پر کہ مشتری مبیع میں تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، گویا بائع مبیع کو سپرد کرنے والا اور مشتری اس کو قبضہ کرنے والا ہو جائے، اور ایسے ہی ثمن کی سپردگی ہے مشتری سے بائع کی طرف۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق:

اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب مندرجہ ذیل ہیں:

احناف کا مسلک:

احناف اور مالکیہ کے یہاں تمام چیزوں میں تخلیہ حکماً قبضہ ہے جبکہ مشتری اس پر بغیر مشقت کے قادر ہو، لیکن قبضہ کی نوعیت مبیع کے اعتبار سے مختلف ہوتی رہتی ہے۔

اشیاء غیر منقولہ میں تخلیہ قبضہ ہے اگر قریب ہو، لیکن اگر وہ دور ہے تو اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر چہ اشیاء غیر منقولہ دور ہو پھر بھی تخلیہ قبضہ سمجھا جائے گا، صاحبینؒ کا مذہب اس کے برخلاف ہے، لیکن امام صاحب کے مذہب کو البحر الرائق میں ضعیف کہا گیا ہے۔

اشیاء منقولہ میں قبضہ کی نوعیت ہر چیز کے اعتبار سے مختلف ہے، اگر گیہوں کو گھر میں فروخت کیا گیا تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری کو چابھی دیدے اس طور پر کہ مشتری گھر کھولنے پر بغیر کسی مشقت کے قادر ہو جائے، اور اگر گھر کو فروخت کیا گیا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری گھر بند کرنے پر قادر ہو جائے، اگر جانور کو چراگاہ میں فروخت کیا گیا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس کو دیکھ لے، یا اس کی طرف اشارہ کر دے، اگر مبیع کپڑا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس سے متصل ہو، اگر گھوڑا یا چڑیا کو گھر میں فروخت کیا گیا تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو بغیر کسی مددگار کے لینا ممکن ہو، تیل میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری بائع کو شیشی دے اور بائع مشتری کی موجودگی میں اس میں تیل وزن کر دے، اور اگر مبیع مکیلی یا موزونی ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری بائع کو برتن دیدے اور بائع اس میں مشتری کے حکم سے کیل یا وزن کر دے، چنانچہ ابن عابدین شامیؒ ''ردالمحتار'' میں تحریر کرتے ہیں:

إن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلک يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض اى بأن تكون في البلد فيما يظهر وفي نحو بقر في مرعىً فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مد يده تصل إليه قبض وفي نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض (ردالمحتار ۴/۵۶۲)۔

بے شک تخلیہ حکماً قبضہ ہے اگراس پر بغیر مشقت کے قادر ہو،لیکن یہ مبیع کی حالت کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے، پس گیہوں یااس جیسی چیز اگر گھر میں فروخت کی گئی تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری کو چابھی دیدے جبکہ گھر کا بغیر کسی مشقت کے کھولنا ممکن ہو،اور گھر میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس کو بند کرنے پر قادر ہو جائے، بایں طور کہ وہ شہر میں ہو جس میں وہ ظاہر ہوتا ہو،اور اگر گائے یا اس جیسی چیز چراگاہ میں فروخت کی گئی تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس کو دیکھتا ہو، یا اس کی طرف اشارہ کرتا ہو،اور کپڑا اور اس جیسی چیز میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس سے متصل ہو ،اور اگر گھوڑا یا چڑیا یا اس جیسی چیز گھر میں فروخت کی گئی تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس کو گھر سے بغیر مشقت کے لینے پر قادر ہو۔

لو اشترى دهنا ودفع قارورة يزنه فيها بحضرة المشترى فهو قبض، وكذا بغيبته في الأصح، وكذا كل مكيل أو موزون إذا دفع له الوعاء فكاله أو وزنه فيه بأمره، ومنه ما لو غصب شيئاً ثم اشتراه صار قابضاً (ردالمحتار ۴/۵۶۱)۔

اگر کسی نے تیل خریدا اور شیشی بائع کو دیا اور بائع اس میں تیل مشتری کی موجودگی میں وزن کرتا ہے تو یہ قبضہ ہے اور ایسے ہی مشتری کی غیر موجودگی میں اصح قول کے مطابق قبضہ سمجھا جائے گا،اور ایسے ہی ہر مکیلی یا موزونی چیز کہ جب مشتری بائع کو برتن دیدے اور بائع اس میں مشتری کے حکم سے کیل یا وزن کردے تو قبضہ سمجھا جائے گا، اسی میں سے یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز غصب کیا پھر اس کو خریدا تو وہ قبضہ کرنے والا ہو جائے گا۔

وجامع شمس الأئمة أنه بالتخلية يصح القبض وإن كان عقاراً بعيداً غائباً عنهما عند أبي حنيفة خلافاً لهما وهو ضعيف كما في البحر، وفي الخانية والصحيح ما ذكرنا في ظاهر الرواية لأنه إذا كان قريباً يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التخلية مقام القبض أما إذا كان بعيداً لايتصور القبض في الحال فلاتقام التخلية مقام القبض (ردالمحتار ۴/۵۶۲،۵۶۴)۔

اور شمس الائمہ کی جامع میں یہ ہے کہ تخلیہ سے قبضہ درست ہو جاتا ہے، اگرچہ زمین دور غائب ہو بائع ومشتری سے، امام اعظمؒ کے نزدیک، اس میں صاحبین کا اختلاف ہے،اور امام صاحب کا یہ قول ضعیف ہے، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے،اور خانیہ میں ہے کہ صحیح قول وہ ہے جس کو ہم نے ظاہر الروایہ میں ذکر کیا ہے کہ جب زمین قریب ہو جس میں قبضہ حقیقی فی الحال تصور کیا جائے تو تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوگا،اور اگر زمین دور ہو تو فی الحال قبضہ تصور نہیں کیا

جائے گا، چنانچہ تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا۔

حنابلہ کا مسلک:

حنابلہ کے یہاں اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت تخلیہ ہے، باقی اشیاء منقولہ میں قبضہ کی نوعیت مختلف ہے، اگر اشیاء منقولہ ان چیزوں میں سے ہے جس کو کیل یا وزن کیا جاتا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو ہاتھ میں لے لیا جائے، اگر کپڑا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس کی جگہ سے منتقل کر دیا جائے، اور اگر حیوان ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس کی جگہ سے چلا دیا جائے، گویا ہر چیز کا قبضہ اس کی جنس کے ساتھ ہوگا، چنانچہ ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں:

وقبض كل شئ بجنسه فإن كان مكيلاً أو موزونا بيع كيلاً أو موزوناً فقبضه بكيله ووزنه .... وإن كان الجميع دراهم أو دنانير فقبضها باليد، وإن كان ثياباً فقبضها نقلها، وإن كان حيوانا فقبضه تمشية من مكانه، وإن كان مما لا ينقل ويحول فقبضه التخلية بينه وبين مشتريه لا حائل دونه .

ہر چیز کا قبضہ اس کی جنس کے ساتھ ہے، پس اگر کوئی چیز مکیلی یا موزونی ہو، اور وہ کیل یا وزن کر کے فروخت کی جائے تو اس کا قبضہ اس کے کیل یا وزن کے ساتھ ہے، اور اگر مبیع دراہم و دنانیر ہے تو اس کا قبضہ ہاتھ سے ہے، اور اگر کپڑا ہے تو اس کا قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس کی جگہ سے منتقل کر دیا جائے، اور اگر حیوان ہے تو اس کا قبضہ اس کی جگہ سے چلا دینا ہے، اور اگر مبیع ایسی چیز ہے جس کو منتقل نہیں کیا جا سکتا ہے، تو اس کا قبضہ تخلیہ ہے، اور تخلیہ نام ہے کہ مبیع اور مشتری کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

شوافع کا مسلک:

شوافع کے یہاں اشیاء غیر منقولہ اور منقولہ میں قبضہ کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ اشیاء غیر منقولہ میں تخلیہ ہے۔ ۲۔ اگر اشیاء ان چیزوں میں سے ہے جس کو عادۃً منتقل کیا جاتا ہے، مثلاً لکڑی، دانہ اور مچھلی وغیرہ، تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو اپنی جگہ سے منتقل کر دیا جائے۔ ۳۔ اور اگر اشیاء منقولہ ان چیزوں میں سے ہے جس کو ہاتھ سے لیا جاتا ہے، مثلاً دراہم و دنانیر، کپڑا اور برتن وغیرہ، اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو ہاتھ میں لیا جائے، چنانچہ امام نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: ہمارے اصحاب نے کہا کہ قبضہ کے سلسلہ میں عرف کی طرف رجوع کرنا ہوگا، احکام کی تین قسمیں ہیں، ان میں سے ایک زمین اور درخت پر پھل ہے اس کا قبضہ تخلیہ ہے، دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جو عادتاً منتقل کی جاتی ہیں، جیسے لکڑی، دانہ اور مچھلی اور اس جیسی دوسری چیزیں، اس کا قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس کی جگہ سے منتقل کر دیا جائے، اس سلسلہ میں بائع کی کوئی تخصیص نہیں ہے، برابر ہے کہ وہ مشتری کی طرف منتقل کی جائے، یا غیر آباد زمین کی طرف، یا سڑک کی طرف، یا مسجد کی طرف، یا اس کے علاوہ کی طرف، تیسری قسم وہ ہے جس کو ہاتھ سے لیا جاتا ہے، جیسے دراہم و دنانیر، رومال، کپڑا، وہ برتن جو ہلکا ہو اور کتاب اور اس جیسی دوسری چیزیں، پس اس کا قبضہ ہاتھ سے لینے سے ہے

(شرح المہذب ۹/۲۷۵۔۲۷۶)۔

۴۔ بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلت ہیں، اور علت نہی غرر ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمام" فتح القدیر" میں تحریر کرتے ہیں:

إن رسول الله ﷺ نهى عن بيع ما لم يقبض.

والحديث الذى استدل به معلول به أى بغرر الانفساخ والدليل عليه أن التصرف الذى لا يمتنع بالغرر نافذ فى المبيع قبل القبض وهو العتق والتزوج عليه (فتح القدیر ۶/۵۱۴)۔

اس سلسلہ کی متدل حدیث معلول ہے جس کی علت عقد کے فسخ ہونے کا غرر واندیشہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ تصرف جس میں غرر مانع نہیں ہے، تو وہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے نافذ ہوجاتا ہے، مثلاً آزادی، تزوج وغیرہ۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت عام نہیں ہے، بلکہ اس میں استثناءات وتخصیصات ہیں، اس بابت ائمہ کے مذاہب مع دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

احناف کا مسلک:

احناف کے یہاں اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، جائز نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں غرر کا اندیشہ ہے، وہ اس طرح کہ ممکن ہے کہ مبیع بائع کے پاس ہلاک ہوجائے جس کی وجہ سے عقد فسخ ہوجائے، بطور دلیل کے یہ پیش کرتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے قبل القبض خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، اشیاء غیر منقولہ کے سلسلہ میں خود احناف میں اختلاف ہے، امام محمدؒ کا کہنا یہ ہے کہ اشیاء غیر منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، جس طرح اشیاء منقولہ کی بیع جائز نہیں ہے، نیز ان کا کہنا یہ ہے کہ حدیث میں جو بیع قبل القبض کی ممانعت آئی ہے وہ مطلق ہے، اس میں اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے، اس لئے دونوں کی بیع قبل القبض جائز نہ ہوگی۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کا کہنا ہے کہ اشیاء غیر منقولہ کی بیع قبل القبض جائز ہے، ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ احادیث میں بیع قبل القبض کی جو ممانعت آئی ہے وہ غرر کی وجہ سے ہے، اور غرر اشیاء منقولہ ہی میں ممکن ہے۔

اشیاء غیر منقولہ میں ممکن نہیں ہے، اور اگر کبھی خدانخواستہ غرر ہو بھی جائے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ یہ نادر ہے، اور نادر کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

مشائخ نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اشیاء غیر منقولہ کی بیع کو قبل القبض جائز اس صورت میں قرار دیا ہے، جبکہ اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو، لیکن اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو، مثلاً زمین، دریا، یا نہر کے کنارہ ہے، اور امکان اس بات کا ہے کہ وہ دریا کی نذر ہوجائے، تو پھر اس کو قبل القبض فروخت کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے ہیں۔

کسی شخص نے کوئی ایسی چیز خریدی جو منتقل کی جاتی ہے، تو اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی

کریم ﷺ نے بیع قبل القبض سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس میں عقد کے فسخ ہونے کا غرر ہے، اس طور پر کہ مبیع ہلاک ہوجائے، اور زمین کی بیع قبضہ سے پہلے شیخینؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے حدیث کے مطلق ہونے کی طرف رجوع کرتے ہوئے، اور منقول پر قیاس کرتے ہوئے، گویا یہ اجارہ کی طرح ہوگیا، شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ بیع کا رکن اس کے اہل (یعنی عاقل بالغ) سے صادر ہوا ہے، اس کے محل میں، اور اس میں کوئی غرر نہیں ہے، کیونکہ زمین کی ہلاکت شاذ و نادر ہوتی ہے۔ اور نادر کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور نہ فقہ کی بنیاد ایسی باتوں پر ہوتی ہے، اس لئے یہ جواز کے منافی نہیں ہے، ہاں اس کا ہلاک ہونا اس وقت متصور ہوتا ہے جب کہ خوف ہو کہ سمندر وغیرہ ہوجائے، اسی وجہ سے بعض مشائخ نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ایسی ہی جگہوں کے بارے میں ہے جو دریا ہونے، یا ریت کے بھر جانے سے مامون ہو، لہذا ایسی جگہ جو مذکورہ باتوں سے مامون نہ ہو تو اس کا حکم شی منقول کی طرح ہے، اس کو محبوبی نے ذکر کیا ہے، اور اختیار میں ہے کہ اگر زمین دریا کے کنارہ ہو، یا مبیع اونچائی پر ہو تو اس کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے (ہدایہ مع فتح القدیر ۶/۵۱۰-۵۱۳)۔

شوافع کا مسلک:

شوافع کے یہاں اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں سے کسی کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، ناجائز ہونے کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ اشیاء منقولہ میں سے طعام جس کی ضرورت اکثر پیش آتی ہے، اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، تو اس کے علاوہ جس کی ضرورت اکثر پیش نہیں آتی ہے، خواہ وہ منقولات میں سے ہو، یا غیر منقولات میں سے، اس کی بیع قبل القبض بدرجہ اولی جائز نہ ہوگی، اور دلیل میں ابن عباسؓ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں:

١. عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه، قال ابن عباسؓ: وأحسب كل شئ مثله (مسلم شریف ۲/۵)۔

٢. عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه، قال ابن عباسؓ: وأحسب كل شئ بمنزلة الطعام (مسلم شریف ۲/۵)۔

قبل القبض کسی چیز کی بیع جائز نہیں ہے، اس سلسلہ میں امام نوویؒ اپنی کتاب شرح مہذب میں تحریر کرتے ہیں:

لا يجوز بيع شئ قبل قبضه سواء جميع المبيعات كما فى الطعام قاله الشافعى و محمد بن الحسن (شرح المہذب ۹/۲۷۰) **فإنه إذا النهى عن بيع الطعام مع كثرة الحاجة إليه فغيره أولى** (شرح المہذب ۹/۲۷۱)۔

کسی بھی چیز کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے، یہ (حکم) ان تمام چیزوں کو عام ہے جو بیچی اور خریدی جاتی ہے، جیسا کہ طعام کا حکم ہے، یہی قول امام شافعی اور محمد بن حسن کا ہے، نیز طعام میں حاجتوں کی کثرت کے باوجود اس کی بیع کو (قبل القبض) ناجائز قرار دیا گیا ہے، تو اس کے علاوہ بدرجہ اولی ناجائز ہوگا۔

حنابلہ کا مسلک:

حنابلہ کے یہاں صرف مطعومات کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اس کے علاوہ جتنی بھی اشیاء ہیں، خواہ وہ منقولات میں سے ہوں، یا غیر منقولات میں سے، اس کی بیع قبل القبض جائز ہے، مطعومات کی بیع کے ناجائز ہونے پر مندرجہ ذیل روایات پیش کرتے ہیں:

۱. عن ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه (مسلم شریف ۲/۵)۔

۲. عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من اشترى طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه ويقبضه (مسلم شریف ۲/۵)۔

غیر مطعومات کے جائز ہونے پر اس روایت سے استدلال کرتے ہیں، جس میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جابرؓ سے ان کے اونٹ کو خریدا، پھر اس کو قبضہ کرنے سے پہلے حضرت جابرؓ کو ہبہ کر دیا۔

واشترى من جابرؓ جمله ونقده ثمنه، ثم وهبه إياه قبل قبضه ولأنه أحد نوعي المعقود عليه فجاز التصرف فيه قبل قبضه (المغنی ۴/۹۱)۔

رسول پاک ﷺ نے حضرت جابر سے ان کے اونٹ کو نقد ثمن کے عوض خریدا، پھر اونٹ کو قبضہ کرنے سے پہلے ہبہ کر دیا، اور اس لئے کہ یہ معقود علیہ کے دو قسموں میں سے ایک ہے، پس اس میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے۔

ابن عبد البر امام احمدؒ سے مطعومات کے ناجائز اور غیر مطعومات کے جائز ہونے کے سلسلہ میں روایت کرتے ہیں:

قال ابن عبد البر: الأصح عن أحمد بن حنبل أن الذي يمنع من بيعه قبل قبضه هو الطعام، وذلك لأن النبي ﷺ نهى عن بيع الطعام قبل قبضه فمفهومه إباحة بيع ما سواه قبل قبضه (المغنی ۴/۸۸)۔

ابن عبد البرؒ نے کہا کہ احمد بن حنبل سے اصح قول طعام کی بیع کا قبضہ سے پہلے ناجائز ہونا ہے، اور یہ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے قبل القبض طعام کی بیع سے منع فرمایا ہے، پس اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ طعام کے علاوہ کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے۔

مالکیہ کا مسلک:

مالکیہ کے یہاں مطعومات کے علاوہ جتنی بھی اشیاء ہیں، خواہ وہ اعیان منقولہ میں سے ہو، یا اعیان ثابتہ میں سے، مثلاً زمین، درخت وغیرہ، اس کی بیع قبل القبض جائز ہے، امام مالکؒ کے نزدیک مطعومات ربوی کی بیع کے قبل القبض ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، البتہ مطعومات غیر ربوی کے سلسلہ میں دو روایت ہے، ایک جواز کی

،دوسرے عدم جواز کی ،لیکن عدم جواز کی روایت ان سے زیادہ مشہور ہے،مطعومات کے ناجائز ہونے پر وہی روایت پیش کرتے ہیں ،جس کو امام احمدؒ نے پیش کیا ہے،قبل القبض مطعومات کے ناجائز ہونے اور غیر مطعومات کے جائز ہونے کے سلسلہ میں ابن رشد القرطبی تحریر کرتے ہیں:

وأما بيع ما سوى الطعام قبل القبض فلا خلاف في مذهب مالك في إجازته وأما الطعام الربوي فلا خلاف في مذهبه أن القبض شرط في بيعه، و أما غير الربوي من الطعام فعنه في ذلك روايتان أحدهما المنع وهي الأشهر..... الرواية الأخرى الجواز (بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۴)۔

طعام کے علاوہ قبضہ سے پہلے جس چیز کو فروخت کیا جائے ،امام مالک کے مذہب میں اس کے جائز قرار دینے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے،اور بہر حال طعام ربوی تو اس میں قبضہ شرط ہے،فروخت کرنے سے قبل امام مالکؒ کے مذہب میں اور طعام غیر ربوی کے سلسلہ میں دو روایت ہے،ایک جواز کی ،دوسرے عدم جواز کی ،لیکن عدم جواز کی روایت زیادہ مشہور ہے۔

خلاصہ:

ائمہ اربعہ کے مذاہب پر نظر دوڑانے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے،البتہ غیر طعام کے سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے،جیسا کہ معلوم ہوا، بالکل یہی بات ابن منذر نے مغنی کے اندر نقل کی ہے:

وقال ابن المنذر أجمع أهل العلم أن من اشترى طعاماً فليس له أن يبيعه حتى يستوفيه (المغنی ۴/۸۸)۔

اور ابن منذر نے کہا کہ تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے طعام کو خریدا اس کے لئے اس کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہ ہوگا۔

۶۔ سوال نمبر چھ کے تحت جو صورت بیان کی گئی ہے ، اس میں ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جائے گا ،جیسا کہ ''مغنی'' کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز مشتری کے ضمان میں آجائے تو اس کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے،جس طرح قبضہ کے بعد فروخت کرنا اور تصرف کرنا جائز ہے، چنانچہ ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں:

ولو دخل في ضمان المشتري جاز له بيعه والتصرف فيه كما بعد القبض (المغنی ۴/۸۸)۔

اگر کوئی چیز مشتری کے ضمان میں داخل ہوجائے تو اس کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے،جیسا کہ قبضہ کرنے کے بعد جائز ہے۔

نیز حدیث میں ''ربح مالم یضمن'' سے منع کیا گیا ہے،اور مذکورہ صورت میں ''ربح مالم یضمن'' نہیں ہے،

بلکہ ''ربح ما یضمن'' ہے، اس لئے مذکورہ صورت کو جائز قرار دیا جائے گا۔

۷۔ سوال نمبر سات کے تحت جو صورت بیان کی گئی ہے کہ سامان ابھی جہاز ہی میں رہتا ہے کہ مشتری اول کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، نیز مبیع ہلاک ہونے کی صورت میں مشتری اول ضامن بھی نہیں ہوتا ہے، یہ شرعاً ناجائز ہے، اور ناجائز ہونے کی چار وجہیں ہیں: ۱۔ ''ربح مالم یضمن'' اور حدیث میں ''ربح مالم یضمن'' سے منع کیا گیا ہے، ۲۔ ''بیع قبل القبض'' اور حدیث میں ''بیع قبل القبض'' سے منع کیا گیا ہے، ۳۔ غیر مقدور التسلیم، ۴۔ جہالت، اگر کسی چیز کی بیع میں ان چار وجوہ میں سے کوئی ایک بھی وجہ پائی جائے تو اس کی بیع درست نہیں ہوتی ہے، اور صورت مسئولہ میں مذکورہ چاروں وجہیں پائی جا رہی ہیں، اس لئے اس کی بیع بدرجہ اولی درست نہ ہوگی۔


☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا محمد شاہد قاسمی

۲-۳- قبضہ کی حقیقت:

احادیث کے ذخیرے میں کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جس سے قبضہ کی حقیقت واضح ہو جائے، اس لئے اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں:

مسلک حنفی:

احناف کے یہاں تمام اشیاء میں، چاہے منقولہ ہوں، یا غیر منقولہ، تخلیہ کو حکماً قبضہ سمجھا گیا ہے، لیکن ہر تخلیہ قبضہ کے حکم میں نہیں ہے، تخلیہ وہ معتبر ہے جس میں مبیع پر قبضہ بلا مشقت ہو سکے، اور بائع مبیع کو اس طرح مشتری کے حوالہ کرے کہ اس میں کسی کی شرکت نہ ہو اور مشتری بلا کلفت ومشقت تصرف کر سکے، تو تخلیہ کی نوعیت مبیع کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوگی۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

إن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلک يختلف بحسب حال المبيع ففى نحو حنطة فى بيت مثلا فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفى نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض (ردالمحتار: ۴/۵۶۲)۔

تخلیہ حکماً قبضہ ہے، اگر اس پر قدرت بلا مشقت ہو، لیکن یہ مبیع کے حال کے اعتبار سے مختلف ہوگا، تو گھر میں رکھے ہوئے گیہوں کی بیع میں کنجی دے دینا قبضہ سمجھا جائے گا جب کہ اس کا کھولنا بلا مشقت ممکن ہو، اور گھر جیسی چیز میں، تو اس کے بند کرنے پر قدرت قبضہ ہے۔

اسی طرح کی بات علامہ کاسانیؒ نے فرمائی ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

مسلک شافعی:

شوافع کے یہاں بھی قبضہ کی نوعیت مبیع کے احوال کے اعتبار سے ہے، چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:

إن القبض فى العقار ونحوه بالتخلية وفى المنقول بالنقل وفى المتناول باليد بالتناول (شرح مہذب: ۹/۲۸۳)

زمین اور ان جیسی چیزوں میں قبضہ کا تحقق تخلیہ سے، منقول میں نقل کر کے اور جو ہاتھ سے لیا دیا جاتا ہو، ہاتھ میں لے کر ہوگا۔

مسلک حنبلی:

حنابلہ کے یہاں بھی قبضہ کی نوعیت تقریباً شوافع کی طرح ہے، چنانچہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

إن كان المبيع دراهم أو دنانير فقبضها باليد وإن كان ثياباً فقبضها نقلها فإن كان حيواناً فقبضه تمشيته من مكانه وإن كان مما لا ينقل ويحول فقبضه التخلية بينه وبين مشتريه لا حائل دونه .... ولأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف (المغنی:۹۰/۴)۔

اگر مبیع دراہم، یا دنانیر ہوں تو اس میں قبضہ ہاتھ میں لے کر ہے، اگر مبیع کپڑا ہو تو اس میں قبضہ اس کو منتقل کرنا ہے، اگر حیوان ہو تو اس کا قبضہ اس کو اپنی جگہ سے چلا دینا ہے اور اگر اشیاء غیر منقولہ میں سے ہو تو اس میں قبضہ مشتری اور اس شئ کے درمیان تخلیہ ہے جو بلا واسطہ ہو....... اس لئے کہ قبضہ شریعت میں مطلق ہے تو اس سلسلہ میں عرف کی طرف لوٹنا واجب ہے۔

تینوں مسالک میں حنابلہ کا مسلک کچھ زیادہ ہی وسیع ہے، چونکہ ان کے یہاں قبضہ کی حقیقت عرف پر مبنی ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلہ میں احادیث:

۵۔۴ کن اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے اور کس کی جائز ہے، اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کی رائیں مختلف ہیں، پہلے اس سلسلہ کی احادیث نقل کرنے کے بعد فقہاء کرام کے طریقۂ استدلال کو پیش کرتے ہیں۔

۱. سمعت ابن عباسؓ يقول أما الذي نهى عنه النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض قال ابن عباسؓ ولا أحسب كل شئ إلا مثله (بخاری شریف:۲۸۶/۱، مسلم شریف:۵/۲)۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اشیاء مطعومہ کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ہر چیز کو طعام ہی کے مثل سمجھتا ہوں۔

۲. من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه (بخاری شریف:۲۸۶/۱، مسلم شریف:۵/۲، ابوداؤد ۱۴۵/۲)۔

جو شئ مطعوم کو خریدے تو اس پر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔

لفظ طعام کے ساتھ بہت سی احادیث مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث میں مروی ہیں، جن میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت ہے، طوالت سے بچتے ہوئے اسے ترک کیا جاتا ہے۔

۳. إن حكيم بن حزام قال: يا رسول الله إني أشتري بيوعا فما يحل لي منها مما يحرم قال: إذا اشتريت شيئاً فلا تبعه حتى تقبضه (نصب الرایۃ:۳۲/۴ بحوالہ سنن کبری للنسائی و مسند احمد)۔

حکیم بن حزام نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میں مختلف النوع اشیاء کی خرید وفروخت کرتا ہوں تو خرید

وفروخت کا کون سا معاملہ میرے لئے حلال ہے اور کون حرام ہے، تو فرمایا کہ جب تم کسی چیز کو خریدو تو اسے قبضہ کرنے سے پہلے مت بیچو۔

اس قسم کی بھی کئی احادیث ہیں، جن میں طعام کی قید نہیں اور حدیث مطلق ہے، تو بعض ائمہ کرام نے حدیث کے عموم کو باقی رکھتے ہوئے تمام اشیاء میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو ناجائز قرار دیا اور بعض ائمہ نے ممانعت کو مطعومات کے ساتھ مختص کردیا، اس لئے اب ہم اس سلسلہ میں فقہاء کے مسلک ونظریات کا جائزہ لیتے ہیں۔

مسلک حنفی:

احناف کے یہاں اس سلسلہ میں احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور علت نہی غرر انفساخ عقد ہے، یعنی یہ ممکن ہے کہ مبیع بائع کے پاس رہتے ہوئے ہلاک ہوجائے تو مشتری کا دوسرے سے یہ معاملہ (عقد کا) کالعدم ہوجائے گا، جو باعث غرر ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے غرر کی بیع سے منع فرمایا ہے (مسلم شریف: ۲/۲) گویا حدیث میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت مذکورہ غرر کی وجہ سے ہے، چونکہ اشیاء غیر منقولہ میں اس غرر کا اندیشہ نہیں ہے، اس لئے احناف کے یہاں اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی اجازت ہے اور منقولہ میں ممانعت، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

من اشترى شيئاً مما ينقل ويحول لم يجز له بيعه حتى يقبضه لأنه عليه السلام " نهى عن بيع الغرر ما لم يقبض" ولأن فيه غرر إنفساخ العقد على إعتبار الهلاك فيجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسفؒ (ہدایہ ۳/۵۸)۔

اگر کسی نے غیر منقول شئ کو خریدا تو قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ نبیؐ نے غیر مقبوض شئ کی بیع سے منع فرمایا ہے، اور اس میں ہلاکت کے ممکن ہونے کی وجہ سے عقد کے فسخ ہونے کا غرر ہے، تو زمین کی بیع شیخین کے نزدیک قبضہ سے پہلے جائز ہوگی۔

نیز علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

لا يجوز التصرف في المبيع المنقول قبل القبض بالإجماع وفي العقار اختلاف (بدائع الصنائع ۵/۲۳۴)۔

احناف کا اتفاق ہے کہ مبیع منقول میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہے، اور زمین میں اختلاف ہے۔

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے بیع کی اجازت نہیں ہے، نیز بعض اشیاء ایسی ہیں جس میں تخلیہ، جو قبضہ کے حکم میں ہے، کو کافی نہیں سمجھا گیا، وہ یہ ہے کہ اگر کسی کیلی، یا وزنی شئ کو کیل، یا وزن کرکے خریدا گیا تو مشتری کو دوبارہ کیل ووزن کئے بغیر بیچنے کی گنجائش نہیں ہے، اگرچہ تخلیہ کے ذریعہ قبضہ ہوگیا ہو (دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/۲۴۴) چونکہ حدیث شریف میں دوبارہ کیل ووزن کئے بغیر بیع کے عدم جواز کی صراحت ہے۔

نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام حتى يجري فيه الصاعان صاع البائع و صاع

المشتری (مجمع الزوائد۴/۹۹)۔

نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الطعام حتی یکال (مجمع الزوائد۴/۹۸)۔

بعض مشائخ نے اس صورت کو غیر معقول امر یعنی تعبدی قرار دیا ہے اور بعض مشائخ نے تخلیہ کو صرف اس مسئلہ میں قبضہ ناقص قرار دیا ہے اور دوبارہ کیل و وزن کو قبضہ تام۔

اب رہی یہ بات کہ مبیع مشتری کے ضمان میں کب آتی ہے، اگر مطلقاً قبضہ کے بعد آتی ہے تو عقار کی بیع بھی قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہونی چاہئے، اس لئے کہ ''ربح مالم یضمن'' میں داخل ہوکر ممنوع قرار پائے گی، تو اس سلسلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ اشیاء منقولہ میں سے ہے تو قبضہ سے پہلے وہ مشتری کے ضمان میں نہیں آئے گی، یہی وجہ ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع ہلاک ہوجائے تو عقد فسخ ہوجاتا ہے اور مشتری اپنا ثمن واپس لے گا اور اگر ثمن ادا نہیں کیا تھا تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوتا ہے (ردالمحتار ۴/۵۶۰) اور اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ سے پہلے ہی وہ شئ مشتری کے ضمان میں آجاتی ہے، چونکہ مبیع کا ہلاک ہونا تقریباً محال کے درجہ میں ہوتا ہے تو کسی قسم کا غرر نہ ہونے کی وجہ سے قبضہ سے پہلے تمامیت عقد کے بعد اس کا مضمون ہونا سمجھا گیا۔

مسلک شوافع مع دلائل:

شوافع کے یہاں کسی بھی شئ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے، چاہے منقولہ ہو یا غیر منقولہ، چونکہ ممانعت والی حدیث عام ہے اور اس کی علت حنفیہ کی طرح غرر انفساخ عقد ہے، چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

جس چیز پر ملکیت مستقر نہ ہوئی ہو اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے، اس کی دلیل حکیم بن حزام کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں مختلف اشیاء کی بیع کرتا ہوں، تو ان میں سے کون سی بیع میرے لئے حلال ہے اور کون حرام ہے، تو فرمایا کہ غیر مقبوض شئ کی بیع جائز نہیں ہے، اور اس لئے کہ اس کی ملکیت اس پر مستقر نہیں ہوئی ہے، تو ممکن ہے کہ مبیع ہلاک ہوجائے اور عقد فسخ ہوجائے اور یہ غرر ہے جو بغیر حاجت کے پیش آئی، لہذا جائز نہیں ہے۔ رہے احکام تو ہمارا مذہب یہ ہے کہ مبیع کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں، ہے چاہے غیر منقول ہو، یا منقول۔ (شرح مہذب ۹/۲۶۴)۔

مسلک حنابلہ مع دلائل:

حنابلہ کے نزدیک مطعومات کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے، جب کہ وہ مکیلی، موزونی، یا معدودی ہو، اس کے علاوہ دیگر اشیاء میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی گنجائش ہے، چونکہ حدیث شریف مطعومات کے ساتھ خاص ہے، رہا مکیلی، موزونی اور معدودی کے ساتھ خاص کرنا تو چونکہ ان کے نزدیک یہ تین چیزیں مشتری کے ضمان میں نہیں آتی ہیں، جب تک کہ قبضہ نہ کرلیا جائے اور اس کے علاوہ دیگر اشیاء قبضہ سے پہلے مشتری کے ضمان میں آجاتی ہیں، نیز ان کے یہاں حدیث معلول بالعلۃ ہے اور وہ حنفیہ کی طرح غرر ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۷۵، المغنی ۴/۱۳۔۱۱۰)۔

مسلک مالکیہ:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت مطعومات میں ناجائز ہے، اس کے علاوہ میں جائز ہے، چونکہ حدیث شریف مطعومات کے ساتھ خاص ہے، نیز مطعومات میں بھی عدم جواز اس وقت ہے جب کہ کیل، یاوزن کر کے خریدا گیا ہو، اگر جزافاً خریدی ہوئی ہو تو قبضہ سے پہلے اس کی خرید وفروخت بھی جائز ہے، چونکہ جزافاً کی صورت میں مبیع مشتری کے ضمان میں قبضہ سے پہلے ہی آجاتی ہے اور اگر خرید کیل ووزن کے ذریعہ ہوئی ہو تو بغیر قبضہ کئے ہوئے مبیع ضمان میں نہیں آتی ہے، لہذا قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی صورت میں ''ربح مالم یضمن'' لازم آئے گا، جس سے آپؐ نے منع فرمایا ہے، طعام کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ یہ معاملہ ربانسیئہ کی طرف پہنچنے کا ذریعہ ہے ،اس لئے سداللذ رائع اسے ناجائز قرار دیا گیا (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۴/۴۷۴)۔

نیز الثمر الدانی میں ہے:

غلہ، چاہے ربوی ہو، یا غیر ربوی، کو خریدنے کے بعد اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہے اس لئے کہ نبی علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے، اور قبل القبض طعام کی بیع کی ممانعت اس وقت ہے جب کہ مشتری نے وزن، یا کیل، یا شمار کر کے خریدا ہو، برخلاف جزاف (کسی چیز کو کیل، یاوزن، یا شمار کئے بغیر فروخت کرنا) کے، چونکہ اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت مشہور قول کے مطابق جائز ہے، اس لئے کہ وہ اس کا مالک عقد کرنے ہی سے ہوگیا، اسی وجہ سے اگر مبیع قبضہ سے پہلے تلف ہوجائے تو اس کا ضمان مشتری کی جانب سے ہوگا۔ (الثمر الدانی ۴۱۹)۔

۱۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا حکم:

شوافع کے نزدیک مطلقاً، احناف کے نزدیک اشیاء منقولہ، مالکیہ کے نزدیک مطعومات، جب کہ خرید کیل، یاوزن کر کے ہو، اور حنابلہ کے نزدیک مطعومات اگر معدودی، مکیلی، یا موزونی ہو، کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہے اور اس کا شمار احناف کے یہاں بیع فاسد میں ہوگا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع باطل میں۔

علامہ عبدالرحمان جزیری فرماتے ہیں:

الحنفية قالوا : من البيع الفاسد بيع الأعيان المنقولة قبل قبضها ، سواء باعها لمن اشتراها منه أو لغيره (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۱۱)۔

حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد ہی میں سے اعیان منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ہے، چاہے اس کو اس شخص کے ہاتھ فروخت کرے جس سے خریدا ہے، یا اس کے علاوہ کے ساتھ۔

اور ڈاکٹر وہبہ الزحیلی فرماتے ہیں:

وعند غير الحنفية : البيع إما صحيح أو باطل وغير الصحيح لا يفيد الملك أصلاً (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۵۴)۔

حنفیہ کے علاوہ کے نزدیک بیع، یا تو صحیح ہے، یا باطل ہے اور غیر صحیح ملک کا بالکل ہی فائدہ نہیں دیتا ہے۔

۶۔ بندہ کے علم میں فیکٹری سے بھیجا ہوا مال عموماً تین طریقے سے مشتری کے پاس جاتا ہے، ایک تو یہ ہے کہ مشتری اپنا آدمی گاڑی کے ساتھ خود بھیجے، یا گاڑی نہ ہو، لیکن سامان خریدنے کے بعد کسی کی گاڑی، خواہ بائع ہی کی کیوں نہ ہو، اجرت پر لے ایسی صورت میں گاڑی پر سوار سامان مشتری کے قبضہ میں سمجھا جائے گا تو بیع وغیرہ سے تصرف کرنا درست ہوگا، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مشتری کے آرڈر دینے کے بعد بائع ہی کی ذمہ داری ہے کہ سامان اپنی گاڑی سے مشتری تک پہنچائے، تو گاڑی پر سوار سامان بائع کے ضمان میں سمجھا جائے، اگرچہ مشتری اپنے آپ کو ضامن سمجھتا ہو، لہذا حنفیہ کے مذہب کے مطابق مشتری دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں کرسکتا (رد المحتار مع الدر المختار: ۵۶۳/۴)، تیسرا طریقہ یہ ہے کہ فیکٹری والا سامان بک کردے، جس میں بائع ضامن نہیں ہوتا ہے، بلکہ حکومت ہی اپنے ضمان میں لے لیتی ہے، اس صورت میں حکومت بائع کی وکیل ہوتی ہے، وکیل تو اس لئے ہے کہ وہ سامان کو مشتری تک پہنچانے کی ذمہ داری لیتی ہے، اور بائع کی وکیل اس لئے ہے کہ اگر درمیان سفر مبیع میں کسی قسم کی گڑبڑی پیدا ہوجائے، مثلاً ہلاک ہوجائے تو بائع ہی کا حق ہوتا ہے کہ مقدمہ دائر کرکے حکومت سے ضمان لے، مشتری کو کوئی مطلب نہیں رہتا، رہا یہ اشکال کہ وکیل کے پاس سامان بطور امانت رہتا ہے، تو اس سے ضمان نہیں لینا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ حکومت اس امانت کی حفاظت پر اجرت لیتی ہے اور جب مودع حفاظت پر اجرت لے تو ہلاک ہونے پر ضامن ہوتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

وأما من جرى العرف بأنه يأخذ في مقابلة حفظه أجره يضمن لأنه وديع بأجرة لكن الفتوىٰ على عدمه (رد المحتار مع الدر ۶۶۴/۵)۔

بہرحال اس عرف کا جاری ہونا کہ سامان کی حفاظت کے مقابلہ میں مودع اجرت لے تو وہ ضامن ہوگا، اس لئے کہ یہ ودیعت بالاجرۃ ہے، لیکن فتویٰ عدم ضمان پر ہے۔

اگرچہ فتویٰ عدم ضمان پر ہے، تاہم ایک قول یہ بھی ہے کہ مودع کو ضامن ٹھہرایا جائے گا، ساتھ ہی ساتھ حکومت بذات خود اپنے آپ کو ضامن سمجھتی ہے تو اس کا ضامن بننا درست ہوگا۔

اس صورت میں بھی مشتری ضامن نہیں ہوسکتا، اگرچہ اپنے آپ کو ضامن سمجھے، لہذا قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا، یہ تفصیلات احناف کے مسلک کے موافق کی گئیں۔

اگر مسئولہ صورت اس ''ضرورت'' کے تحت داخل ہوگئی ہو جو افتاء علی مذہب الغیر کو جائز قرار دے تو مالکیہ کے مسلک پر جواز کی گنجائش ہے، چونکہ ان کے یہاں اگر مبیع غائب ہو تو ایک قول کے مطابق بائع ضامن ہوتا ہے اور دوسرے قول کے مطابق مشتری ضامن ہوتا ہے، اور اگر بائع ضمان کی مشتری پر شرط لگادے تو بہرصورت مشتری ہی ضامن ہوگا، چنانچہ محمد بن رشد قرطبی مالکی فرماتے ہیں:

قال أبو حنيفة والشافعي: لا يضمن المشتري إلا بعد القبض .... أما المبيع الغائب، فمن مالك في ذلك ثلاث روايات أن الضمان من البائع إلا أن يشترطه على المبتاع والثانية: أنه من المبتاع

إلا أن يشترطه على البائع (بداية المجتهد ۱۸۵/۲)

امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مشتری قبضہ کرنے کے بعد ہی ضامن ہوتا ہے .... رہی بات مبیع غائب کی تو امام مالکؒ سے اس کے متعلق تین روایات ہیں، پہلی روایت یہ ہے کہ ضمان بائع کی جانب سے ہوگا، سوائے اس کے کہ مشتری پر ضمان کی شرط لگادے، دوسرا قول یہ ہے کہ ضمان مشتری کی جانب سے ہوگا، مگر یہ کہ بائع پر ضمان کی شرط لگادے۔

جب مبیع مشتری کے ضمان میں آجائے تو قبل القبض بیع کی گنجائش ہے، خواہ وہ طعام ہی کے قبیل سے کیوں نہ ہو۔

بخلاف الجزاف وهو بيع الشيئ بلا كيل ولا وزن ولا عدد فإن بيعه قبل قبضه جائز على المشهور لأنه قد ملكه بالعقد ولذا لو تلف قبل قبضه كان ضمانه من المشتري (الثمر الداني ۴۱۹)۔

برخلاف جزاف کے (اور وہ کیل، وزن اور عدد کئے بغیر کسی چیز کو فروخت کرنا ہے) کہ اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت مشہور قول کے مطابق جائز ہے، اس لئے کہ وہ عقد کرنے سے اس کا مالک ہوگیا، اسی وجہ سے اگر مبیع قبضہ کرنے سے پہلے تلف ہوجائے تو اس کا ضمان مشتری کی جانب سے ہوتا ہے۔

ان عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ مشتری اول کا ضامن بننا صحیح ہے اور ضامن بننے کی وجہ سے قبل القبض بیع کی گنجائش ہے (اگر چہ ضامن بننے کو قبضہ نہیں سمجھا جائے گا)۔

۷۔ حنفی مسلک کے اعتبار سے مذکورہ صورت کی بیع کا عدم جواز ظاہر ہے، خواہ مشتری اول ضامن ہی کیوں نہ بن جائے، مالکی مسلک کے اعتبار سے اس کی تفصیل کی جاسکتی ہے کہ اگر مشتری اول سرے سے ضامن ہی نہ ہوا ہو یعنی مبیع بائع کے ضمان سے نکلنے کے بعد مشتری اول مشتری ثانی کو ضامن ٹھرائے تو یہ صورت "ربح مالم یضمن" کے تحت داخل ہو کر ناجائز ہوگی، شاید کہ سوال کا منشاء یہی صورت ہے، اور اگر مبیع بائع کے ضمان سے نکلنے کے بعد مشتری اول کے ضمان میں آجائے، لیکن مبیع ابھی راستے ہی میں تھی کہ کسی کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے تو مسلک مالکی کے موافق درست ہے، جیسا کہ تفصیل سے چھٹے سوال کے جواب میں گذرا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

تجاویز بابت جدید تجارتی شکلیں

دور حاضر میں خرید وفروخت کی بہت سی ایسی صورتیں مروج ہیں جن میں فروخت شدہ شئ پر قبضہ کے بغیر خریدار دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیع قبل القبض سے منع فرمایا ہے، اسی پس منظر میں ایسے مروجہ معاملات کی بابت اسلامک فقہ اکیڈمی کے نویں سمینار منعقدہ جامعۃ الہدایہ جے پور میں درج ذیل باتیں طے پائیں:

۱- اصولی طور پر قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، تاہم اگر قبضہ سے پہلے بیع کر دی جائے تو یہ بیع فاسد ہوگی نہ کہ باطل، اور قبضہ کے بعد مفید ملک ہوگی۔

۲- کتاب وسنت میں قبضہ کی حقیقت اور اس کی کوئی خاص صورت مقرر نہیں کی گئی ہے، گویا شریعت نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے عرف کو اصل قرار دیا ہے، لہذا ہر عہد کے مروجہ طریقوں اور اشیاء کی مختلف انواع کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت متعین ہوگی۔

۳- فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ اصل میں مبیع پر خریدار کے ایسے استیلاء کا نام ہے کہ مبیع پر اس کے تصرف میں کوئی مانع باقی نہ رہے، اسی کو فقہ کی کتابوں میں "تخلیہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴- بیع قبل القبض کی ممانعت "غرر انفساخ" کی علت پر مبنی ہے، یعنی جب تک مبیع خریدار اول کے ہاتھ نہ آجائے اس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ مبیع اس کے قبضہ میں آہی نہ پائے، اور وہ خریدار دوم کو مبیع کی حوالگی پر قادر نہ رہے۔

۵- بیع قبل القبض کی ممانعت کا تعلق اموال منقولہ سے ہے، اموال غیر منقولہ میں بیع قبل القبض جائز ہے، بشرطیکہ خریدار کے لئے انتفاع سے کوئی قوی مانع نہ پایا جاتا ہو۔

۶- اگر ایک شخص کسی بائع (فیکٹری وغیرہ) سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دے، اور ابھی خریدا ہوا مال فیکٹری نے روانہ بھی نہ کیا ہو تو یہ صورت بیع قبل القبض میں داخل ہے اور جائز نہیں ہے۔

۷- اگر ایک شخص کسی فیکٹری وغیرہ سے خرید کر اس کو کسی خاص ذریعہ (جہاز، ٹرانسپورٹ، پرمٹ وغیرہ) سے سامان کی ترسیل کا آڈر دے اور مطلوبہ سامان فیکٹری سے روانہ بھی کر دیا جائے اور نقصان کی صورت میں خریدار اس کا ضامن ہوتا ہو، نیز ترسیل کی اجرت خریدار کے ذمہ ہے، تو جس ذریعہ سے مال روانہ کیا جائے اس کا قبضہ خریدار کی طرف سے وکالۃً قبضہ متصور ہوگا، لہذا اس صورت میں مال پہونچنے سے پہلے خریدار کو فروخت کرنا جائز ہے، اور یہ بیع قبل القبض میں داخل نہیں، البتہ جس شخص نے اس خریدار سے مال خریدا ہے اس خریدار دوم کے لئے مال پہونچنے سے پہلے دوبارہ بیع جائز نہیں اور اگر بیع کرے تو یہ بیع قبل القبض کے زمرہ میں داخل ہوگی۔

☆☆☆☆☆